قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا - چندہ سالانہ عوام سے عا؎ طلبا سے عہ؎

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

آریہ سماج دوسرے مذاہب کو کس نظر سے دیکھتی ہے

جس شخص نے آریہ سماج کی کتابیں پڑھی ہوں یا کسی آریہ اُپدیشک کو پرچار کرتے سُنا ہو اسکی ضرور یہی رائے ہوگی کہ کیا آریوں کا مذہبی لٹریچر اور کیا اُنکے لیکچر ہرزہ گالیوں اور گندہ زبانی سے پُر ہیں۔ ہندوستان کے بڑے بڑے مذاہب مثلاً ہندو۔ عیسائی اور مسلمان سبکے سب ایک آواز سے پُکار رہے ہیں کہ آریہ سماج اُنکی پاک کتابوں اور مقدس بزرگوں پر نہایت بیباکی اور دریدہ دہنی سے ناپاک حملے کررہی ہے۔ غیر آریوں پر بیجا حملوں کا ارتکاب محض تقریروں اور تحریروں تک ہی محدود نہیں بلکہ اس زہریلے اثر کو پھیلانے کے لیئے بھجن بھی بنائے گئے ہیں جنکو لڑکے اور لڑکیاں بھرے اجلاسوں میں گاکر سُناتی ہیں۔ ان بھجن منڈلیوں کا اسقدر رواج ہوگیا ہے کہ خود سمجھدار آریہ اس ضرررساں طریق کو ناپسند کرنے لگ گئے ہیں۔ اور آریہ سماج میں یہ خطرناک متعدی مرض کس حد تک پھیلا ہوا ہے اسکے اظہار کے لیئے ہم ویدک میگزین میں سے ایک قابل آریہ مہاشہ کے الفاظ نقل کیئے دیتے ہیں لالہ گھاسی رام صاحب ایم اے پلیڈر لکھتے ہیں کہ "دشمن تو درکنار ہمارے اپنے بہت سے دوست بھی ہمکو اندھا دھند تقلید بیجا جوش اور زیادتی کا ملزم ٹھہرا رہے ہیں۔ غیر آریہ لوگوں اور اُنکے مذاہب کی نسبت جو الفاظ ہم استعمال کرتے ہیں وہ کسی صورت سے قابل ستائش نہیں کہلا سکتے ہم ہر شخص کا مقابلہ کرنیکو تیار ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارا چودہ پندرہ سال کا بچہ بھی جسکو ابھی دنیا و

ما فیہا کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا شنکراچارج۔ گوتم بدھ اور یسوع مسیح جیسے وِدوان لوگوں پہ اعتراض اور اُنکی عیب جوئی کرنے سے نہیں چوکتا ہمارے اخبارات کی توجہ صرف اُن لوگوں تک ہی محدود نہیں جو مذہباً ہمارے مخالف ہیں بلکہ انکی نظرِ عنایت اپنے آریہ بھائیوں اور دوستوں پر بھی ہو رہی ہے۔ دوسروں کی معمولی کمزوریوں کو بڑے بڑے اخلاقی جرائم بنا کر دکھا دینا ہمارے بائیں ہاتھ کا کرتب ہو رہا ہے۔ ہماری اعلیٰ درجہ کی صفت اسی میں رہ گئی ہے کہ ہم اپنے مخالفین کی سیاہ تصویر کھینچیں اور اُنکے ادنیٰ نقائص کو قابل نفرت گناہ بنا کر دکھاویں۔ ہمارے اُپدیشکوں کو جس بات سے زیادہ اُنس ہے وہ یہ ہے کہ مخالف مذاہب کے معتقدات کو قابل اعتراض پیرایہ اور غیر مہذبانہ عبارت میں پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں وہی لیکچرار کامیاب سمجھا جاتا ہے جو دوسرے مذاہب کے مسلّمہ اور مقدس اصولوں کو موڑ توڑ کر پیش کرکے حاضرین کو ہنساوے۔ ہماری خوش طبعی اور مذاق اگر ہے تو یہ کہ دوسرے مذاہب کی ہنسی اُڑائیں اور عجیب تر یہ بات ہے کہ ہم ان حرکات پر خوش ہوتے اور انکا نام ہماری اصطلاح میں صاف گوئی رکھا جاتا ہے۔

لیکچراروں کے علاوہ چونکہ ہمارے بڑے بڑے اہل قلم بھی جن سے ہمیں بہتر امیدیں رکھنی چاہیئے تھیں عام مذاق کی پیروی کرکے تہذیب سے گرے ہوئے ہیں۔ اسلیئے جو نقص ہماری تقریروں میں ہے وہی تحریروں میں بھی موجود ہے۔ آپ آریہ سماج کا کوئی پرچہ اُٹھا کر دیکھیں تو یقیناً آپکو معلوم ہو جائیگا کہ اڈیٹر اور نامہ نگار سب کے سب دوسرے لوگوں کی عیب شماری اور نقص گیری کے معیوب کام میں مصروف ہیں۔ ہم اپنے بھجنوں کو دیکھیں تو اُنمیں یا تو گالیوں کا ایک لمبا سلسلہ ہوتا ہے یا ہندو۔ مسلمان اور عیسائیوں کے معتقدات پر بیجا اور بیوجہ حملے ہوتے ہیں۔ لازم تو یہ تھا کہ گاین وِدیا کی مدد سے ہمارے آتما پرماتما کا گیان حاصل کرتے مگر بجائے اسکے یہ بھجن ہمکو کمینگی کی طرف لیجا کر نفرت اور دشمنی کے دلدل میں پھنسا رہے ہیں۔ ان بھجنوں کے مصنف کچھ ایسے خود رفتہ اور عقل کے پتلے ہیں کہ نظم کے قواعد کا بھی پاس نہیں کرتے اور میں اس شخص کا لوہا مان جاؤں جو ان بھجنوں کی تقطیع کرکے دکھاوے ..... غرض ان بھجنوں سے ہمارے ادنیٰ جذبات تو سیر ہوتے ہیں لیکن غیر آریہ لوگوں کو ہم سے نفرت اور عناد ہوتا جاتا ہے۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین ریویو آف ریلیجنز (اردو)

بابت سال سنہ ۱۹۱۰ء

پھر ان بھجنوں نے ہم پر ایسا قابو پا لیا ہے کہ ہمارے سالانہ جلسوں کی کامیابی کے لئے انکا وجود بھی قریباً اشد ضروری ہوگیا ہے۔ اور چونکہ ضرورت کا بہم پہنچانا ایک لازمی امر ہوتا ہے اسلیئے ہمارے کتب فروشوں کی دوکانوں میں بھجنوں کی کتابیں اس کثرت سے بھری پڑی ہیں کہ دوسری کتابوں کو جگہ ہی نہیں ملتی۔ بھجنوں کے شوق سے بھجن منڈلیاں بن گئی ہیں جو ہمارے سالانہ جلسوں پر آتی ہیں اور سُننے والوں کے دلوں میں نفرت کا زہریلا بیج بوتی ہیں۔ ہم اس خبیث خواہش کے اسقدر تابع ہوگئے ہیں کہ گویا ہم میں خود داری اور حیا کا مادہ ہی نہیں رہا ہے۔ ہمیں شرم نہیں آتی کہ ہم ایک تو اپنے لڑکے اور لڑکیوں سے بھجن گواتے ہیں پھر اُنکے اس فعل کی تحسین کرتے ہیں حالانکہ منوجی نے طالبعلم کو گانے اور ساز بجانے کی قطعی ممانعت کی ہوئی ہے۔ ہاں اس میں تو کلام نہیں کہ ہمارے لڑکے اور لڑکیوں کی اس چستی اور پھرتی سے ایک دلچسپ منظر پیدا ہوجاتا ہے جسے اکثر والدین بھی بڑی محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں"۔

مذکورہ بالا اقتباس جو کہ ایک صاف گو آریہ کی قلم سے نکلا ہے صاف اس بات کا شاہد ہے کہ آریہ سماج کا تمام جسم سرتا پا گندہ اور گلا ہوا ہے۔ اور کیا اعلیٰ کیا ادنیٰ کیا بچہ کیا بوڑھا کیا واعظ اور کیا مصنّف کیا اڈیٹر اور کیا نامہ نگار کیا سربرآوردہ لوگ کیا عوام سماجی بلکہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی ہر ایک اسی گند میں مبتلا ہے۔ اس فرقہ کے رگ و ریشہ میں غیر آریہ لوگوں سے عموماً اور عیسائیوں و مسلمانوں سے خصوصاً نفرت اور عناد سرایت کر گئی ہیں پھر طرّہ یہ کہ ہمارے سماجی دوست بڑی جرأت سے آریہ سماج کو انجمن رفاہ عام بھی کہدیتے ہیں دوسروں کو گالیاں دینا آریوں کی طبیعت میں داخل ہوگیا ہے اور اس طبیعت نے یہانتک ترقی کی ہے کہ اب نہایت خطرناک تحریروں اور دیوانہ وار تقریروں کو اپنی اندرونی خیالات کے اظہار کیلیئے کافی نہیں سمجھا گیا اسلیئے غیر آریوں کی ہجو میں اشعار اور گیت بنانے شروع کر دیئے ہیں جنکو آریہ طالبعلم (لڑکے اور لڑکیاں) بھرے جلسوں میں گا کر سناتے ہیں پھر اُن نفرت اور عناد پھیلانے والے بھجنوں کو آریہ بزرگ بڑے اطمینان اور خوشی سے سُنتے ہیں۔ جس جلسہ میں یہ گالیاں دینے والی بھجن منڈلیاں موجود نہ ہوں ناکام سمجھا جاتا ہے

اور ہمارے آریہ احباب کے نزدیک اُسکی کارروائی مؤثر اور دلچسپ نہیں ہوتی۔ اور ان بھجنوں
کی اس کثرت سے مانگ ہے کہ آریہ کُتب فروشوں کی دوکانیں شانتی سرور۔ آنند سرور۔
بھجن پشپانجلی وغیرہ پستکوں سے اٹی پڑی ہیں اور دوسری کتابوں کی تجارت کو
مات کردیا ہے؟

ویدک میگزین کا نامہ نگار اپنے آریہ بھائیوں پر نہایت افسوس اور رنج کا اظہار کرتا ہے
کہ وہ دوسرے مذاہب کے مقدس بزرگوں کی نسبت زبان طعن کھولنے کی غیر معقول اور
فضول عادت میں مبتلا ہیں۔ اور نامہ نگار مذکور اس خوفناک سرطان کا علاج بتلانے کا
بھی وعدہ کرتا ہے جو کہ آریہ سماج کو اندر ہی اندر بڑی سرعت سے کھا رہا ہے۔ ہم بھی صاحب
موصوف کے ساتھ اس آرزو میں ہم آہنگ ہیں کہ آریہ سماج کے لیئے اب نہایت ہی
نازک وقت ہے اور اسکے پریمیوں و خیر خواہوں کو مناسب ہے کہ وہ اس بیماری کی
جڑھ کو ڈھونڈھ نکالیں اور جہاں کہیں اس کا سراغ چلے فوراً ایک ہی زبردست
ہاتھ سے اکھاڑ ڈالیں اور اس طرح اپنی سماج کو بیوقت موت سے بچالیں۔ ہماری خیال
میں آریہ سماج ایک ایسی خطرناک طاعون میں مبتلا ہے جس سے مخلصی پانے کے لیئے
محض بیرونی ادویات ہی کافی نہیں ہوسکتیں۔ بلکہ اگر سماج کے دوست اور بہی خواہ
حقیقتہً اس وبا سے نجات پانا چاہیں تو فوراً یکدل ہوکر اس بیماری کی جڑھ کو اکھاڑ ڈالیں
ہم یہ بھی کہیں گے کہ آریہ سماج میں اس لہر کی رفتار ایسی تیز ہے کہ اسکی زبردست رَو کو
کوئی بند نہیں روک سکتا اور اگر سماجی گلہ بان چاہتے ہیں کہ انکا ریوڑ بہاؤ سے بچ جائے
تو انکو اس ندی کا منبع تلاش کرنا چاہیئے اور پھر ممکن ہو تو اس سرچشمہ کو ریت کے بوروں
سے بھر دیں ؎ سرچشمہ شاید گرفتن بمیل ؛ چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل۔

یہ سوال بڑا غور طلب ہے کہ اس مرض کی ابتدا کہاں سے ہوئی اور اس لہر کا منبع و مبدا
کہاں ہے درحقیقت اس کا جواب یہ ہے کہ تمام خرابیوں کی اصل جڑھ خود سماج کے اندر
پائی جاتی ہے لیکن چونکہ لوگ اپنی غلطیوں کو آپ نہیں دیکھ سکتے اسلیئے آریہ لیڈروں کا
تاحال اصلیت سے ناواقف ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اور اگر انکو علم بھی ہوگیا ہے تو

شاید وہ مداخلت کرنے سے ڈرتے ہیں۔ اس تمام بیماری کا سبب آریہ سماج کی ایک مقدس چیز ہے جسکے گندے اعضا کا کاٹ ڈالنا ایک آریہ ڈاکٹر کے نزدیک پاپ کا ارتکاب کرنا ہے۔ پیارے ناظرین آپ پوچھیں گے ایں۔ وہ کیا؟ اسکا جواب اگرچہ آریوں کو شاق گذرے مگر ہم صاف کہیں گے کہ ان تمام خرابیوں کی جڑھ آریہ سماج کی بائبل یعنی سوامی دیانند جی کی ستیارتھ پرکاش ہے۔ مندرجہ ذیل حوالجات پرتی ندی سبھا پنجاب کی مستند ستیارتھ پرکاش ترجمہ پنڈت رمل داس سے لیئے گئے ہیں۔ ناظرین غور سے دیکھیں کہ سرسوتی جی مہاراج بائبل کے خدا کو کن الفاظ سے یاد کر رہے ہیں۔

(۱) صاحبان دیکھیئے۔ جن کا خدا بچھڑے کا گوشت کھائے تو اُس کی پرستش کرنیوالے گائے بچھڑے وغیرہ جانوروں کو کیونکر چھوڑ سکتے ہیں۔ صفحہ ۵۳۱

(۲) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنگلی آدمیوں کا ایک گروہ ہوگا اور جو انکا سردار تھا اس کا نام بائبل نے خدا رکھا ہے صفحہ ۵۳۱

(۳) عیسائیوں کے خدا کا تماشہ صفحہ ۵۳۲

(۴) عیسائیوں کا خدا گوشت خور ہے اُسے رحم سے کیا کام صفحہ ۵۳۸

(۵) دھن ہو موسیٰ پیغمبر اور دھن ہے تمہارا خدا صفحہ ۵۴۳

(۶) عیسائیوں کا خدا ایک پہاڑی آدمی تھا پہاڑ پر رہتا ہوگا اور انہی جنگلیوں کے سامنے خدا بھی بن بیٹھا ہوگا صفحہ ۵۴۰

(۷) قصاب .... وحشی آدمی کی مانند بہروپیا خدا صفحہ ۵۴۰

(۸) البتہ وہ ایک گوشت خور بشر یہ آدمی کی مانند ہے صفحہ ۵۰ ۷

(۹) ان سب باتوں کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وحشیوں کے درمیان کوئی چالاک آدمی ہوگا جو کہ پہاڑ پر جا بیٹھا اور اپنے آپ کو خدا مشہور کر دیا جو وحشی جاہل تھے انہوں نے اُسکو خدا مان لیا صفحہ ۵۴۱

(۱۰) وہی شیطان کا شیطان عیسائیوں کا خدا ٹھہرا صفحہ ۵۶۰

(۱۱) اب یہ تو کہیئے کہ تمہارے خدا کا منہ کیسا ہے؟ یوروپین کا سا گورا یا افریقہ والوں کا سا سیاہ صفحہ ۵۶۲

(۱۲) لٹیروں کا سردار صفحہ ۵۶۷

(۱۳) کیا (انکا خدا) رات کو سوتا بھی ہے؟ اگر سوتا ہے تو رات کے وقت بندگی کرتے ہونگے اور اُسکی نیند بھی دُور ہو جاتی ہوگی۔ اگر رات دن جاگتا رہتا ہوگا تو بہت پژمُردہ اور بیمار رہتا ہوگا۔ صفحہ ۵۶۴

اب اور ملاحظہ فرمائیں کہ بال برہمچاری سوامی جی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت کیا تحریر فرماتے ہیں۔

(۱) یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ عیسیٰ نے مچھلی کی مانند آدمیوں کو پھنسانے کیلئے ایک مذہب کا جال پھیلایا تاکہ اُنکو پھنسا کر اپنا مطلب پورا کیا جاوے۔ جب خود عیسیٰ ہی ایسا تھا تو آج کل کے پادری لوگ اپنے جال میں پھنسا دیں تو کیا تعجب ہے؟ صفحہ ۵۴۶ سوال ۶۲

(۲) یہ ناممکن باتیں یسوع کی جہالت پر دلالت کرتی ہیں اگر اُسے کچھ تمیز ہوتی تو ایسی لچر پوچ باتیں کیوں کرتا صفحہ ۵۵۱ - ۴۷

(۳) یسوع آپ خود علم سے خارج بچّوں کی سی عقل والا صفحہ ۵۵۲ - ۷۵

(۴) یسوع خدا کی بادشاہت صرف ایک مقام پر مانتا تھا ہر جگہ نہیں صفحہ ۵۵۲ - ۷۶

(۵) عیسیٰ غصہ ور تھا اُسکی جنگلی آدمیوں کی سی خصلت تھی صفحہ ۵۵۳ - ۷۸

(۶) واہ عیسیٰ صاحب صفحہ ۵۵۳ - ۷۶

(۷) جاہل وحشی صفحہ ۵۵۵ - ۸۳

(۸) مگر یہ تمیز وہ (مسیح) بغیر علم کے کہاں سے لاتا صفحہ ۵۵۶ - ۸۵

(۹) بڑی کاریگری ظاہر کی۔ کاٹنا کوٹنا پھوڑنا پھاڑنا بڑھئی کا ہی کام ہوتا ہے صفحہ ۵۳۹ - ۸۹

(۱۰) جو اپنے منہ راہ حق اور زندگی بنتا ہے وہ ہر طرح سے دمبھی (گستاخ) ہے صفحہ ۵۶۰ - ۹۴

اَور دیکھیئے کہ شری ۱۰۸ مہرشی صاحب کس طرح تہذیب سے گری ہوئی باتیں کرتے ہیں۔

(۱) غور کیجئے کہ سرہ ملاقات ہوتے ہی کیسے حاملہ ہوگئی اسمیں کچھ راز ہے کیا سوا خدا اور سرہ کے تیسرا کوئی حمل ٹھہرانے کا ذریعہ موجود ہے؟ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ سرہ (انکے) خدا کی عنایت سے حاملہ ہوئی صفحہ ۵۳۲ - ۲۴

(۲) واہ عیسائیوں کے خدا تُو تو عجیب ڈاکٹر ہے عورتوں کے رحم کھولنے کو کوسے اوزار اور دوائیاں رکھتا تھا کہ جن سے کھولا صفحہ ۵۳۵ - ۳۲

(۳) جب عیسائیوں کا خدا اکھاڑہ کا پہلوان ہے تب ہی تو سرہ اور راخل پر بیٹا ہونیکی رحمت کی صفحہ ۵۲۶ - ۳۵

(۴) خوب عیسیٰ نے بہشت میں عمدہ دُلہن پائی۔ چین اُڑاتا ہوگا صفحہ ۵۷۰ - ۱۲۶

(۵) خدا بھی عورتوں میں غلطان ہے صفحہ ۵۷۶ - ۹

ناظرین اور بھی ملاحظہ کریں کہ پنڈت جی مہاراج عیسائیت کے متعلق کیسے نامناسب اور سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(۱) حضرت یعقوبؑ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "دیکھئے جنگلیوں کے کام" صفحہ ۵۴۳ سوال ۳۱

(۲) ایسی ایسی بُری باتیں بائبل میں بھری پڑی ہیں صفحہ ۵۴۹ - ۴۵

(۳) عیسائیوں کی نسبت کہا گیا ہے "جاہل۔ جنگلی آدمی" صفحہ ۵۴۵ - ۶۰

(۴) حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت "جنگلی اور کنگال" صفحہ ۵۴۸ - ۶۵

(۵) سچ تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی اس کتاب (مکاشفات یوحنا) کو جنہوں بنایا وہ شیطان ہوں تو ہوں صفحہ ۵۶۰ - ۹۳

(۶) پس معلوم ہوا کہ یوحنا وغیرہ سب جنگلی آدمی تھے صفحہ ۵۶۳ - ۱۰۳

اگرچہ مذکورہ بالا حوالجات سے ہمارے ناظرین پر بخوبی واضح ہوگیا ہوگا کہ آریہ سماج کے بانی نے غیر مذاہب پر نکتہ چینی کرتے وقت کس تہذیب سے کام لیا ہے تاہم اس امر کے اظہار کیلئے کہ اُس نے اسلام کو کسطرح مروڑ تروڑ کر پیش کیا ہے ہم چند ایک اور حوالے دیئے دیتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جوکچھ اُس نے عیسائیت کی نسبت لکھا ہے اسلام کی نسبت اُس سے بھی بڑھکر ناشائستگی سے کام لیا ہے۔

دیکھئے کہ دیانند صاحب اسلام کے خدا کو کن الفاظ سے یاد کرتے ہیں (نقل کفر کفر نباشد)

(۱) گستاخ (وہمی) صفحہ ۵۷۷ - ۵

(۲) بے منصف اور لاعلم صفحہ ۵۸۱ - ۱۶

(۳) 'محدود العقل' دنیاداروں کی مانند صفحہ ۵۸۱ - ۱۷
(۴) کیا خدا دوسرا خدا بھی بنا سکتا ہے۔ اپنے آپ مر سکتا ہے۔ جاہل بیمار اور لاعلم بھی بن سکتا ہے صفحہ ۵۸۴ - ۲۷
(۵) بڑا شیطان صفحہ ۵۹۳ - ۵۷
(۷) شیطان کا کام کرتا ہے صفحہ ۵۹۵ - ۶۵
(۸) شیطان کا بھی شیطان صفحہ ۵۹۷ - ۶۹
(۹) کیا خدا پکارے بغیر نہیں سُن سکتا۔ بہرہ ہے صفحہ ۵۹۹ - ۷۸
(۱۰) خدا کیا ہوا ایک تماشہ گر ہے صفحہ ۶۰۱ - ۸۲
(۱۱) 'چوپٹ راجہ' کی مانند صفحہ ۶۰۱ - ۸۳
(۱۲) خدا بے رحم اور غیر منصف ہو کر دین خدائی میں بٹہ لگا بیٹھا ہے اور عقلمند ہربیوں کے نزدیک قابل نفرت ہو گیا ہے صفحہ ۶۰۲ - ۸۶
(۱۳) طرفدار۔ غیر منصف اور جاہل مطلق ہے صفحہ ۶۰۴ - ۹۴
(۱۴) خدا کی نادانی صفحہ ۶۰۹ - ۱۰۶
(۱۵) گنہگار۔ ظالم اور بے رحم صفحہ ۶۱۷ - ۱۲۵
(۱۶) سُنیئے (خدا کی) اُوٹ پٹانگ باتیں صفحہ ۶۲۰ - ۱۳۱
(۱۷) دروغگو۔ جھوٹ سے بَری نہیں ہو سکتا صفحہ ۶۲۷ - ۱۴۱
(۱۸) خدا کیا ہوا محمدؐ صاحب کے گھر کا اندرونی اور بیرونی ملازم ٹھہرا صفحہ ۶۲۸ - ۱۴۳

معزز ناظرین! یہ ممکن نہیں کہ ایک بازاری آدمی بھی ایسی خوش کلامی سے کام لے جیسی کہ دیانند نے ستیارتھ پرکاش میں استعمال کی ہے۔ ہمارا ارادہ تھا کہ اس آریہ مصلح کی تعلیم کا کچھ اور نمونہ دکھلاتے لیکن ہم ایسا کرنے سے مجبور ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو جو بے ادبی کے الفاظ اس نے استعمال کیے ہیں اُنکا دیکھنا ایک مسلمان کی برداشت سے باہر ہے۔ جن باتوں میں سے ہم نے مذکورہ بالا حوالجات دیئے انکو دیکھکر ایک منصف آدمی کے دل پر جو اثر ہو سکتا ہے وہ اسکے سوا نہیں ہے کہ اس کتاب

اور اسکے مصنّف کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھیگا۔ مگر آریہ سماج کا یہ حال ہے کہ اُس نے اپنے ہر ایک کالج اور سکول میں یہ کتاب بطور کورس کے مقرر کر رکھی ہے اور آریہ طلباء کو شروع سے ہی اسلام اور مسلمانوں سے نفرت کرنے اور اُنکو جنگلی آدمی سمجھنے کا سبق ملتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ سماج کے لونڈے اُٹھ اُٹھ کر دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے کلمات بولتے ہیں۔ آریہ سماج کے اُپدیشک اور اہل قلم اس امر کی کوشش میں مصروف ہیں کہ جو کچھ اُنکے گرو نے دیگر مذاہب کے بارے میں لکھا ہے اُسے جسطرح بن پڑے صحیح ثابت کرنا چاہیئے اور اسطرح گرو کے قدم بقدم چلکر وہ گالیوں پر گالیاں ایزاد کر رہے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

بہ نیم بیضہ چو سلطان ستم روا دارد ؛ زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

یعنی جب لیڈر بیجا طور پر ایک انڈا لیتا ہے تو اسکے پیرو ہزاروں مرغوں کے کباب بناتے ہیں۔ پس یہی سبب ہے کہ اب آریہ سماج کا تمام لٹریچر خدا کے برگزیدہ لوگوں کی توہین و ہجو سے مملو ہے جسکی شہادت ویدک میگزین کا نامہ نگار بھی دے رہا ہے جسکا ذکر ہم نے اس مضمون کے شروع ہی میں کیا ہے۔ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ یہ زہریلا پودا خود سوامی دیانند کا لگایا ہوا ہے اور اب تو اسکی شاخیں اسقدر پھیل گئی ہیں کہ آریہ سماج کی زمین کانٹوں سے لدی پڑی ہے جو شخص ستیارتھ پرکاش کے آخری دو باب پڑھیگا وہ ضرور ہمارے اس بیان کی تصدیق کریگا۔ دیانند نے قرآن مجید اور بائبل کی آیات پر اعتراضات کیے ہیں وہ نہ صرف دشنام دہی سے پُر ہیں بلکہ اُنسے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پنڈت صاحب نکتہ چینی میں عمیق نظر سے کام نہیں لے سکتے تھے اور اُنکے اعتراضات کو دیکھکر پڑھنے والیکے دل میں پنڈت صاحب کی عقل اور فہم کے متعلق بہت شک پیدا ہو جاتا ہے۔ اُنکی کتاب کا سب سے تعجب انگیز وہ حصہ ہے جہاں انہوں نے مکاشفات کی کتاب پر نکتہ چینی کی ہے۔ وہ یوحنا کی رویا کو ظاہری الفاظ میں لیکر اُسپر اپنے اعتراضات کی عمارت اُٹھاتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر ہم صرف دو ایک مثالیں اُن اعتراضات کی پیش کرتے ہیں جو سوامی جی نے مکاشفات کی کتاب پر کیئے ہیں اس سے ناظرین رائے لگا سکتے ہیں کہ پنڈت صاحب نکتہ چینی کرنے میں کہانتک دسترس رکھتے ہیں اور اُنکا طرز تحریر

کس رنگ کا ہے۔

(۱) ستیارتھ صفحہ ۵۶۷ سوال ۱۱۸ میں جناب دیانند صاحب مکاشفات ۱۴۔ ا کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں "پھر جو مینے نگاہ کی دیکھو کہ برہ صیہون پہاڑ پر کھڑا تھا اور اسکے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار تھے جنکے ماتھوں پر انکے باپ کا نام لکھا تھا" اب اس عبارت پر فلاسفر پنڈت کا اعتراض ملاحظہ ہو فرماتے ہیں "عیسائیوں کو چاہیئے کہ صیہون پہاڑ پر جاکر دیکھیں کہ عیسیٰ کا باپ اور اسکی فوج وہاں ہے یا نہیں؟ اگر ہو تو یہ تحریر درست ہے ورنہ غلط۔ اگر وہ کسی جگہ سے وہاں آیا تو تبلائیے کہاں سے آیا؟ اگر کہو بہشت سے تو تبلاؤ کہ وہ پرندہے کہ اتنی بڑی فوج کے ساتھ آپ خدا اوپر سے نیچے اُڑکر آیا جایا کرتا ہے" صفحہ ۵۶۸-۱۱۸

(۲) پھر مکاشفات ۱۹-۷ کی یہ عبارت درج کرتا ہے "کیونکہ برے کا بیاہ آپہنچا اور اسکی دلہن نے آپ کو سنوارا ہے"۔ اب اسپر پنڈت صاحب فرماتے ہیں "پوچھنا چاہیئے کہ اسکا سُسر۔ ساس۔ سالا وغیرہ کون تھے؟ اور اسکے ہاں کتنے بال بچے ہوئے؟ اور منی کے زائل ہو جانیسے طاقت عقل۔ قوت وغیرہ بھی کم ہو گئی ہو گی اور ابتک عیسیٰ مر بھی گیا ہوگا"۔

ہم ذیل میں اسکے اور بھی چند اعتراضات جو قرآن کریم کی آیات پر کیئے گئے ہیں بطور نمونہ کے نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دیانند کی نکتہ چینی کی بنا کسی باریک بینی پر نہیں بلکہ سراسر کوتہ نظری اور ہنسی ٹھٹھے سے پُر ہے۔

(۱) بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پر جو قرآن کی ہر سورۃ کے ابتدا میں درج ہوتی ہے نکتہ چینی کرتے وقت سوامی جی لکھتے ہیں "یہ الفاظ مبہم ہیں کیا چوری۔ زناکاری دروغگوئی اور ادہرم کا آغاز بھی خدا کے نام پر کیا جائے"۔

(۲) وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ (البقرہ ۲۴) یعنی لڑو انسے اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑتے ہیں اس آیت مجید پر دیانند جی اعتراض کرتے ہیں "کیا چوری کا عوض چوری ہی ہے؟ جتنا نقصان ہمارا چور وغیرہ چوری سے کریں کیا ہم بھی

اُنکا نقصان چوری ہی کریں؟ پنڈت صاحب کی نظر میں اپنی حفاظت کیلئے لڑنا بھی بمنزلہ چوری کا عوض چوری کے ہے۔ اور آریہ سماج کے بانی کی رائے میں ظالم کو اُسکے ظلم پر سزا دینا بھی خود ایک ظلم ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ پنڈت صاحب نے خود لڑائی پر ایک مفصل بیان لکھا ہے جس میں سے ہم آیندہ چلکر حوالے بھی دینگے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی جو پہلے لکھتے ہیں وہ پیچھے بھول جاتے ہیں۔ دیانند صاحب حفاظت ذاتی کیلئے جنگ کرنے کو چوری کے عوض چوری سے تشبیہ دیتے ہیں خود جہاد کی تعلیم دیتے ہیں۔ سوامی جی ایک جگہ صفحہ ۵۹۲ سوال ۸۴ میں لکھتے ہیں کہ "جو جنگ کا حکم دیتا ہے وہ امن میں خلل انداز ہوتا ہے" پھر آپ ہی دوسری جگہ باب ہستیا رتھ میں نہایت خطرناک طرز کے جنگوں کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور لُطف یہ ہے کہ قرآن کریم نے تو اُنسے لڑنیکا حکم دیا ہے جو مسلمانوں سے لڑنے میں پیشدستی کریں لیکن پنڈت صاحب نے ایسے وقت اعلان جنگ کیا ہے جبکہ ملک میں شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں اور بھارت ورش ایسی امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہیں جو اُنکے آبا و اجداد کو پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی ہوگی۔

(۳) ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ وان تک حسنۃً یضعفھا و یوت من لدنہ اجرًا عظیما (نساء-۶) یعنی ایک ذرہ کے برابر بھی اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا اگر ہووے نیکی تو بڑھاویگا اُسکو اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا کریگا۔ اس آیت کریمہ پر دیانند کا یہ اعتراض ہے "اگر ذرہ بھر بے انصافی خدا نہیں کرتا تو نیکی کا ثواب دوگنا کیوں دیتا ہے" سوامی جی ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ گناہوں کا معاف کرنا بھی ظلم ہے۔ خوب۔ سوامی کا پیش کردہ پرمیشور کوئی گناہ نہیں معاف کرسکتا خواہ کوئی کتنا ہی ہائے پکار کرے اور نہ ہی کسی شخص کو اُس سے زیادہ دے سکتا ہے جسکا وہ دراصل مستحق ہو کیونکہ اسکی خلاف ورزی سے بقول دیانند پرمیشور ظالم ٹھہرتا ہے۔ سوامی نے خدائے تعالیٰ میں اگر کوئی وصف مانا ہے تو صرف کورا انصاف ہے اور اسکے سوا جتنی اوصاف حمیدہ ہیں گویا اُن سب سے پرمیشور عاری ہے کیونکہ پھر

دیانندی عقائد کے بموجب انصاف نہیں ہو سکتا۔ دیانند کا ایشور رحم کا نام نہیں جانتا
کیونکہ ایسا کرنے سے وہ منصف نہیں رہتا اسلام کے پیش کردہ خدا میں جو بڑا عیب
آریہ سماج کے بانی نے ظاہر کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو غفور رحیم بیان کیا
گیا ہے۔ پنڈت صاحب اگرچہ انصاف پر بہت زور دیتے ہیں مگر آپ کو یہ بھی معلوم نہیں کہ انصاف

(۴) وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ (نحل-۷) یعنی مقرر کرتے ہیں
(کافر لوگ) اللہ کیلئے بیٹیاں۔ اسپر نکتہ چینی کی غرض سے سوامی صاحب لکھتے ہیں
"اللہ بیٹیوں سے کیا کریگا؟ بیٹیاں تو کسی آدمی کو چاہیئے؟ بیٹے کیوں نہیں مقرر
کیئے جاتے اور بیٹیاں مقرر کیجاتی ہیں اس کا کیا باعث ہے بتلائیے" ناظرین! کیا
ایسی عبارت کسی عقلمند کی قلم سے نکل سکتی ہے؟ کیا اس اعتراض کو اصل آیت سے
بھی کوئی تعلق ہے؟ ہم نہیں سمجھتے کہ سوامی جی نے یہ سوالات مسلمانوں سے کیوں
کیئے ہیں؟ قرآن کریم کی عبارت سے تو صاف ظاہر ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے لیئے
بیٹیاں مقرر کرتے ہیں۔ پھر مسلمانوں پر جو سوالات سوامی صاحب کرتے ہیں انکو
پڑھکر یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ بقائمی ہوش وحواس یہ الفاظ تحریر نہیں کیئے گئے۔ بیٹیاں
تو مشرک مقرر کرتے تھے یہ سوالات مشرکین سے پوچھنے چاہیئے تھے مگر سوامی صاحب
مسلمانوں سے یہ سوالات کرکے ناظرین کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔

یہ اقتباسات دیانند کے اُن اعتراضوں میں سے ہیں جو اُس نے قرآن کریم پر
کیئے ہیں اور ان سے بخوبی اُسکے عام طرز اعتراضات پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بتلانے
کے لیئے کہ اسلام کو وہ کس نظر سے دیکھتا تھا صرف ذیل کا ہی ایک فقرہ کافی ہے۔
آپ فرماتے ہیں "بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسی کتاب ایسا خدا۔ ایسا پیغمبر جہان
میں ایسے جنگ وجدل کرانے اور امن عامہ میں رخنہ انداز بنکر لوگوں کو تکلیف
دینے کیلئے کہاں سے آگئے؟ اگر ایسے مذہب دنیا میں جاری نہ ہوتے تو ساری دنیا
شاداں وفرحاں رہتی" صفحہ ۶۰۰ سوال ۱۶۷۔ جب بانی سماج کی اسلام اور
مسلمانوں کی نسبت یہ رائے ہو تو آریہ سماجیوں کا مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھنا

کوئی تعجب کا مقام نہیں ۔ پنڈت دیانند حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مقدس صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو خطاب دیتا ہے اُن سے اس شخص کے اندرونہ کا بخوبی پتہ لگتا ہے اور وہ ذیل میں دیئے جاتے ہیں "جاہل" صفحہ ۶۰۴ - ۹۲ "محدود العقل" صفحہ ۶۰۵ - ۹۶ "بے عقل چھوکرے" صفحہ ۶۰۷ - ۱۰۱ "وحشی لوگ" صفحہ ۶۰۹ - ۱۰۵ "شہوت پرست" صفحہ ۶۱۸ - ۱۲۷ وغیرہ پنڈت صاحب قرآن کریم کے ماننے والوں کا نام "عقل کے اندھے" رکھتے ہیں صفحہ ۶۱۸ - ۱۲۷ اور مسلمانوں کو صفحہ ۶۳۰ - ۱۴۶ میں "وحشی" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ پھر صفحہ ۶۳۲ - ۱۵۰ میں قرآن مجید کی نسبت کہتا ہے کہ یہ ارتکاب خلاف وضع فطرت کی تعلیم دیتا ہے اس کا جواب ہم سوائے اسکے اور کیا دیں کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین۔

اور ملاحظہ ہو کہ آریوں کا بڑا مصلح محقق سوامی اہل اسلام کو کن لوگوں سے تشبیہ دیتا ہے اور کس نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے صفحہ ۳۴۴ سوال ۵ میں کھانے کی چھوت کی حمایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "مسلمان چنڈال لوگ سب کے ہاتھ کا کھاتے ہیں پھر اُنکی ترقی کیوں نہیں ہوتی"۔ یہاں پر پنڈت دیانند جی مسلمانوں کو کمال عنایت سے "چنڈال" لوگوں کے ساتھ شامل کرتے ہیں۔

پنڈت صاحب ہندوؤں کے مصلح ہوں تو ہوں لیکن ہندوؤں کے پڑوسی یعنی مسلمان اور عیسائی اُنکے کسی طرح مشکور نہیں ہو سکتے کیونکہ اُنھوں نے بجائے اسکے کہ ہندو و مسلمانوں کے تعلقات کو اچھا کرتے گالیوں اور نفرت کا بیج بو کر فریقین میں ایک اور حد فاصل قائم کر دی ہے۔ سناتن دھرمی ہندو اس نئے مصلح کی جماعت سے کہیں بڑھ چڑھکر امن پسند ہیں۔ دیانند نے اسلام کو نہایت بُرے طور سے مروڑ تروڑ کر پیش کیا ہے جسکا ایک یہ نتیجہ ہے کہ آج آریوں کا بچہ اور بوڑھا ہر ایک مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اُنکے بزرگوں کی تحقیر کرتا ہے۔ سماجیوں نے اعتراض اور نکتہ چینی کا بعینہ وہی طرز اختیار کیا ہے جسکا اُنکے پیشوا نے نمونہ دکھایا تھا اور اس میں وہ معذور بھی ہیں کیونکہ شاگرد آخر اُستاد کا ظل ہوتا ہے۔ گروجی کے

نقش قدم پر چلنے کا اب یہ نتیجہ ہوا ہے کہ آریہ سماج کا تمام لٹریچر اسلام اور دوسرے مذاہب کی بیہودہ نکتہ چینی سے پُر ہے۔ اور اسکا ذمہ وار خود پنڈت دیانند اور اسکی ستیارتھ پرکاش ہے کیونکہ محض اسی کتاب کے نمونہ نے دیانندی احباب کا مذاق خراب اور طرز گندہ کر دیا ہے۔ اگر ویدک میگزین کے مضمون نگار صاحب کو یہ شکایات ہیں کہ آریہ قوم لوگوں کی عیب شماری میں حد سے بڑھ گئی ہے اور ان میں وہی مقرر کامیاب سمجھا جاتا ہے جو دوسرے مذاہب کے مقدس اصولوں پر مضحکہ اُڑانے میں کمال رکھتا ہو۔ اور انکے بہترین مصنف عوام کے ادنیٰ جذبات کو سیر کرنیکی خاطر تہذیب سے گرجاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو ان سب خرابیوں کا ذمہ وار سوائے مصنف ستیارتھ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور یہیں تو یہ بھی یقین ہے کہ اگر سوامی جی اب زندہ ہوتے تو ان حالات کو بُری نظر سے دیکھنے کی بجائے اپنے وفادار چیلوں کا ضرور اور حوصلہ بڑھاتے اس کے ثبوت کیلیے دیانند جی کے وہ خطوط کافی ہیں جو گروکل میگزین میں شائع ہوئے ہیں اور جنکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی کے چیلوں نے انکی عین حیات میں ہی اپنے گرو کے نقش قدم پر چلنا شروع کر دیا تھا۔ اور پنڈت صاحب نے بھی ایسے لوگوں کی خوب حوصلہ افزائی فرمائی تھی چنانچہ سوامی جی کی زندگی یعنی ۱۸۸۰ء میں جسکے تین سال بعد آپکا دیہانت ہوا منشی اندرامن نام ایک آریہ نے جو مراد آباد کی آریہ سماج کا پریذیڈنٹ تھا چند ایک ایسی کتابیں شائع کیں جنمیں اسلام پر نہایت ہی فحش حملے کیے گئے تھے۔ جب یہ معاملہ سرکار کے نوٹس میں آیا تو جیسا کہ دیانند جی نے اپنے خطوط میں لکھا ہے "افسران ضلع کے ذریعہ سے تحقیقات ہوئی اور منشی اندرامن پر پانسو روپیہ جرمانہ اور اسکی تمام کتب کی ضبطی کا حکم ہو گیا" سرکار کا یہ فیصلہ پنڈت جی کو غیر منصفانہ معلوم ہوا اور آپنے منشی صاحب کی امداد کا جو انتظام فرمایا وہ ذیل کی عبارت سے واضح ہو سکتا ہے آپ مسٹر مولراج ایم۔ اے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کو ایک خط میں لکھتے ہیں "اندرمن کے لیئے تین سو روپیہ یہاں چندہ ہو چکا ہے۔ اس مقدمہ کے متعلق جو کاغذات ہیں وہ ہم نے سب کے سب آپکے پاس بھیجدیے ہیں مہربانی کرکے پورے غور و خوض کے بعد اپیل کے وجوہات تیار کریں کیونکہ ہمارا ارادہ اسکو

بڑے بڑے لوگوں کے پاس بھیجنے کا ہے۔ اس مقدمہ اپیل کے اخراجات کے لئے ۱۵۰۰ روپیہ پنجاب سے اور ۱۵۰۰ دوسرے صوبجات سے چندہ ہونا چاہیئے بہتر ہو کہ آپ پنجاب سے ۱۵۰۰ روپیہ جمع کرنے کا انتظام کریں" اس طرح مہرشی دیانند کی تعلیم نے اُن کی عین حیات میں ہی بار در ہونا شروع کر دیا تھا اور اُنکی موت کے زمانہ سے ابتک برابر آریہ سماجی اپنے گرو کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ اگرچہ گورنمنٹ عالیہ بھی اکثر اس بات پر مجبور ہوئی ہے کہ سماجی اُپدیشکوں کو غیر مذاہب پر بیہودہ اور غیر مہذب حملے کرنیسے روکے اور بعض اوقات سماجی لیکچراروں کو افسران ضلع نے اپنے علاقہ میں لیکچر دینے کی ممانعت بھی کی ہے بلکہ بعض جگہ تو سرکار نے آریوں سے حفظ امن کے مچلکات لئے ہیں لیکن سرکار کی یہ تمام کوششیں بے فائدہ ثابت ہوئی ہیں اور جس طرح دیانند نے اندرمن کے مقدمہ میں سرکار کو غیر منصف سمجھا تھا اسی طرح آریہ سماج نے گرو کی مثال پر عمل کرکے ہمیشہ حکام کے اس فعل پر نکتہ چینی کی ہے اور ایسے اُپدیشکوں کو جو اکثر قانون کی زد میں آ چکے ہیں برابر اپنے عہدوں پر بحال رکھا ہے اور اُنکے جرم کا کبھی اعتراف نہیں کیا۔ اگر اب بھی آریہ سماج ویدک میگزین کے مضمون نگار کی شریفانہ نصیحت پر عمل کریں تو ہم اسکو اپنی خوش قسمتی سمجھیں گے لیکن دیانندی مہاشوں کی طرف سے ہمیں سوائے مایوسی کے اور کچھ امید نہیں کیونکہ مذکورہ بالا آریہ بھائی کی قابل قدر نصیحت سے فائدہ اُٹھانیکی بجائے بعض لوگوں نے ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ گو آریہ سماجی کسی کی نصیحت سے فائدہ اُٹھائیں یا نہ اُٹھائیں لیکن ہم بڑے وثوق اور یقین سے کہہ دیتے ہیں کہ جبتک دیانند کی ستیارتھ پرکاش کا وجود ہے اُسوقت تک آریہ سماج سے ان برائیوں کا دور ہونا ہرگز ممکن نہیں۔ اور اگر کوئی سماج کا بھی خواہ دلسے یہ چاہتا ہے کہ غیر آریہ مذاہب کو گالیاں دینے کی قبیح اور مذموم عادت کا خاتمہ ہو جائے تو ستیارتھ پرکاش کی ترمیم کر کے اس میں سے ایسے حصّے خارج کر دینے چاہیئے جنکے پڑھنے سے آریہ پُرشوں کے دلوں پر زہریلا اثر ہو رہا ہے۔ اور جبتک ستیارتھ کی اصلاح نہ ہوگی اُسوقت تک یہ ممکن ہی نہیں کہ اس خاردار درخت کی بیخ کنی ہو سکے جو آریہ سماج کی زمین میں ہر طرف پھیل گیا ہے اور جسکے تیز کانٹے

اب خود آریوں کے اپنے پاؤں میں چبھنے شروع ہو گئے ہیں۔

پھر ایسی کتاب کو طلبا رکے ہاتھ میں دیدینا خصوصاً زیادہ خطرناک ہے۔ اس سے اُنکے دلوں میں نہ صرف اسلام اور دوسرے مذاہب کی نسبت تعصب پیدا ہوگا بلکہ اُنکے دلوں کی زرخیز زمین میں ایک اور گندہ بیج بو یا جائیگا۔ ستیارتھ کی بدترین تعلیم مسلمانوں اور دوسرے لوگوں سے نفرت دلانا ہی نہیں بلکہ ہمارے خیال میں اس کتاب کا سب سے خطرناک حصہ وہ ہے جسمیں عیسائیت پر بحث کی گئی ہے۔ عیسائیت کے متعلق جو سمولاس ہے اُس میں بعض ایسے فقرات ہیں جنکو طالبعلموں کی نظر سے پوشیدہ رکھنا چاہیئے کیونکہ اپنی مقدس کتاب میں یہ عبارتیں پڑھکر وہ سرکار کی وفادار اور جان نثار رعایا نہیں رہ سکتے۔ دیانندنے بعض عبارتیں ایسی لکھی ہیں کہ ظاہراً تو عیسائیت پر اعتراض ہے۔ مگر دراصل انسے عیسائیوں یا عیسائی مشنریوں کا کوئی تعلق نہیں بلکہ گورنمنٹ عالیہ پر چوٹ ہے۔ ہم اپنے آریہ دوستوں ہی سے پوچھتے ہیں کہ دیانندجی کی لکھی ہوئی عبارتہائے ذیل کو پڑھکر آریہ طالبعلموں کے دلوں پر کیا اثر ہوگا؟

(۱) صفحہ ۵۵۳ سوال ۷۷ میں سوامی دیانند سرسوتی جی تحریر فرماتے ہیں ”اسی وجہ سے تو عیسائیوں کی بہت طرفداری کرتے ہیں۔ اگر کوئی گورا کسی کالے کو مار ڈالے تو بھی طرفداری کرکے عموماً مجرم کو بے قصور ٹھہرا بری کر دیا جاتا ہے۔ ایسا ہی یسوع کے بہشت میں بھی انصاف ہوگا“

جلی قلم سے لکھے ہوئے الفاظ صریحاً سرکار عالیہ کی نسبت معلوم ہو رہے ہیں اور انکے مطالعہ سے ایک نوعمر آریہ پر جو اثر ہوگا وہ یہ ہے کہ حکومت ظالم ہے۔ چونکہ آریہ سماج کا بانی ستیارتھ کا مصنّف گورنمنٹ اور عیسائیوں کو ایک ہی سمجھتا ہے اسلیئے ستیارتھ کے معتقدین کے دلوں میں جو نفرت عیسائیوں سے پیدا ہوگی وہی گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے ہو گی۔

(۲) صفحہ ۵۳۹ سوال ۴۲ میں ایک نوجوان ہندو کی نظر اپنے پیارے گرو اور مذہبی پیشوا کے لکھے ہوئے الفاظ پر پڑیگی جنہیں ذیل میں لکھا جاتا ہے اور جن سے اس ہندو مصلح

یعنی دیانند کے خیالات پر مزید روشنی پڑتی ہے وہو ہذا " واہ! تب ہی تو عیسائی لوگ غیر ملک والوں کے مال پر ایسے جھکتے ہیں کہ جس طرح پیاسا پانی پر۔ بھوکا اناج پر" یہاں پر پھر کھلم کھلا موجودہ فرمانرواؤں کی طرف اشارہ ہے اگر کوئی کہے کہ عیسائی مشنریوں سے مراد ہوگی تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ عیسائی مشنری غیر ممالک میں بلاشبہ جاتے تو ہیں لیکن انکی نسبت یہ کون کہہ سکتا ہے کہ " وہ غیر ملک والوں کے مال پر ایسا جھکتے ہیں جس طرح پیاسا پانی پر اور بھوکا اناج پر"۔ اس میں قطعاً کلام ہی نہیں کہ مذکورہ بالا الفاظ میں اہل برطانیہ ہی کو 'غیر ملک والوں' یعنی آریہ ورت کے سپوتوں کے 'مال پر' پیاسے اور بھوکے کی طرح جھکنے والے ظاہر کیا گیا ہے۔ یہی الفاظ ہیں جو آجکل کے 'محبان وطن' کی زبان سے بڑی شد و مد کے ساتھ نکل رہے ہیں اور یہی بڑی شکایت ہے جو پولیٹیکل اخبارات میں آئے دن شائع ہوتی رہتی ہے کہ گورنمنٹ ہندوستان سے برابر روپیہ کھینچ رہی ہے اور اہل ہند کو انکے مال و دولت سے محروم کر رہی ہے۔ کیسے افسوس کا مقام ہے کہ آریوں کی بائبل نوعمر طلبار میں سرکار انگریزی کی پُر انصاف و بابرکت حکومت کے متعلق یہ ایسے خطرناک خیالات پھیلا رہی ہے۔ ایک خاص قوم سے جنکو وہ مصلحتاً عیسائی لکھکر پکارتا ہے سوامی دیانند کو اسقدر نفرت تھی کہ وہ خواہ نخواہ اسجگہ بھی انکا ذکر لے بیٹھتا ہے جہاں کوئی موقعہ ہی نہیں ہوتا مثلاً سوال ۴۵ صفحہ ۵۲۹ پر آپ لکھتے ہیں " جب عیسائیوں کا خدا بھی بیلوں کی قربانی لیتا ہے تو اسکے عابد بیل گائے کی قربانی کے تبرک سے پیٹ کیوں نہ بھریں؟ اور دنیا کو نقصان کیوں نہ پہنچائیں"۔ دنیا کو نقصان پہنچانے کی تفسیر دیانند نے خود دوسری جگہ کر دی ہے اور وہ یہی ہے کہ 'غیر ملک والوں کے مال پر اسطرح جھکتے ہیں جس طرح پیاسا پانی پر اور بھوکا اناج پر"۔ اور صاف ظاہر ہے کہ ہر دو مقام پر ایک ہی قوم کے لوگوں سے مراد ہے۔ سوامی جی نے اس صفحہ پر عیسائیوں سے نفرت کرنیکا ایک اور سبب بھی بتلایا ہے اور وہ یہ کہ 'بیل گائے کی قربانی کے تبرک سے پیٹ' بھرتے ہیں دیانند کو مسلمانوں سے جو نفرت تھی اسکا ایک سبب 'بیل گائے' بھی ہے اسی وجہ سے وہ اہل اسلام کو بہ نظر تلطف 'چنڈال' اور 'وحشی'

کے ناموں سے پکارتا ہے۔

ستیارتھ پرکاش میں صرف یہی ایک نقصان دہ تعلیم نہیں کہ سرکار انگریزی کو غیر منصف۔ ضرر رساں اور آریہ ورت کی دولت پر اس طرح جھکنے والی ظاہر کیا ہے جس طرح پیاسا پانی پر اور بھوکا اناج پر گرتا ہے بلکہ پولیٹکل پہلو سے دیکھا جائے تو اس سے بھی کہیں زیادہ خطرناک سبق درج کیئے گئے ہیں جنکا مطالعہ آریہ نوجوانوں کے لیئے کسی صورت میں مناسب نہیں۔ آپ ہی غور کریں جن ہندو نوجوانوں کو پہلے یہ پڑھایا گیا ہو کہ سرکار انگریزی غیر منصف۔ نقصان دہ۔ اور حریص ہے اُنپر ذیل کی عبارتوں کا کیا اثر ہوگا۔

(۱) کھتری (چھتری) کو واجب ہے کہ فاضل تر برہمن کی مانند عالم اور نیک تربیت سے بہرہ ور ہو کر تمام سلطنت کی حفاظت وادگستری سے ٹھیک طور پر کرے صفحہ ۱۵۷ سملاس ۶

(۲) جاہل بیوقوف۔ ویدوں کے نہ جاننے والے جو فرائض بتلائیں اُن کو کبھی تسلیم نہ کرنا چاہیئے صفحہ ۱۶۳۔

(۳) جو آدمی اپنے ہی راج اور ملک میں پیدا ہوئے ہوں ویدوغیرہ شاستروں کے جاننے والے اور بہادر ہوں ایسے ساب۔ یا آٹھ ہوشیار اور دہارمک وزیر مقرر کرنے چاہیئے صفحہ ۱۶۶

(۴) جو شخص وید کی اور عابد لوگوں کی تصنیف شدہ کتابوں کی جو وید کے مطابق ہوں تحقیر کرتا ہے اس وید کی مذمت کرنیوالے منکر کو ذات۔ پسنگت (جماعت) اور ملک سے نکال دینا چاہیئے (۵) رگوید یجروید۔ سام وید کے عالم اگر تین شخص رکن انجمن ہو کر آئین باندھیں تو اُس انجمن کی باندھی ہوئی آئین کا عدول کوئی شخص نہ کرے صفحہ ۱۶۳-۱۲

(۶) برہموؤں کی نسبت لکھتے ہیں "ان لوگوں میں اپنے ملک کی ہمدردی بہت کم ہے۔ عیسائیوں کے چلن بہت سے اختیار کیئے ہیں.... اپنے ملک کی تعریف یا بزرگوں کی بڑائی کرنی تو دور رہی اُسکے عوض میں پیٹ بھر مذمت کرتے ہیں

لیکچروں میں عیسائی وغیرہ انگریزوں کی تعریف دل کھولکر کرتے ہیں صفحہ ۴۲۱ سوال ۱۰۵-

(۶) یوروپین (انگریزی حکام) کی نسبت فرماتے ہیں "اپنے ملک کے بنے ہوئے جوتوں کی جسقدر توقیر وتعظیم کرتے ہیں اتنی غیر ملک کے باشندوں کی نہیں کرتے"۔ صفحہ ۴۲۳ سوال ۱۰۵

(۷) کسی پرانی سواری اور پنکھے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اگر یہ دونوں چیزیں آجتک بنی رہتیں تو یوروپین لوگ اتنے مغرور نہ ہوجاتے صفحہ ۴۴۰-۲۹

(۸) "مہابھارت تک چکرورتی یعنی روئے زمین کے راجہ آریہ کُل میں ہی ہوئے تھے اب اُنکی اولاد اپنی بدبختی کے باعث راج کھوکر غیر ملک والوں کے پاؤں تلے دب رہی ہے" صفحہ ۳۱۳-۴

(۹) جب سے غیر ملک کے گوشت خور لوگ اس ملک میں آکر گائے وغیرہ جانوروں کے مارنیوالے شراب خور حکمران ہوئے ہیں تب سے برابر آریوں کا دُکھ بڑھتا جاتا ہے" صفحہ ۳۰۶-۲۲

(۱۰) آریہ ورت میں غیر ملک والوں کے راجہ ہونیکے باعث پھوٹ .... بُرے کام ہیں۔ جب آپس میں بھائی بھائی لڑتے ہیں تب ہی تیسرا غیر ملک والا آکر پنچ بن بیٹھتا ہے صفحہ ۳۰۴ و ۳۰۵- ۱۹

(۱۱) اگر "غیر ملک والے اُنکے ملک میں تجارت یا حکومت کریں تو بجز افلاس اور دُکھ کے دوسرا کچھ بھی نہیں ہوسکتا" صفحہ ۳۰۲-۱۱

(۱۲) "آریہ ورت ملک سے علاوہ جو ملک ہیں وے دیو دیش اور ملیچھ دیش کہلاتے ہیں اور آریہ ورت ملک سے باہر رہنے والے لوگوں کا نام راکشس ہے" "تمام کرہ زمین پر آریوں کا راج" تھا

(۱۳) اب ادبار بخت آریوں کی سُستی۔ غفلت۔ اور باہمی نفاق کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں راج کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے بلکہ خود آریہ ورت میں بھی اسوقت آریوں کا

کامل آزاد خود مختار اور بے خوف راج نہیں جو کچھ ہے اسے بھی غیر ملک والے پامال کر رہے ہیں۔ کچھ تھوڑے سے راجہ خود مختار ہیں۔ جب بُرے دن آتے ہیں تب ملک کے رہنے والوں کو کئی طرح کی تکلیف بھوگنی پڑتی ہے۔ کوئی کتنا ہی کرے لیکن جو اپنے ملک کا راج ہوتا ہے وہ سب سے افضل ہوتا ہے

(۱۴) غیر ملک والوں کا راج پورا پورا آرام دہ نہیں ہے صفحہ ۲۵۶-۴۹

مذکورہ بالا حوالجات پر ہم کسی قسم کا حاشیہ چڑھانا پسند نہیں کرتے ہاں یہ ضرور کہیں گے کہ پنڈت دیانند نے جیسا کہ ان عبارتوں سے صاف ظاہر ہے علانیہ اُن تمام الفاظ کا وعظ کیا ہے جو آج بندے ماترم کی جے پکارنیوالے لوگوں کے منہ سے نکل رہے ہیں یعنی سودیشی کی حمایت اور سوراج کی خواہش پس ایسی کتاب کی تعلیم نوجوان ہندوؤں کے دلوں پر زہریلا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتی...... خصوصاً آج کل کے پولٹیکل ایام میں جبکہ اکثر ہندو لوگ "ہندوستان کے ہم ہیں ہندوستان ہمارا" کا نعرہ بلند آواز سے مار رہے ہیں اور اُنکے دلوں میں سوراج کی اُمنگیں جوشوں پر ہیں ہم ذیل میں آریوں کے ایک لیڈر لالہ منشی رام جی کے ایک خط سے جو ۲۵۔ جون ۱۹۰۷ء کے سول ملٹری گزٹ میں شائع ہوا تھا چند ایسے اقتباسات پیش کرتے ہیں جو سنسنی خیز ہیں۔ یہ خط دراصل اُن اعتراضوں کی تردید میں لکھا گیا تھا جو ۱۹۰۷ء کی پولٹیکل اجیٹیشن اور چند معزز آریوں کی گرفتاری کے وقت سماج پر ہوئے تھے۔ اس خط میں لالہ صاحب نے مسٹر ہیریسن ڈسٹرکٹ جج الہ آباد کے ایک فیصلہ مورخہ ۲۶- نومبر ۱۹۰۲ء کا حوالہ دیا ہے جس میں جج صاحب بہادر اُن چند ایک حوالجات کا ذکر فرماتے ہیں جو پنڈت آلا رام ملزم نے دیانند کی کتابوں سے پیش کئے ہیں اور عبارت فیصلہ اس طرح ہے "ایسی پیش کردہ عبارتوں کے اصل حوالے یا اُنکا ترجمہ دیا گیا ہے اور جسکو میں نے اصل کتاب سے ملا کر بھی دیکھا ہے..... ان حوالجات کا ایک حصہ آلا رام نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ آریہ باغی ہیں۔ حوالہ نمبر ۱ میں ایک فقرہ ہے جسکے معنی یہ ہیں "ہمارے ملک میں کبھی کوئی اجنبی حاکم نہ ہونا چاہیئے اور نہ ہمکو غیر ملک والوں کی

رعایا ہونا چاہیئے" حوالہ نمبر ۲ و ۳ و ۴ و ۵ میں راج کے لیئے دعائیں مانگی گئی ہیں اور حوالہ نمبر ۶ میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا گیا ہے کہ آریہ ورت میں دیسی راج نہیں ہے.... حوالہ نمبر ۸ میں گورے آدمیوں کے گوروں کی رعایت کرنے اور اگر گورے کالوں کو مار ڈالیں تو اُنکے بری کیئے جانے وغیرہ کا ذکر ہے حوالہ نمبر ۹ اندرونی پھوٹ کو غیر ملک والوں کے ملک پر قابض ہونیکا سبب ظاہر کرتا ہے۔ (اور یہ دعا ہے کہ پرماتما کرپا کرکے اس مہلک بیماری کو ہم آریوں میں سے نکالدے۔ حوالہ نمبر ۱۴ میں لکھا ہے " اگر غیر ملک والے اُنکے ملک میں حکومت یا تجارت کریں تو بجز افلاس اور دُکھ کے اور کچھ نہیں ہوتا" حوالہ نمبر ۱۵ میں درج ہے کہ " ان آریوں کی اولاد اب بدبختی سے غیر ملک والوں کے پاؤں تلے دب رہی ہے۔ حوالہ نمبر ۱۶ میں "آریہ ورت کی آئے دن بڑھتی ہوئی تکالیف کا سبب گوشت خور شراب خور غیر ملک والوں کی آمد بتلائی ہے" اور انکے بعد کے حوالوں میں "راجہ یا حاکم کی اوصاف اور گائے کشی کرنیوالوں کی ہلاکت کا ذکر ہے"۔

ان حوالجات کو دیکھکر ہمارے ناظرین سمجھ جائیں گے کہ یہ عبارت قریباً وہی ہے جو ہم بھی اس مضمون میں نقل کر چکے ہیں۔ یہ لائق جج اپنے فیصلہ میں لکھتا ہے کہ پنڈت صاحب کی غرض یہ نہیں تھی کہ برٹش گورنمنٹ کو فوراً نکال دیا جاوے۔ ہم بھی جج کی رائے سے متفق ہیں لیکن ہم ایک اور دفعہ بڑے زور سے یہ بات پیش کرتے ہیں کہ یہ تحریریں سکول اور کالج کے طلبار کے لیئے نامناسب ہیں اور ملک کے ان ہونہار پودوں کو ستیارتھ کی تعلیم کی گرم ہوا سے محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اگر دیانند کی ایسی تحریریں گرو کل جیسی تعلیم گاہ میں۔ جہاں کے طلبار کو بیرونی دنیا سے کوئی تعلق نہیں پڑھی جائیں گی تو یہ امید نہیں کیجا سکتی کہ انکا وہاں کے طالبعلموں پر کوئی اچھا اثر ہوگا گروکل آریوں کی درس گاہ ہے جو اُس مقام پر بنائی گئی ہے جہاں "ایک طرف پربت اور دوسری طرف گنگا مائی کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا پوتر جل" ہے اس درس گاہ کے متعلق ایک ہندو محب وطن لکھتا ہے کہ

"گروکل کے ناظم اسقدر پرانی دنیا میں جان ڈالنے والے نہیں ہیں جسقدر کہ نئے زمانہ کے قاصد ہیں۔ انکو یقین ہے کہ آریہ ورت میں اب کوئی بڑی تبدیلی ہونیوالی ہے اور آریہ سماج اس آنیوالے زمانہ میں ملک کی قسمت کے فیصلہ اور رہنمائی میں بڑی حصہ دار ہوگی"

ستیارتھ پرکاش کی مفصلہ ذیل تعلیمات جو سمولاس ۶ میں سے لی گئی ہیں اور بھی زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ انہیں خفیہ ذرائع اور فریب و دھوکہ بازی کی تعلیم دیگئی ہے وھو ہذا۔

(۱) جس طرح کچھوا اپنے اعضا کو چھپائے رکھتا ہے اسی طرح دشمن کی دخل یابی کے رخنہ کو پوشیدہ رکھے صفحہ ۴-۱۷-۳۵

(۲) جیسے بگلا تصور باندھے ہوئے مچھلی کے پکڑنے کو تاکتا رہتا ہے ویسے ضروریات کی فراہمی کے لئے غور کیا کرے دولت وغیرہ چیزوں کو اور طاقت کو بڑھاکر دشمن کو فتح کرنے کے لئے شیر کی مانند طاقت کو کام میں لائے اور چیتے کی مانند چھپ کر دشمن کو پکڑے نزدیک آئے ہوئے طاقتور دشمن سے خرگوش کی مانند دور بھاگ جاوے اور بعد ازاں انکو دھوکہ میں ڈالکر پکڑے صفحہ ۴-۱۷-۳۵

(۳) "جب یہ معلوم ہوجاوے کہ فوراً لڑائی کرنیسے کسیقدر تکلیف پہنچیگی اور بعد میں کرنے سے اپنی بہتری اور فتح ضرور ہوگی تب دشمن سے میل کرکے وقت مناسب تک صبر کرے" صفحہ ۱۸۰-۷-۴ کیا خوب تعلیم ہے کہ جب کمزور ہوں تو دوست بنے رہیں جب کافی طاقت ہو تو چیتے کی طرح دشمن پر حملہ کردیں۔ میل اور صلح صرف دکھانے کے لئے ہو جب موقعہ آئے فوراً عہد شکنی کردیجائے۔ ہم پوچھتے ہیں کیا یہ فریب نہیں؟ کہ کمزوری کے وقت ظاہری دوست اور باطنی دشمن بنے رہیں۔

اب ہم یہ نہیں چاہتے کہ ناظرین کا زیادہ وقت اس عجیب و غریب کتاب کے حوالوں پر لگادیں بلکہ ہمارے خیال میں جو حوالے ہم اس مضمون میں دیچکے ہیں وہی اس بات کے اظہار کے لئے کافی ہیں کہ یہ ستیارتھ پرکاش کی تعلیم کا ہی اثر ہے کہ آریوں کے دلوں میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی ہے۔ چونکہ آریہ سماج کے بانی نے اس نفرت کی بنیاد خود اپنے ہاتھ سے رکھی تھی اسلئے اُسکے پیروؤں نے اپنے گروکے

اس ورثہ پر قبضہ کر لیا ہے اور جو گرو صاحب کا طرز تھا وہی چیلوں کا ہے جیسا کہ انکی تقریروں اور تحریروں سے ظاہر ہو رہا ہے اور یہ کہ پنڈت صاحب گورنمنٹ عالیہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے اسکے متعلق ناظرین خود رائے لگا سکتے ہیں۔ ہماری تفصیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے مذاہب کے مقدس بزرگوں اور پاک کتابوں کو گالیاں دینے اور غیر آریہ ادیان کے معتقدات پر ہنسی اُڑانے کی عادت اب آریوں میں ایسی جڑھ پکڑ گئی ہے کہ اسکی نکلنی محال معلوم ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدعادت آریہ سماج کے سر کے ساتھ ہی جائیگی کیونکہ اسکا انجام سوائے فنا کے اور کچھ نہیں حضرت مسیح موعودؑ نے انہی کے متعلق فرمایا ہے ؎

نبیوں کی ہتک کرنا اور گالیاں بھی دینا ٭ کتنوں سا کھولنا مُنہ تخم فنا یہی ہے

ستیارتھ پرکاش کو آریہ سماجی اُسی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے عیسائی اپنی بائبل کو دیکھتے ہیں۔ آریہ سماج کے ممبر اس کتاب کو کثرت سے پڑھتے اور اسکی ہدایات پر عمل کرنا کارِ ثواب سمجھتے ہیں۔ آریوں کے مرد۔ عورتیں۔ بچے۔ بوڑھے سب کے سب اس کتاب کو ایسی ہی مقدس سمجھکر پڑھتے ہیں جیسے کہ عیسائی اپنی انجیل کی تلاوت کرتے ہیں۔ یہ کتاب ہر ایک سماجی گھرانے میں دیکھی جاتی ہے اور ہر ایک سماجی سکول میں بطور کورس پڑھی جاتی ہے اور کوئی آریہ بمشکل ایسا ہوگا جو اس کتاب کی تعلیم سے رنگین نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آریہ سماج کا بچہ بچہ دوسرے مذاہب کی پاک کتابوں اور مقدس بزرگوں پر اُسی طرح زبان طعن کھولتا ہے جس طرح کہ دیانند نے کیا تھا۔

دوسروں کو گالیاں دینے کی وبا سماجیوں میں ایسے خطرناک طور پر پھیل ہوئی ہے کہ اب اسکے انسداد کی کوئی امید نہیں دکھائی دیتی۔ ہاں اس مرض کی اگر کوئی دوا ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ ستیارتھ پرکاش میں سے ان زہریلے حصوں کو نکالدیا جائے جن کا ہم نے اس مضمون میں ذکر کیا ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آریہ سماج ستیارتھ کی ایکدفعہ اور ترمیم کر کے اُن تمام حصوں کو نکالڈالے جن کے ذریعہ سے غیر مذاہب کے ساتھ ناچاقی اور غیر ملک والوں سے نفرت پیدا ہوئی ہے اور اس اصلاح شدہ کتاب کو کثرت سے ملک میں شائع کرے تاکہ پہلی اصلی کتاب نے جو بُرا اثر پیدا کیا ہوا ہے وہ کم ہو جائے۔ اگر ہمارے آریہ ہموطن اس اصلاح

کے لیئے تیار ہوجائیں تو وہ نہ صرف عیسائیوں اور مسلمانوں کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہونگے بلکہ گورنمنٹ عالیہ بھی اُنکی اس کارگذاری کو پسندیدگی اور خوشی کی نظر سے دیکھیگی۔

وما علینا الا البلاغ

اشاعت اسلام نمبر

(سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر)

حضرت نبی کریم صلعم کا خط بنام خسرو پرویز کسریٰ ایران اور ایک بڑا معجزہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایلچی کسرے ایران کے پاس خط دیکر بھیجا اُسکا نام عبد اللہ بن حذیفہ تھا۔ اس خط کا مضمون آخر میں دیا جاتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خط مغرور شاہ فارس کے پاس پہنچا اُس نے غُصہ میں آکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نامہ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جب یہ خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپنے دعا کی اور فرمایا مزق اللّٰہ ملکہ (زاد المعاد صفحہ ۵۶ جلد ۲) یعنی خدائے تعالیٰ اُس کی بادشاہت کو ٹکڑے ٹکڑے کردے" اس پیشگوئی کا پورا ہونا تفصیل کے ساتھ زمانہ کے صفحات پر منقش ہے۔ کسرے فارس نے یمن کے ایرانی حاکم کو حکم بھیجا کہ اُس نبی کو گرفتار کرکے ہمارے دربار میں حاضر کرو۔ اس غریب کو یہ کیا معلوم تھا کہ جس شخص کو آج وہ حقارت کی نظر سے دیکھتا اور ایک معمولی واعظ سمجھتا ہے کل اُسی کے پیرو ایرانی تخت پر متمکن ہونگے اور جس جگہ سے آج وہ بڑے غرور کے ساتھ گرفتاری کا حکم نافذ کر رہا ہے کل وہی اس نبی کے خادموں کے پاؤں تلے ہوگا یمن کے ایرانی گورنر نے دو آدمی آنحضرت کی گرفتاری کے لیئے روانہ کردیئے۔ چونکہ کسرے بڑا شہنشاہ تھا اسلیئے اسکے احکام ایسے سمجھے جاتے تھے کہ جنکی کوئی مخالفت نہ ہوگی۔ یہ لوگ پہلے طایف آئے اور اُنکو دیکھکر قریش بہت خوش ہوئے کیونکہ اُنکے خیال میں کسرے فارس کا اس نئی تحریک کی بیخکنی پر مستعد ہونا بہت بڑی بات تھی۔

ابوسفیان نے بڑے فخر سے کہا کہ دیکھو اب شاہ فارس نے محمد (صلعم) کی بیخکنی کا ارادہ کیا ہو اسلیئے اب محمد (صلعم) زندہ نہیں رہ سکتا۔ عامل یمن کے بھیجے ہوئے آدمی طائف سے مدینہ کو گئے لیکن جب وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے تو انپر ایسا رُعب چھایا کہ انہوں نے مارے خوف کے کانپنا شروع کر دیا جب آنحضرت صلعم کو اُنکے آنیکا مدعا معلوم ہوا* تو آپنے فرمایا کہ آج کا ایک دن ٹھہر جاؤ ہم کل جواب دینگے۔

اسی رات آپ (صلعم) نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی۔ اُس دعا کے جواب میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ آج ہی کی رات اس شہنشاہ کو اُسکے بیٹے نے مار ڈالا ہے صبح کو حضرت نبی کریم صلعم نے ان ایلچیوں کو اپنے سامنے بلاکر فرمایا دیکھو آج ہی کی رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کا اسی کے بیٹے کو اُسپر مسلط کرکے اُس کا کام تمام کرا دیا ہے یہ جواب پاکر وہ لوگ متعجب ہوئے اور اس عجیب و غریب خبر کی صحت معلوم کرنیکے لیئے یمن کو واپس روانہ ہوگئے ۔ اس خبر کے صحیح ثابت ہونے پر اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں کیا کلام ہو سکتا تھا کیونکہ سوائے خدا کے اور کون ہے جو اتنے دُور کے واقعہ کا ایک ہی رات میں پتہ دیدے۔ کوئی ایسی تار برقی نہ تھی جو ایران کے دار الخلافہ کے اخبار حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتی۔ ہاں ایسی خبر اگر کوئی دیتا تو محض ایک ملہم من اللہ ہی دے سکتا تھا۔ آخر وہ ایلچی یمن کو روانہ ہوگئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب صوبہ دار یمن کو دیدیا۔ جب اُس نے یہ بات سُنی تو وہ بھی ششدر رہ گیا اور کہنے لگا کہ اگر یہ بات سچی ثابت ہو جائے تو اُس شخص کی نبوت میں کلام ہی کیا ہے جس نے اتنے فاصلہ کی خبر بتا دی ہے۔ اور یہ خبر آخر کار سچی ہی ثابت ہوئی کیونکہ ان ایلچیوں کے پہنچنے کے تھوڑے ہی دن بعد شیرویہ پسر خسرو پرویز کا خط گورنر یمن کے نام آیا جس میں بعینہٖ وہی خبر درج تھی جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دی تھی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ ایک بیّن ثبوت تھا اور اُسکا نتیجہ جو لازماً ہونا چاہیئے تھا وہ یہ ہوا کہ گورنر فوراً صدق دل سے مسلمان ہوگیا۔

ولیم میور سے کس طرح اُمید ہو سکتی تھی کہ وہ اس عظیم الشان معجزے کا اقرار کرتا۔ اُس نے

*نوٹ: یہ ایلچی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو پیغام لائے تھے اُس کا مضمون یہ تھا کہ باذان عامل یمن نے اسلیئے ہمیں آپکے پاس بھیجا ہے کہ ہم آپ کو ملک الملوک خسرو پرویز کے پاس لیجاویں اگر آپ برضا و رغبت ہمارے ساتھ چلیں تو بہتر ہے۔ اگر آپ انکار کریں تو آپکو کسریٰ کی طاقت کا خوب علم ہے وہ آپکو آپ کی جماعت کے سمیت تباہ کر دیگا بلکہ کل ملک عرب کو برباد کر دیگا اسوقت اگر آپ ہمارے ساتھ چلیں تو باذان کی وساطت سے کسریٰ سے معافی طلب کر سکتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیغام سنکر مسکرائے اور فرمایا ٹھہرو۔ ہم کل اسکا جواب دینگے - منہ

اس نشان کو ملیامیٹ کرنے کیلئے بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسرے کی بیماری اور موت کی خبر پہلے پہنچ چکی ہوگی۔ یہ صاحب دیدہ و دانستہ اس امر کو نظر انداز کرتے ہیں اور مطلقاً غور نہیں کرتے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اُسی رات جبکہ یہ ایلچی مدینہ میں ہی تھے فرما دیا تھا کہ آج ہی کی رات* تیرے مولا نے تمہارے آقا کو مار ڈالا ہے اور جب اس امر کی تصدیق ہوئی تو گورنر اور اُسکے بعض رفقا مسلمان ہوگئے۔ کیا گورنر یمن اور اُسکے رفقا کے مسلمان ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی نے پورا ہوکر اُنکے دلوں کو تسخیر کیا تھا؟ ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اگر نیا شہنشاہ پہلے ہی تخت نشین ہو چکا تھا تو اسکا پہلا کام یہ تھا کہ سرکاری طور پر عامل یمن کو اپنی مسند نشینی سے آگاہ کرتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ بعد میں پروانہ سرکاری آیا بھلا یہ کسطرح ممکن ہوسکتا تھا کہ مدینہ میں تو خبر پہنچ جاتی اور عامل یمن اور اُسکے افسر بے خبر رہتے۔ ہمیں بار بار تعجب آتا ہے کہ جن لوگوں کو ایرانی معاملات سے تعلق تھا اُنکی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اُنکو ایسے سخت واقعہ کی خبر ابھی نہیں ہوئی تھی کیسے بے تعلق لوگوں کو پہلے خبر پہنچ گئی۔ قابل غور یہ امر ہے کہ عامل یمن کو ابھی ابھی خسرو پرویز کا خط پہنچا تھا کہ آنحضرتؐ کو گرفتار کرکے بھیجے جسکی اُس نے بلا تاخیر تعمیل کی اور مدینہ کو آدمی بھیجدیئے پھر یہ کیونکر ممکن ہوسکتا ہے کہ اس مختصر سے زمانہ میں خسرو کی موت کا واقعہ شہرت پاکر مدینہ تک پہنچ جاتا۔ اچھا اگر بفرض محال یہ بھی مان لیا جائے کہ عرب کے وسیع ریگستان کو عبور کرکے خبر مدینہ میں مشہور ہوچکی تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو اس واقعہ کی کیوں خبر نہ ہوئی؟ کیا حیرت کا مقام ہے کہ وہ ایلچی یمن سے چلکر مدینہ آئے مگر اُنکے کان تک یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسرے اعظم جسکی وہ رعایا تھے موت کا شکار ہوچکا ہے یہ لوگ مدینہ میں بھی ایک روز ٹھہرے اور پیغام لیکر واپس ہوئے۔ جسطرح آتے وقت اُنکو اس عظیم الشان واقعہ کا کوئی علم نہ تھا اسی طرح واپس جاتے وقت بھی اُنکو کسی نے خبر نہ دی۔ اور ان دونو ایرانی شخصوں کی شکل و شباہت بھی عربوں سے مختلف تھی کیونکہ ایرانیوں کے دستور کے موافق اُنکی ڈاڑھی مصفا تھی مونچھیں لمبی تھیں سنہری پیٹیاں باندھے ہوئے تھے

*یہ رات سہ شنبہ کی رات تھی ۱۰ جمادی الآخرہ سنہ ۷ ہجری منہ۔

اُنکے اس لباس کا احادیث میں ذکر ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے اس بھیس کو ناپسند فرمایا تھا الغرض اُنکی صورت سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسریٰ کے دربار کے لوگ ہیں اور اگر اُنکے بادشاہ کے متعلق کوئی ایسی خبر مشہور ہوتی تو ضرور راستہ کے لوگ اُنسے اسکے متعلق دریافت کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اب میور صاحب کا یہ فرمانا کہ یہ خبر پہلے ہی شہرت پا چکی تھی سوائے تعصب اور دشمنی کے اور کس بات پر محمول ہو سکتا ہے۔ یہاں سب سے بڑھکر حیرت آتی ہے تو اس بات پر کہ ایسی بڑی سرکاری خبر مدینہ تو پہنچ گئی لیکن عامل یمن اور اُسکی رعایا کو ان ایلچیوں کی غیر حاضری کے زمانہ میں بھی معلوم نہ ہوئی اور جب وہ یمن کو واپس آئے تو انہوں نے گورنر اور رعایا سب کو اس حادثہ سے ایسا ہی لاعلم پایا جیسا کہ اُنکی روانگی سے پیشتر تھے۔ ان امور پر گہری نظر کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میور صاحب نے صریحًا غلط بیانی سے کام لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی الہام نہیں ہوا تھا بلکہ آپکے کانوں تک یہ خبر پہلے ہی پہنچ چکی تھی کہ خسرو اعظم کو قتل کر دیا گیا ہے۔*

پھر یہ بھی ایک بات ہے کہ اُڑتی ہوئی خبریں ہمیشہ سچی نہیں ہوتیں اور یہ کہاں ہو سکتا تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی افواہ ہی سنکر فرما دیتے کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کا اُسی کے بیٹے کو اُسپر مسلط کرکے کام تمام کرا دیا ہے اور علاوہ ازیں کس طرح ممکن تھا کہ آنحضرت صلعم ایک سُنی سنائی بات پر یقین کرکے عامل یمن کے پاس اُسکے آقا کی موت کی خبر بھیجتے اور وہ بھی اُنکے ذریعہ جنکو عامل مذکور نے آنحضرت کی گرفتاری کے لیے بھیجا تھا۔ مزید برآں آپنے تو یہ ظاہر کیا کہ اس خبر کی صداقت میری سچائی کا ثبوت ہوگی۔ ہمارے تو واہمہ میں بھی نہیں آ سکتا کہ آنحضرت صلعم جیسا انسان جسکی عقل اور فراست کا مخالف بھی لوہا مانتے ہیں کس طرح کسی غیر معتبر اور نامعلوم الاسم شخص کے کہنے پر اتنی بڑی بات مشہور کرتا اور اس خبر کی صحت پر اپنی رسالت کے دعوے کی صداقت کا انحصار کر دیتا۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ دربار فارس کے ایلچی دیکھکر اگر ایسی افواہ سُنی بھی ہوتی تو اسپر یقین نہ کیا جاتا کیونکہ یہ ایلچی اس خبر سے بالکل بے خبر تھے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے افواہ کی بنا پر یہ خبر ایلچیوں کو نہیں سُنائی تھی بلکہ خدا سے خبر پاکر اسکا اعلان فرمایا۔

* اگر آپ افواہ کی بنا پر ایلچیوں کو یہ خبر سناتے تو یہ نہ کہتے کہ آج رات میرے خداوند نے تمہارے خداوند کو قتل کرا دیا ہے اور اسکو اپنی سچائی کا نشان بنا کر پیش کرتے۔ منہ

تھا۔ اگر افواہ ہوتی تو آپ ایلچیوں کو دیکھکر یہ نتیجہ نکالتے کہ افواہ غلط ہے عامل یمن اور اُسکے رفقا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا حال میور صاحب کی نسبت بہتر سمجھ سکتے تھے لیکن اُنہوں نے بجائے میور کے ہم آہنگ ہونیکے اس بات کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک نشان مانا اور برضا و رغبت آپکا مذہب قبول کرلیا۔ بھلا اس بیّن شہادت کی موجودگی میں ایک عقلمند آدمی کو جو میور سا متعصب دماغ نہ رکھتا ہو اس امر کے ماننے سے کیا انکار ہوسکتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔ اور اسی معجزہ نے عامل یمن اور اُسکے رفقا کو جن کے پاس دربار ایران سے اس خبر کی صحت کا خط آیا تھا۔ صدقِ دل سے مسلمان بنادیا۔ گورنر اور اُسکے رفقا کی تبدیلی مذہب سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عظیم الشان معجزہ تھا جسکو دیکھکر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن میور کے عیسوی تعصب سے یہ کہاں امید ہوسکتی ہے کہ وہ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ مان لے پس اسی وجہ سے وہ ایک نئی پیچ نکالتا ہے اور اس ضرب المثل کا مصداق ہوتا ہے کہ ایک جھوٹ کو سچ بنانے کیلئے بہت سے جھوٹوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ گورنر یمن کی تبدیلی مذہب کو ذاتی اغراض کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے کہ ایران کا چراغ اب گل ہوچکا تھا اور عرصہ سے ایرانیوں کا عرب پر پورا تسلط نہیں رہا تھا اور یمن کا گورنر بلا روک ٹوک ایسی حفاظت میں جاسکتا تھا جو اُسکی رعایا کے لیئے زیادہ موزون ہوتی اسلیئے باذان (گورنر یمن) نے اسلام کی دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی دیکھکر خوشی سے اسلام قبول کرلیا اور نبی (صلعم) سے اپنا تعلق ظاہر کردیا۔* اس تحریر سے میور کا یہ منشا رہے کہ گورنر یمن کسی نشان کو دیکھکر ایمان نہیں لایا تھا بلکہ اُسکی تبدیلی مذہب پولٹیکل اغراض پر مبنی تھی اس لیئے ایمان خام اور منافقانہ تھا۔ اسطرح میور کی رائے میں یہ اسلام کی دن دُگنی رات چوگنی ترقی تھی جس کی تحریص سے وہ مسلمان ہوگیا۔ لیکن جس جگہ اُس نے یہ عبارت لکھی ہے اُس سے چند ہی صفحہ پہلے خود وہی اپنے قلم سے اسکی تردید کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف بادشاہوں اور روٗسا کے پاس دعوت اسلام کے لیئے

* لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۳۵۹۔

سفیر بھیجنے کے متعلق لکھتا ہے " اس مدنی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ تجویز اسوقت محض موہوم اور بعید از قیاس تھی کیونکہ وہ اسوقت بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے اور اس سے بارہ ماہ قبل وہ نہایت ہی بے بسی سے محصور تھے اور حال ہی میں مکّہ سے عمرہ کرنیکے بغیر واپس ہونے پر مجبور ہوئے تھے پھر وہ کیونکر مصر۔ حبش۔ شام کے بادشاہوں بلکہ قیصر و کسرے کو دعوت کر سکتے تھے یہ تھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پولٹیکل طاقت، جسے ہم نے میور کے اپنے الفاظ میں دکھا دیا ہے پھر خدا معلوم وہ کس منہ سے کہتا ہے کہ گورنر یمن نے مسلمانوں کی حفاظت میں آنے کی غرض سے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہا تھا اور نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب اختیار کیا تھا۔ جس شخص کی نسبت میور خود لکھتا ہے کہ " وہ بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے " بھلا اسکی حالت، کیونکر ایک دور دراز صوبہ کے ایرانی عامل کو اس بات کی ترغیب دے سکتی تھی کہ وہ شاہ ایران کی ماتحتی کو چھوڑ کر نبی عربؐ کی ماتحتی اختیار کرے۔ اور وہ جو حال ہی میں بالفاظ میور " عمرہ کیئے بغیر مکّہ سے مجبوراً واپس آیا تھا " وہ کیونکر خسرو اعظم سے مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ بے شک درست ہے کہ مدینہ میں ایک قسم کی ریاست سی تو قائم ہو گئی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُسکے سردار تھے لیکن یہ کس طرح ہو سکتا تھا کہ اس مختصر اور کمزور سی ریاست کے زیر سایہ دُور دراز صوبوں کے شاہزادے اور گورنر آجاتے کیا دنیا میں صرف یہی ایک بڑی سلطنت تھی جس کی حفاظت کے بغیر گذارہ نہیں ہو سکتا تھا کیا سلطنت فارس کی ہمسر صرف مدینہ کی چھوٹی سی ریاست ہی رہ گئی تھی جو بالفاظ میور " بارہ ماہ قبل نہایت بے بسی سے محصور ہو چکے تھے "؟ پھر یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ گورنر یمن خود بخود اپنی رعایا سمیت مدینہ کی مسلمان حکومت کا مطیع ہو جاتا۔ جس حکومت کے زیر سایہ آنے کی نسبت بڑے وثوق کے ساتھ دعویٰ کیا جاتا ہے اُسکی طاقت کی نسبت معترض صاحب خود تو یہ لکھتے ہیں کہ بمشکل تمام اپنا آپ سنبھالنے کے قابل تھے اور گورنر یمن نے اس حکومت کی طاقت کا یہ اندازہ کیا کہ اس حکومت سے بادشاہ کی گرفتاری کے لیئے صرف دو آدمی

٭ دیکھو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۲۰۴

اسکو انہوں نے اپنے الفاظ

بھیجدیئے پھر ایسی حکومت کی حفاظت کا وہ کیونکر طلبگار ہوسکتا تھا۔ اچھا ہم نے مانا کہ حکومت فارس کا یمن پر پورا قبضہ نہیں رہا تھا اور عامل یمن بھی کسریٰ کی حکومت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنا چاہتا تھا پھر اُسکا کیا سر پھرا تھا کہ وہ ایک جُوا اُتار کر دوسرے کے نیچے بلاوجہ و بے فائدہ گردن بڑھا دیتا۔ مسلمانوں کا مذہب نیا تھا اسلیئے اُنکی سلطنت عامل یمن کی رعایا کے لیئے جو سب کے سب کافر تھے کسی طرح موزون اور اُنکے حسب دلخواہ نہیں ہوسکتی تھی۔ اور اگر بفرض محال یہ بھی مان لیں کہ باذان عامل یمن نے ایرانی حکومت کا جُوا اپنی گردن سے اُتارنے کیلیئے مسلمانوں سے میل کرلیا تھا تو یہ تعلق اسلام قبول کرنیکے بغیر بھی ہوسکتا تھا کیونکہ عرب کی بہت سی قوموں نے پہلے بھی مسلمان ہونیکے بغیر نبی کریم صلعم سے باہمی امداد کا عہد و پیماں کرلیا تھا صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک یہ بھی شرط تھی کہ جو کوئی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم سے باہمی امداد کا معاہدہ کرنا چاہے اُسے اجازت ہے۔ اسلیئے عامل یمن اسلام قبول کرنیکے بغیر بھی بآسانی تمام مسلمانوں کے ساتھ باہمی امداد کا معاہدہ کرسکتا تھا۔ الغرض میور کا یہ کہنا کہ باذان نے محض اسوجہ سے اسلام قبول کیا کہ وہ شاہ فارس سے خودمختار ہونا اور مسلمانوں سے امداد حاصل کرنا چاہتا تھا بالکل غلط ہے اور واقعات اسکے خلاف شہادت دیتے ہیں اور سوائے میور کی قوت متخیلہ کے اور کسی جگہ اسکی اصلیت کا ذرا بھی پتہ نہیں لگتا جس کشش نے باذان کو کھینچا وہ اسلام کی صداقت اور آنحضرت کا معجزہ تھا اور اسی صداقت نے اُسکے تشنہ لبوں کو اسلام کا شیریں شربت پلایا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کو صریحاً پورا ہوتے دیکھا اور ایک نہیں بلکہ دو نشان دیکھے یعنی اوّل تو آنحضرت صلعم کے الفاظ پورے ہوئے دوم جس شخص نے آپ صلعم کے نامہ مبارک کو پھاڑا تھا وہ خود ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا٭ اور اس طرح دنیا نے ایک دوسرا معجزہ مشاہدہ کیا۔ ایک تو خدائے تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو ہلاک کیا اور دوئم اُسکی موت کی خبر ایسے وقت دی جبکہ تمام عرب اس سے ناواقف تھے اور لطف یہ کہ خبر بھی دی تو اُسی دن صبح کو۔ اس عظیم الشان نشان سے

٭ جیسا آپنے دعا فرمائی تھی کہ مزق اللہ ملکہ۔ منہ

اکیلا باذان ہی مسلمان نہ ہوا بلکہ اُس کے رفقا نے بھی دینِ حق قبول کر لیا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ایک جھوٹ کے لیئے بہت سے جھوٹ بنانے پڑتے ہیں اسلیئے اس معجزہ کا اثر اڑانے کیلیئے میور صاحب کو اور بھی کئی ایک دروغ بیانیاں کرنی پڑی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ کسرے نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذہب کی تحقیقات کرانی چاہی تھی اور اسی خواہش کے باعث اُس نے عامل یمن کے نام حکم بھیجا تھا کہ مدینہ میں سفیر بھیجکر اس نئے مذہب کے متعلق صحیح صحیح اطلاع ہم پہنچائی جائے۔ یہ بیان نہ صرف بے بنیاد بلکہ نہایت ہی لچر و پوچ ہے۔ یہ خیال کرنا ہی بیہودگی ہے کہ مغرور شاہ فارس نے اسلام کی تحقیقات کے لیئے سفیر بھیجے تھے کیونکہ جس شخص نے پہلے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو پرزے پرزے کر کے پھاڑ ڈالا تھا اور سفیر کو غضب کے ساتھ واپس کیا تھا وہ کس طرح ایسا کام کر سکتا تھا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معتبر تواریخ کی رُو سے جس بادشاہ کو آنحضرت صلعم نے خط لکھا تھا وہ خسرو پرویز تھا اور میور کا خیال کہ اُسکا بیٹا شیرویہ تھا غلط ہے۔ ان ایلچیوں کے آنے پر قریش کا خوش ہونا ایرانی سپاہیوں کا مارے خوف کے کانپنا۔ آنحضرت صلعم کا اُن سے رات بھر ٹھہر نیکے لیئے فرمانا اور صبح کو ایک جواب دینا وغیرہ وغیرہ ایسی باتیں ہیں جن سے بیوکی اس بیان کی بیہودگی ثابت ہوتی ہے۔ میور کے بیان کی ایک تاریخدان بھی تصدیق نہیں کرتا اور اسکا سراغ اگر کہیں مل سکتا ہے تو اسکے افترا کرنیوالے دماغ تک ہی محدود ہے۔ میور صاحب کسی امر کی تشریح جتنی چاہیں کریں لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تاریخ بھی خود ہی ایجاد کریں۔

(اس واقعہ کا مفصل حال ملاحظہ ہو مدارج النبوۃ جلد دوم میں)

مضمون خط بنام کسرے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ من محمد رسول اللہ الی کسرے عظیم فارس سلام علی من اتبع الھدٰے وامن باللہ و رسولہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و ان محمداً عبدہٗ و رسولہ ادعوک بدعایۃ اللہ فانی انا رسول اللہ الی الناس کافۃ لینذر من کان حیا

ویحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان ابیت فعلیک اثم المجوس

(ترجمہ) اللہ کے نام سے میں اس نامہ کو شروع کرتا ہوں جو رحمٰن و رحیم ہے۔ یہ خط خدا کے فرستادہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے فارس کے بادشاہ کسرےٰ کے نام ہے۔ سلامتی ہو اُس شخص پر جس نے اِس ہدایت کی پیروی کی اللہ خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسکا بندہ اور اُسکا فرستادہ ہے۔ میں تجھے اللہ کی طرف بلاتا ہوں مجھے خدائے تعالیٰ نے کل دنیا کے لوگوں کیلئے رسول کرکے بھیجا ہے تا جو شخص زندہ ہے میں اُسکو ڈراؤں اور انکار کرنے والوں پر حجت پوری ہو۔ اسلام کو قبول کرو تاکہ بچ جاؤ اور اگر تو نے انکار کیا تو یاد رکھ کہ کل قوم مجوس کا گناہ تیرے ذمہ ہوگا۔ (زاد المعاد جزو ثانی صفحہ ۵۶)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مقوقس شاہ مصر کے نام

مقوقس شاہ مصر کی طرف جو شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لیکر گیا اُسکا نام حاطب بن ابی بلتعہ تھا۔ شاہ مصر نے اُس کا بڑی عزت سے استقبال کیا اور جو تقریر اُس نے شاہ موصوف کے حضور کی وہ بہت دلچسپ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرتؐ کے سفیر محض ہرکارے ہی نہ تھے بلکہ مذہب اسلام کے واعظ بھی تھے۔ اُنکو مجلس کے مطابق تقریر کرنی آتی تھی اور وہ دلائل کے ذریعہ اپنے سامعین پر اثر ڈال سکتے تھے۔ شاہ مصر کے حضور کھڑے ہو کر حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کو وہ نقشہ یاد آیا جو سینکڑوں برس پہلے اسی ملک کے دربار شاہی میں مشاہدہ کیا گیا تھا۔ جسطرح موسیٰ علیہ السلام ایک زمانہ پہلے فرعون شاہ مصر کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ اُسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اسی ملک کے ایک اور بادشاہ کے سامنے کھڑا ہوا۔ فرق یہ تھا موسیٰؑ فرعون کے سامنے خود کھڑے تھے لیکن اب موسیٰ علیہ السلام سے بزرگتر نبی کا قائم مقام تھا۔ جسنے نہایت مناسب الفاظ میں بڑی جرأت اور مناسب ادب سے موجودہ بادشاہ کو فرعون کا انجام یاد دلایا اور کہا اللہ کان قبلک رجل یزعم انہ الرب الاعلیٰ فاخذہ اللہ نکال الاٰخرۃ و والاُولیٰ فانتقم بہ ثم انتقم منہ فاعتبر بغیرک ولا یعتبر غیرک بک۔ یعنی

آپ سے پہلے ایک شخص گذرا ہے جس نے اپنے تئیں خداوند خدا ظاہر کیا تھا اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اُسکو ورلی اور پرلی زندگی کی سزا میں گرفتار کیا پس آپ دوسروں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں اور ایسا نہ کریں کہ لوگ آپ سے عبرت پکڑیں۔ ہمارے ناظرین میں سے شاید کسی کو تعجب ہوگا کہ یہ صحرا اور وادیوں کے رہنے والے کس دلیری سے بڑے بڑے بادشاہوں کے بھرے درباروں میں بولتے تھے اور اُنکی شان و شوکت کا اُنپر کوئی رُعب نہیں پڑتا تھا لیکن یاد رہے کہ اگرچہ وہ ڈرانے میں دلیر تھے تاہم اُنکے الفاظ شیریں اور کرختی سے مبرّا تھے۔ اس میں ذرا بھی کلام نہیں کہ وہ ایک بڑے نذیر کی طرف سے موذون قائم مقام تھے۔ یہاں پر یہ تبلادینا بے محل نہ ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیروں نے دوسروں کی طرح ان بادشاہوں کو کبھی جُھک کر سلام نہیں کیا اور جب کبھی اُنسے دریافت کیا گیا تو جواب دیا کہ ہم صرف اپنے خدا کے آگے سر جُھکاتے ہیں۔

الغرض شاہ مصر نے حاطبؓ کی تقریر کا یہ جواب دیا کہ "ہم ایک مذہب کے پیرو ہیں اور جبتک کوئی بہتر مذہب نہ ملجائے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے" حاطبؓ نے بادشاہ کا مطلب سمجھ لیا اُسکے جواب کا مطلب یہ تھا کہ میرا معاملہ فرعون کے برعکس ہے فرعون غلطی پر تھا اور اپنے تئیں خدا سمجھتا تھا لیکن مَیں ایک سچے مذہب پر قائم ہوں اور الہامی کتابوں کو مانتا ہوں اسلیئے اگر مَیں اپنے ہی مذہب پر قائم رہوں اور اس عرب کے نبی کے دعویٰ کو نہ سنوں تو مَیں فرعون کی طرح خدا کے حضور گنہگار نہیں ہوسکتا۔ حاطبؓ نے بادشاہ کی اس دلیل کے جواب میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی اور آپکی بعثت کی غرض بیان فرمائی اور کہا کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے تو یہودیوں کیلیئے ضروری تھا کہ آپؑ پر ایمان لائیں اور اب اسی طرح جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ دونوں کی پیشگوئیوں کے عین مطابق نمودار ہوا ہے تو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کا فرض ہے کہ اُسپر ایمان لائیں۔ ہم آپ کو اُسی طرح قرآن کریم کی طرف بلاتے ہیں جسطرح آپ اہل توریت کو انجیل کی طرف بلاتے ہیں جن لوگوں کے درمیان نبی مبعوث ہوتا ہے وہ اُسکی قوم ہوجاتے ہیں اور اُنپر فرض ہوتا ہے کہ

اُسے مانیں چونکہ آپ اس نبیؐ کے زمانہ میں رہتے ہیں اسلیئے آپکا فرض ہے کہ اُسپر ایمان لائیں" بادشاہ سے ان دلائل کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کا مطالعہ کرنیکے بعد اُس نے حاطبؓ سے کہا "مَیں نہیں دیکھتا کہ آنحضرتؐ کوئی ایسی تعلیم دیتے ہیں جس سے مجھکو پرہیز کرنا چاہیئے یا ایسی چیز سے منع فرماتے ہیں جسکی مجھے خواہش ہے۔ نہ وہ (صلعم) ساحر ہیں نہ غلطی خوردہ۔ نہ دغاباز ہیں نہ جھوٹے ہیں۔ مَیں اُنمیں نبوّت کی علامات پاتا ہوں" اسکے بعد اسنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کو ہاتھی دانت کے بنے ہوئے ڈبے میں رکھوا دیا اور اُسپر مُہر کرکے اپنے خزانچی کے سپرد کردیا۔ پھر مقوقس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ جواب لکھا جسمیں تحریر کیا کہ "مجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک نبی مبعوث ہونیوالے ہیں لیکن میرا خیال تھا کہ وہ مقدس سرزمین شام میں پیدا ہونگے"۔ شاہِ مصر کو جو ایک نبی کا انتظار تھا اُسکی بنا ان پیشگوئیوں پر تھی جو استثنا ۱۸-۱۸- یوحنا ۱-۲۱ و ۲۵ اعمال ۳-۲۰ و ۲۲ یوحنا ۱۵-۲۶ اور دیگر عہد عتیق و عہد جدید کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اسی جواب کے ساتھ مقوقس نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں چند تحائف بھی ارسال کیئے۔ (ملاحظہ ہو زاد المعاد صفحہ ۵۶ و ۵۷ جز وثانی)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو جو آپنے قرب وجوار کے بادشاہوں اور شہزادوں کو ارسال کیئے تھے اور جنکے جوابات احادیث میں مذکور ہیں میور صاحب اُن سب کو بناوٹی ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور اس کوشش میں آپ فرماتے ہیں "جو خط ہرقل کو لکھا گیا تھا اُس میں قرآن کی ایک آیت درج ہے جسکی نسبت ویل نے ثابت کیا ہے کہ وہ ۹ ھ تک نازل ہی نہیں ہوئی تھی"۔ چونکہ یہ تمام خطوط ۷ ھ میں ہی لکھے گئے تھے اس لیئے میور اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ خطوط کی جو عبارت احادیث میں دیگئی ہے وہ بناوٹی ہے لیکن ۱۸۵۸ء میں حضرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اصل خط دریافت ہوا جس نے احادیث کی وقعت کو بڑھا دیا ہے اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان خطوط کی جو عبارت احادیث میں درج ہے وہ اصل کے مطابق ہے۔ جو حدیث میں مقوقس کے خط کا مضمون درج ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط سربمہر کرکے ہاتھی دانت کے بکس میں رکھدیا گیا تھا اور خزانچی کے سپرد کردیا گیا جو خطوط حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب وجوار کے حکام

کو لکھے تھے ان تمام میں سے صرف مقوقس کا خط ہی جسکی نسبت احادیث میں ذکر ہے کہ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ اور یہی خط تھا جو ۱۸۵۸ء میں ایک فرانسیسی سیاح نے شمالی مصر کی ایک عیسائی خانقاہ میں دریافت کیا تھا اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اس خط کا معائنہ ڈاکٹر پی۔ بیجر نے کیا اور پوری جانچ کے بعد اسکو اصل قرار دیا ہے اس خط کی جو عبارت ڈاکٹر بیجر نے قرار دی ہے وہ بعینہٖ لفظ بہ لفظ وہی ہے جو حدیث میں مذکور ہے اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر کا نشان بھی ہے جسپر بعینہٖ وہی عبارت کھدی ہوئی ہے جسکا ذکر احادیث میں ہے اس خط کے دریافت ہونیسے احادیث کے معتبر ہونیکی ایک زبردست شہادت ملی ہے اور میور کی اس تحریر کی کہ خطوط کی عبارت جعلی ہے پوری تردید ہوگئی ہے۔ ایک ہی سال میں مقوقس اور ہرقل دونوں کے نام خطوط لکھے گئے اور اُنکی جو نقلیں حدیثوں میں محفوظ ہیں اُنہیں قرآن کریم کی وہ آیت بھی درج ہے جسکی نسبت میور اور ویل لکھتے ہیں کہ ۹ھ میں نازل ہوئی تھی۔ اب چونکہ ڈاکٹر بیجر نے جو عبارت مقوقس کے خط کی دریافت کی ہے اس میں بھی یہی آیت درج ہے اسلیئے میور اور ویل دونوں کا قول صریحاً غلط ثابت ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جوار کے بہت سے بادشاہوں اور رؤسا کو دعوت اسلام کے خطوط لکھے تھے جنکا ذکر احادیث میں ہے لیکن صرف ایک مقوقس کا ہی خط ہے جسکی نسبت احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ محفوظ رکھا گیا تھا۔ یہی ایک اب دریافت ہوا ہے اور جس طرح اسکی حدیثوں میں نقل ہے بعینہٖ اُسی طرح لفظ بہ لفظ اس خط کی عبارت سے جو حال میں دریافت ہوا ہے اور یہ امر احادیث کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ اور جو واقعات حدیث جمع کرنیوالوں نے بیان کیئے ہیں اُن سب کی اس سے تصدیق ہوتی ہے۔ اب اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایک خط کی عبارت جو حدیثوں میں مذکور تھی بالکل صحیح ثابت ہوئی ہے اسی طرح دوسرے خطوں کا جو مضمون درج ہے وہ بھی اصل اور صحیح ہے

(جو صاحب اس خط کی زیارت کرنا چاہیں تو وہ ریویو آف ریلیجنز بابت اگست ۱۹۰۶ء ملاحظہ کریں جس میں اس مبارک مکتوب کا عکس دیا گیا ہے)

حضرت نبی کریم صلعم کا خط بنام شاہ حبش

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی سینیا کے بادشاہ کے پاس یکے بعد دیگرے دو خط عمر بن امیہ کے ہاتھ روانہ فرمائے پہلے میں وہی مضمون تھا جو

دوسرے شاہوں اور رؤسا کے نام تھا یعنی دعوت اسلام۔ شاہ حبش کو اس نئے مذہب یعنی اسلام کا زیادہ علم تھا اور مسلمانوں کے اخلاق و عادات سے وہ بخوبی واقف تھا کیونکہ بہت سے صحابہؓ نے اُسکے ملک کی طرف ہجرت کی تھی۔ اس خط کا جواب نجاشی نے بڑے انکسار سے دیا اور اسلام قبول کرلیا اور اس بات پر افسوس ظاہر کیا کہ وہ حضرت نبی کریم صلعم کے حضور حاضر نہیں ہوسکتا۔ دوسرے خط میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ مذکور کو لکھ بھیجا کہ اُن مہاجرین کو جو ابتک ملک حبش میں باقی تھے مدینہ کو واپس بھیجدے۔ نجاشی کو جب یہ خط پہنچا تو اُس نے دو جہازوں میں مہاجرین کو سوار کراکر مدینہ کو روانہ کردیا جہاں وہ بخیروعافیت پہنچگئے۔

نبی کریم صلعم کے ایک سفیر کی شہادت۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سفیر مسمی الحارث بن عمیر الازدی جو عیسوی سلطنت کے ایک حاکم کی طرف بصری میں بھیجا گیا تھا دمشق کے نزدیک اُسکو شرحبیل بن عمرو نام ایک غسانی سردار نے پکڑ لیا اُسکو رسیوں سے باندھکر اسکا سر تلوار سے اُتار دیا یہ ایک ایسا حادثہ ہوا جس نے قوانین مابین الاقوام کو توڑ دیا اور اسلام و عیسائیت کے جو عظیم الشان جنگ بعد میں ہوئے اُنکی ابتداء اسی جگہ سے ہوئی۔

ریویو

الحق۔ اس نام کا ایک ہفتہ وار اخبار ہماری جماعت کے معزز ممبر میر قاسم علی صاحب نے دہلی سے نکالنا شروع کیا ہے۔ اسکے مقاصد حسب ذیل ہیں۔ مخالفین اسلام کے عموماً اور آریوں کے خصوصاً اعتراضات کا جواب مہذبانہ طریق سے دینا۔ اسلام کی خوبیوں کا اظہار کرنا۔ سرکار انگریزی کے متعلق ہر طرح کی غلط فہمیوں کو دُور کرنا اور آسکے احسانات کو ظاہر کرکے لوگوں میں وفاداری کی روح پھونکنا۔ میر صاحب موصوف کو مذہبی مناظرات سے بہت دلچسپی ہے اور اُنکو خدمت اسلام اور اعلاء کلمۂ حق اور ابطال باطل کا بڑا شوق ہے اور یہی امر اُنکے اخبار نکالنے کا محرک ہوا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُنکا ناصر و مددگار ہو۔ آمین۔ اگرچہ اخبار میں زیادہ تر مذہبی مضامین ہیں جو بہت قابلیت سے لکھے گئے ہیں مگر میر صاحب نے اخبار کا ایک حصہ عام خبروں کیلئے علیحدہ کردیا ہے اور اس طرح اپنے خریداروں کو عام اخبارات کے خریدنے سے مستغنی کردیا ہے۔ طرز تحریر بہت پاکیزہ ہے۔ بارہ صفحہ کا اخبار ہے قیمت صرف عگ مع محصولڈاک ہے۔ اُنہوں نے یہ اخبار حضرت خلیفۃ المسیح سلمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد جاری کیا ہے اور اُسکا نام بھی حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام نے ہی تجویز فرمایا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس اخبار کو مبارک فرماوے۔ آمین

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

سلسلۂ تبلیغ :- جیسا کہ گذشتہ نمبر میں اعلان کیا گیا تھا۔ اخیر دسمبر میں سلسلہ احمدیہ کی طرف سے ایک سلسلہ اسلامی لیکچروں کا جو برابر چار روز تک رہا لاہور احمدیہ بلڈنگز میں ہوا۔ ان لیکچروں کی تحریک کی وجہ بھی پہلے ظاہر کی جا چکی ہے۔ ابتدائے دسمبر میں عیسائی صاحبان کی طرف سے ایک سلسلہ لیکچروں کا لاہور میں ہوا تھا اور جو غلط بیانیاں اسلام کے متعلق ان لیکچروں میں کی گئی تھیں انکی تردید ہماری اصل غرض تھی۔ اور مسیحی صاحبان کا فرض تھا جیسا کہ انکے ایک معزز لیڈر نے انہی لیکچروں کے اثنا میں بیان بھی کیا تھا کہ وہ ان لیکچروں کو ٹھنڈے دل سے آکر سنتے اور اگر کوئی بات حق انکی سمجھ میں آجاتی تو اُسے قبول کرتے ورنہ انپر جبر تو کسی نے کرنا ہی نہیں تھا۔ مگر حق سے روگردانی ان لوگوں کا جنکے ہاتھ میں کچی باتیں ہوتی ہیں ہمیشہ سے شیوہ چلا آیا ہے آیت کریمہ فما لھم عن التذکرۃ معرضین درحقیقت اسی طرف توجہ دلاتی ہے جو شخص محض اپنی بات ایک نصیحت کے رنگ میں سمجھانا چاہتا ہے اس سے اسطرح بھاگتا ہے اسکا نمونہ تلاش کرنیکے لئے گذشتہ مذہبی تاریخ کی ورق گردانی کی ضرورت نہیں بلکہ آج بھی وہی نقشہ نظر آتا ہے۔ جب مسیحی لیکچروں کے سلسلہ کا اعلان ہوا تو سلسلہ احمدیہ کے مقتدا حضرت خلیفۃ المسیح کی طرف سے تو یہ اعلان شائع ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی باتیں ہم سنیں گے (اور چنانچہ خاص آدمی بھی اس غرض کیلئے یعنی ان لیکچروں کو سُننے کیلئے بھیجے جاتے ہیں) اور جو بات ان میں حق ہوگی اسکو خوشی سے قبول کرینگے اور جو غلطی ہوگی اسکی تردید کریں گے۔ یہ وسعت اللہ تعالیٰ نے حق کو ہی بخشی ہے۔ اور ناراستی اور راستی میں یہ بڑا فرق ہے کہ راستی کا پیرو تنگدل نہیں ہوتا وہ جسطرح اپنی باتیں سُنانے کو تیار ہے دوسروں کی باتیں سُننے کو بھی تیار ہے۔ مگر ناراستی کا حامی خود تو ہر ایک بات بلا سوچے سمجھے کہہ گذرتا ہے لیکن اسکے سینہ میں اسقدر وسعت نہیں ہوتی کہ وہ دوسرے کی بات کو بھی سُن سکے۔ جس صورت میں مسیحی صاحبان نے اپنے لیکچروں کے سلسلہ میں اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کرنیکی بجائے اسلام پر ان حملوں کو ضروری خیال کیا تھا کہ اسلام میں نجات نہیں اور اسلام میں عرفان الٰہی نہیں ہو سکتا اور قرآن شریف کی رو سے حضرت مسیحؑ نہ صرف جملہ انبیاءؑ سے افضل بلکہ بشریت کی حد سے گذرے ہوئے ہیں تو انکا فرض تھا کہ جب انہی مضامین پر اہل اسلام کی طرف سے لیکچروں کا اعلان ہوا تھا تو انکو بھی آکر سُنتے اگر کوئی حق بات پاتے تو اسکے قبول کرنے میں انکا اپنا فائدہ تھا اور اگر ہماری

باتیں کمزور اور کچی ہوتیں تو انکو سُنکر انہیں اور بھی خوشی ہونی چاہیئے تھی کہ ہمارے ہاتھ میں ایسی مضبوط باتیں ہیں کہ انکا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ شیوہ اختیار کرنا کہ ہم انکی باتیں سُنیں گے ہی نہیں گو کسی پرانے زمانہ کے عیسائیوں میں بُرا معلوم نہ ہو مگر اس تہذیب کے زمانہ میں کوئی سمجھدار آدمی اسے سوائے نفرت کے کسی دوسری نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ اور پھر اپنی اس کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لیئے بہانہ یہ تلاش کیا گیا کہ لیکچروں کے اخیر پر پانچ منٹ مباحثہ کیوں نہیں رکھا گیا۔ گویا مذہبی اصول کا فیصلہ کرنیکے لیئے یہ پانچ منٹ ہی مسیحی صاحبان کے نزدیک تھے جب یہ نہیں دیئے گئے تو اب کسی بات کے سُننے سے کوئی فائدہ ہی نہیں۔ چنانچہ جس دن صبح لیکچروں کا سلسلہ شروع ہونا تھا اسی شب کو ۹ بجے رات کے پادری ٹامس ہوول صاحب کی طرف سے یہ رقعہ پہنچا۔ جو بعینہٖ نیچے درج ہے۔

”جناب کرمفرما خواجہ کمال الدین صاحب تسلیم۔ جناب کا اشتہار لیکچروں کی بابت موصول ہوا۔ اور مطالعہ سے گذرا جس سے معلوم ہوا کہ مسیحیوں کو کوئی موقع سوال وجواب کا نہیں دیا گیا جیسا کہ انہوں نے اپنے لیکچروں کے وقت ہندو محمدیوں کو دیا تھا۔ کیا آپ ہر لیکچر کے بعد پورا گھنٹہ ہماری طرح سوال وجواب کے لیئے مخصوص کرینگے یا نہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو مَیں مسیحی لیکچروں کی کمیٹی کا پریزیڈنٹ ہونیکی حیثیت سے اطلاع دیتا ہوں کہ ہم مسیحی آپکے لیکچروں میں حاضر نہ ہونگے۔ اور مَیں آپسے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ہمیں بولنے کی اجازت نہیں مل سکتی تو براہ نوازش میرا یہ نوٹ حاضرین کو پڑھکر سُنا دیں تاکہ ہماری غیر حاضری کی وجہ معلوم ہو جائے۔ فقط زیادہ سلام۔

نیاز مند۔ ٹامس ہوول بشپ۔ پاسٹر ہولی ٹرنٹی چرچ لاہور۔ متصل دوکان مول چند۔ ۲۸۔ دسمبر ۱۹۰۹ء“

یہ عجیب بات ہے کہ اشتہار کو شائع ہوئے تو کئی دن گذر چکے تھے مگر یہ عذر کہ اشتہار سے یہ معلوم ہوا کہ مسیحیوں کو سوال وجواب کا کوئی موقع نہیں دیا گیا پہلے نہ سوجھا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وقت پر نہ آنیکے لیئے ایک بہانہ بنا لیا گیا۔ اس رقعہ کا جواب اسی وقت پادری صاحب کو دیا گیا جو ذیل میں درج ہے

”کرمفرما بندہ جناب پادری صاحب بعد ما وجب۔ آپنے غالباً وہ تمہیدی اشتہار ملاحظہ فرمایا ہے جو ہمارے مرشد مولا حضرت خلیفۃ المسیح الموعود علیہ السلام نے آپ کے لیکچروں کے دوران میں دیا تھا۔ وہ آپکے ملاحظہ کے لیئے پھر ملفوف کرتا ہوں۔ جس سے آپ پر ظاہر ہوگا کہ ہم نے یہ چند منٹی مباحثہ کبھی مستحسن نہیں سمجھا اور نہ وہ اصول اس چند منٹی مباحثہ سے طے ہو سکتے ہیں جنپر مذاہب مختلفہ کی

بنیاد دے ہے۔ ہم آپکے ہاں آپکی صداقتیں سُننے گئے اور چونکہ آپنے ہمیں موقعہ دیا اس موقعہ سے ہم نے فائدہ اُٹھایا ورنہ وہ چند منٹی مباحثہ جس سے کوئی شخص اپنے جلسہ کی رونق مدِ نظر رکھ لیتا ہے ہم کو آپکے ہاں نہیں لے گیا ہم تو آپ کی باتیں سُننے گئے جو باتیں ہمیں درست معلوم ہوئیں اُنکے ہم مصدق ہیں اور جو ہماری نزدیک خلاف ہیں اُنکی تردید ہمارا فرض ہے پادری صاحب آپ کی ایک عمر ان معاملات میں گذر گئی اور آپ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فوری اور مختصر مباحثے ایک دل کے اُبال کو ٹھنڈا کرنیکے لیئے ہوتے ہیں۔ آپ اس مباحثہ کی خاطر نہ آئیں بلکہ ہماری اُن باتوں کو سُننے آئیں جو ہم بطور صداقت آپکے آگے پیش کریں گے آپ ٹھنڈے دل سے انکو سنیں اُنپر غور کریں اور پھر جو آپکے نزدیک قابل جرح ہوں اُنپر بیشک جرح کریں اور ہم کو مدعو کریں ہم حاضر ہو جائیں گے۔ اور میں آپ کو دوبارہ تاکیداً عرض کرتا ہوں کہ آپ مخاصمانہ طور پر نہیں بلکہ دوستانہ طور پر بہ طلب حق تشریف لائیں۔ جب آپکو ہماری باتیں ہی معلوم نہ ہوں گی تو آپ ہماری تردید ہی کیا کر سکیں گے۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدےٰ۔

راقم نیازمند۔ خواجہ کمال الدین وکیل۔ احمدیہ بلڈنگس لاہور۔ ۲۰۔ دسمبر ۱۹۰۹ء ۹ بجے شام"

مگر پادری صاحبان کا منشا تو کسی معقول بات کو سُننے کا تھا ہی نہیں انکو فکر تھا کہ عیسائی ان لیکچروں میں جائیں تو کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔ وہ نہ آئے۔ بلکہ اسی دن اپنا ایک اور سلسلہ انہی مضامین جن میں اسلام پر حملے کیئے گئے تھے پھر شروع کر دیا۔ جسے دو دن جاری رکھکر آخر کسی مصلحت سے بند کرنا پڑا۔

بہر حال محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلامی لیکچروں کا یہ سلسلہ نہایت کامیابی سے ختم ہوا۔ اور بہت سی سعید روحوں نے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ امید ہے کہ یہ سب لیکچر علیحدہ علیحدہ رسالوں کی صورت میں چھپکر شائع ہو جاویں گے۔ کاش وہ لوگ جنہوں نے خدا کے ایک برگزیدہ کی تکذیب کو ہی اپنا رزق بنا لیا ہے کبھی اس بات پر غور کریں کہ اگر اس اُمت میں ایک دجال اور مفتری بھی ایسی جماعت پیدا کر سکتا ہے جو اسلام کیلیئے ایسی غیرت رکھتی ہو کہ وہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو بھی اس غیرت میں دنیا کی تمام قوموں میں ممتاز کر دیتا ہے کیا اسی کو کہتے ہو کہ وہ نعوذ باللہ دشمن اسلام تھا۔ بعد از خدا بعشق محمدؐ مخمرم ؎ گر کفر این بود بخدا سخت کافرم

اس تبلیغ سے جو لاہور جیسے شہر میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوئی انجمن احمدیہ لاہور سارے سلسلہ کی طرف سے خاص شکریہ کے مستحق ہے۔ کہ انہوں نے مقامی چندہ سے ہی ان لیکچروں کے اور لیکچروں کے علاوہ تین چار سو احمدی احباب کے جو باہر سے شامل جلسہ ہوئے مہمانداری کے اخراجات کو پورا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان

سب دوستوں کو جزائے خیر دے جنہوں نے اس دینی جہاد میں علمی اور جسمانی رنگ میں حصہ لیا۔

سلسلہ تبلیغ میں اس کا ذکر بھی ضروری ہے کہ شیخ غلام احمد صاحب اضلاع لائل پور منٹگمری۔ ملتان میں تبلیغ کے لیئے بھیجے گئے ہیں اللہ تعالیٰ انکے کلمات کو بابرکت کرے شیخ صاحب اپنے اس دورہ میں یہ کوشش بھی کریں گے کہ حتی الوسع انجمنوں کو یا جہاں ابھی انجمنیں نہیں بنیں انجمنیں بناکر احباب کو توجہ دلادیں کہ چندوں کی باقاعدہ ماہوار وصولی ہونی چاہیئے امید ہے جہاں وہ جاویں گے احباب انکو مدد دیں گے۔

تعمیر:۔ تعمیر بورڈنگ ہوس بھی عنقریب شروع ہونیوالی ہے۔ اسکے متعلق ایک ضروری تحریک صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے قوم کے سامنے پیش کرنیکے لیئے مجھے ارشاد ہوا ہے آیندہ نمبر میں انشاء اللہ پیش کرسکونگا۔ بورڈنگ ہوس سے پہلے اس مسجد کی بنیاد رکھی جاویگی جسکے لیئے اڑھائی ہزار روپیہ چندہ حضرت میر ناصر نواب صاحب نے فراہم کرکے دیا ہے اور اڑھائی ہزار ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کی وصیت کا ہے۔

اس مسجد کے علاوہ جامع مسجد موجودہ کی توسیع کا کام بھی شروع کردیا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے ایک بڑا کمرہ پرانی مسجد کے برابر چوڑائی میں اور لمبائی میں قریبًا ۶۴ فٹ اور اس نئے کمرے اور پرانے کمرے کے سامنے ایک برامدہ جو ۸۰ فٹ سے زیادہ لمبا ہوگا تیار ہوجاویگا۔ اس توسیع پر غالبًا تین ہزار روپیہ کے قریب خرچ ہوگا۔ مگر یہ کام نہایت ضروری تھا اور اس سے اب سے سالانہ جلسہ کے اجتماع کیلیئے عمدہ جگہ نکل آئیگی۔ اسکے لیئے بالفعل علیحدہ چندہ کی تحریک کرنی مناسب نہیں سمجھی گئی مگر سالانہ جلسہ کے اخراجات کیلئے چندہ میں جملہ احباب اس بات کو مدنظر رکھیں کہ دو ہزار روپیہ اخراجات جلسہ کیلیئے اور تین ہزار روپیہ یہ کل پانچ ہزار روپیہ پورا کرنا ضروری ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھکر اخراجات جلسہ سالانہ کے لیئے سب انجمنیں اور احباب کوشش کریں جلسہ میں اب صرف دو ماہ باقی ہیں اور اس رقم کا بہت جلد پورا ہونا ضروری ہے۔ مساجد کی تعمیر اور توسیع بجائے خود ایک اعلیٰ درجہ کے ثواب کا کام ہے اور اسپر مزید یہ کہ سلسلہ کی ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں۔ اسی اثنا میں میں احباب کو اس طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ لنگر خانہ کی مد بسبب کمی آمد روز بروز زیادہ مقروض ہوتی چلی جارہی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں ان تنگیوں کے وقت میں سال میں ایک یا دو دفعہ خاص چندہ لنگر خانہ کا ہوجایا کرتا تھا۔ اب بھی اگر احباب توجہ کریں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ مالوں میں برکت دینے والا وہی خدا ہے جسکی راہ میں یہ خرچ ہو رہے ہیں۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

سے امروہہ کے طلب کریں اور
ذی استطاعت احباب
متعدد کاپیاں خرید فرماکر
اشاعت میں مدد دیں۔ حضرت
خلیفۃ المسیح کا منشاء ہے کہ
نہایت جلد شائع ہو جاوے۔

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلی کا بتایا ہے ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۲

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ فروری ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شایع ہوا۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۹
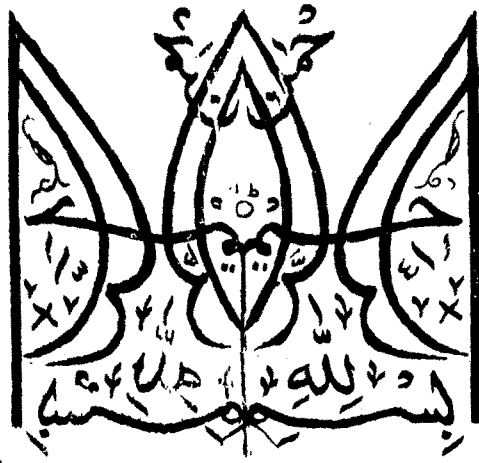
فتح مکہ

حملہ آور قبائل کی گوشمالی

اگرچہ حدیبیہ میں قریش نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرلیا تھا تاہم ابھی ایسے قبائل موجود تھے جو ابھی تک مسلمانوں کو دُکھ دینے سے باز نہیں آئے تھے۔ انکی گوشمالی کیلئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ سے واپس آکر چند ایک مہمیں بھیجیں۔ یہ مہمات کچھ ایسی بڑی نہیں کہ انکا مفصل بیان کیا جاوے۔ انہیں سے ایک مہم حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور دوسری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی سے روانہ کی گئی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تیس آدمی دیکر ایک بدوی قبیلہ کو منتشر کرنیکے لیئے بھیجا گیا تھا اور جب وہ واپس آرہے تھے تو راستہ میں آپکے راستہ بتانے والے نے عرض کی کہ قبیلہ خثعم کی ایک جماعت اس نواح میں چارہ کی تلاش میں نکلکر پھر رہی ہے۔ اگر آپ چاہیں تو انپر حملہ کرسکتے ہیں لیکن فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انپر حملہ کرنیکا حکم نہیں دیا ہے"۔ اس واقعہ کے ذکر سے ہمیں یہ دکھلانا مطلوب ہے کہ مسلمانوں کی یہ جماعتیں ملک میں محض لُوٹ مار کرنیکے لیئے نہیں جاتی تھیں بلکہ وہ صرف انہی لوگوں پر حملہ کرتے

تھے جنہوں نے انکو ایذا پہنچائی تھی اور انپر بھی اسوقت حملہ کرتے جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سے ارشاد ہوتا تھا۔ ایک مہم کا ذکر ہے کہ اس میں اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہما نے نہیک بن مرداس نام ایک دشمن کا تعاقب کیا اور جب اُنپر تلوار سے وار کرنے لگے تو وہ چلا اُٹھا "لا الہ الا اللہ"۔ نہیک کے اس اقرار ایمان کی اُسامہ نے کچھ پروا نہ کی اور اسکو قتل کر دیا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسامہ کے اس فعل کی اطلاع ہوئی تو آپ کو بہت صدمہ پہنچا اور آپنے پوچھا اقتلتہ بعد ما قال لا الہ الا اللہ "کیا تم نے اسکو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنیکے بعد قتل کیا؟" اُسامہ نے عرض کی کہ "اُس نے محض جان بچانے کے لیئے یہ اقرار کیا تھا"۔ لیکن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا فھلا شققت عن قلبہ "کیا تم نے اُس کا سینہ کھولکر دیکھ لیا تھا کہ آیا وہ سچ کہتا ہے یا جھوٹ؟"۔

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی لڑائیاں عربوں کو اسلام لانے پر مجبور کرنیکے لیئے نہ تھیں اگر ان جنگوں سے مسلمانوں کی یہ غرض ہوتی کہ لوگوں کو اسلام لانے پر مجبور کریں تو اُسامہ اس شخص کو قتل نہ کرتا جس نے لا الہ الا اللہ کا باآواز بلند اقرار کیا تھا۔ اُسامہ نے نہیک کو اسوجہ سے قتل کر دیا کہ اول الذکر کے خیال میں اُسکا یہ اقرار خلوص دل سے نہ تھا بلکہ یونہی جان بچانیکا بہانہ تھا۔ پس اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک جس ایمان سے نفاق کی بُو آئے وہ کفر سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگوں کو جبرًا مسلمان کرنیکی کوئی ہدایت نہ تھی۔ یا یُوں کہیئے کہ مسلمان اس ایمان کو جو خوف کا نتیجہ ہو بے ایمانی سے بدتر سمجھتے تھے۔ پھر ایسے لوگوں کی نسبت یہ گمان کرنا کہ اُن کی لڑائیاں اسلام کو جبرًا پھیلانے کیلیئے تھیں محض تعصب اور بے وجہ عناد نہیں تو اور کیا ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ ۸ھ ہجری یعنی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین سال قبل کا ہے اور اسکے مطالعہ کے بعد اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اسوقت تک برابر مسلمان ایسے ایمان کو جو خوف کا نتیجہ ہو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اُنکا اطمینان صرف ایسے لوگوں پر ہوتا تھا جو برضا و رغبت اور صدق دل سے اسلام لاتے تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ کو اسوجہ سے ملامت کی تھی کہ اُسکے پاس کوئی دلیل نہ تھی جس سے نہیک کا دل ہی مسلمان نہ ہونا

ثابت ہوتا۔

جب ایک شکیہ امر تھا اور علاوہ ازیں بعض ایسے اشخاص بھی تھے جو دل سے تو اسلام کی حقانیت کے قائل تھے لیکن ظاہراً ابھی چھپے ہوئے تھے اور یہ ممکن تھا کہ ٹھیک بھی ایسی لوگوں میں سے ہو اور اُسامہ نے جلد بازی سے ایک مسلمان کو قتل کیا ہو۔ اگرچہ اُس نے ایمان کا اقرار ایسے وقت کیا جبکہ وہ موت کے چنگل میں آچکا تھا تاہم یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ وہ پہلے سے دل میں مسلمان ہو اور اپنی قوم کے دباؤ سے انکی طرف سے لڑائی میں حصہ لیا ہو۔ الغرض مسلمانوں کی آنکھ میں خوف کا ایمان اور بے ایمانی برابر تھے انہوں نے اکثر ایسے لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جنہوں نے مغلوب ہونے پر ایمان کا اظہار کیا ہو چنانچہ اُسامہ کے علاوہ ایک اور صحابی محلم بن جثامہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک عرب عامر بن الاضبط کو قتل کر دیا حالانکہ اُس نے اول الذکر کو السلام علیکم کہا تھا اور یہ اسکے مسلمان ہونیکا نشان تھا جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی خبر سُنی تو آپ بہت خفا ہوئے بنو عامر کو ایک سو اونٹ خونبہا میں دیئے اور محلم کو اُسکی جلد بازی اور بدظنی پر ملامت کی۔ قرآن کریم اس واقعہ کی نسبت یوں فرماتا ہے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ (نساء۔۱۳۰) یعنی اے ایمان لانیوالو! جب تم خدا کی راہ میں (زمین میں) پھرو تو تحقیق کرو اور جو شخص تمہیں السلام علیکم کہے اُسکو یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

ہمیں اب اس امر کے اعادہ کی ضرورت نہیں کہ مسلمان ایک خالصۃً للّٰہ اور ریا اور ہر ایک ملونی سے پاک ایمان چاہتے تھے اور خوف کے ایمان کو بے ایمانی سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کو جو تلوار سے ڈر کر اسلام کا اظہار کریں اُنکو دشمن سمجھکر قتل کرنا بھی جائز سمجھتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکی نظر وسیع تھی اور جو رحمۃ للعالمین تھے اپنی رحیم و کریم طبیعت کے باعث یہ نہیں چاہتے تھے کہ ہر ایک شخص کی نسبت جو ظاہراً ایمان لائے یہی فیصلہ کیا جاوے کہ اُسکا ایمان صرف منافقانہ ہے اور یہی خدائے تعالیٰ کا منشار تھا۔ غرض اس واقعہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں سے اسلئے نہیں لڑتے تھے کہ وہ اُنکو جبراً

اسلام منوائیں کیونکہ وہ ایسے ایمان کو جو جبر کا نتیجہ ہو ایمان نہیں سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو جو خوف کی وجہ سے ایمان ظاہر کرے اُسے مسلمان نہیں سمجھتے تھے پھر ایسے لوگوں کی نسبت کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ لوگوں کو تلوار کا خوف دکھا کر جبراً اور اکراہاً مسلمانوں میں داخل کرتے تھے۔

اس زمانہ کی مہمات میں سے ہم یہاں پر ایک اور عجیب اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انصار مدینہ میں سے ایک شخص کے ماتحت مسلمانوں کی ایک جماعت کو روانہ فرمایا اور حکم دیا کہ "اپنے سردار کی فرمانبرداری کریں"۔ اس سردار نے ایک موقعہ پر طیش میں آکر اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ لکڑیاں جمع کریں اور اُنکو آگ لگا دیں اسکے اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور جب لکڑیوں کا تمام ڈھیر شعلہ زن ہو گیا تو اُس نے کہا "کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمکو میری اطاعت کا حکم نہیں دیا؟" اُن سب نے اثبات میں جواب دیا۔ تب اُس سردار نے دوبارہ کہا "تب مَیں تمکو اس جلتی آگ میں کودنے کا حکم دیتا ہوں" اس حکم کی تعمیل سے اسکے سب ساتھیوں نے یکزبان ہو کر انکار کر دیا اور کہا "بے شک حضرت نبی کریم نے ہمکو تمھارے حکم کی تعمیل کا ارشاد فرمایا تھا لیکن (یاد رہے) کہ ہمنے آگ سے ہی بچنے کی خاطر آنحضرت صلعم کا دامن پکڑا تھا اس لیے اب ہم اس آگ میں نہیں کود سکتے (انما فررنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من النار) جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپنے فرمایا "الطاعۃ فی المعروف" یعنی انہی باتوں میں تمپر میری اطاعت واجب ہے جو راست اور جائز ہوں"

ہم نے یہ روایت اس بات کے واضح کرنیکی خاطر یہاں لکھی ہے کہ عرب کے لوگوں نے دوزخ کی آگ سے ڈر کر اسلام قبول کیا تھا نہ کہ کسی تلوار کے خوف سے جیسا کہ ہمارے یسوعی معترض خیال کرتے ہیں یا یُوں کہو کہ وہ اپنے جسم کو بچانیکی خاطر مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام لانیسے اُنکو ابدی نجات مقصود تھی۔ پیارے ناظرین! اس مختصر جماعت کے آدمیوں نے جو جواب اپنے سردار کو دیا وہ اس قابل ہے کہ آپ اسپر توجہ کریں کیونکہ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حلقہ بگوشی کیوں اختیار کی تھی لیکن

اگرچہ مسلمانوں کے امن پسند ارادوں کا کتنا ہی ثبوت ملے تاہم یسوعی مشنری کی آنکھ میں وہ جلاد اور لٹیروں سے بہتر نہیں ہوسکتے۔ آہ کسقدر افسوس کا مقام ہے کہ جو لوگ نار دوزخ سے ڈر کر اسلام کے دامن میں پناہ گزین ہوئے تھے اب دھینگا مشتی سے انہی کو ایک اور آگ یعنی نار حرب کے بھڑکانے کا الزام دیا جاتا ہے۔ پیارے ناظرین! آپ ہی غور کریں کہ جن لوگوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سُنا تھا اور جو اپنی روحوں کو بچانے کی غرض سے آپ کی رسالت پر ایمان لائے تھے بھلا اُنسے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ وہ بیدردانہ اور وحشیانہ احکام سنتے اور پھر بھی آپکے مطیع اور فرمانبردار رہتے۔ اُنھوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ایسے عباد الرحمن بننے کے لیئے پکڑا تھا جنکی تعریف خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم کی مفصلہ ذیل آیات میں فرمائی ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ الآیۃ (فرقان-۶)

یعنی "رحمن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ (انکو چھیڑنے کے لیئے) اُنسے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ سلام کہتے ہیں (اور اُنسے اعراض کرتے ہیں) اور وہ اپنی راتیں اپنے ربّ کے حضور سجدے اور قیام میں گذار دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ جہنم کا عذاب ہم سے ہٹا دے تحقیق اُس کا عذاب لازم ہوجانیوالا ہے اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بُری جگہ ہے۔ اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو وہ بیجا طور پر خرچ نہیں کرتے اور نہ تنگی کرتے ہیں بلکہ اس کے درمیان ایک معتدل راہ اختیار کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالےٰ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی جان کو جسے خدائے تعالیٰ نے حرام کیا ہے ناحق قتل کرتے ہیں۔" یہ اوصاف ہیں جو خدائے تعالیٰ نے عباد الرحمن کے لیئے

بیان فرمائے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم شب و روز اسی کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح اُس درجہ تک پہنچ جائیں جو خدائے تعالیٰ نے عباد الرحمٰن کے لیئے مقرر کیا ہے۔ جب قرآن کی وہ تعلیم ہو اور صحابہ کرامؓ کی یہ کوشش ہو تو یہ کیونکر ممکن ہو سکتا تھا کہ مسلمان قرآن کریم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرتے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معاذ اللہ اُنکو کوئی ایسا حکم دیتے جو آیات مذکورہ کے خلاف ہوتا مذکورہ بالا آیات میں جو ہدایات دی گئی ہیں انھیں ایک یہ بھی ہے وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ یعنی عباد الرحمٰن وہ ہیں جو کسی نفس کو قتل نہیں کرتے سوائے اُسکے جو مستوجب قتل ہو۔ اب اس آیت نے صاف منع کر دیا ہے کہ کسی ایسے شخص کی جان نہ لیجائے جو قتل کا مستحق نہ ہو۔ اب رہی یہ بات کہ قتل کے مستحق کون لوگ ہیں ایک اور آیت میں اسکی بھی تشریح فرمادی گئی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ - ۵) یعنی جو شخص کسی نفس کو بغیر کسی اور نفس کے بدلے یا زمین میں فساد کرنے کے قتل کرتا ہے تو وہ گویا تمام انسانوں کو قتل کرتا ہے۔ اب اس آیت کے مطابق صرف وہی لوگ گردن مارے جانے کے مستحق ہیں جو کسی شخص کو قتل کرتے ہیں یا ملک میں فساد اور بغاوت پھیلاتے ہیں۔

منصف ناظرین! خدا کیلیئے اب آپ ہی سوچکر دیکھیں کہ وہ شخص کہانتک حق بجانب ہو سکتا ہے جو ایسے صریح احکام کی موجودگی میں یہ خیال کرتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو لوٹ مار کرنے اور جو ملے اُسے قتل کر دینے کا حکم دیا تھا؟ اگر بالفرض کوئی شخص اُنکو ایسا حکم بھی دیتا تو وہ لوگ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف اس غرض سے ایمان لائے تھے کہ متقیوں کے امام بنیں اور جنکو الطاعة فی المعروف کا ارشاد تھا اُنسے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ ایسے احکام کی تعمیل کرتے (مذکورہ بالا واقعات کے لیئے ملاحظہ ہو زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۰۶ سے لیکر ۴۱۰ تک)

قبل ازیں ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی کئی جماعتوں کو دغاباز اعرابیوں نے نہایت بیرحمی سے قتل کر دیا تھا۔ جس سال کا ہم اب ذکر کر رہے ہیں اُسمیں بھی بعینہٖ اسی

قسم کا ایک واقعہ پیش آیا یعنی تیس مسلمانوں کی ایک جماعت پر فدک کے راستہ میں دشمن نے حملہ کیا انہیں سے صرف اس جماعت کا سردار بچا....... باقی سب قتل کیے گئے (ملاحظہ ہو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ میور صفحہ ۳۷۳)۔ ہاں اب یہ بات ضرور تھی کہ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ نصرت الٰہی شامل تھی اسلیئے دشمنوں پر ایک الٰہی رعب قائم ہوگیا اور جن مسلمانوں کو پہلے معمولی شکار سمجھا جاتا تھا اب انسے ہیبت معلوم ہوتی تھی۔ اسکی تشریح اور وضاحت کے لیئے ہم الحرث بن عوف کی بیان کردہ روایت ذیل میں دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حسیل بن نویرہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خبر لیکر آیا کہ عیینہ جو محاصرہ مدینہ کے وقت بدوؤں کا سرغنہ تھا اب پھر بعض دوسرے صحرائی قبائل کے ساتھ ملکر مدینہ یا اُس کے مضافات پر حملہ کرنیکی تیاریاں کر رہا ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ و عمرؓ سے مشورہ کیا اور تین سو آدمیوں کا ایک دستہ بشیر بن سعد کے ماتحت اس طرف روانہ فرمادیا۔ اس فوج نے صبح ہوتے ہی اُنپر دھاوا بول دیا اور جب دشمن کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ ہر طرف جہاں کسی کے سینگ سمائے بھاگ نکلے۔ انکا سردار عیینہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ اور مسلمان مظفر و منصور دو قیدی لیکر واپس آئے۔ جب عیینہ سراسیمہ و پریشان پوری تیزی سے بھاگا جارہا تھا تو راستہ میں اُسے الحرث بن عوف ملا۔ مؤخر الذکر نے اُسکو ٹھہرنے کیلیئے کہا لیکن عیینہ نے پھولی ہوئی آواز سے جواب دیا "مَیں نہیں ٹھہرسکتا کیونکہ میرے تعاقب کنندہ پیچھے آرہے ہیں"۔ الحرث نے کہا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو اب ہر جگہ مخالفت کا سر نیچا کر دیا ہے تم کب تک اُنکا مقابلہ کرتے رہوگے؟" بھلا اس سوال کا جواب دینے کی کسکو فرصت تھی عیینہ اتنے تک دور نکل چکا تھا۔ الحرث بیان کرتا ہے کہ مَیں وہاں دوپہر سے مغرب کے وقت تک ٹھہرا رہا لیکن مجھے کوئی تعاقب کنندہ نظر نہ آیا (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۰۸) درا صل مسلمانوں کا خوف تھا جو اس بھگوڑے سردار کا تعاقب کر رہا تھا۔ عیینہ صبح سے دوپہر تک گھوڑا مارتا اور دم توڑتا چلا آیا تھا لیکن ابھی تک وہ برابر صحرائے عرب کی جلتی ہوئی ریت پر دوپہر کے جھلسنے والے سورج کی تیز دھوپ میں بھاگا چلا جارہا تھا۔ اللہ۔ اللہ۔ جن مسلمانوں کو عربوں نے مکّہ سے نکالا حبش کو بھگایا اور جنکو ہر طرح کی ایذا دینے سے درگذر نہ کی۔ اب ان کے رعب کا

یہ عالم کہ عیینہ جیسا بہادر سردار محض وہم) تعاقب سے ڈرتا ہوا بھاگا جارہا ہے۔ الغرض اب اعراب مسلمانوں کو آسان شکار نہیں سمجھتے تھے۔ اور مسلمانوں کا جو رعب اُنکے دشمنوں کے دلوں پر بیٹھ گیا تھا وہ جیسا ہم پہلے کہہ چکے ہیں الٰہی نصرت کا نتیجہ تھا اور آخرکار اسی نصرت الٰہی نے اُنکے تند خو دشمنوں کی آتشِ غضب کو ٹھنڈا کردیا اور ان ایذا دہندوں کے خونخوار ہاتھوں سے اُنکو بچا لیا۔

ناظرین! ان چھوٹی چھوٹی مہمات میں بھی خدائے تعالیٰ کی عجیب و غریب قدرتوں کے تماشے اور نشانات ظاہر ہوتے تھے چنانچہ روایت ہے کہ جندب ابن مکیث الجھنی ایک ایسے دستہ کے ہمراہ تھے جسکو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام کدید پر بنی الملوح نام قبیلہ کی سرکوبی کے لیئے روانہ فرمایا تھا۔ غروب آفتاب سے تھوڑی دیر قبل صاحب موصوف قبیلہ مذکور کی جھونپڑیوں سے تھوڑے فاصلہ پر ایک ٹیلہ پر کھڑے تھے جبکہ دشمنوں میں سے کسی نے اُنکو دیکھا اور فوراً یکے بعد دیگرے دو تیر چلا دیئے۔ اُنہوں نے تیر تو نکال کر پھینک دیئے لیکن اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ یہ دیکھکر اُس عرب نے سمجھا کہ ٹیلہ پر کوئی بے جان چیز ہے انسان نہیں اسلیئے اُس نے اور کوئی تیر نہ چلایا۔ جب صبح ہوئی تو کثیر التعداد دشمنوں نے مسلمانوں کا تعاقب کیا لیکن جسطرح سمندر کی ایک لہر نے بیچ میں پڑ کر بنی اسرائیل کو فرعونیوں کے ہاتھ سے چھڑا لیا تھا اُسی طرح یہاں بھی ہوا یعنی جب تعاقب کنندہ کفار اور مثیل موسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی اس مختصر جماعت کے درمیان صرف ایک ہی وادی کا فاصلہ رہ گیا تو یک بیک پانی کی ایک پُر زور رَو آگئی اور تعاقب کنندگان اپنا شکار ہاتھ سے نکلتا ہوا دیکھکر ششدر و حیران کھڑے کے کھڑے رہ گئے جبکہ اُنکی آنکھوں کے سامنے مسلمان صحیح و سالم بچکر نکل گئے۔

(زاد المعاد صفحہ ۴۰۸ جلد اوّل)

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور جماعت جسمیں تین سو جانباز مجاہد تھے ساحل سمندر کی طرف بھیجی تھی لیکن وہاں جاکر اُنکی رسد ختم ہوگئی اور وہ بھوک کے مارے اسقدر تنگ ہوئے کہ درختوں کے پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے لگے۔ اب خدائے تعالیٰ کی نصرت جوش میں آئی اور جسطرح موسیٰ کی اُمت کو جنگل میں من و سلویٰ عنایت کیا تھا اسی طرح مثیل موسیٰ کے صحابہؓ کو اسوقت غیب سے رزق بھیجدیا یعنی خدائے تعالیٰ کے حکم سے سمندر کی لہر نے کنارے پر

ایک اتنی بڑی مچھلی ڈالدی جسپر اس جماعت نے پندرہ روز تک گذارہ کیا بلکہ واپس آتے ہوئے کچھ حصہ بچا کر مدینہ میں لائے جسمیں سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کچھ حصہ لیا۔ یہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ لمبے سے لمبا آدمی اونچے سے اونچے اونٹ پر سوار ہوکر اسکی پسلیوں کے نیچے سے گذر سکتا تھا۔ (ابن ہشام اور لائیف آف محمد (صلعم) صفحہ ۳۸۵)

الغرض یہ چھوٹی چھوٹی مہمیں عربوں کے ہاتھ سے تنگ آکر انکی نقل و حرکت کے دیکھنے اور وقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دینے کے لیئے اور نیز ظالم حملہ آوروں کی سرکوبی کے لیئے بھیجی گئی تھیں اور انہیں بھی خدائے تعالیٰ کے زبردست ہاتھ نے ایسے ایسے واقعات دکھائے جو مسلمانوں کے ایمان کی زیادتی کا موجب ہوئے اور ابتک ہو رہے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ لٹیروں اور غارتگروں کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا یہ تعلق ہوتا ہے؟

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ ادا کرتے ہیں۔

اب ذی القعدہ کا مہینہ آگیا تھا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و قریش کے درمیان جو صلح کا معاہدہ حدیبیہ پر ہوا تھا اُسے ایک سال ہو چکا تھا۔ شرائط صلح کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ اب کی مرتبہ زیارت کعبہ سے مشرف ہوں اسلیئے آپ دو ہزار صحابہ رض کو ساتھ لیکر عمرہ کرنیکے لیئے روانہ ہوئے۔ اور سوائے ایک ایک تلوار کے جو ہر ایک کے نیام میں رہتی تھی اور جسکے رکھنے کی حاجیوں کو اجازت بھی تھی اور کوئی ہتھیار کسی نے بھی نہیں باندھا تھا ہاں یہ احتیاط ضرور کی تھی کہ دغا و فریب سے بچنے کے لیئے آلات حرب کا کافی سامان علیحدہ ساتھ رکھ لیا تھا۔ مسلمان شہر مکہ کے قریب[۴۴] فاصلہ پر ایک گھاٹی میں رکھدیا گیا اور دو سو جوان اُسکی حفاظت کے لیئے پیچھے چھوڑ دیئے قریش نے یکدم شہر کو خالی کر دیا اور نزدیک کی پہاڑیوں پر چڑھکر اُن دیس بدر آدمیوں کو دیکھنے لگے جو سات سال قبل اپنے ہی بھائی بندوں کے ہاتھ سے تنگ آکر اپنے وطن مالوف کو بصد حسرت و رنج خیر باد کہنے پر مجبور ہوئے تھے۔ جب وہ مبارک مقام نظر آنے لگا تو مسلمانوں نے لبیک لبیک کا نعرہ بلند کیا۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے تمام مسلمانوں نے اپنے کندھے برہنہ کر کے تیز تیز قدم اٹھا کر طواف شروع کر دیا۔ کندھوں کے

لیکر عمرہ کے مراسم ادا کیئے اور آپ

برہنہ کرانے اور تیز دوڑانے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقصد تھا کہ دشمنوں پر مسلمانوں کی طاقت کا اظہار ہوجائے اور جب انپر یہ واضح ہوجائیگا کہ مسلمانوں میں طاقتور اور بہادر جوان موجود ہیں تو وہ آئندہ لڑائی فساد کا خیال کرنیسے باز آجائیں گے۔ اور ملک میں مستقل طور پر امن وامان ہوجائیگا۔

ناظرین! آپ ہی دیکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امن کیسا عزیز تھا اگر آپ نے طاقت کا اظہار کیا تو بھی اسی نیت سے کہ کسی طرح دشمن جنگ و تعدی سے باز آجائیں۔

علاوہ ازیں جب عبد اللہ بن رواحہ نے بعض جوش پیدا کرنیوالے الفاظ بولنے شروع کردیئے۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسکو روکدیا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا اے رواحہ کے بیٹے نرمی اختیار کرو اور ایسے الفاظ زبان پر لانے کے بجائے اسطرح کہو۔ لا الٰہ الا اللہ وحدہ نصر عبدہ واعز جندہ وھزم الاحزاب وحدہ یعنی "اللہ تعالٰی کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اسی خدا کا کام ہے کہ اُسنے اپنے رسول کی نصرت کی اور اپنے لشکر کو غلبہ دیا اُسی مولانے مخالفین کی متفقہ فوجوں کو تنہا بھگا دیا" (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۰۸ جلد ثانی۔ ولائیف آف محمد صلعم مصنفہ میور صفحہ ۳۷۴)

عبد اللہ نے انہی الفاظ کو بلند آواز سے پکارا اور باقی تمام لوگوں نے پورے زور کے ساتھ اُسکی تقلید کی یہانتک کہ قرب وجوار کی پہاڑیاں بھی گونج اُٹھیں۔ اب صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب بیان میور صفحہ ۳۷۴ عبد اللہ کو بھڑکانیوالے الفاظ بولنے سے محض اسلیئے روکا کہ کہیں قریش دوبارہ جنگ وجدل نہ شروع کردیں اور اس طرح آپکے امن پسند ارادوں کی تکمیل میں پھر ایک رُکاوٹ پیدا نہ ہوجائے۔

دوسرے روز صبح کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے اور وہاں پر برابر ظہر کے وقت تک اپنے مولا کے حضور دعائیں کرتے رہے۔ جب نماز کا وقت آگیا تو بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دیدی۔ اذان سُنکر تمام صحابہؓ ادھر اُدھر سے بیت اللہ شریف کی دیوار کے نیچے جمع ہوگئے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جماعت کرائی جبکہ مکہ والے سخت حیرت اور تعجب سے اس نظارے کا مشاہدہ

کر رہے تھے۔

میور کہتا ہے کہ " یہ ایک نہایت ہی عجیب منظر تھا جو مکہ کی وادی میں اسوقت ظہور پذیر ہوا یہ ایسا نظارہ تھا جسکی نسبت ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اہالیان مکہ نے اپنے قدیم شہر کو تین روز کے لیئے بالکل خالی کر دیا ہے اور جونہی وہ شہر سے باہر نکلتے ہیں اسی وقت دیس بدر لوگ جو کئی سال ہوئے اپنی زاد بوم سے نکالدیئے گئے تھے اپنے مددگاروں کو ساتھ لیکر مکہ کی وادی میں داخل ہوتے ہیں۔ اپنے بچپن کے گھروں پر ایک بار پھر نظر ڈالتے ہیں اور تھوڑے سے مقررہ وقت کے اندر اندر عمرہ کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ مکہ کے باشندے اپنے بال بچوں سمیت قرب وجوار کی بلندیوں پر چڑھکر پہاڑیوں اور گھاٹیوں کے درمیان خیموں یا چٹانوں کے سایہ میں پناہ لیتے ہیں۔ اور پہاڑ کی اونچی چوٹی پر چڑھکر نو واردوں کی حرکات وسکنات پر ایک متحیر نظر ڈالتے ہیں اور جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام ہوکر نماز اور مراسم عمرہ ادا کرلیتے ہیں تو وہ ہر ایک شخص کو بڑے غور سے دیکھتے جاتے ہیں اور ان مسافروں کی جماعتوں میں کسی دیر کے بچھڑے ہوئے عزیز یا دوست کی تلاش کر رہے ہیں۔ یہ نظارہ بھی انہی دکھوں اور دردوں کا نتیجہ تھا جو پیدائش اسلام کا موجب ہوئے "

حضرت نبی کریم رشتہ داری کے تعلقات قائم کرکے اتحاد پیدا کرتے ہیں

ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (فداہ ابی وامی) بنی مصطلق کی طاقتور قوم کے سردار کی بیوہ لڑکی جویریہ سے عقد کرکے اس قبیلہ کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق پیدا کرلیا تھا اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس رشتہ کی اطلاع ہوئی تھی تو انہوں نے یہ کہکر کہ اب بنی مصطلق ہمارے اقارب ہوگئے ہیں فوراً تمام قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔ اسی رشتہ کے متعلق حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ "جس برکت کا موجب جویریہ اپنی قوم کے لیئے ہوئی ہے اس سے بڑھکر کبھی کوئی اور عورت نہیں ہوئی" ایسا ہی لکھا ہے کہ جب آپ نے اپنے ایک امیر الجیش عبدالرحمن کو دومۃ الجندل کی مہم پر بھیجا تو انکو بھی ہدایت فرمادی کہ وہاں کے عیسائی سردار کی بیٹی سے شادی کرلیں

یہ واقعات تو ایسے وقت کے ہیں جب آتشِ جنگ پورے زور سے بھڑک رہی تھی لیکن اب زمانہ ایک حد تک بدل چکا تھا۔ صلح حدیبیہ سے یہ آگ ٹھنڈی ہو چکی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان شرائط صلح طے ہو چکی تھیں اسلیئے اب قرابتوں اور رشتوں کے ذریعہ اتحاد و امن قائم کرنیکا نہایت ہی موزون و مناسب موقعہ تھا۔

ہمارے ناظرین کو بخوبی معلوم ہے کہ مسلمانوں کے مقابل میں اب قریش کا سرغنہ ابوسفیان تھا کیونکہ ابوجہل۔ عتبہ۔ شیبہ جیسے خونی دشمن خدائے تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق ناکامی کے ساتھ ہلاک ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر مُہر لگا چکے تھے۔ مسلمانوں کا جو گروہ حبش کو ہجرت کر گیا تھا اُس میں ابوسفیان کی بیٹی بھی تھی جسکا نام ام حبیبہ تھا جو اب بیوہ ہو گئی تھی۔ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ نجاشی شاہ حبش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خط لکھے تھے۔ دوسرے خط میں شاہ موصوف کو جو اب مسلمان ہو چکا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ارشاد تھا کہ باقی ماندہ مہاجرین کو مدینہ پہنچا دے اور ابوسفیان کی بیٹی ام حبیبہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد باندھ دے۔ مکّہ کے سردار کی بیٹی سے یہ نکاح ایسے وقت کیا گیا تھا جبکہ عارضی طور پر لڑائی وغیرہ بند تھی اور اس سے یہ غرض مدِّنظر تھی کہ ابوسفیان کو راضی کر لیا جائے اور اسطرح اس عارضی صلح کو دائمی امن کے ساتھ بدل دیا جائے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے موقعہ پر حضرت میمونہ رضؓ سے شادی کر لی جو مکّہ کی ایک بیوہ تھی اور خالد جیسے بہادر اور جانباز قریش اسکے عزیز اقربا میں سے تھے۔ مکّہ کے اقارب کے علاوہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی رشتہ داری دوسری عرب اقوام سے بھی تھی اور اسطرح اس شادی سے بھی بہت سے دشمن دوست ہو گئے۔

دشمنوں کے مسخر کرنیکے اس طریق پر ہندوستان کے ایک بیدار مغز اور عقلمند بادشاہ نے بھی عمل کیا تھا۔ اکبر راجپوت جنکو مسلمان حملہ آوروں نے سلطنت سے محروم کیا تھا اور جو طبعاً اسلامی سلطنت کے دشمن تھے اکبر کی اس دُور اندیشی اور

حکیمانہ طریق و عقلمندانہ روشس کے باعث اُسکے جاںنثار دوست بنگئے تھے۔ اور جنکو وہ پہلے دشمن خیال کرتے تھے اب وہی اُنکے داماد اور بہنوئی تھے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رشتہ داری کے تعلق سے ایک اور بات بھی مقصود تھی یعنی ان بیویوں کے خویش و اقارب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتے جاتے تھے اور اس طرح اُن کو آپسے ملاقات کرنے اور آپکے اخلاق و عادات و مذہب کا مطالعہ کرنیکا موقعہ ملجاتا تھا جسکا اکثر یہی نتیجہ ہوتا کہ وہ مسلمان ہوجاتے۔ اگر کوئی دیکھنے والی آنکھ ہو اور سوچنے والا دل ہو تو اُسے یہاں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور سچائی کی ایک اور شہادت ملتی ہے کیونکہ کسی کاذب کا یہ دل گردہ کہاں ہوسکتا ہے کہ دشمن کو گھر بلاکر اُسے اپنی ذات اور اپنے مذہب کی کمزوریوں کے دیکھنے کا موقعہ دے اور اپنی عادات اور اخلاق کو مخالف کی نکتہ چین آنکھ کے نیچے رکھے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی

نبی کریم صلعم کا میمونہؓ کے ساتھ شادی کرنیسے صرف اُسکے عزیز و اقربا کو عداوت سے باز رکھنا ہی مقصود نہ تھا بلکہ آپ چاہتے تھے کہ کوئی موقعہ نکالکر قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کی دعوت کریں اور اس طرح اُنکے ساتھ دوستانہ بات چیت کرکے اُنکو راضی کریں۔ جتنی دیر تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں قیام رہا اُتنی دیر تک قریش اُنسے بالکل الگ تھلگ رہے صرف چند ایک آدمی آپسے ملے جن سے آپنے حسب عادت خندہ پیشانی کے ساتھ گفتگو کی۔ جب تین دن مقررہ ختم ہوگئے تو چوتھے روز قریش کے دو سردار سہیل اور حویطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور آئے اور کہا کہ "آپ اب تشریف لیجائیں"۔ اسکے جواب میں آنحضرتؐ نے بڑی نرمی اور اخلاق سے فرمایا "اس میں آپکا کیا حرج ہے اگر آپ مجھے کچھ اور دیر ٹھہرنے ولیمہ کرنے اور مہمانوں کو کھانا کھلانے کی اجازت دیں بلکہ اس دعوت میں آپ لوگ بھی شریک ہوں"۔ سرداران قریش سمجھ گئے کہ نبی کریمؐ اُنکے درمیان ٹھہر کر قریش کو اپنے حسن سلوک سے مسخر کرنا چاہتے ہیں اسلیئے انہوں نے جواب دیا "ہمیں آپ کے کسی کھانے دانے کی ضرورت نہیں۔ آپ کی

مہلت کا مقررہ وقت گذر چکا ہے اسلیئے آپ اب ہمارے ہاں سے چلے جائیں" اسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ وفائی کے لحاظ سے فوراً کوچ کا حکم دیدیا اور حضرت ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو اپنے غلام ابو رافع کے سپرد کر کے سرف نام مقام کی طرف روانہ ہوئے جو مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ آپکے تشریف لانے کے بعد میمونہ اور ابو رافع دونوں کو مکہ والوں نے بڑی تکلیف اور ایذا پہنچائی (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۰۳-۳۱۵- میور صفحہ ۳۷۳-۳۷۸)

ناظرین! ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی اور صلح کی کوششوں پر نظر ڈالیں اور دوسری طرف قریش کی سنگدلی ملاحظہ ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش سے مصالحت کرنیکے خواہشمند تھے لیکن اسوجہ سے نہیں کہ وہ اُنسے ڈرتے تھے بلکہ اسلیئے کہ آپکو اُنسے محبت تھی۔ اسوقت یہ خیال کرنا کہ قریش سے کسی قسم کا خوف تھا محض ناواقفی اور واقعات سے لاعلمی ہے کیونکہ اب اُنکی طاقت بالکل ٹوٹ چکی تھی جسے میور صاحب بھی تسلیم کر رہے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "مکہ میں جانیسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ پتہ لگ گیا کہ اُس جگہ آپ کا کہانتک اثر ہے اور نیز یہ کہ قریش کی طاقت اور انکا جوش کہانتک کمزور ہو رہے ہیں۔.... اب قریش میں کوئی مسلّمہ قابل اور با اثر سردار نہیں تھا۔ اسلیئے ایک ہی دلیرانہ اور زبردست حملہ اُس جھگڑے کو ختم کرنیکے لیئے کافی تھا جو کئی سال سے مکہ کو زیروزبر کر رہا تھا" ایسے وقت جب قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو چکا تھا اور جبکہ ایک ہی حملہ میں اُن کا کام تمام ہو سکتا تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُنکو راضی کرنیکی کوشش کرنا صاف بتلاتا ہے کہ آپ کو مجبوراً تلوار نیام سے باہر کرنی پڑی تھی۔ ورنہ آپ ہمیشہ امن و مصالحت کے خواہاں تھے۔ اب ان واقعات کی موجودگی میں بھی اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ جنگ وجدل کرنے میں سبقت کی تھی تو ہم ایسے شخص کو حوالہ خدا کرتے ہیں۔

پیارے ناظرین! ہم پوچھتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ ہمارے

دشمن کہتے ہیں۔ پہلے پہل جبکہ آپکا جتھا کمزور تھا دشمنوں پر پیشدستی کی تھی تو اب جبکہ دشمن کمزور اور آپ طاقتور تھے کونسا امر اس بات سے مانع تھا کہ ایک ہی حملہ میں قریش کو تباہ و برباد کر دیتے؟ پھر اسکی کیا وجہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسوقت جبکہ آپکے ارشاد پر ہزاروں جانباز بہادر جان قربان کرنیکو تیار تھے اور جبکہ قریش کی طاقت پورے طور پر ٹوٹ چکی تھی آپنے اُنکی کمزوری سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ اُنکو رضامند اور خوش کرنیکے لیئے ہر طرح کی کوشش فرمائی؟۔ بات اصل میں یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ پہلے پیشدستی کی تھی نہ اب۔ غور کا مقام ہے کہ جب آپنے طاقتور ہو کر دشمن کی کمزوری سے فائدہ نہیں اُٹھایا بلکہ مصالحت کی کوشش کی تو یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ کمزور ہو کر زبردستوں پر سبقت کرتے؟۔ سچی بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی اور وہ کسی وقت اُنکی تباہی پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ہمیشہ یہی چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح صلح و صفائی سے رہیں اور اپنے حقیقی خیر خواہ کو دُکھ دیکر مورد غضب الٰہی نہ بنیں اگر قریش مسلمانوں کو نابود کرنیکے لیئے تلوار نیام سے نہ نکالتے تو آپ کبھی اُنسے نہ لڑتے اور واقعات تو یہ بتلاتے ہیں کہ کسی شخص کو کبھی اپنی قوم سے اسقدر الفت نہیں ہوئی جسقدر آنحضرت صلعم کو قریش سے تھی۔ جب آپ مکہ میں تھے تو قریش کو غلطی پر دیکھکر آپ کو بہت دُکھ پہنچتا تھا اور اُنکو راہ راست پر لانے اور ظلمت سے نکالنے کیلیئے وعظ کرتے رہتے۔ آپکے اس فکر اور غم کی طرف قرآن کریم اسطرح ارشاد فرماتا ہے لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین (شعراء رکوع ۱) یعنی شاید تو اس غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دیگا۔

جب آپ کی قوم یعنی قریش نے آپکی وعظ و نصیحت پر توجہ نہ کی بلکہ اُلٹی مخالفت کی تو آپ کو خوف پیدا ہوا لاایسا نہو انکا بھی وہی حشر ہو جو پہلے انبیاء کے مخالفوں کا ہوا ہے اسلیئے آپنے متواتر اُنکو آنیوالے عذاب سے ڈرایا اور بار بار توبہ کرنیکی طرف توجہ دلائی۔ یہ سب کچھ محض اسلیئے ہوا کہ آپ کو اپنی قوم سے دلی محبت تھی اور یہ خیال آپکو بار بار دُکھ دیتا تھا کہ مبادا قریش بھی پہلے لوگوں کی طرح ایک رسول کی مخالفت کر کے عذاب الٰہی کا شکار ہو جائیں۔ اب جبکہ قریش کی طاقت کا خاتمہ ہو چکا تھا آنحضرتؐ کی اس پرانی محبت نے جو کبھی سرد

نہیں ہوئی تھی پھر جوش مارا اور آپنے انکو رضامند کرنیکی کوشش فرمائی۔ اسمیں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر اسوقت چاہتے تو قریش کو کلیتہً ملیامیٹ کر دیتے۔

ناظرین! یہ وہی قریش تھے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو سخت سے سخت دکھ دیئے تھے۔ جنہوں نے آپکی جان پر حملہ کیا تھا اور آپکے سر مبارک کی قیمت مقرر کی تھی۔ ہاں ہاں یہ وہی قریش تھے جنہوں نے مسلمانوں کے کچلنے کیلئے بار بار مدینہ پر حملے کئے تھے اور جنہوں نے آنحضرت صلعم کے پیارے اصحابؓ کی نعشوں کی بے حرمتی کی تھی اور شہید مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کیا تھا۔ اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے صحرائی قبائل کو اُکسا کر مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کی عزیز جانیں سخت خطرہ میں کر دی تھیں۔ ہم بڑے زور سے کہیں گے کہ یہ وہی کینہ توز لوگ تھے جنہوں نے مرد تو درکنار مسلمان عورتوں پر بھی دست ظلم و تعدی دراز کیا تھا۔ کیا ایسے لوگ بھی کسی رحم کے مستحق ہو سکتے تھے؟ ہرگز نہیں قطعاً نہیں لیکن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صافی میں اپنی قوم کی وہ محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ آپنے ان تمام باتوں کو نسیاً منسیا کر دیا اور قریش سے صلح کرنیکی سعی فرمائی۔ ابتدا سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برابر اس کوشش میں مصروف تھے کہ کسی طرح انکی قوم اس عذاب سے بچ جائے جو رسولوں کے مخالفوں کا حصّہ ہوتا ہے۔ اور اسی لیئے آپنے اس موقعہ پر بھی مصالحت کیلیئے سعی فرمائی۔ لیکن جائے تعجب ہے کہ آپکو قریش سے جسقدر الفت تھی اُن لوگوں کو آپسے اُتنی ہی نفرت تھی۔ معلوم ہوتا ہے یا تو ابھی تک اُنکو اپنی طاقت پر کسی قدر گھمنڈ تھا یا آنحضرتؐ کی نرمی سے ناجائز فائدہ اُٹھا کر گستاخی دکھاتے تھے اور اسی لیئے آپ کی محبت اور اخلاص سے بھری ہوئی کوششوں پر اُنھوں نے قطعاً توجہ نہ کی۔ خیر اسکا کچھ ہی سبب ہو لیکن آنحضرتؐ نے مصالحت کے لیئے جو کوششیں کیں وہ اُس الزام کی بریت کیلیئے کافی ہیں جو مسیحی لوگوں نے جھوٹ مُوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگایا ہے یعنی یہ کہ معاذ اللہ آنحضرت صلعم نے قریش پر تلوار اُٹھانے میں ابتدا کی تھی۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ایسا اعتراض کرنیوالوں سے کوئی یہ تو پوچھے کہ اگر آنحضرت صلعم نے ایسے وقت لڑائی میں ابتدا کی تھی کہ جب آپکے ساتھ ایک

مٹھی بھر اور وہ بھی بے سروسامان آدمی تھے تو اب کونسی ضرورت پیش آئی تھی کہ آپ مصالحت کے خواہاں تھے اور لڑائی کو بند کرنا چاہتے تھے؟ اور اگر قریش نے طاقتور ہونیکے وقت مجبوراً اور اپنی مرضی کے برخلاف تلوار اُٹھائی تھی تو اب کمزوری کے وقت انکو مصالحت کر لینے سے کونسی بات مانع تھی؟ ایسے معترضین کو یہ خیال نہیں آتا کہ جس شخص کو ہر آن یہی دُھن ہو کہ کسیطرح قریش راضی ہو جائیں وہ کیونکر انسے جنگ چھیڑنے میں ابتدا کر سکتا تھا۔

آہ - کیسے افسوس کا مقام ہے کہ مخالفین ہماری نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس لباس جنگ پر ہی نظر ڈالتے ہیں جو قریش کے ظالم ہاتھوں سے بچنے کیلئے آپؐ اور آپکے صحابہؓ کو مجبوراً پہننا پڑا تھا اور اُس خیر خواہ وہمدرد قلب تک اُنکی کوتاہ بین آنکھ نہیں پہنچتی جو اس زرہ بکتر کے نیچے چھپا ہوا تھا اور جو اپنے بدخواہوں کی بہتری کیلئے شب و روز تڑپتا تھا۔

آنحضرت صلعم کی قریش سے جو محبت تھی اس میں مہاجرین بھی شریک تھے چنانچہ ایکمرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو انصار مدینہ میں سے تھے ایک قریش سردار کے متعلق کچھ ہتک آمیز الفاظ کہے تو حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے اُنکو ملامت کی۔ وہ بات یہ تھی کہ کہیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک قریش سردار کی نسبت جو مسلمانوں کا سخت دشمن تھا یہ کہہ بیٹھے کہ افسوس وہ زندہ بچکر نکل گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ اسپر خفا ہو گئے اور غصہ سے کہا کہ کیا تم ایک قریش کی نسبت ایسے الفاظ استعمال کرتے ہو؟ ایسا ہی جب عبداللہ بن رواحہ نے عمرہ کے موقعہ پر کچھ جوش دلانیوالے الفاظ کہے تو سب سے پہلے اُسکو جس شخص نے روکا وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ غرض اس میں کلام نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین رضی اللہ عنہم سب کو قریش سے محبت تھی لیکن جسطرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب اعلیٰ اور شان والا تھی اسی طرح اپنی قوم سے آپکو محبت بھی دوسروں کی نسبت بڑھی ہوئی تھی۔ اور اس محبت نے یہانتک ترقی کی ہوئی تھی کہ انصار مدینہ میں سے بعض کو اس بات کا رشک بھی ہوا تھا چنانچہ

فتح مکہ کے بعد ایک موقعہ پر انہوں نے شکایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کی رعایت کرتے ہیں۔

یہاں پر سوال ہو سکتا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش سے محبت تھی تو پھر قریش کو آپ سے کیوں محبت نہ تھی؟ ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ خدائے تعالیٰ کی ہمیشہ یہی سُنّت رہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تو اپنی قوم سے پرلے درجہ کی ہمدردی اور اُنس ہوتا ہے اور وہ انکو اندھیرے میں دیکھکر کُڑھتے اور شب و روز اس دُھن میں لگے رہتے ہیں کہ کسی طرح وہ نجات پاکر ظلمت سے نور کی طرف آجائیں۔ لیکن چونکہ خدا کے مرسل آسمان کی طرف سے ہوتے ہیں اسلئے زمینی لوگ انکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اوّل الذکر تو بنی نوع انسان سے سچی الفت و محبت رکھتے ہیں لیکن دنیا کے کیڑے اس محبت کی قدر نہیں کرتے بلکہ اُلٹا اُنکو نفرت اور دشمنی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُنکی مخالفت میں ناخنوں تک زور لگاتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ ماموران الٰہی کی اس محبت کا کہیں سے کوئی جواب ہی نہیں ملتا بلکہ اکثر ایسی سعید روحیں نکل آتی ہیں جو دنیا کی ملونی سے پاک ہوکر ان آسمانی لوگوں کو پہچان لیتی ہیں اور اُنکی محبت کا جواب محبت سے دیتی ہیں اگرچہ اُنکی محبت اُس محبت کا پاسنگ بھی نہیں ہوتی جو ماموران الٰہی کو بنی نوع انسان سے ہوتی ہے۔

پیارے ناظرین! اب آپ اُس محبت اور اخلاص پر غور کریں جو صحابہ کرام رضؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا اور چونکہ یہ اخلاص و محبت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس اُلفت کا نامکمل عکس تھا جو بنی نوع انسان کیلئے آپکے قلب صافی میں بھری ہوئی تھی اسلئے آپ اندازہ لگا سکیں گے کہ ہمارے آقا ہمارے سید و مولےٰ۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق خدا سے کیسا اُنس اور کیسی محبت تھی۔

ہم اس سلسلہ مضامین میں پیچھے ابوسفیان کے وہ لفظ نقل کر چکے ہیں جو اُس نے

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر کہے تھے اور نیز طائف کے سردار عروہ کے وہ الفاظ نقل کر چکے ہیں۔ جو اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیبیہ میں ملنے کے بعد کہے تھے انہیں صاف صاف اس بات کا اقرار کیا گیا تھا کہ صحابہؓ اپنے نبی پر جان و دل سے فدا ہیں۔ اور اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس محبت کا جو آپکو بنی نوع انسان سے تھی حضرت مسیحؑ ناصری کی اُس محبت سے جو انکو اپنی قوم یعنی یہود سے تھی مقابلہ موازنہ کرنا چاہے تو اُسے کہیں دور جانیکی ضرورت نہیں صرف یہ کرے کہ آنحضرت صلعم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سچی اطاعت و محبت اور وفاداری کا مسیح کے شاگردوں کی کارروائی سے مقابلہ کرلے جو اپنے اُستاد کے پکڑا جانے پر اُنسے ظاہر ہوئی۔ ہمارے خیال میں اس عظیم فرق کا سبب صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل زمانوں اور کُل اقوام کیلئے مبعوث ہوئے تھے جیساکہ قُل یَآ اَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا سے صاف ظاہر ہے اور مسیح ناصری صرف اپنے زمانہ کے بنی اسرائیل کیلئے آئے تھے جیساکہ متی ۱۵-۲۴ سے صاف ظاہر ہے۔ پس جس طرح اول الذکر کی بعثت عالمگیر تھی اور آخر الذکر کی صرف ایک ہی زمانہ اور ایک ہی قوم تک محدود تھی اُسی طرح اُنکی محبت کا بھی قیاس کر لینا چاہیئے۔ اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اثر صرف صحابہؓ پر ہی نمودار نہ ہوا بلکہ وہ محبت ایسی زبردست تھی کہ آخر دشمنوں پر بھی اثر کر گئی یہ آپ کی محبت ہی کی کشش تھی جسنے آخر شہر مکہ کے جانی دشمنوں کو کھینچکر اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلقہ بگوش غلام بنا دیا۔ اور آپ کی ہمدردی کی مقناطیسی قوت نے وہ کام کر دکھایا جو بیچارا مسیحؑ تو کجا دنیا کے کسی عظیم الشان نبی سے بھی ظہور میں نہ آیا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَخُلَفَاءِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ اٰمین ثم اٰمین۔

لوگوں میں اسلام قبول کرنیکے لیئے عام تحریک ہو رہی تھی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں تشریف لانا بڑی عمدہ ثمرات کا موجب ہوا اور اس سے جلدی ہی اچھے نتائج مترتب ہونے شروع ہو گئے اور حضرت نبی کریم صلعم کی عنایات و اسلام کی خوبیوں نے بہتسے دلوں کو تسخیر کر لیا۔ اس تسخیر قلوب کا یہ نتیجہ ہوا

کہ خالد - عمرو ابن العاص اور عثمان بن طلحہ جیسے نامی گرامی قریش نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کرلیا۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا خالد اور عمرو جنگ احد میں قریش کی طرف سے افسران فوج تھے اول الذکر میمنہ کی پیدل سپاہ کی کمان کرتا تھا اور آخر الذکر کے سپرد رسالہ کا انتظام تھا۔ عثمان ابن طلحہ بھی ایک با اثر رئیس تھا اور چونکہ کعبہ کی چابیاں اُسکے پاس تھیں اسلیئے اسکا فرض تھا کہ اپنے معزز مہمان کے لیئے بیت الحرام کا دروازہ کھولتا چنانچہ اُس نے ایسا کیا اور اسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ پر ایک گہری نظر ڈالنے کا موقعہ مل گیا۔ اور دین حقہ کی عظمت اور سچائی نے اسپر قبضہ کرلیا اور مسلمانوں کے بے عیب چال چلن نے اُسے اپنا گرویدہ بنا لیا اور اُسے کچھ ایسی لَو لگ گئی کہ اسلام کی قبولیت کے بغیر اُسکے قلب مضطر نے چین نہ پکڑا - سر ولیم میور لکھتے ہیں "ہمیں یہ تو نہیں بتلایا گیا کہ عوام میں سے کسقدر لوگوں نے مدینہ میں آکر اسلام قبول کیا یا مکہ میں ہی رہ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرفداری کا اظہار کر دیا - ہاں اس میں کلام نہیں کہ یہ تحریک اب مذکورہ بالا (خالد - عمرو - عثمان ابن طلحہ) لوگوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ وسیع اور عام تھی اور اسلام اب دن بدن ہر دل عزیزی حاصل کرتا جارہا تھا"

ناظرین! یہ تمام کامیابی صلح حدیبیہ کا نتیجہ تھی اور جس صلح کو مسلمانوں نے اپنے لیئے ہتک خیال کیا تھا وہی ایک حقیقی فتح کے رنگ میں ظاہر ہوئی اور آخر وہی ہوا جو خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا - اس صلح کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمان کعبہ کی زیارت سے فیض یاب ہوسکے اور اسی صلح کے باعث مکہ والوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ سے ملنے کا اتفاق ہوا اور چونکہ مسلمانوں کی ایذادہی جسکا آغاز مکہ سے ہوا تھا اب بند ہوگئی تھی اسلیئے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے شروع ہوگئے - اگر جنگ شروع رہتا تو اس تحریک کا وجود محال تھا۔ اس صلح کا اثر نہ صرف مکہ میں ہوا تھا بلکہ ہر جگہ اسکے عمدہ نتائج کا ظہور ہوتا جاتا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عرب کی جس قوم نے اسلام سے جنگ و جدل بند کرکے مسلمانوں کے ساتھ صلح کا عہدنامہ کرلیا آخر کار وہی اسلام کی عالمگیر اخوت میں جذب ہوگئی اور

ہمیشہ صلح کے بعد قبول اسلام ہی وقوع میں آیا یہ ایک ایسا امر ہے جو معترضین کے لیئے ایک بڑے غور کا مقام ہے عمرہ کے امن وامان کے ساتھ ادا کرنے اور بعد کی کامیابیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ رؤیا پوری ہوگئی جسکی بابت قرآن کریم مفصلہ ذیل آیات میں اشارہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ الآیہ۔ یعنی البتہ تحقیق سچ دکھایا اللہ تعالیٰ نے رسول اپنے کو خواب ساتھ حق کے۔ البتہ داخل ہوگے مسجد حرام میں اگر چاہا اللہ نے امن سے۔ منڈاتے ہوئے اپنے سروں کو اور کتراتے ہوئے۔ نہ ڈرتے ہوگے۔ (سورہ فتح رکوع ۴)

بنی سلیم مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں

بنی سلیم کا ایک سردار مسلمان ہوگیا تھا اور اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکی خواہش کے مطابق قبیلہ مذکور کو اسلام سکھانے کیلیئے صحابہؓ کی ایک جماعت کو اُسکے ساتھ روانہ کردیا۔ لیکن بنی سلیم نے اس جماعت کو آتا ہوا دیکھکر غلطی کھائی اور ان بے ضرر واعظوں کا تیروں کی بوچھاڑ سے استقبال کیا اور بہتوں کو شہید کردیا لیکن جلدی ہی اُنہوں نے اپنا ایلچی بھیجکر نبی کریم صلعم کی اطاعت اختیار کرلی اور آنحضرت صلعم نے اُنکو معاف کردیا یہ واقعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمرہ کرکے آنیکے ایک ماہ بعد کا ہے (میور صفحہ ۳۷۹)

مقام ذات اطلاح پر مسلمانوں کو شہید کیا جاتا ہے

سرحد شام پر ایک مقام ذات اطلاح نام تھا وہاں پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے جنکی تعداد پندرہ تھی اور جنکا امیر کعب بن عمیر الغفاری تھا۔ لوگوں کا مجمع دیکھکر اُنہیں اسلام کی تبلیغ کی ان لوگوں نے خفا ہوکر اس دعوت کا جواب تیروں کی بوچھاڑ سے دیا اور سب کے سب مسلمان شہید کر دیئے صرف ایک شخص زندہ بچا جس نے اس جانکاہ حادثہ کی خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادی۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کو سُنا تو آپکو بہت سخت صدمہ ہوا اور آپنے انتقام لینے کا ارادہ فرمایا لیکن یہ سُنکر کہ وہ

لوگ اُس مقام سے بھاگ گئے ہیں آپ نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ (دیکھو زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۳۱۹)۔ میور صاحب کہتے ہیں کہ" دوسرے حادثات کی طرح اس واقعہ کا بیان بھی روایات میں اسقدر مختصر ہے کہ جس سے اس مہم کی اصل غرض معلوم کرنا دشوار ہے۔ شاید یہ جماعت کسی قبیلہ کی طرف سفارت کے طور پر روانہ کی گئی ہو یا اُس مجمع کی بابت تحقیق کرنیکے لیئے گئی ہو جسکی سرحد شام پر جمع ہونیکی افواہ تھی" خواہ کچھ ہی ہو اس حادثہ سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ سرحد شام کے لوگوں کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ جب شام کے عیسائی رؤسا نے ہرقل قیصر روم کو اسلام کی تعریف کرتے سُنا تو اُنھوں نے فوراً جنگلی گدھوں کی طرح وحشت و نفرت ظاہر کی اور اپنی صلیبوں کو بلند کر کے حرکت دینی شروع کر دی۔ شام کے ان عیسائی رؤسا کا یہ مجنونانہ جوش کہ قیصر کے حضور کی بھی پروا نہ کی صاف بتلاتا ہے کہ سرحد شام پر بھی اسلام کے ساتھ ایسی ہی عداوت تھی جیسی خود عرب میں پائی جاتی تھی۔ اور آخر یہی نفرت وعناد اُن لڑائیوں کا باعث ہوئی جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ہوئیں۔

جنگ موتہ اس لڑائی کا باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سفیر کا قتل ہوا جو کہ گورنر بصری کے پاس بھیجا گیا تھا سفیر مذکور کو راستہ میں شرجبیل نام ایک عیسائی گورنر نے گرفتار کر لیا اور رسیّوں سے جکڑ کر اُسکا سر قلم کر دیا۔ (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۲۴۱)

پیارے ناظرین! اگر عرب کی بُت پرست اقوام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو تکلیف دی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ مسیح ناصری کے پیرو کیوں بلاوجہ مسلمانوں کے خون کے پیاسے ہو گئے اس عیسائی حاکم کا ایک مسلمان سفیر کو بے رحمی سے قتل کرنا صحرائی عربوں کے جماعتوں کی جماعتوں کو قتل کر دینے سے بدتر تھا۔ اسلیئے اس ظالمانہ حرکت کی اطلاع پا کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور ظالموں کی گوشمالی کا فوراً ارادہ کر لیا۔ اور حکم دیا کہ بلا تاخیر ایک جماعت اس وقوعہ کی جگہ کی طرف روانہ ہو جائے۔ چنانچہ تین ہزار آدمیوں کی فوج جسکا سپہ سالار آپکا پیارا آزاد غلام زید تھا روانہ ہو گئے۔ فوج کی

روانگی کے وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم نے ایک تقریر کی اور فرمایا "اگر زید شہید ہوجائیں تو اُنکی جگہ جعفرؓ کمان کریں اور اگر جعفرؓ کی شہادت ہوجائے تو اُسکے بعد عبد اللہ ابن رواحہ سالار لشکر ہو اور اگر وہ بھی بدستور داعی اجل کو لبیک کہیں تو پھر فوج اپنا افسر خود منتخب کرلے۔" حضرت مولوی رومی رحمۃ اللہ علیہ مثنوی میں اس واقعہ کو اسطرح منظوم فرماتے ہیں ؎ (ہم چند شعر بطور نمونہ درج کرتے ہیں)

بود موتہ موضعے در ملک شام	از مدینہ راہ یک ماہ تمام
حاکم آں کافر وسخت و درشت	قاصد حضرت نبی را او بکشت
پس رسول اللہ بہر انتقام	لشکرے ترتیب کرد از خاص و عام
بہر سرداری گزید او زید را	حکم ایں ہم کرد آں اہل صفا
گر شہادت زید را عاید شود	پس ازاں جعفر سپہ قائد شود
بعد او ہم ہست عبد اللہ را	میری و سردارئے لشکر عطا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کو رخصت کرنیکے لیئے مقام ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے اور اس مقام پر پہنچکر آپ کھڑے ہوگئے اور اُسوقت جو وصیت آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لشکر کو کی اُسکا درج کرنا یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے تا ناظرین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی حقیقت معلوم ہو اُس رحیم کریم انسان نے (جسکا دل اپنے سفیر کے دردناک قتل سے زخمی ہوچکا تھا) فرمایا کہ پہلے وہاں کے لوگوں کو دعوت اسلام کرو اور اگر وہ اسلام قبول کریں تو اُنکا جرم معاف کرکے اُنسے درگذر کرو ورنہ استعینوا علیھم باللہ وقاتلوھم یعنی اُنکے مقابل میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور اُن سے لڑو۔ اور فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ وبمن معکم من المسلمین خیرا اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ من کفر باللہ لا تغدروا۔ ولا تغلوا ولا تقتلوا ولیدا ولا امرءۃ ولا کبیرا فانیا ولا منعزلا بصومعۃ ولا تقربوا نخلا ولا تقطعوا شجرا ولا تھدموا بناء (زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ثانی صفحہ ۳۲۲) یعنی میں تمکو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمھاری

ساتھ ہیں اُنسے نیک سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ اللہ کے نام کے ساتھ اپنے جنگ کو شروع کرو اور صرف خدا کے لیئے کفار سے (یعنی شرجیل اور اُسکے مددگاروں سے جنہوں نے ایک مسلمان سفیر کو قتل کر کے خود جنگ کی بنا ڈالی) لڑو مکر فریب اور خیانت سے اجتناب کرو بچوں۔ عورتوں۔ بوڑھوں اور درویشوں کو ہرگز قتل نہ کرو۔ کھجوروں کے قریب مت جاؤ کسی درخت کو مت کاٹو اور نہ کسی مکان کو گراؤ۔

یہ وہ وصیت تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کو رخصت کرنیکے وقت فرمائی اور اس سے ایک راستی پسند انسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کی حالت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کا سارا سہارا اپنے خدا پر تھا اسی لیئے آپنے اپنے رفقا کو تاکید کی کہ جنگ میں خدا کو مت بھولو بلکہ اُسی سے مدد طلب کرو۔ پھر آپنے اپنے سپاہیوں کو تقوی اللہ کی نصیحت کی یعنی اپنے ہر ایک کام میں خدا کا خوف مدّ نظر رکھو اور کوئی ایسا کام نہ کرو جو تقویٰ اور طہارت کے برخلاف ہو۔ کسی پر ظلم نہ کرو کسی کے مال کو ناجائز طور سے نہ چھینو اور کسی متنفس کو بے جا طور پر دُکھ نہ دو۔ اور لشکر کے سرداروں کو حکم دیا کہ اپنے ماتحت سپاہیوں سے نیک سلوک کرو اور فرمایا کہ خدا کے نام کے ساتھ جنگ کو شروع کرو اور جنگ میں بھی دشمن کے ساتھ کوئی دغابازی نہ کرو اور دشمنوں کے بچوں۔ عورتوں اور بوڑھوں اور درویشوں پر رحم کرو۔ فصلوں اور درختوں کو مت کاٹو اور مکانوں کو مت گراؤ۔ سبحان اللہ اس سے بھی بڑھکر جنگ میں دشمن کے ساتھ زیادہ رحم کا سلوک ہو سکتا ہے؟ مگر افسوس ظالم مسیحی معترض کی آنکھ پر کیسا پردہ چھا گیا ہے کہ وہ ایسے مقدس اور رحیم کریم انسان پر اعتراض کرتا اور اُسکو اور اُسکی جماعت کو لٹیروں اور تعدی کرنیوالوں کی جماعت قرار دیتا ہے۔ وہ شخص جو اپنے سپاہیوں کو جنگ میں بھی حکم دیتا ہے کہ تقویٰ پر چلو اور خدا سے ڈرو اُسکی نسبت کہنا کہ اُس نے لُوٹ مار شروع کر کے اور بے قصور بے گناہ بیٹھے بٹھائے لوگوں پر فوج کشیاں کر کے ہر طرف جنگ کی آگ کو بھڑکا دیا کیسا ظلم ہے۔

غرض ادھر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لشکر روانہ فرمایا اور دوسری طرف شرجبیل خوب جانتا تھا کہ اُسکی اس وحشیانہ حرکت کا کیا نتیجہ ہوگا اسلیئے اُس نے پہلے ہی سے قیصر کے دوسرے گورنروں کو اپنے ساتھ گانٹھ لیا ہوا تھا اور انہی کے بھروسہ پر وہ اس زیادتی کا مرتکب ہوا تھا۔ اب اس طرح ان لوگوں نے مل ملاکر اس جھگڑے کو شاہی جھگڑا بنا دیا تھا اور پہلے ہی سے سخت وبزرگ کے پوری تیاری کر لی تھی اسلامی فوج ابھی راستہ ہی میں تھی جب اُنکو معلوم ہوا کہ دو لاکھ عیسائی فوج جنمیں ایک لاکھ رومی ہیں مقام بلقاء پر جمع ہے اور خود قیصر روم اُسکا سپہ سالار ہے۔ اس فوج کی نسبت میور لکھتا ہے کہ "تھیوفنیس کے ایک فقرہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً ہرقل کا بھائی تھیوڈورس ایک عظیم الشان فوج لیکر آیا تھا اسی کی نسبت یہ افواہ ہوگی کہ خود قیصر دو لاکھ فوج سے میدان میں پڑا ہے" غرض اس بڑی فوج کی چونکانے والی خبر مسلمانوں کو مقام معان پہ پہنچی اور وہیں افسروں نے جمع ہوکر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ چونکہ حضرت نبی کریم صلعم نے اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کرنیکا حکم نہیں دیا تھا اسلیئے بعض کی تو یہ رائے ہوئی کہ حضورؐ کو خبر کیجائے اور جو حکم دیں اسپر عمل ہو لیکن بعض ایسے تھے جو بہر صورت آگے ہی بڑھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ عبد اللہ بن رواحہ نے بڑی زور سے فرمایا کہ "کیا ہم اسی لیئے یہانتک کوچ کرکے آئے ہیں؟ کیا ہمارا بھروسہ صرف اپنی تعداد پر ہے یا خدائے تعالیٰ کی نصرت پر؟ اگر فتح نہیں تو شہادت ہی سہی اور ایک نہ ایک ضرور حاصل ہوگی اسلیئے آگے بڑھو" اس تقریر کا ہر ایک نے یہ جواب دیا "خدا کی قسم۔ رواحہ کا بیٹا بالکل سچی بات کہتا ہے آؤ ہم جلدی آگے بڑھیں" پس اسلامی فوج نے کوچ کر دیا اور جب وہ موتہ پہنچے تو عیسائی فوج نے اُنپر حملہ کر دیا۔ مسلمان کثیر التعداد عیسائی فوج سے بڑی بہادری کے ساتھ لڑے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے اسلامی عَلَم کو ہاتھ میں تھاما اور اپنے دستہ فوج کو آگے بڑھا کر حملہ کیا اور بہادری سے لڑتے لڑتے جام شہادت پی لیا۔ اسکے بعد حضرت جعفرؓ بن ابی طالب (جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے) عَلَم بردار ہوئے اور انہوں نے اپنے گھوڑے سے نیچے کود کر اُسکے پاؤں قلم کر دیئے

جو اس بات کا ایک نشان تھا کہ میدان میں سے ہرگز کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے۔ اُنہوں نے سفید جھنڈے کو اُٹھا کر ہوا میں ہلایا اور اپنے آدمیوں کو آگے بڑھکر حملہ کرنیکے لئے للکارا حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا جسم تھوڑے ہی عرصہ میں زخموں سے پُر ہوگیا لیکن وہ برابر اخیر دم تک لڑتے رہے۔ علم پہلے اُنکے دائیں ہاتھ میں تھا جب وہ کٹ گیا تو اُنہوں نے اسے بائیں ہاتھ میں لے لیا اور جب بایاں بھی کٹ گیا تو اُنہوں نے ٹنڈ ہاتھوں کے سہارے اُسکو چھاتی سے لگا لیا۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے جسم پر تیروں اور تلواروں کے تمام زخم تعداد میں نوّے کے قریب تھے (صحیح بخاری) اور وہ سب کے سب اُنکے جسم کے اگلے حصّہ پر ہی تھے جن سے آخر وہ شہید ہو گئے۔ حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے جھنڈے کو پکڑ لیا لیکن وہ بھی بدستور داخل جنّت ہوئے۔ اب جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی اُسکے مطابق افسران فوج نے مشورہ کیا اور حضرت خالدؓ کو سالار لشکر منتخب کر لیا۔ حضرت خالدؓ نے اس جوانمردی اور دلیری سے دشمن کا مقابلہ کیا کہ اُنکے ہاتھ میں اُس دن یکے بعد دیگرے ۹ تلواریں ٹوٹیں۔ خالدؓ نے اگرچہ عیسائی فوج کو بڑی بہادری سے پیچھے ہٹا دیا لیکن دشمن کی کثیر تعداد کا کہاں تک مقابلہ ہو سکتا تھا اسلئے وہ باقی ماندہ فوج کے ساتھ مدینہ کو واپس آ گئے۔ خالدؓ نے اس میدان میں جو جنگ آزمائی کے جوہر دکھائے اُنکے عوض اُنکو 'سیف اللہ' کا خطاب ملا۔ یہ لڑائی ابد الآباد تک تاریخ کے صفحات پر اُس بہادری اور دلیری کی ایک روشن مثال کے طور پر یادگار رہے گی جو اسلام نے مسلمانوں میں پھونک دی تھی۔

جب موتہ میں لڑائی ہو رہی تھی تو میدان جنگ کا تمام نظارہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک کشف میں دکھایا گیا اور مدینہ میں بیٹھے بیٹھے دور دراز کے میدان کارزار کا تمام نقشہ آپکی آنکھوں کے سامنے جمایا گیا گویا کہ آپنے اپنے صحابہؓ کی جانبازکوشش اور بہادری کا خود مشاہدہ کر لیا۔ اور پیشتر اسکے کہ ایلچی لڑائی کے نتائج کی خبر لیکر پہنچیں آپنے مدینہ کے اصحاب کو اطلاع دیدی تھی کہ زید۔ جعفر اور عبد اللہ تو ہر ایک

باری باری علَم کو اٹھاکر اور بہادری سے لڑکر شہید ہوگئے ہیں لیکن جب خالد کی باری آئی تو خدائے تعالیٰ نے اسکو فتح دیدی (صحیح بخاری جزو ثالث صفحہ ۳۷)

جب ایلچی خبر لیکر پہنچا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان شئت اخبرنی وان شئت اخبرتک یعنی "اگر تم چاہو تو مجھے اطلاع دیدو وگرنہ اگر تمہاری مرضی ہو تو میں ہی تبلائے دیتا ہوں کہ کیا واقع ہوا ہے" دراصل اس فوج کی روانگی کے وقت آنحضرت صلعم نے جو ہدایات دی تھیں وہ بجائے خود ایک پیشگوئی تھی۔ آپنے فرمایا تھا کہ "پہلے زید فوج کا افسر ہو اور جب وہ شہید ہو جائے تو جعفر اسکی جگہ لے اسکے بعد عبداللہ بن رواحہ سالار لشکر ہو۔ اور عبداللہ کی شہادت کے بعد فوج خود اپنا سردار منتخب کرلے" حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی ہدایات پہلے کبھی کسی موقعہ پر نہیں فرمائی تھیں۔ اور عجیب تر یہ کہ ہر ایک بات بعینہٖ اسی طرح وقوع میں آئی جس طرح حضور نے فرمایا تھا۔ جس ترتیب سے لوگوں کے نام لیئے گئے تھے وہ اسی ترتیب سے شہید ہوئے یعنی پہلے زید پھر جعفر اور انکے بعد عبداللہ۔ اب عبداللہ کے بعد جو شخص آپکی ہدایات کے مطابق منتخب ہوا وہ اخیر وقت تک لڑتا رہا اور جبتک رومی فوج کو پیچھے نہ ہٹا دیا اسوقت تک اس نے پیٹھ نہ پھیری۔ گویا اس میں اشارہ تھا کہ ان تین شخصوں کی شہادت کے بعد جس شخص کو فوج اپنا سردار منتخب کریگی وہ آخری شخص ہوگا اور اسکے بعد کسی اور کے انتخاب کی ضرورت نہ ہوگی۔

یہ بے محل نہ ہوگا اگر ہم اپنے ناظرین کی آگاہی کیلئے یہاں پر یہ بیان کردیں کہ اسلامی فوج محض اسلیئے بھیجی گئی تھی کہ شرجبیل عیسائی سردار کو اسکے وحشیانہ جرم یعنی ایلچی کے قتل کی سزا دے اور سالار لشکر کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف ہدایت فرمائی تھی کہ سیدھا اس مقام کی طرف کوچ کرے جہاں پر آپکے سفیر کو بے رحمی سے شہید کیا گیا تھا۔ لیکن اس ظالم عیسائی سردار کا ساتھ نہ صرف سرحد شام کی عیسائی اقوام مثل لخم۔ جذام۔ قیس۔ بہرا۔ بلی۔ بنی ویل۔ بکر وغیرہا نے ہی دیا بلکہ دوسرے رومی گورنروں اور خود شاہی فوج نے بھی اس کی

حمایت کی۔ چونکہ مسلمان اتنی بڑی فوج کا مقابلہ کرنیکے لیئے تیار نہ تھے اس لیئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے جلیل القدر صحابہؓ اس جنگ میں شہید ہو گئے اور انکی وفات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا۔

اب اس طرح چونکہ عیسائی سرداروں سرحد کے عیسائی قبائل اور خود قیصر کی فوج نے اس ظالم سردار کی حمایت کر کے مسلمانوں کے خلاف ایک اور جرم کا ارتکاب کیا تھا اسلیئے عیسائی سپاہ کا ہر فرد بشر ایسا ہی مجرم تصور کیا جا سکتا تھا جیسا کہ خود وہ شریر النفس شرحبیل تھا جسکی حمایت کا انھوں نے بیڑا اُٹھا لیا تھا۔ آج اگر عیسائی اُس دن کو روتے ہیں جب مسلمانوں نے اس سرزمین کو فتح کیا تھا جس میں انکے خداوند کا مسکن تھا تو اس کا الزام انکے اپنے آبا و اجداد پر وارد ہوتا ہے جنھوں نے اسلام سے عناد اور مسلمانوں پر بے جا زیادتیاں کر کے خود لڑائی مول لی تھی اور مسلمانوں کو بدلہ لینے پر مجبور کر کے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی ماری تھی یعنی اپنا ملک اپنے آپ ہاتھ سے کھویا تھا۔ یہاں بھی قریش کی طرح سبقت عیسائیوں ہی کی طرف سے ہوئی۔

ہمارے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ بنی جذام نام ایک عیسائی قبیلہ نے جو قیصر کے زیر اثر تھا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر دحیہ کو لُوٹ لیا تھا جبکہ وہ شام سے واپس آرہا تھا۔ اگرچہ وہ قیصر ہی کے پاس بھیجا گیا تھا اور وہیں سے ہی تحائف سمیت واپس آ رہا تھا لیکن عیسائی اقوام کو اسلام سے اسقدر نفرت تھی کہ انھوں نے خود اپنے شہنشاہ کے حضور سے لوٹنے والے ایلچی کا بھی پاس نہ کیا اور جو کچھ اُسکے پاس تھا سب کچھ لُوٹ لیا اور اسی میں وہ تحائف بھی لُوٹ لیئے جو خود قیصر نے دیئے تھے (دیکھو میور کی لائف آف محمد صلعم صفحہ ۳۴۵) اور خود میور اپنی لائف آف محمد (صلعم) کے صفحہ ۳۸۱ پر ایک نوٹ میں لکھتا ہے کہ یہ قبیلہ بھی شاہی فوج میں شامل تھا جس نے مقام موتہ میں مسلمانوں پر حملہ کیا تھا اور میور اس امر کی بھی شہادت دیتا ہے کہ دومۃ الجندل کے عیسائی قبائل نے ۵ ہجری میں ہی مسافروں کو لُوٹنا شروع کر دیا تھا اور مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے تیاریاں کر رہے تھے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حملہ کو روکنے اور لٹیروں کو منتشر کرنیکے لیئے سخت گرمی کے

وقت ایک لمبا اور تھکا دینے والا سفر کرنا پڑا تھا۔ علاوہ ازیں ہم ابھی دیکھ چکے ہیں کہ پندرہ بے گناہ مسلمانوں کو سرحد شام کے عیسائی قبائل نے نہایت بے رحمی سے شہید کر دیا تھا مسلمانوں کی اس جماعت کی نسبت میور اپنی کتاب لائف آف محمد (صلعم) کے صفحہ ۳۸۰ پر صاف اقرار کرتا ہے کہ وہ لوگ کسی جنگ کے ارادہ سے وہاں نہیں گئے تھے اور نہ ہی انکو کسی کی ایذا دہی مقصود تھی۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ جب ان لوگوں کا کسی جنگ وجدل کا ارادہ ہی نہ تھا اور نہ ہی کسی کو ایذا دینا چاہتے تھے جیسا کہ میور خود تسلیم کر رہا ہے تو پھر رحم مجسم عیسائیوں نے اُنپر تلوار کیوں چلائی؟ اسکا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو محض اس وجہ سے شہید کیا گیا کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول مانتے تھے اس وحشیانہ قتل عام کے تھوڑے ہی عرصہ بعد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفیر الحارث بن عمیر ایک عیسائی گورنر شرجیل بن عمرو کے ہاتھ سے قتل ہوا اور جب اس ظلم وستم اور حقوق بین الاقوام کی خلاف ورزی سے مجبور ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم سردار کی گوشمالی کیلئے ایک دستہ فوج بھیجا تو نہ صرف تمام عیسائی سردار اور سرحد کے عیسائی قبائل اُسکی امداد اور حمایت پر آمادہ ہو گئے بلکہ خود قیصر کی سپاہ مجرم شرجیل کی حمایت کے لیے آموجود ہوئی اور مسلمان جب مقام واردات پر پہنچے تو سامنے اتنی بڑی فوج موجود تھی جو انہوں نے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اس مورو ملخ سے لشکر کو کیوں جمع کیا گیا تھا؟ اسکا جواب ناظرین خود سوچ لیں اور دیکھ لیں کہ اسکے سوا عیسائیوں کی اور کیا غرض ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی فوج کو کچل کر انکی بوٹی بوٹی اڑانا چاہتے تھے اور یہ صرف اسلیئے کہ انہوں نے ایک ظالم کو انکے ظلم پر سزا دینے کا کیوں ارادہ کیا تھا۔ عیسائیوں نے اس بات میں اپنی ہتک سمجھی کہ مسلمانوں کا نیا فرقہ اُنسے بدلہ لینے کا خیال کرے شاید اُنکا خیال تھا کہ مسلمانوں کے خلاف خواہ وہ کیسا ہی ظالمانہ وجابرانہ جُرم کریں سب جائز ہے۔ جائے تعجب ہے کہ عیسائی تو مسلمانوں کی بے عزتی کریں اُنکے سفیروں کو لوٹیں اُنکے ایلچیوں کو قتل کریں اور پھر اُنکی جماعتوں کی جماعتیں کمال بے رحمی سے شہید کر دیں لیکن جب مسلمان مجبور ہو کر ان ظالموں سے بدلہ لینا چاہیں اور وہ

بھی اس خیال سے کہ آیندہ یا ایسے ظلم وستم کی روک تھام ہو جائے تو انکی عزت میں فرق آئے اور وہ مسلمانوں کے اس فعل کو گستاخی پر محمول کر کے بزعم خود انکو سزا دینے پر آمادہ ہو جائیں ان مسیحی بزرگوں کی بیرا تشے سر ولیم میور نے بھی حصہ لیا ہے اور آپکے خیال میں مسلمانوں کی یہ مہم جو شمال کی طرف بھیجی گئی تھی دراصل ملک شام کی حدبہ پر ایک بے جا حملہ تھا۔ جس طرح میور صاحب نے قریش کے علانیہ مظالم کو نظر انداز کر کے اندھا دھند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادتی اور جنگ میں سبقت کرنیکا الزام لگایا ہے۔ اسی طرح وہ مسیحیوں کی ان کرتوتوں پر آنکھ بند کرتا ہے اور انکے وحشیانہ حرکات پر مطلق توجہ نہیں کرتا بلکہ الٹا مسلمانوں کو الزام دیتا ہے کہ ان مظالم سے تنگ آکر اپنی حفاظت کا کیوں انتظام کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ولیم میور اور دوسرے مسیحی معترضین اسلام کے دشمنوں کے لیئے خواہ وہ مکہ کے قریش ہوں یا صحرا کے بد خواہ مدینہ کے یہودی ہوں یا صحرائے شام کے عیسائی غرض ہر ایک کیلئے اس بات کو جائز قرار دیتے ہیں کہ مسلمانوں پر جسقدر چاہیں سختی و تعدی کریں بلکہ محض اس جرم پر کہ انہوں نے اسلام کیوں قبول کیا بے شک انہیں قتل بھی کر دیں۔ اور ان کے نزدیک مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ اپنی حفاظت تک کے لیئے کوئی تدبیر کریں۔

ہمارے ان مہربانوں نے اسلام کے بے شمار دشمنوں کی زیادتیوں پر تو ذرا توجہ نہیں کی لیکن مسلمانوں نے اگر اپنی حفاظت کا تھوڑا سا بھی سامان کیا ہے تو اسپر صرف مفصل نکتہ چینی ہی نہیں کی بلکہ غلط بیانی کر کے ان مدافعت کی تدابیر کو زیادتی کا جامہ پہنا دیا ہی۔ جائے تعجب ہے کہ ان مسیحی معترضین کی آنکھ میں عرب کا تمام ملک اور حد شام تک کی عیسائی قومیں تو بے گناہ ہیں لیکن جزیرہ نما عرب بھر میں اگر کوئی گنہگار ہے تو وہی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والی مسلمانوں کی جماعت ہے مسلمانوں کو عیسائیوں کے ہاتھ سے اور خصوصاً شمال کے رہنے والے مہذب عیسائیوں کی طرف سے بت پرستوں کی نسبت بہتر سلوک کی امید تھی لیکن خلاف امید یہ بھی اسلام کے ایسے ہی دشمن ثابت ہوئے جیسے کہ عرب کے بت پرست تھے۔ بھلا اس سے بڑھکر اور وحشیانہ حرکت کیا ہو سکتی تھی کہ مسلمانوں کی پوری کی پوری بے گناہ جماعتوں کو سرد مہری سے

قتل کر دیا۔ اُنکے سفیر کو لوٹ لیا اور اُنکے ایلچی کو بے رحمی سے رسّوں کے ساتھ جکڑ کر اُسکا سر قلم کر دیا۔ لیکن میور صاحب سے یہ کہاں ہو سکتا ہے کہ وہ اس بات کو تسلیم کریں کہ اُس زمانہ کے اُسکے مسیحی بھائی واقعی ان وحشیانہ حرکات کے مرتکب ہوئے تھے اُنکو اسلام سے کچھ ایسی سخت نفرت تھی کہ مسلمانوں کے معاملہ میں اُنکی تمام نیکی کی طاقتیں سلب ہو گئی تھیں اور جس عیسائی فیاضی کا دعویٰ آجکل کے مشنری پیش کیا کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے دشمن ہو کر اُنسے ایسی رخصت ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں پر سختیاں کرتے وقت اُنکے دل پورے درجہ کے تنگ ہو گئے اور جو یسوع کے بے ضرر برّے تھے وہ جنگل کے خونخوار بھیڑئیے بن گئے۔

ناظرین! ان سب سے بڑھکر جو لطیف بات ہے وہ یہ ہے کہ جو شریر النفس اشخاص ان جرائم کے مرتکب ہوئے تھے اُنکی حمایت نہ صرف عیسائی سرداروں اور عیسائی قبائل نے کی بلکہ خود شاہی لشکر نے اُن کا ساتھ دیا۔ اور جب ان مجرموں کے واقعی جرم کی بنا پر سزا دینے کے لیے مسلمانوں کی فوج آئی اور وہ بھی اس نیت سے کہ آیندہ مسلمانوں پر ایسے واقعات کا اعادہ نہ ہو تو تمام عیسائی رؤسا عیسائی قبائل اور خود قیصر کے سپاہیوں نے متفق اور متحد ہو کر مجرم کا ہاتھ بٹایا اور ارادہ کر لیا کہ مسلمانوں کی ساری کی ساری فوج کو تباہ کر دیں۔ اب اگر شرجیل ایک ناجائز اور عمداً قتل کا مجرم تھا تو ہر ایک شخص جس نے اُسکی حمایت کا بیڑا اُٹھایا تھا وہ بھی یکساں اُن مسلمانوں کے قتل کا مجرم تھا۔ جنکو عیسائیوں کے متفقہ اور متحدہ لشکر نے موتہ پر شہید کیا تھا۔ اسوقت سے یہ لوگ بلکہ یوں کہو کہ شام کی عیسائی سلطنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے آزاد غلام زیدؓ اور آپکے چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر مسلمان جرنیلوں بلکہ اُن تمام مسلمانوں کے قتل کے ذمہ وار ہو گئی جو اس جنگ میں شہید ہوئے تھے۔ پس اسلیئے مسلمانوں نے بعد میں جو کچھ کیا وہ جائز اور ظالم کے ظلم کی سزا تھی۔

فروہ اور جبلہ کا اسلام قبول کرنا	اگرچہ سرحد شام کے بہت سے عیسائی اسلام کے دشمن تھے اور انکی دشمنی کا یہ عالم تھا کہ اُنھوں نے مسلمانوں پر ناگفتہ بہ سختیاں کر کے خود لڑائی

کی بنیاد ڈالی تھی تاہم ان میں بھی بعض شریف انفاس تھے جنکا ذکر کرنا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اگر قیصر کے بہت سے عیسائی افسروں اور شمالی سرحد کے بہت سے عیسائی قبائل کے نامعقول افعال پر ہماری آنکھیں آنسو بہاتی ہیں تو ساتھ ہی ہمارا دل ان شریف لوگوں کی وجہ سے پُر ہے جنکے حُسن سلوک کے صرف ابتدائی مسلمان ہی احسانمند نہیں تھے بلکہ ابتک اور آیندہ بھی اہل اسلام کی نسلیں اُنکے احسانات کی قائل ہیں اور رہیں گی ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب مسلمانوں نے مکّہ والوں کے ظلم وستم سے تنگ آکر پہلے پہل اپنے گھروں کو خیرباد کہی تو نجاشی شاہ حبش نے جو ایک عیسائی بادشاہ تھا ان مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دی پھر یہ پوشیدہ امر نہیں کہ مقوقس شاہ مصر نے جو مذہبًا عیسائی تھا مسلمان سفیر کی بڑی عزت کی تھی اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نامہ مبارک کو بڑی عزت وتکریم کے ساتھ ایک ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھوا دیا تھا جو آجتک محفوظ چلا آتا ہے۔ اور بعدازاں اس اسلامی سفیر کو مؤدبانہ جواب دیکر رخصت کیا تھا اور اسکے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے قیمتی تحائف بھی روانہ کیئے تھے جب آنحضرت صلعم نے دحیہ کو ہرقل قیصر روم کے پاس بھیجا تو قیصر نے بھی مقوقس کی طرح اُسکی عزت وتکریم کی بلکہ ایک خلعت بھی عنایت فرمایا اسکے علاوہ شمال کے عیسائی سرداروں میں بھی بعض ایسے وجود تھے جو نہ صرف مسلمانوں کے دوست بلکہ مریم کے بیٹے کی خدائی کے اعتقاد کو چھوڑکر اسلام کے خدا پر ایمان لائے۔ ایسے لوگوں میں جبلہ بن ایہم ایک غسانی سردار اور فروہ ایک شامی گورنر کو شمار کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اسوقت ان دونوں ہی نے اسلام قبول کیا تھا۔ آخرالذکر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نیازنامہ لکھکر اپنے تبدیل مذہب کی آپکو اطلاع کی اور ساتھ ہی بہت سے تحائف بھی بھیجے جنمیں ایک سفید خچر فضہ نام۔ ایک گدھا اور ایک طلائی پوشاک تھی۔ ان تحائف کی رسید اور خط کا جواب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک نامہ مبارک میں دیا جسمیں گورنر مذکور کی روحانی رہنمائی کے لیئے چند نصائح بھی ارقام فرمائی تھیں جب فروہ کے اسلام قبول کرنے کی خبر رومی حکام کو ہوئی تو انہوں نے پہلے تو ترقی

وغیرہ مہربانیوں اور انعامات کا لالچ دلا کر اُسکو دوبارہ عیسائی کرنا چاہا لیکن جب اُنکی ایسی کوششیں کارگر نہ ہوئیں اور فروہ برابر اسلام پر مضبوط رہا تو اُسکو صلیب پر لٹکا دیا گیا اس طرح رومی گورنمنٹ نے پہلے جرائم پر ایک اور سنگین جرم کی اپنے ہاتھوں سے ایزادی کرلی۔ ناظرین! آپ ہی خیال فرمائیں کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے وفادار اور صادق مرید کے مصلوب ہونے پر کسقدر رنج ہوا ہوگا اور اس رنج دہی کی ذمہ دار رومی حکومت تھی جس نے آخر اسکا خمیازہ بھی اُٹھایا۔

ہمیں بار بار یسوع کے بے ضرر پیروں کی اس سنگدلی پر تعجب آتا ہے اُنھوں نے کس بیرحمی اور ناخدا ترسی سے بے گناہ مسلمانوں کو محض تبدیل مذہب کے جرم پر تہ تیغ کردیا۔ خیر کچھ ہی ہوا لیکن اس نو مسلم سردار نے اپنے مذہب کی صداقت پر خون سے مُہر کردی اور اسلام سے فرزند ہونیکی بجائے اس مقدس دین پر اپنی جان قربان کردی۔ آجکل کے عیسائی واعظ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے وہ فروہ (رحمۃ اللہ علیہ) کی قربانی سے سبق حاصل کریں اگر ناظرین اس امر کی مزید تصدیق چاہیں کہ اسلام سرحد شام پر خود بخود ترقی کر رہا تھا تو دیکھ لیں کہ میور لائیف آف محمد (صلعم) صفحہ ۲۸۳ پر لکھتا ہے کہ "اسوقت شام کی سرحد پر بہت سے لوگ محمد (صلعم) کے مذہب کو قبول کر رہے تھے"

سرحدی قبائل کی شورش چونکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچی کے قاتل شرجبیل کی حمایت میں رومی حکومت کے عیسائی سرداروں اور خود قیصر کی سپاہ نے بھی مسلمانوں کے مقابل ہتھیار اُٹھائے تھے اسلیئے سرحد شام کی اکثر قومیں دلیر ہوگئی تھیں اور انہوں نے مدینہ پر ایکدفعہ پھر حملہ کرنیکی تیاریاں شروع کردی تھیں جب یہ خبر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ تو آپنے عمرو بن العاص کو جو حال ہی میں مسلمان ہوا تھا تین سو پیدل اور ۳۰ سواروں کے ساتھ اس مجمع کو منتشر کرنیکے لیئے روانہ فرمایا۔ چونکہ عمرو کا تعلق رشتہ داری سرحد کی ایک قوم بنی بلی سے تھا اس لیئے اسکو اس مہم کا افسر مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہمیشہ یہی تڑپ تھی کہ کسی طرح امن و امان قائم ہوجائے اس لیئے آپنے شمالی سرحد کی بعض قوموں

سے بھی عہد و پیمان کر رکھا تھا۔ اور عمرو کو حکم دیا کہ مفسدہ پردازوں کی سرکوبی میں دوست قبائل سے بھی امداد لیلے۔ غرض عمرو مدینہ سے روانہ ہوئے اور دس دن تک برابر کوچ کرتے چلے گئے اسقدر سفر کرنیکے بعد انکو معلوم ہوا کہ دشمن بڑی تعداد میں جمع ہے اور دوست قبائل سے بھی کسی قسم کی امداد کی توقع نہیں۔ پس انہوں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایلچی بھیجکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کمک روانہ کرنیکی درخواست کی۔ اسپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسو آدمی جنہیں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے ابو عبیدہ بن جراح کے ماتحت عمرو کی اعانت کے واسطے روانہ فرمایا اور تاکید کردی کہ دونو افسر ایک دوسرے کے ساتھ ملکر کام کریں اس کمک کے پہنچنے کے بعد عمرو بن العاص نے شمالی مفسدہ پردازوں کے مجمع کو منتشر کردیا اور دوست اقوام کے ساتھ جو پرانے معاہدے تھے انکو اور مضبوط کیا۔ (زاد المعاد صفحہ ۴۱۶ - جلد اوّل)

امن و امان کی اشاعت اہل اسلام اور عربوں کے تعلقات میں اب ایک بڑا تغیر واقع ہو رہا تھا ایک وقت تھا جب مسلمان بھاگ کر مدینہ میں پناہ گزین ہوئے تھے اُسی وقت سے صحرائی بدو قبائل شورش پر آمادہ ہوگئے تھے اور مدینہ پر بار بار لوٹ مار کرنیکے لیئے حملہ کرنے لگ گئے تھے۔ ان حملوں کا جواب دینے میں مسلمان سخت آزمایش میں ڈالے گئے انکو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا اور جہاں کہیں سے ایسے مجمع کی خبر آتی جھٹ وہیں پہنچکر انکو منتشر کردیتے۔ بعض اوقات مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتوں کو ان صحرائی عربوں نے دغابازی سے شہید کردیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجرموں کی قرار واقعی گوشمالی کرنی پڑی کیونکہ اگر ایسا نہ کرتے تو ان ظالموں کو اور جرأت ہوتی اور ایسی سختیوں کا پھر اعادہ ہوتا۔ مسلمانوں کی اس ہوشیاری نے اور سب سے بڑھکر آسمانی امداد نے جو ہمیشہ اُنکے شامل رہی آخرکار عربوں پر اثر کرنا شروع کیا اور جب وہ مسلمانوں کو تباہ کرنیکی بے فائدہ کوششوں سے تھک گئے اور انکو معلوم ہوگیا کہ بت پرست خدا پرستوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے تو انہوں نے

مسلمانوں سے دوستانہ معاہدے کرنیکا ڈھنگ ڈالا۔ جسکے لیئے مسلمان پہلے ہی دل وجان سے تیار تھے۔ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مکّہ کے راستہ پر کی بعض قوموں نے اور حدِ شام پر کے بعض قبائل نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد و پیمان کر لیئے تھے۔اب انکے علاوہ بعض دوسرے قبائل نے بھی جو عرصہ تک مسلمانوں کے لیئے تکلیف کا موجب رہ چکے تھے صلح پر آمادگی ظاہر کی اور عہد کیا کہ آئندہ کسی قسم کی ضرر رسانی کا روائی نہ کرینگے ان تازہ معاہدات کرنیوالوں میں بنی سلیم اور بنو فزارہ تھے۔ اول الذکر نے بھی محاصرہ مدینہ میں کفار کا ساتھ دیا تھا اور آخر الذکر تو وہی قوم تھی جن کا سردار آنحضرت صلعم کا مشہور مخالف اور قریش کے بدّو مددگاروں کا سرغنہ عیینہ تھا۔ اگر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان خونخوار بدّوؤں کے حملوں کا دفعیہ نہ کرتے بلکہ عیسائیوں کے ناقابل عمل اصول پر چلکر ایک کے بعد دوسرا گال آگے کر دیتے تو اسکا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن جو روش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار کی اور اس پر چلکر آئندہ جو نتائج مترتب ہوئے وہ اس امر پر دال ہیں کہ جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ نہایت ہی مناسب اور موزون تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کے حملوں کی نہایت پھرتی سے روک تھام اور انکے جرائم پر انکی فوراً گوشمالی کی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ بھیڑیئے برّے بنگئے اور مسلمانوں نے دوبارہ امن و امان کا مُنہ دیکھا جو اسلام لانیکے وقت سے انکو میسر نہیں آیا تھا۔

ناظرین! حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مغلوب دشمنوں کے ساتھ مصالحت کا عہد کرنا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ عربوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحرائی بدوؤں سے لڑنے میں یہی غرض ہوتی کہ انکو جبراً مسلمان کر لیا جائے تو اس موقعہ پر انہیں صاف کہدیا جاتا کہ اگر تم مسلمان نہ ہوگے تو تلوار تمھارا فیصلہ کرے گی۔ جو لوگ اب مغلوب ہو چکے تھے اگر اُنسے یہ شرط کیجاتی کہ جبتک اسلام نہ لاؤگے تم سے ہرگز صلح نہ کیجائیگی تو بھلا اُن کی کیا مجال تھی کہ فاتح اور غالب مسلمانوں کو ایسی شرائط سے روکتے لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی حضرت نبی کریم

نے کسی کو کبھی جبراً مسلمان کیا۔ آنحضرت صلعم ہمیشہ اس بات کے خواہشمند تھے کوئی شخص یا کوئی قبیلہ اُن سے صلح کا معاہدہ کرے اور ایسے معاہدات کا آپ ہمیشہ بڑی احتیاط سے پاس کیا کرتے تھے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ میری کامیابی کا مدار کسی طاقت یا جتھے پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کی نصرت پر ہے اور اصل بات بھی یہی تھی کیوں کہ مسلمانوں کو اسقدر طاقت کہاں تھی کہ تن تنہا ایک طرف تو تمام عرب کا مقابلہ کرتے اور دوسری طرف حدِ شام کے طاقتور عیسائی سرداروں اور عیسائی قبائل سے بھی دست پنجہ لیتے۔ یہاں اس بات کے بتلانے کی ضرورت نہیں کہ شامی عیسائی بھی اسلام کے ایسے ہی دشمن تھے جیساکہ صحرائے عرب کے بُت پرست۔ پس جب ایسے طاقتور اور کثیر التعداد دشمن ہوں تو کسی کا یہ حوصلہ ہوسکتا ہے کہ تھوڑی سی جماعت کے بھروسہ پر یہ پیشگوئی* کردے کہ مجھے انجام کار بڑی کامیابی ہوگی؟۔ ناظرین! یہ قول صرف اس شخص کا ہوسکتا ہے جسکو انسانوں کے بجائے انسانوں کے خالق کی امداد پر بھروسہ ہو غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی یا اپنے صحابہ کی طاقت پر کچھ بھروسہ نہ تھا بلکہ آپکو اپنے مولا کی طرف سے کامل امید تھی کہ وہ آپکو کبھی ضائع نہیں کریگا کیونکہ ع کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے پاک بندوں کو۔ آپ فرمایا کرتے نصرت بالرعب ۔ خدائے تعالیٰ نے میرے دشمنوں پر رُعب ڈالکر میری مدد کی ہے اور واقعات آپکے اس قول کی تصدیق کررہے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ایک مختصر سے دستہ کے پہنچنے پر دشمنوں کی بڑی تعداد بھاگتی ہوئی نظر آتی۔ اور گو کہ ہر سال مختلف مقامات پر دشمن جمع ہوتے رہتے لیکن جونہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُنکے ارادوں کی اطلاع ہوتی اور آپ اُنکے منتشر کرنے کیلئے مدینہ سے نکلتے وہیں اُنکے سارے کے سارے مجمع پر مرونی چھا جاتی اور وہ خوفزدہ ہوکر نہایت سراسیمگی و پریشانی سے جدھر کسی کے سینگ سماتے اُس طرف بھاگ کھڑے ہوتے۔ یہ واقعات اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ آپ کو الٰہی رُعب کے ذریعہ حملہ آور دشمنوں پر فتح حاصل ہوئی۔

قریش کی عہد شکنی صلح حدیبیہ کی شرائط میں ایک یہ شرط بھی تھی کہ جو چاہے مسلمانوں کا مددگار ہوجائے اور اسی طرح جس کا جی چاہے قریش کا بھی مددگار ہوسکتا تھا۔ اور جب

* اپنی کامیابی اور مخالفین کی ناکامی کی پیشگوئی محض وحی الٰہی کی بنا پر تھی جس کا مفصل ذکر انشاء اللہ تعالیٰ فتح مکہ کے موقعہ پر کیا جائے گا۔ منہ

شرائط صلح انجام پا چکیں تو بنی خزاعہ نے اپنے تئیں مسلمانوں کا طرفدار ظاہر کر دیا اور بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونیکا اقرار کیا اسطرح اگر مسلمان بنو بکر پر حملہ کرتے تو گویا وہ حملہ قریش پر تھا اور اگر اسی طرح قریش بنی خزاعہ کو کوئی تکلیف دیتی تو یہ سمجھا جانا چاہیئے تھا کہ وہ تکلیف مسلمانوں کو دیگئی ہو۔ بنو بکر اور بنی خزاعہ کے درمیان ایک پرانا جھگڑا چلا آتا تھا جو مسلمانوں کے ساتھ عام جنگ چھڑ جانیکی باعث کچھ عرصہ سے دب گیا تھا لیکن اب دس سال کیلیئے صلح ہو جانے سے یعنے صلح حدیبیہ کے بعد ان قبائل کو چونکہ مسلمانوں کی طرف سے مہلت تھی اسلیئے انکو اپنی ذاتی رنجشوں کے نکالنے کا دوبارہ موقعہ ملگیا۔ اور معاہدہ مذکور کے دو سال بعد بنی بکر نے جو قریش کے مددگار تھے نوفل بن معاویہ کی سرکردگی سے بنو خزاعہ پر جو مسلمانوں کے طرفدار تھے شبخون مارا۔ اس چھاپہ کے وقت بنو خزاعہ وتیر نام چشمہ کے قریب بیخوف وخطر سوئے پڑے تھے جب انکو معلوم ہوا کہ بنی بکر اس نالائق حرکت کے مرتکب ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی ہتھیار سنبھالے اور ایک خونریز معرکہ شروع ہوا جس میں بنو بکر نے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔ اور ہٹتے ہٹتے پہلے تو نواح حرم تک آگئے اور پھر شہر مکہ میں داخل ہو گئے۔ قریش نے ابتداءً تو اپنے مددگاروں کی اعانت اسلحہ جنگ سے کی۔ لیکن جب اندھیرا ہوا تو خود بھی لڑائی میں شریک ہو گئے۔ جب دشمن کو شہر کے اندر سے اسطرح کمک پہنچ گئی تو آنحضرت صلعم کے مددگار قبیلہ بنی خزاعہ نے اپنے تئیں بے بس پا کر مکہ کے دو شخصوں کے ہاں پناہ لی جو کہ اُنسے دوستانہ تعلق رکھتے تھے اگرچہ بنی خزاعہ نے اسطرح پناہ لیلی تاہم انکے بہت سے آدمی بنی بکر اور قریش کے ہاتھ سے قتل ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو خزاعہ کے باقی ماندہ آدمی مکہ سے بھاگ نکلے اور انمیں سے ایک شخص مسمی عمرو بن سالم مدینہ کی طرف دوڑا تاکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد شکنی کی اطلاع دے اور آپ سے درخواست کرے کہ ان دغا باز قاتلوں سے بدلہ لیا جائے۔ جب عمرو بن سالم خزاعی مدینہ پہنچا تو اُس نے ذیل کے پُر درد الفاظ میں بنو خزاعہ کے قتل کا حال بیان کیا اور التجا کی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دشمنوں سے بدلہ لینے میں بنو خزاعہ کی امداد کریں۔

یارب انی ناشد محمدا ۔ حلف ابینا وابیہ الاتلدا ۔ ان قریشا اخلفوک الموعدا ۔ ونقضوا میثاقک المؤکدا
وزعموا ان لست تدعو احدا ۔ فانصر ھداک اللہ نصرا ابدا ۔ وادع عباد اللہ یاتوا مددا ۔ فیہم رسول اللہ قد تجردا

ان سیم خسفاً وجهه تربّدا ۔ هم بیّتونا بالوتیر هُجّدا ۞ وقتلونا رکّعاً وّ سجّداً ۔ وزعموا ان لست ادعو احدا

ترجمہ ۔ اے میرے خدا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قسم دیتا ہوں ۞ قسم اپنے اجداد اور اُسکے آبائے قدیم کی ۞ ہر آئینہ قریش نے تجھ سے وعدہ خلافی کی ۞ اور اُن لوگوں نے تیرے مضبوط وعدے کو توڑ دیا ۞ اور انہوں نے گمان کیا کہ تو کسی کو نہیں پکارتا ہے ۞ تو مدد کر۔ اللہ تجھے ہمیشہ کی نصرۃ کی راہ دکھادے ۞ خلق خدا کو پکار۔ وہ لوگ برابر بڑھتے آئیں گے ۞ ان لوگوں میں اللہ کا رسول تنہا ہوگیا ہے ۞ اگر زمین کے دھس جانیسے وہ لوگ مغلوب ہوئے تو ان کا چہرہ متغیر ہوا ۞ انہوں نے ہم لوگوں پر سوتے ہوئے مقام وتیر پر شبخون مارا ۞ اور ہمکو سجدوں اور رکوعوں میں قتل کیا ۞ اور انہوں نے گمان کیا کہ ہم کسی کو نہیں مانتے ہیں ۞

یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا نُصِرتَ یا عمرو بن سالم یعنی تمکو مدد دیجائیگی۔ لیکن اسکے پیشتر کہ کوئی کارروائی کیجاتی آپنے قریش کے پاس اپنا ایک سفیر ضمرہ نام روانہ کیا اور تین شرطیں پیش کیں اوّل یہ بنو خزاعہ کے جسقدر آدمی مقتول ہوئے ہیں اُنکا خونبہا ادا کریں دوم یہ کہ اگر خونبہا نہ دے سکیں تو بنو بکر کی حمایت چھوڑ دیں سوم یہ کہ اگر دونوں باتیں منظور نہ ہوں تو عہدنامہ حدیبیہ کو فسخ کردیں۔ اس پیغام کا جواب قریش نے دیا وہ یہ تھا کہ " ہم نہ خونبہا ادا کرینگے اور نہ ہی بنو بکر کی حمایت سے دست بردار ہونگے بلکہ ہم حدیبیہ کی صلح کے عہد کو فسخ کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۴۹ اور سیرۃ نبویہ)

سر ولیم میور صاحب قریش کی اس عہد شکنی کے متعلق لکھتے ہیں کہ " دیل (نام مصنف) کے خیال میں یہ ظلم شکست موتہ کا نتیجہ تھا جس سے اسلام کے دشمن دلیر ہوگئے تھے بلاذری کچھ اور بھی اسی قسم کی مثالیں پیش کرتا ہے جن سے پایا جاتا ہے کہ " محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو گالیاں بھی دیگئی تھیں اور آپکے دشمنوں کو اُکسایا گیا تھا "

اگرچہ جنگ موتہ کے نتیجہ کو شکست سے تعبیر کرنا ایک بڑی غلطی ہے تاہم اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی کلام نہیں ہوسکتا کہ عیسائی حکومت کو مسلمانوں کے علانیہ خلاف دیکھکر قریش بہت خوش ہوئے تھے اور اُنکی مسرت کا اب بھی وہی رنگ تھا جو ایک سال قبل دربار ایران کے سفیروں کی آمد پر تھا جنکو حاکم یمن نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کا حکم دیکر بھیجا تھا ایک طرف تو رومی سلطنت کو مسلمانوں کے برخلاف تُلا ہوا دیکھکر اُنکا حوصلہ بڑھ گیا تھا دوسری طرف اُنکا زعم تھا کہ موتہ کی لڑائی کی وجہ سے مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہوگی غالباً یہی وجہ تھی کہ حدیبیہ کے عہد کی کچھ پروا نہ کرکے وہ خود اُنکے قتل میں بنی بکر کے ساتھ شامل ہوئے

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ احمدیہ:۔ مدرسہ احمدیہ کی نئی سکیم پر گو پورا سال نہ گذرا تھا مگر سالانہ امتحان ہو کر جماعتوں کو ترقی مل چکی ہے۔ اور علاوہ ماہوار کے وظائف مقابلہ یکم جنوری ۱۹۱۰ء سے مجلس معتمدین نے گذشتہ اجلاس میں منظور کیئے ہیں۔ وظائف مقابلہ کے علاوہ قریباً پچاس روپے ماہوار کے وظائف مدّ مساکین سے مدرسہ احمدیہ کے طلباء کو دیئے جاتے ہیں اور ان ہر دو مدات کی گنجایش ختم ہونے پر جو نئے طلباء آتے ہیں انکے لیئے کوئی اور صورت سوچنی پڑتی ہے۔ خود مدرسہ کا خرچ ایک جماعت کے بڑھ جانے سے سال گذشتہ کی نسبت بڑھ گیا ہے مگر اخراجات کی اس روز افزوں اور نہایت ضروری ترقی کے ساتھ آمدنی میں ترقی نہیں ہوئی۔ مدرسہ احمدیہ کی ضرورت کو ساری قوم نے محسوس کیا اور بڑے زور کے ساتھ محسوس کیا اور در حقیقت یہ ایسی ضرورت تھی کہ احمدی قوم اسکو زور سے محسوس کرتی مگر ضرورت کو محسوس کرنا کافی نہیں جبتک اسکے پورا کرنیکے سامانوں کیلیئے پوری قوت خرچ نہ کیجاوے اس مدرسہ کے لیئے خود خرچ دیکر تعلیم حاصل کرنیوالے طالب علم حالات موجودہ میں بہت کم ملتے ہیں پس اس مدرسہ کے قیام کیلیئے نہ صرف ان معمولی اخراجات کا پورا کرنا ہی ضروری ہے جیسے عملہ معلمین کی تنخواہیں یا کتب وسامان متعلقہ۔ یا مکان۔ بلکہ ان معمولی اخراجات کے علاوہ ایک بڑا بھاری خرچ وظائف کا ہوگا جو ہماری بھائیوں کو برداشت کرنا ہوگا اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ اسے جوش سے برداشت کرینگے۔ جسقدر پہلے کاموں کیلیئے چندے کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی میں بھی اتنی گنجایش نہیں کہ مدرسہ احمدیہ کے اخراجات وہاں ڈال دیئے جاویں پس اسکے لیئے ہر مقام کی انجمن کیلیئے اور ہر ایک جگہ ہماری احمدی احباب کے لیئے اسی طرح چندہ دینا ضروری ہو گیا ہے جسطرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشاد سے لنگر خانہ۔ مدرسہ۔ اور اشاعت کے چندے دیئے جاتے ہیں۔ پس دوستوں کی خدمت میں اور انجمنہائے احمدیہ کے سکرٹری صاحبان کی خدمتمیں جہاں کہیں وہ ہوں میری یہ التماس ہر کہ بہت جلد اس طرف توجہ فرمائیں اور مدرسہ احمدیہ کے چندے کو مستقل چندوں میں شامل کرکے اسکے اخراجات کو پورا کرنیکا فکر کریں ابتک بہت ہی کم انجمنوں اور بہت ہی کم احمدی احباب نے اس طرف توجہ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزا اسے خیر دی ہمارے دو مخدوم اور

مکرم لاہوری احباب کو جنہوں نے اپنی آمدنیوں کا ایک بڑا حصہ اس مدرسہ کے لئے علیحدہ کر دیا۔ لیکن اب ضرورت ہے کہ مخدومی شیخ رحمت اللہ صاحب اور مکرمی ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے اس قابل تقلید نمونہ کی دوسرے احباب بھی پیروی کریں تاکہ یہ کام بلا رکاوٹ جاری رہے۔

تعلیم الاسلام ہائی سکول میں طلبار کی تعداد اللہ تعالیٰ کے فضل سے دن بدن ترقی پر ہے۔ بہت سے احباب مدرسہ اور بورڈنگ ہوس کی ہر طرح سے قابل اطمینان حالت کو اور قادیان کی رہایش کے فواید کو دیکھکر اپنے جگر گوشوں کو یہاں بھیج رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بڑا احسان ہے کہ مدرسہ کے طلبار کی حالت نہ صرف اخلاقی اور تعلیمی پہلو سے ہی دل خوش کن ہے بلکہ جسمانی ورزش کی لحاظ سے بھی جو ایسی پرائیویٹ انسٹی ٹیوشنوں میں بے توجہی کی حالت میں رہا کرتی ہے ہمارا مدرسہ ضلع میں خاص شہرت رکھتا ہے چنانچہ گذشتہ ٹورنیمنٹ کے موقعہ پر کل انعامات میں سے قریب نصف کے صرف تعلیم الاسلام ہائی سکول نے حاصل کیئے۔ حالانکہ ضلع میں دو سرکاری اور دو مشنریوں کے اعلیٰ درجہ کے ہائی سکول ہیں۔ بچوں کی جسمانی ورزش کی طرف ماسٹر عبدالرحیم صاحب خاص توجہ رکھنے کے باعث خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔

واعظین۔ شیخ غلام احمد صاحب گذشتہ ماہ کے اختتام پر اطلاع دیتے ہیں کہ ضلع لائل پور کا دورہ ختم کرکے وہ ملتان کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ اور بعد کے آئے ہوئے خطوط سے معلوم ہوا کہ شیخ صاحب نے ملتان میں کئی موقعوں پر مؤثر وعظ کیئے۔ کسی کے کلام میں اثر ڈالنا محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیخ صاحب کو بہت لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بناوے اور خانصاحب نواب محمد علی خان صاحب کو بھی جزائے خیر دے جو انکے اخراجات کے متکفل ہیں۔ مگر اپنے احباب کی اطلاع کیلئے میں اسقدر اور زیادہ لکھنا چاہتا ہوں کہ شیخ صاحب کو انجمن کی طرف سے یہ بھی ہدایت کیگئی تھی کہ وہ ہر جگہ چندوں کی وصولی اور انجمنوں کے قیام کی طرف توجہ کریں۔ بہت سا حصہ جماعت کا ابتک ایسا ہے جو باقاعدہ طور پر ساری چندوں میں شامل نہیں ہوتا اور اسوجہ سے مالی تکالیف بھی پیش آتی رہتی ہیں۔ بعض مدات جیسے لنگرخانہ روز بروز زیادہ مقروض ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بعض کے اخراجات کے پورا ہونیکا فکر ہر وقت انجمن کو دامنگیر ہے۔ ان مشکلات کا پورا انتظام تو اس صورت میں ہی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک ضلع میں یا دو دو تین تین ضلعوں میں ایک ایک محصل مقرر کیا جاوے جو وعظ اور تبلیغ بھی کرے

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحبکا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرہ کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی۔ حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمہ کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں اس لئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ - فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عنہ جسکو لوگ اڑھائی سو فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ہ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔ المشتھر :- احمد نور کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

سفرنامہ ناصر

حضرت میر ناصر نواب صاحب نے جو گذشتہ گرمیوں میں محض للہ ایک لمبا سفر سرحد تک کیا تھا اور بہت سے مقامات سے مسجد۔ ہسپتال۔ اور دور ضعفا کیلئے چندہ جمع کیا تھا اُس سفر کی کیفیت کو ایک نظم کی صورت میں شائع کیا ہے اور اپنے دورہ کا مفصل حال دلچسپ پیرایہ میں ادا کیا ہے اور ہر جگہ کے احمدیوں کا ذکر کیا ہے رسالہ ۳۶ صفحہ کا ہے اور اس رسالہ کی آمدنی بھی چندہ میں ہی داخل کیجائیگی۔ اسلئے اسکا خریدنا ہم خرما و ہم ثواب کا مصداق ہے۔ سفرنامہ حضرت میر صاحب یا دفتر بدر قادیان سے ۲ ر پر ملتا ہے۔

تلاش عزیز :- سید فضل شاہ ولد سید باقر علی شاہ ساکن جھنجھلہ ڈاکخانہ بھاگ نگر ضلع گجرات عمر ۱۳ سال درمیانہ قد قرآن شریف خواندہ قوی جسم خوش رو سرخ و سفید رنگ تیز زبان اس حلیہ کا لڑکا کسی بھائی کو ملے تو اطلاع دیکر ممنون فرماویں۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۳

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عوام سے عہ طلبا سے عہ

مصدّقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرّبہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے میںنے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میںنے حضرت مولویصاحب کے مجرب اور ہزار ہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں ۔ اسلئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عا ، قسم دوم ۸عہ قسم سوم عہ ، ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عنا جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں ۔ قسم دوم ستے ، اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

المشتہر ۱۔ احمد نور ۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

دین الحق یا ہمارا مذہب حصہ اوّل

۱۵۲ صفحہ کا رسالہ میر قاسم علی صاحب تراہا بہرام خان ۔ دہلی نے شائع کیا ہے ۔ اسمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام کے عقائد ۔ مذہب ۔ اور تعلیم کو آپ کی ہی کتابوں میں سے نکال کر پیش کیا ہے ۔ مؤلف کے مندرجہ ذیل بیان سے بخوبی ظاہر ہو جائیگا ۔ وہ لکھتے ہیں "احمدی احباب اس حصہ کو پڑھکر خوب یاد کریں ۔ اور جب کوئی بہتان و افترا اپنے پیارے امام موعود علیہ السلام کے مذہب و عقاید کے متعلق کسی نا اہل سے سنیں تو فوراً یہ رسالہ پیش کرکے اُس کا دم بند کریں ۔ اسمیں جسقدر اقتباسات درج کیئے گئے ہیں وہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی اپنی تحریروں و تقریروں سے مع حوالہ صفحہ وغیرہ درج کر دیئے ہیں ۔" واقعی ایسے افتراؤں کا یہ کتاب کافی جواب ہے ۔ علاوہ ازیں یہ رسالہ اس طرح مفید ہے کہ اس کے ذریعہ انسان بڑے بڑے اسلامی مسائل کے متعلق صحیح واقفیت پیدا کر سکتا ہے ۔

خریداران ریویو کو اطلاع ۔ ہر ایک قسم کی خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں اگر دیر ہو جائے تو معذور سمجھیں ۔ (مینجر ریویو)

صفحہ ۱۱۵ ۔ سطر ۶ میں شقاء غلط ہے ۔ شفاء صحیح ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو

حصہ اوّل

اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى (طٰہٰ ۳)

(ترجمہ) انہوں نے جو کچھ بنایا جادو کا تماشہ ہے اور جادوگر جہاں جائے بامراد نہیں ہوتا۔

ینابیع الاسلام ایک کتاب کا نام ہے جو فارسی زبان میں چرچ مشن سوسائیٹی کے پادری مسمی ڈبلیو سینٹ کلیر ٹسڈال متعین جلفہ واقعہ ایران کی تصنیف ہے اس کتاب کو سر ولیم میور نے انگریزی میں بھی ترجمہ کیا ہے جسکا نام سورسز آف اسلام ہے اس کتاب کے مصنف نے بزعم خود یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ہے بلکہ بانیٔ اسلام (علیہ التحیۃ والسلام) کی بناوٹ ہے اور یہ کہ آنحضرت صلعم نے اپنے مذہب کے لئے مختلف جگہ سے مصالح بہمکر اس مجموعہ کا نام خدائے تعالیٰ کا الہام رکھدیا اور آپنے جو کچھ عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں سے سُنا اسی کو سچ سمجھ کر بلا کم و کاست قرآن میں درج کردیا اور اپنے صحابہؓ پر اسی کا نام وحی الٰہی ظاہر کیا پادری مذکور کے زعم کے بموجب یہودی اکثر آنحضرت صلعم کو دھوکہ دیتے تھے مگر آپ کو اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پر اس قدر ایمان تھا کہ ان کی ہر ایک بات کو خدائی فیصلہ اور وحی الٰہی سمجھکر اپنے قرآن میں جگہ دیدی اور ظاہر کردیا کہ خدائے تعالیٰ نے یہ کلام براہ راست مجھ پر نازل کیا چنانچہ مصنف ینابیع الاسلام اپنی کتاب کے صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا

ہے "گمان بُرد کہ ہرچہ از زبانِ ایشاں شنید در انجیل یا در رسایل حواریین مندرج است" یعنی آپ (صلعم) نے خیال کیا کہ جو کچھ یہ لوگ (نصاریٰ) کہتے ہیں وہ انجیل یا حواریوں کی کتابوں میں درج ہے۔ پھر صفحہ ۹۸ پر یہ مسیحی واعظ رقمطراز ہے "حیف است کہ ایشاں ویرا فریفتہ اند" یعنی مجھے افسوس ہے کہ انہوں (یہودیوں) نے آپ صلعم کو دھوکہ دیا۔٭ ایسا ہی اس یسوعی مصنف کی نظر میں مسلمان بھی اپنے نبی کی طرح (معاذ اللہ) سادہ لوح لوگ ہیں جو انجیل کے سیدھے سادے الفاظ کو سمجھنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتے صفحہ ۱۵۸ میں لکھتے ہیں کہ مسلمان رئیس اینجہاں کا خطاب یوحنا باب ۱۴ درس ۳ سے لیکر اپنے نبی کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ یہ شیطان کا نام تھا۔ ہمیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ بھی اس بے شمار غلط بیانیوں اور جھوٹوں میں سے ایک ہے جسکا ارتکاب اس مسیحی مشنری نے اپنی اس کتاب میں بار بار کیا ہے۔ اس مسیحی مصنف کا گمان ہے کہ حضرت نبی کریم صلعم محض یہود و نصاریٰ کی سُنی سنائی باتوں پر ہی قانع نہیں رہے بلکہ آپ کو جہاں کہیں سے کوئی قصّہ کہانی یا کسی قسم کی تعلیم ملی اُسے آپنے

٭حاشیہ۔ اگر پادری صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ یہود و نصاریٰ سے سُنتے اُسکو صحیح سمجھکر قرآن شریف میں درج کر دیتے تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ تو حضرت مسیح علیہ السلام کو ملعون یقین کرتے اور دونوں کا اسپر اتفاق تھا کہ وہ لکڑی پر لٹکائے جاکر لعنت الٰہی کے مورد ہوئے مگر آپنے دوست و دشمن دونوں کے مسلمہ قول کو ردّ فرمادیا اور حضرت مسیح علیہ السلام کو اس لعنت سے بری ٹھہرایا جو نہ صرف دشمن بلکہ خود حضرت مسیح علیہ السلام کے پیرو آپ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پھر یہودیوں کا پختہ یقین تھا کہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نعوذ باللہ نعوذ باللہ ولد الحرام تھے اور عیسائی بھی کسی باپ کا نام ونشان نہیں بتلا سکتے تھے مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اور آپکی والدہ ماجدہ کو اس الزام سے بری کر دیا۔ کیا اب بھی پادری صاحبان کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی تھی بلکہ جو کچھ یہود و غیرہم سے سُنا اُسی کو صحیح یقین کر لیا اور آپنے

بلا جانچ و پڑتال اپنے مذہب میں داخل کر دیا اور اس یسوعی واعظ کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الہامات کا منبع و ماخذ صرف ملک عرب ہی نہیں تھا بلکہ آپ نے مصر۔ شام۔ ارمینیا۔ بابل۔ ایران اور ہندوستان تک سے مصالح جمع کیا تھا الغرض اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں بلکہ (معاذ اللہ) حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اِدھر اُدھر سے جو کچھ سُنا اُسے الہام آلہی ظاہر کر کے قرآن نام رکھدیا۔ اور یہ کہ ایسی سُنی سُنائی باتوں کی چونکہ جانچ نہیں کی گئی اس لئے انمیں سے اکثر غلط بھی ہیں۔ مصنف کتاب کے مسیحی دوستوں نے اس کتاب کی مدح سرائی

بقیہ حاشیہ: اُنکی باتوں پر اسقدر وثوق ہوتا تھا کہ اُنکی لچر سے لچر باتوں کو قرآن مجید میں جگہ دیدیتے۔ اگر قرآن شریف حضرت مسیح اور آپکی والدہ کی بریت نہ کرتا تو آج کئی کروڑ مسلمان یہود و نصاریٰ کی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ ملعون یقین کرتے اور جو الزام یہود آپؑ اور آپ کی والدہ پر لگاتے تھے اور جسکی خود عیسائی بھی کسی باپ کا پتہ نہ دیکر ایک طرح کی تائید کرتے تھے ضروری تھا کہ مسلمان بھی اُس الزام کو سچّا ہی یقین کرتے۔ مگر یہ قرآن مجید کا ہی احسان ہے کہ آج ایک دنیا حضرت مسیح علیہ السلام کو لعنتی نہیں بلکہ ایک راستباز صادق یقین کرتی ہے اور حضرت مریم کو نعوذ باللہ .... نہیں بلکہ صدیقہ کہکر پکارتی ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو نعوذ باللہ.... نہیں بلکہ آپکے بے پدر ہونے پر ایمان لاتی ہے۔ اگر قرآن مجید مسیح علیہ السلام سے ان الزاموں کو دُور نہ کرتا تو جس جرأت اور دلیری کے ساتھ پادریصاحبان آجکل مسلمانوں میں منادی کرتے ہیں وہ مارے شرم کے مُنہ بھی نہ دکھا سکتے۔ کیونکہ پہلا سوال جو مسلمان پادریصاحبان سے کرتے وہ یہ ہوتا کہ پہلے اُس الزام کا جواب دو جو یہودی مسیحؑ کی ولادت کے متعلق پیش کرتے ہیں اور اگر اُنکا الزام صحیح نہیں تو پھر بتلاؤ کہ اُسکے باپ کا کیا نام تھا۔ پھر ہم تمہارے وعظ کو سُنیں گے۔ مگر افسوس۔ دنیا میں پادریوں جیسی ناشکر گذار اور احسان فراموش کوئی قوم نہیں۔ بجائے اسکے کہ وہ قرآن شریف کے اس احسان کی قدر کرتے اُلٹا یہ بدلہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ یہود سے سُنا اُسکو سچ سمجھ لیا۔ اگر آپ اُنکی باتوں کو

ہیں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ہیں اُسی طرح .... جسطرح خدا اور انسان کو ملایا ہے
اور یہ بھی کہا ہے کہ مسلمان اس کی تردید نہیں کر سکتے۔ ولیم میور جس نے اس کتاب کا
انگریزی میں ترجمہ کیا ہے "رسالہ نائین ٹینتھ سینچری" میں اس کتاب پر ریویو کرتے وقت لکھتا
ہے۔ "ینابیع الاسلام ایک عظیم الشان کتاب ہے اور اس کے مطالعہ سے مصنف کتاب کی
اعلیٰ قابلیت کا پتہ ملتا ہے اب تک پادری فنڈرس اور دوسرے لوگوں نے بڑی قابلیت سے
اسلام کا جھوٹ اور غلط ہونا ظاہر کیا ہے لیکن یہ ہمارے اس مصنف کا حصّہ تھا کہ ایک نئے
اور پُر زور طرز سے ثابت کر دیا کہ اسلام کوئی آسمانی یا الہامی مذہب نہیں بلکہ خالصًا انسانی
بناوٹ ہے اس ثبوت میں جن عالمانہ اور پُر زور دلائل سے کام لیا گیا ہے انکی موجودگی میں
یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ نیک مسلمان کو تسلیم کے سوا کوئی اور چارہ ہو۔ اور اس تمام
کامیابی کیلئے مسیحی دنیا جناب پادری ڈبلیو سینٹ کلیر ٹسڈال کی ازحد مشکور رہی" میور صاحب
اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں اس کتاب کی تعریف میں فرماتے ہیں "اس قابل یادگار
رسالہ کی تصنیف پر چرچ مشن خصوصیت سے مبارکباد کا مستحق ہے کیونکہ اول اس کا مصنف
اس مشن کا ایک معزز واعظ ہے۔ دوم اس کتاب سے قرآن جسکو مسلمان آسمانی اور الہامی کتاب
مانتے ہیں ایک زمینی اور انسانی تصنیف ثابت ہوتا ہے۔ ہمیں کامل امید ہے کہ اس کتاب کو
کثرت سے مشرقی ممالک میں پھیلایا جائیگا"

پیشتر اسکے کہ میں اس کتاب کی مفصل تردید کی طرف رجوع کروں میں مناسب سمجھتا ہوں
کہ دیباچہ میں ہی اس کتاب کی حقیقت کسیقدر ظاہر کر دوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ جس کتاب
کی میور صاحب نے اسقدر تعریف فرمائی ہے وہ کس پایہ کی کتاب ہے میں پہلے پادری ٹسڈال صاحب

بقیہ حاشیہ سچا سمجھتے تو چاہیئے تھا کہ قرآن شریف میں یہ ہوتا کہ حضرت مسیح (علیہ السلام) نعوذ باللہ
نعوذ باللہ ..... تھے۔ اگر قرآن شریف یہود کے قول کو نقل کرتا تو پھر پادری صاحبان ہرگز دنیا میں مُنہ دکھانے
کے قابل نہ ہوتے اور نہ اُنکو یہ جرأت ہوتی کہ مسلمانوں میں آ کر وعظ کرتے کیونکہ اُس صورت میں مسلمان فخر قرآن شریف کی وہ آیت
سُنا دیتے جسمیں یہود کا قول متعلق ولادت حضرت مسیحؑ درج ہوتا اور پھر پادری صاحبان کو سوائے بھاگنے کے اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ منہ

کی تحقیق کے چند نمونے ناظرین کے آگے پیش کرتا ہوں نمونہ نمبر اوّل۔ پادری صاحب
صفحہ ۱۴۲ و ۱۴۳ میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ مریم کی آیت کریمہ کَیْفَ
نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ الخ کے مضمون
کو ایک قبطی کتاب مسمیٰ بہ انجیل طفولیت سے اخذ کیا اور اس انجیل کا علم آپ کو حضرت ماریہ قبطی
رضی اللہ عنہا کے ذریعہ پہنچا مگر شاید پادریصاحب کو اس امر کا علم نہیں کہ سورہ مریم مکہ معظمہ
میں نازل ہوئی اور یہ وہی سورۃ ہے جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی شاہ حبشہ
کے سامنے اسوقت پڑھکر سنائی تھی جب قریش نے مہاجرین حبشہ کو گرفتار کرنیکے لیئے
اپنے سفیر نجاشی کے پاس بھیجے تھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہجرت سے کم از کم چھ سات
سال پہلے یہ سورۃ نازل ہو چکی تھی۔ ملاحظہ ہو لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ
میور صفحہ ۸۹۔ اور حضرت ماریہؓ کو مقوقس شاہ مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت میں
ہجرت کے ساتویں سال میں بھیجا۔ ملاحظہ ہو میور کا بیان لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم
صفحہ ۳۵۹ میں۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت ماریہؓ آیت مذکورہ کے نزول سے کم از کم
چودہ سال بعد میں مدینہ میں پہنچی مگر پادری ٹسڈال صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت آپنے
حضرت ماریہؓ قبطی سے سیکھی کیا پادری صاحب اسی علم کے بھروسہ پر اسلام کے بنا بیخ تلاش
کرنے بیٹھے ہیں ایسے آدمی سے تحقیق کی کیا امید ہو سکتی ہے جو چودہ سال قبل نازل شدہ
آیت کی نسبت کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کو ایسے شخص سے سیکھا
جو چودہ سال بعد آپکے پاس آیا اگر پادری صاحب کی جہالت پر افسوس آتا ہے تو میور کی
حق پوشی پر اس سے کوئی کم افسوس نہیں آتا جس نے پادری صاحب کے اس بیان کو انگریزی
میں لفظ بلفظ ترجمہ کر دیا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ پادریصاحب کا یہ بیان سراسر
باطل اور لغو ہے اور پھر طرفہ یہ کہ پادری صاحب کے علم کی تعریف کرتا ہے اور انکی کتاب کو
بے نظیر قرار دیتا ہے اور چرچ مشن کو مبارکباد دیتا ہے کہ ان کے مشن میں ایسا بے بدل
انسان پیدا ہوا۔ یہ ہے مسیحی صاحبان کی راستبازی اور یہ ہے پادری ٹسڈال صاحب کے
اسلام کے متعلق وسیع معلومات کا اعلیٰ نمونہ۔ قرآن مجید کے کل انگریزی تراجم میں سورہ مریم کو

مکی سورتوں میں لکھا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک معمولی سی لائیف سے بھی یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ شاہ مصر نے حضرت ماریہؓ کو ۷ھ ہجری المقدس میں مدینہ میں بھیجا۔
نمونہ نمبر دوم۔ پھر پادری صاحب صفحہ ۱۶۴ میں اسلام کے متعلق اپنے وسیع معلومات کا ایک اور بھاری ثبوت دیتے ہیں صفحہ ۱۶۰ پر آپ قرآن مجید کی دو آیات پیش کرتے ہیں ایک سورۂ شوریٰ رکوع ۲ میں ہے دوسری سورہ القارعہ میں ہے ان دونوں آیات میں میزان کا ذکر ہے چنانچہ سورۂ شوریٰ کی آیت ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ اور سورۂ قارعہ میں ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ پادریصاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں آیات کا مضمون ایک قبطی کتاب وصیت نامہ ابراہیم سے لیا اور اسکا اصل ماخذ مصر کی ایک پرانی کتاب مسمی بہ کتاب الاموات ہے اور اس کتاب کا علم بھی آپکو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے ذریعہ ہی پہنچا۔ کاش کہ پادری صاحب اس عجیب وغریب تحقیق کے شائع کرنے سے پہلے ایک قرآن مجید کا نسخہ ہی اُٹھا کر دیکھ لیتے اور آپ کو معلوم ہوجاتا کہ یہ دونوں سورتیں مکی ہیں مگر شاید قرآن شریف کے دیکھنے سے بھی آپ کو فایدہ نہ ہوتا کیونکہ آپ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ حضرت ماریہؓ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں پادریصاحب کا ایسا خیال معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماریہؓ نزول قرآن سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ اسی وجہ سے ہر ایک آیت کے متعلق پادریصاحب جھٹ کہدیتے ہیں کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے سیکھی۔ اور یہ نہیں دیکھتے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی۔ یہاں پادریصاحب نے اپنی عقلمندی کا ایک اور بھی ثبوت دیا ہے پادری صاحب نے دو آیات پیش کی ہیں ایک سورۂ شوریٰ سے اور دوسری سورہ القارعہ سے گویا پادری صاحب کے نزدیک دونوں آیتوں میں ایک ہی قسم کی میزان کا ذکر ہے۔ یعنی دونوں میں قیامت کے دن اعمال کے تولا جانے کا ذکر ہے اگر پادریصاحب کچھ بھی عقل سے کام لیتے تو انکو معلوم ہوجاتا کہ سورہ شوریٰ کی آیت کا وہ مضمون نہیں ہے جو سورہ القارعہ کی آیت کا ہے سورہ القارعہ میں قیامت کے دن اعمال تولا جانیکا ذکر ہے

اور سورۂ شوریٰ میں ایک ایسی میزان کا ذکر ہے جو خدائے تعالیٰ انبیاءؑ کے ذریعہ اس عالم میں نازل کرتا ہے۔ یعنی عدل وانصاف کے قواعد۔

نمونہ نمبر سوم۔ پادری صاحب نے باب پنجم میں ان تعالیم کا ذکر کیا ہے جو اس کے خیال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشت کی تعلیم سے اخذ کیں ایسی تعالیم حسب ذیل ہیں۔ اوّل معراج کا واقعہ دوم جنت۔ حور وغلمان اجنّہ ملک الموت سوم ابلیس چہارم نور محمدی پنجم پلصراط۔ ششم آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہفتم عقیدہ کہ پہلا نبی آنیوالے نبی کی خبر دیتا ہے۔ ہشتم پانچ وقت کی نماز۔ پیشتر اسکے کہ میں پادریصاحب کی نادانی کا ذکر کروں میں ناظرین کی توجہ اس امر کی طرف پھیرتا ہوں کہ وہ دیکھیں کہ یہ تعالیم وعقائد وآیات کس زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی کب اور کس جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بیان فرمایا۔ نمبر ۴ و ۶ ان ہر دو کا ذکر تو قرآن مجید میں نہیں ہے اور نہ ہی پادری صاحب نے اسکے ثبوت کے لیے کسی معتبر احادیث کی کتاب کا حوالہ دیا ہے اسلیئے فی الحال ان امور کے ذکر کی میں ضرورت نہیں سمجھتا۔ باقی قریباً کل امور کے متعلق ہر ایک شخص جسکو اسلامی تاریخ کا کچھ علم ہے۔ اور جس نے قرآن مجید کو کبھی پڑھا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ ہجرت سے قبل کے واقعات اور تعالیم ہیں۔ مثلاً معراج کے ذکر میں پادری صاحب سورۃ اسراء کی پہلی آیت پیش کرتے ہیں۔ اور شاید پادری صاحب کو علم ہوگا کہ یہ سورۃ مکّہ معظمہ میں قبل از ہجرت نازل ہوئی۔ اگر پادریصاحب کو علم نہیں تو وہ میور کی کتاب لائف آف محمد (صلعم) ہی ملاحظہ فرمالیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۱۷ کے دیکھنے سے پادری صاحب کو معلوم ہوجائیگا کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ ایسا ہی جنت کی تعلیم بھی مکّی آیات میں پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر پادری صاحب ملاحظہ فرمادیں۔ انعام ۱۵۔ اعراف ۵ رعد ۵ وغیرہا یہ سب سورتیں مکّی ہیں۔

حور وغلمان کے متعلق پادریصاحب سورۃ رحمٰن اور سورۃ واقعہ کی آیات پیش کرتے ہیں اور یہ دونوں سورتیں مکّی ہیں۔ شیطان اور اجنّہ کا بھی مکّی سورتوں میں ذکر ہے۔ ملاحظہ ہوں انعام ۱۴۔ اعراف ۳ و ۱۴۔ ابراہیم ۴۔ حجر ۲ و ۳ نحل ۱۳ احقاف ۴

رحمٰن ۲ وغیرہا۔ یہ سب سورتیں مکّہ میں نازل ہوئیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی آیت کریمہ مکّی سورتوں کے شروع میں بھی ایسی ہی درج ہے جیسے مدنی سورتوں کے شروع میں اور خود قرآن شریف کے اندر سورۃ نمل میں موجود ہے اور یہ سورۃ بھی مکّہ ہی میں نازل ہوئی۔ پانچ وقت کی نماز بھی مسلمان مدینہ میں آنیسے پہلے ادا کرتے تھے۔ جو ثبوت پادری صاحب نے اس امر کے ثابت کرنیکے دیئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعالیم کو زردشتیوں سے حاصل کیا۔ وہ نہایت ہی عجیب وغریب ہیں۔ یہاں مَیں صرف ایک ثبوت کا ذکر کرتا ہوں جو سب ثبوتوں کا گل سرسبد ہے اور جس پر پادری صاحب نے بڑا زور لگایا ہے۔ پادری صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تعلیمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلمان فارسی کے ذریعہ پہنچی تھیں۔ واہ واہ پادری صاحب نے تو کمال کر دیا۔ اس سے زیادہ صریح ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے۔ پادری صاحب نے اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعالیم سلمان فارسی کے ذریعہ سنکر قرآن مجید میں داخل کر دیں۔ مگر افسوس پادریصاحب کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ سلمان فارسی کب اور کہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اگر پادری صاحب کو علم ہوتا۔ کہ وہ مدینہ میں ہجرت کے بعد مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوا۔ تو وہ ایسی قابل شرم غلطی کا ارتکاب نہ کرتے کہ مکّہ کی تعلیم کو ایسے شخص کی طرف منسوب کرتے جو نزول تعلیم کے وقت نہ تو مکّہ میں موجود تھا اور نہ اس نے ابھی اسلام قبول کیا تھا یہ ہے پادری صاحب کی تحقیق کا نمونہ اور ایسی تحقیق کے بھروسہ پر آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس کتاب کے دلائل ایسے زبردست ہیں۔ کہ اسلام کی بنیاد کو متزلزل کرنا تو کجا بالکل منہدم کر دیتے ہیں۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ پادری صاحب فرماتے ہیں۔ کہ یہ صرف میری اپنی تحقیقات نہیں بلکہ اُس زمانہ کے لوگ بھی یہی رائے رکھتے تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم سلمان فارسی سے سیکھی۔ اس دعوے کے اثبات میں بھی پادری صاحب ایک بڑی زبردست شہادت پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ سورۃ نحل کی آیت وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُولُونَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيْنٌ

میں جس بشر کا ذکر ہے۔ وہ سلمان فارسی ہی تھے۔ کاش پادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچنے سے پہلے کسی اور شخص سے ہی دریافت کر لیتے۔ کہ جس آیت کا آپ ذکر فرماتے ہیں وہ کس زمانہ کی آیت ہے۔ آیا اس آیت کے نزول کے وقت سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود بھی تھے۔ یا نہیں۔ تا پادری صاحب پردہ دری کے دردناک عذاب سے بچ جاتی۔ پادری صاحب کو معلوم ہو۔ کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی اگر عربی قرآن مجید پاس نہیں۔ تو انگریزی ترجمہ کو دیکھکر بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ کہ یہ آیت ہجرت سے کئی سال پہلے نازل ہو چکی تھی۔ ان مثالوں کو دیکھکر پادری صاحب پر یہ افسوس آتا ہی۔ کہ انہوں نے بے فائدہ اسقدر محنت اٹھائی۔ قدیم ژند اور پہلوی زبان کے حوالے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر کتاب کو سیاہ کر دیا۔ اور جب اس امر کے ثبوت کا وقت آیا۔ کہ ژند و دستا کی تعلیمیں کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچیں۔ تو ایسا بیہودہ امر پیش کر دیا۔ جس سے انکی ساری کارروائی پر پانی پھر گیا۔ اور جو طومار قدیمی حوالجات کا جمع کیا تھا۔ وہ یک لخت بہ گیا۔ کیونکہ جس شخص کا پادری صاحب نے نام لیا۔ اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے کئی سال پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ تعلیم قرآن مجید میں سے لوگوں کو سنا چکے تھے۔ پادری صاحب کی حالت پر تو اس لیئے افسوس آتا ہے۔ کہ انکی ساری محنت یونہی رائگاں ہو گئی۔ انہوں نے یہ کتاب لکھکر خواہ نخواہ اپنی پردہ دری کرالی۔ مگر ولیم میور کے انگریزی ترجمے پر جب نظر پڑتی ہے۔ تو انپر پادری ٹسڈال کی نسبت اور بھی زیادہ افسوس آتا ہے۔ کیونکہ پادری صاحب کئی طرح سے معذور بھی تھے۔ اول تو وہ علمی کم مائگی کی وجہ سے معذور تھے۔ بلکہ ضروری تھا۔ کہ وہ ایسی غلطیوں کا ارتکاب کر کے اپنے سرمایہ علمی کا راز افشا کرتے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ؎ تا مرد سخن نگفتہ باشد۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔ دوم اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ وہ اسلامی معلومات سے ایسے بے بہرہ نہیں جیسے انکی کتاب سے ہویدا ہوتا ہے۔ پھر بھی انکے لیئے ضروری تھا کہ عوام الناس کو مغالطہ دینے کیلیئے وہ ہر ایک قسم کا ذریعہ استعمال کرتے۔ اور اپنی مشنری ہونیکا حق ادا کرتے۔ انکو ریورنڈ کا خطاب حاصل ہے۔ انہوں نے اس خطاب کا حق بھی آخر ادا کرنا تھا۔ پس اگر انہوں نے بے علمی سے ایسا نہیں کیا۔ تو صرف عوام پر اثر ڈالنے کے

لیئے خلاف واقعہ امور کو درج کر دیا۔ کیونکہ پادری صاحبان اپنی غرض کے حاصل کرنے میں ایک جائز و ناجائز راہ اختیار کرنیکے لیئے تیار رہتے ہیں۔ اس لیئے پادری صاحب پر اسقدر افسوس نہیں۔ جسقدر ولیم میور پر افسوس ہے۔ کیونکہ اسکی نسبت یہ گمان نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ ان واقعات کا علم نہیں رکھتا تھا۔ اسکی اپنی کتاب پادری صاحب کے بیان کی تغلیط کر رہی ہے۔ لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحہ ۹۷ کے پڑھنے سے ہر ایک شخص کو معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ سلمان فارسی مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ شامل ہوئے۔ جیسا کہ تاریخ اسلام میں بصراحت مذکور ہے۔ اور جس آیت کریمہ کی نسبت پادریصاحب لکھتے ہیں۔ کہ اس میں سلمان فارسی ہی کا ذکر ہے۔ اسکی نسبت میور کا بیان صفحہ ۶۵ پر ملاحظہ ہو۔ جو پادری صاحب کے خیال کی تردید کر رہا ہے۔ اور لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحات ۳ ۔ ۵ ۔ ۷ کے ملاحظہ سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ جس تعلیم کی نسبت پادری صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت (صلعم) نے سلمان فارسی سے سیکھی۔ وہ مکہ میں ابتدا ہی سے نازل ہو چکی تھی۔ پس ولیم میور کو خوب علم تھا۔ کہ پادری صاحب کا یہ کہنا کہ یہ تعلیمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی سے سیکھیں۔ سراسر جھوٹ اور کذب ہے۔ مگر پھر بھی پادری صاحب نے اس کذب کو انگریزی میں ترجمہ کرکے جھوٹ کے پھیلانے میں اعانت کی اور صرف اعانت ہی نہیں کی بلکہ اس کتاب کو بہت سے عزت کے خطابوں کا شرف عطا کیا ہے۔ ایسی کارروائی ایک ایسے شخص کے لائق نہیں۔ جو نہ صرف مؤرخ ہونیکا مدعی ہو۔ بلکہ ممتاز عہدوں کا رکھنے والا اور کے۔ سی۔ ایس۔ آئی جیسے معزز القاب سے سرفراز ہو۔ اور جسکا نام سر کے خطاب سے مزین ہو۔ مگر مسیحی صاحبان میں اسلام کی مخالفت کا ایک عجیب جوش ہے۔ کہ سر ولیم میور۔ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل ایل ڈی۔ ڈی سی ایل۔ پی ایچ ڈی جیسے معزز انسان بھی حق کا خون کرکے اپنے روشن نام کو رنگین کرنیسے پرہیز نہیں کرتے۔

نمونہ نمبر چہارم۔ اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۱-۲۲۲ پر پادری صاحب لکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا سبق زید بن عمر سے سیکھا جسکو شہر والوں نے اسی عقیدہ کی وجہ سے شہر سے کوہ حرا کی طرف نکالدیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی عبادت الٰہی

کیلئے اسی پہاڑ میں جایا کرتے تھے۔ اور وہاں دونوں کی ملاقات ہوتی تھی۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی تعلیم کا پہلا سبق اسی زید بن عمرو سے حرا پہاڑی کے مکتب میں بیٹھ کر پڑھا۔ افسوس کہ اس امر میں بھی ولیم میور صاحب پادری صاحب کی تردید ہی کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صفحہ ۳۵ پر لکھتے ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا کی طرف عبادت الٰہی کیلئے تشریف لیجاتے تھے۔ تو انکے قریب ہی زید بن عمرو کی قبر تھی۔ تعجب ہے کہ اگرچہ ولیم میور نے پادری صاحب کی عجیب وغریب کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ مگر اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں پادری صاحب کی ایک بات کی بھی تصدیق نہیں کرتے۔ پادری صاحب تو فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں تشریف لیجاتے۔ تو اسی پہاڑی میں زید بھی گشت لگاتے ہوئے آپسے آکر ملاقات کرتے۔ اور توحید کا سبق آپنے اسی سے پڑھا۔ مگر میور لکھتا ہے کہ زید اس زمانہ سے پہلے مرچکا ہوا تھا۔ ہاں اس کی قبر وہاں ضرور تھی۔ پادری صاحب تحقیق میں تو کمال رکھتے ہیں۔ مگر وقت کا حساب کرنے میں ہمیشہ چوک جاتے ہیں۔ حضرت ماریہ اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہما کے معاملہ میں بھی وقت میں ہی غلطی کھائی تھی۔ اور زید بن عمرو کے بارے میں بھی وقت میں ہی غلطی کھا گئے۔ انکے نزدیک اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کا سبق زید سے سیکھا اتنا ہی دکھا دینا کافی ہے۔ کہ زید بھی حرا پہاڑی میں گھوما کرتا تھا۔ اور آپنے بھی اسی پہاڑی میں عبادت الٰہی کے لیئے خلوت اختیار کی ان کے نزدیک یہ امر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ کہ وہ زمانہ بھی ایک تھا یا نہیں صرف مکان کا ایک ہونا کافی ہے زمانہ کا ایک ہونا انکے نزدیک چنداں ضروری نہیں۔ اگر پادری صاحب کہیں بدقسمتی سے سشن جج مقرر کیئے جاتے تو بہت سے بے گناہ لوگوں کو صرف اسلیئے پھانسی پر چڑھا دیتے۔ کہ جس جگہ مقتول کی لاش پائی گئی ہے۔ اسی جگہ ملزم کا جانا ثابت ہے۔ خواہ ملزم قتل سے چار دن بعد وہاں گیا ہو یا ایک ہفتہ پہلے صرف اسی جگہ جانا اسکے قاتل ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

نمونہ نمبر پنجم۔ پادری صاحب نے جو اسلام کی تعلیم کا نمونہ دیا ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ آپنے تفاسیر کے بے بنیاد قصوں کو قرآنی قصص ظاہر کیا ہے۔ اور تفاسیر پر ہی بس نہیں کی۔

بلکہ اور قصص کی کتابوں میں بھی جو لغو قصے بھرے پڑے ہیں۔ انکو بھی لیکر اسلامی تعلیم انکا نام رکھا ہے۔ مثال کے طور پر میں ایک قصہ یہاں درج کرتا ہوں۔ جسکو پادری صاحب نے اسلامی تعلیم کے نام پر ناظرین کے آگے پیش کیا ہے۔ صفحہ ۱۰۷ پر اس امر کے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہوئے کہ لوح محفوظ کا عقیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سیکھا لکھتے ہیں۔ اگر استفسار کنیم۔ کہ اہل اسلام در بارہ آں لوح محفوظ چہ چیز را از احادیث خود آموختہ اند۔ جواب ایں سوال را در قصص الانبیا می یابیم۔ و آں اینست۔ آنگاہ در زیر عرش دانہ مروارید بیافرید و از اں مروارید لوح محفوظ را بیافرید۔ بلندی وے ہفت صد سالہ و پہنائی او سہ صد سالہ راہ۔ گرداگرد وے ہمہ بیاقوت سُرخ آراستہ شدہ۔ الخ

(ترجمہ) اگر ہم یہ دریافت کریں۔ کہ احادیث میں مسلمانوں کو لوح محفوظ کے متعلق کیا تعلیم دی گئی ہے۔ تو اس کا جواب قصص الانبیاء کے صفحہ ۳ و ۴ پر ملیگا۔ وہ یہ ہے۔ کہ خدائے تعالیٰ نے عرش کے نیچے مروارید کا دانہ پیدا کیا۔ اور اس مروارید کے دانہ سے لوح محفوظ کو پیدا کیا۔ جسکی بلندی سات سو سال کی راہ ہے۔ اور جسکی چوڑائی تین سو سال کی راہ ہے۔ اور اُسکا گرداگرد سُرخ یاقوت سے آراستہ کیا گیا ہے۔ دیکھئے یہ ہی اسلام کی تعلیم جو پادری صاحب پیش کرتے ہیں۔ آپ راستبازی کو بالائے طاق رکھکر اس افسانہ کا نام حدیث یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ قصص الانبیاء کا مصنف اس کہانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اگر اسکو منسوب بھی کرتا۔ پھر بھی عقلمند آدمی اسکو صحیح حدیث قرار نہ دیگا۔ یہ ہے نمونہ اس اسلامی تعلیم کا جسکا کھوج پادری صاحب قدیمی کتابوں میں سے نکال کر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعلیمات غیر مذاہب سے سیکھیں۔

نمونہ نمبر ششم۔ میں یہاں پادری صاحب کی ایک اور حدیث کو نقل کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو معلوم ہو۔ کہ انہوں نے کیسی لچر اور بیہودہ تعلیم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنیکی کوشش کی ہے۔ آپ صفحہ ۱۱۱ پر قصص الانبیاء ہی سے ایک اعلیٰ پایہ کی حدیث نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔ در قصص الانبیا گفتہ شدہ است۔ کہ روزے عبداللہ ابن سلام

از حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پرسید - فراز زمین از چیست - گفت از کوہ قاف - گفت کوہ قاف از چیست - گفت - از زمرد سبز و سبزی آسمان از آنست - گفت صدقت یا رسول اللہ گفت بالائے کوہ قاف چہ مقدار است - گفت پانصد سالہ راہ است - گفت گرداگرد وے چند است - گفت گرداگرد وے دو ہزار سالہ راہ است - ؂

اب یہ ایسا لغو قصہ ہے - کہ سمجھدار مسلمان تو کجا ایک انصاف پسند عیسائی یہودی یا ہندو بھی ایک لمحہ کیلئے یہ قبول نہیں کریگا - کہ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے - مگر پادری صاحب ایسی بہت سی بیہودہ باتوں کو قصوں کی کتابوں میں سے نقل کرکے پیش کرتے ہیں - کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے - ایسی بہت سی مثالیں کتاب ینابیع الاسلام میں سے درج کیجاسکتی ہیں - جو درحقیقت لغو کہانیاں ہیں - مگر پادری صاحب ان کہانیوں کو اسلامی تعلیم کے نام پر پیش کرتے ہیں - اور پھر پرانی غیر مذاہب کی کتابوں میں سے ان قصوں کے اصل نکال کر یہ ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں - کہ اسلام کی تعلیم غیر مذاہب سے لی گئی ہے - ان دو مثالوں سے ناظرین پادری صاحب کی راستبازی اور آپکی تحقیقات کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں - اور یہ بھی دیکھ سکتے ہیں - کہ کتاب ینابیع الاسلام جو ایسے لغو قصوں سے از سرتاپا بھری پڑی ہے - کس پایہ کی کتاب ہے - ان مثالوں سے اگر پادریصاحب کی راستبازی اور دیانت داری کا پتہ لگتا ہے - تو ولیم میور کی حق پسندی کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے - جو ایسی لچر کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اپنی خوشنودی کا سرٹیفکٹ پادریصاحب کو عطا کرتا ہے - ولیم میور بخوبی جانتا تھا - کہ یہ اسلامی تعلیم نہیں ہے - اور جن کتابوں قصص الانبیاء - عرائس المجالس و روضۃ الاحباب اور التواریخ القدیمہ وغیرہ کا حوالہ پادری صاحب دیتے ہیں - وہ مسلمانوں کے نزدیک کوئی مسلم کتابیں نہیں ہیں - اور نہ کوئی اسلامی فرقہ ان کتابوں کو احادیث کی کتابوں میں شامل کرتا ہے - مگر پھر بھی ولیم میور اس کتاب کی تعریف کے گیت گاتا ہے - افسوس! ولیم میور نے ایسی کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کرکے اور پھر اسپر اپنی تصدیق کی مُہر لگا کر اپنی مؤرخیت پر ایک ایسا کالا دھبا لگایا ہے - جسکو اب کوئی پانی دھو نہیں سکتا

؂ ترجمہ - ایک دن حضرت عبد اللہ بن سلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ زمین کا اونچا مقام کونسا ہے - آپنے فرمایا - کوہ قاف - اُس نے پھر سوال کیا - کوہ قاف کس چیز سے بنا ہوا ہے - آپنے فرمایا سبز زمرد سے اور آسمان کا سبز رنگ بھی اسی پہاڑ کی وجہ سے ہے - عبد اللہ بن سلام بول اٹھے - سچ فرمایا آپنے اے اللہ کے رسول - پھر سوال کیا کہ کوہ قاف کی اونچائی کسقدر ہے - آپنے فرمایا - پانچ سو سال کی راہ - پھر سوال کیا کہ اُسکا گرد کسقدر ہے آپنے جواب دیا کہ دو ہزار سال کی راہ -

پیسے مؤرخ سے انصاف کی کیا امید ہوسکتی ہے۔

نمونہ نمبر ہفتم۔ پادری صاحب نے یہی نہیں کیا کہ بے بنیاد کہانیوں کو قصص کی کتابوں سے نکالکر اسکو اسلامی تعلیم کے نام پر پیش کیا ہے بلکہ جہاں آپ کو کوئی قصوں کی کتاب بھی سند کیلئے نہیں ملی۔ تو کہدیا ہے۔ کہ یہ بات عرب وعجم میں مشہور و معروف ہے۔ اس لئے سند کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ آپ صفحہ ۷۲ پر ایک کہانی لکھتے ہیں۔ کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک دن قرآن شریف کی آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ پڑھ رہی تھیں کہ اچانک اس جگہ امرء القیس کی بیٹی بھی آگئی۔ اور آیت سنکر کہنے لگی۔ کہ یہ آیت تیرے باپ نے میرے باپ سے سنکر لکھدی ہے۔ اور پھر کہتا ہے۔ کہ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی۔ یہ کہانی لکھکر جب سند کا موقع آیا۔ تو بجائے سند پیش کرنیکے آپ فرماتے ہیں کہ ایں حکایت درمیان عرب وعجم مشہور است۔ یہ پادری صاحب کی راست گوئی ہے جب سند پیش نہیں کر سکے۔ تو کہدیا ہے۔ کہ یہ کہانی تو کل دنیا میں مشہور ہے تا پڑھنے والا یہ سمجھے۔ کہ ایک مسلّم واقعہ ہے۔ حالانکہ یہ سراسر کذب ہے۔ اگر کذب نہیں۔ تو پادری صاحب کوئی معتبر ثبوت پیش کریں۔ مندرجہ بالا سات نمونوں سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ یہ کتاب جسکو پادری صاحبان لاجواب فرماتے ہیں۔ کس حیثیت کی کتاب ہے۔ اب میں بعونہ تعالیٰ اس کتاب کی مفصل تردید کیطرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں۔ رب تمم ما اردت واجعل برکة فیما قصدت واتنی ما فقدت۔ انت مولائے فی الدنیا والاٰخرة وانت ارحم الراحمین۔ آمین ثم آمین

ینابیع کا بنیادی پتھر

صرف یہی نہیں۔ کہ پادری ٹسڈال نے اپنی کتاب کو بہت سے قصوں سے بھر دیا ہے بلکہ وہ بنیاد ہی جسپر آپ نے ایک بڑی بھاری عمارت اُٹھائی ہے غلط ہے۔ اپنی تمہید میں آپ لکھتے ہیں۔ درباره اینکہ قرآن تصنیف انسانی نیست۔ بلکہ تماماً از جانب

تعالیٰ بواسطہ حضرت جبرائیل فرشتہ بر حضرت محمد نازل شدہ۔ جمیع اہل اسلام بر ایں عقیدہ متفق الرائے بودہ وہستند۔ پس اگر ایں بیان را قبول کنیم۔ باید اقرار نمائیم کہ ینبوع وحید قرآن و سرچشمہ تمامی دین اسلام خود خدائے عز وجل رب العالمین سبحانہٗ وتعالیٰ می باشد۔ وہیچ سرچشمہ دیگر نداشتہ وندارد۔ لہٰذا اگر ممکن باشد کہ شخصے تفتیش وتفحص نمودہ ایں را اظہر من الشمس ثابت بگرداند۔ کہ اکثر اجزائے قرآن و بسیارے از عقائد اسلام بے شک وشبہ از ادیان دیگر واز کتبے کہ درایام حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) موجود بود وحالا نیز است۔ انتخاب شدہ است۔ پس بنیاد دین اسلام تماماً وکلیۃً منہدم گردد۔ صفحہ (۱۱) اسی عبارت کو میور اپنے الفاظ میں اسطرح لکھتا ہے۔ "مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انکا مذہب خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور قرآن ودیگر عقائد اسلام خدائے تعالیٰ نے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جبرائیل کے وساطت سے نازل کیئے تھے پس جب خدائے تعالیٰ ہی اسلام کا منبع ہوا تو اسلام کے کسی عقیدہ کیلیئے انسانی منبع تلاش کرنا محال ٹھہرتا ہے لیکن اگر ہم قرآن کی تعلیم کے کسی حصّہ کو کسی زمینی چشمہ یا اُن انسانی مذاہب سے جو حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ سے پہلے موجود تھے نکالکر دکھائیں تب اسلام کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔" صفحہ (۲)

مذکورہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر دو مسیحی صاحبان کی رائے میں دین اسلام کی تکذیب کے لیئے صرف یہی بات کافی ہے کہ اسلام کی تعلیم کو دوسری کتابوں یا دوسرے اَدیان کے عقائد سے نکالکر دکھایا جاوے اور یہی ایک خیال ہے کہ جس پر ینابیع کی بنیادیں اُٹھائی گئی ہیں۔ اور اسی کو مدِّ نظر رکھکر چرچ مشن کے پادری نے پُرانی کتابوں اور تاریخی صحائف کی ورق گردانی کی ہے تاکہ قرآن کی تعلیم کو انسانی تصنیف ثابت کرے۔ اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان اس امر کو اظہر من الشمس کردے کہ وہ خیال ہی سراسر خام اور جھوٹا ہے جس پر مسٹر ٹسڈال نے اپنی کتاب کی بنیاد رکھی ہے۔ تو کیا مسیحی صاحبان یہ تسلیم نہ کرینگے

کہ وہ ساری عمارت جسکو ان کے واعظ نے برسوں کی محنت سے تعمیر کیا ایک آن کی آن میں منہدم ہو جائیگی۔ مسٹر ٹسڈال نے جو دلیل مذکورہ بالا عبارت میں دی ہے۔ اس پر مسیحی خوش ہوں تو ہوں۔ مگر ایک مسلمان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آتا کہ کس طرح آنحضرت صلعم کی تعلیم کو دوسرے ادیان اور کتب سے نکال کر دکھانے سے اسلام کی تکذیب ہو سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے نزدیک اسلام کی تکذیب کی بجائے اس سے تو قرآن کے دعاوی کی تصدیق ہوتی ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ نہیں کہ اسلام کی تعلیم کوئی ایسی تعلیم ہے جو پہلے نازل نہیں ہوئی اور نہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کہیں ایسا دعویٰ کیا ہے کہ آپ سے پہلے بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیئے کوئی نبی نہیں آیا اور آپ ایک انوکھے رسول ہیں۔ برعکس اسکے مسلمانوں کی پاک کتاب صاف طور پر یہ تعلیم دیتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رسالت کسی ایک ملک یا ایک قوم تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ تمام ممالک اور تمام اقوام میں خدائے تعالیٰ کے فرستادہ۔ لوگوں کی ہدایت کے لیئے مامور ہو کر آتے رہے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کہ قرآن کریم نے کس طرح صفائی کے ساتھ اس بات کا اعلان کر دیا ہے۔ وہ فرماتا ہے۔

(ا) یٰبَنِیٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (اعراف ۴)

اے آدم کے بیٹو اگر تمہارے پاس رسول آئیں تمھیں میں سے بیان کریں تم پر میرے نشانات۔ پس جو شخص تقویٰ کرے گا اور نیکی کریگا تو انہیں کوئی خوف و حزن نہ ہوگا۔

(ب) لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔ (حدید ۳) تحقیق ہم نے رسولوں کو کھلے نشانات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (قواعد عدل) نازل کیں تاکہ لوگ عدل کو قائم رکھیں۔

(ج) فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا۔ (النساء ۶)
پس کیونکر ہوگا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھ کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔

(د) وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔ (نساء ۲۳) اور بھیجے ہم نے رسول جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تجھ پر پہلے کر دیا ہے اور بعض کا ذکر تجھ پر نہیں کیا۔

(ہ) قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ (احقاف ۱) کہہ (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں۔

(و) إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ۝ إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۝ (فاطر ۳) نہیں تو مگر ایک ڈرانیوالا۔ تحقیق ہم نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا اور کوئی اُمت نہیں مگر اس میں ڈرانیوالا گذرا ہے۔

(ز) إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۝ (رعد ۱) سوائے اسکے نہیں کہ تو ایک ڈرانیوالا ہے۔ اور ہر ایک قوم کیلئے ہدایت دینے والا گذرا ہے۔

(ح) وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ (یونس ۵) اور ہر ایک اُمت کے لیئے ایک رسول ہے۔

(ط) وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (نحل ۵) تحقیق ہم نے ہر ایک اُمت میں رسول مبعوث کیا۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات کا حوالہ دیکر دکھایا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم ان تمام رسولوں اور ڈرانیوالوں کے خدا کی طرف سے مامور ہونے کی تصدیق فرماتا ہے۔ جو وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں مبعوث ہوئے ہیں۔ اور یہ کہ رسولؐ عربی علیہ الف الف سلام کی تعلیم وہی تعلیم ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام نے دی تھی۔ لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ بالا قرآنی حوالجات ان امور کے ثبوت کے لیئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرقان حمید تمام گذشتہ آسمانی کتابوں اور صحف انبیاءؑ کی تصدیق کرتا ہے۔ ذیل کی چند آیات ملاحظہ ہوں۔

(۱) قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ۝ (بقرہ ۱۲) کہہ جو کوئی جبریل کا دشمن ہے پس تحقیق اس نے اُتارا ہے اس (قرآن) کو تیرے دل پر جو تصدیق کرتا ہے

اس (کلام) کی جو اس سے آگے ہے اور مومنوں کیلیئے ہدایت و خوشخبری ہے۔

(ب) نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ (آل عمران ۱)
اللہ تعالیٰ نے اُتاری ہے تجھ پر یہ کتاب حق کے ساتھ جو اس (کلام) کی تصدیق کرتی ہے جو اسکے آگے (نازل ہو چکی) ہے۔

(ج) اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (انعام ۱۰) یہ لوگ ہیں (جنکا ذکر پہلے ہو چکا ہے یعنی انبیا و رسل) جنکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی پس تو بھی انکی ہدایت کی پیروی کر۔

(د) وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (انعام ۱۱)
اور یہ کتاب ہے ہم نے اسکو اُتارا برکت والی اور جو (کلام الٰہی) اس سے آگے ہے اس کی تصدیق کرنیوالی ہے۔

یہ دعاوی ہیں جو قرآن کریم اپنے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش کرتا ہے انسے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جنپر قرآن نازل ہوا تھا کوئی انوکھی اور نئی تعلیم نہیں لائے بلکہ جو کتاب آپ پر نازل ہوئی تھی وہ پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے پس قرآن کریم کے ان دعاوی کو دیکھکر تعجب آتا ہے کہ پادری ٹسڈال اور ان کا مترجم ولیم میور کس منہ سے کہتے ہیں کہ اگر ہم قرآن کی تعلیم یا اسکے کسی حصے کو پہلی کتب میں سے نکالکر دکھا دیں یا نبی کریم کے زمانہ سے پہلے انسانی مذاہب کے عقاید میں وہی کچھ دکھا دیں تو اسلام کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ لوگ اس بات سے ہی بےخبر ہیں کہ قرآن کریم دوسرے ادیان کو جنکا نام ہمارے مسیحی دوستوں نے انسانی مذاہب رکھا ہے کس نظر سے دیکھتا ہے۔ اور دنیا کے دوسرے انبیاء کی تعلیم کے متعلق کیا حکم دیتا ہے یا وہ عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ میور لکھتا ہے کہ جب خدائے تعالیٰ ہی اسلام کا منبع ہوا تو اسلام کے کسی عقیدہ کو انسانی مذاہب سے نکالکر دکھانا ایک محال امر ٹھہرتا ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ آیا قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ نہیں کہلایا گیا کہ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ یعنی میں کوئی نیا اور انوکھا رسول ہو کر نہیں

آیا ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے کہ مَیں کوئی نیا اور انوکھا رسول نہیں ہوں تو آپکی تعلیم کا پتہ ضرور دوسرے ادیان کی مقدس کتابوں میں سے چلنا چاہیئے۔ اور جو شخص یہ کہے کہ اگر اسلام کی تعلیم کو نبی کریمؐ کے زمانہ سے پہلے مذاہب کی کتابوں سے دکھایا جاوے تو اسلام کی تمام عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ وہ ہماری مقدس کتاب کی تعلیم سے سراسر ناواقف ہے اور اپنی جہالت کا ثبوت دیتا ہے۔ فرقان حمید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (بیّنہ) خدا کی طرف سے رسول جوکہ (قرآن مجید کے) پاک صحیفے پڑھتا ہے جنمیں تمام درست کتابیں شامل ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ (نساء-۵) یعنی خدائے تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم کو کھولکر بتاوے اور اُن کے راستہ پر چلاوے جو تم سے پہلے گذر چکے۔ یہ دعاوی ہیں جو قرآن کریم دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور اگر میور اور ٹسڈال صاحبان قرآن کریم کی تعلیم کو پہلے مذاہب کے عقائد میں سے نکالکر دکھاتے ہیں تو بجائے اسلام کو نقصان پہنچانے کے جیسا کہ انکا زعم فاسد ہے وہ ہمارے دین کی تائید کرتے ہیں۔ اور تعلیم قرآن کی صداقت پر خود ہی ایک شہادت پیش کرتے ہیں۔ اگر مسٹر ٹسڈال نے بڑی محنت و مشقت سے یہ ثابت کر دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہی تھی جو زرتشت نے دی تھی یا یہ کہ اسلام کے بعض عقائد بعینہٖ وہی ہیں جو قدیم مصر کی پُرانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ اور اگر مسیحی مشنری نے یہ دریافت کر لیا کہ دین اسلام کے چند اصول وہی ہیں جو صفحۂ ہستی سے مٹے ہوئے صابی مذہب کے تھے یا یہ کہ اسلامی عقائد ہندوؤں کی قدیم مقدس کتب میں بھی پائے جاتے ہیں تو ہم صاحب موصوف کا اس خدمت اسلام کیلئے شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام پُرانے ادیان جنکو میور صاحب نے خوش فہمی سے انسانی مذاہب کہا ہے اصل میں خدا کی طرف سے تھے اور خدائے تعالیٰ کی پاک کتاب قرآن مجید ہمکو انکے راستہ پر چلاتی ہے۔ جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اسلام اور موجودہ مسیحی مذہب جس نظر سے غیر مذاہب کو دیکھتے ہیں اس میں بہت بڑا فرق ہے۔ مسیحیوں نے خدائے تعالیٰ کو بخیل اور تنگ دل ظاہر کیا ہے کیونکہ بموجب مسیحی عقائد کے اُس نے اپنی عنایات کا مورد

ایک ہی قوم کو بنایا اور اپنا فضل محض اسی قوم تک محدود رکھا لیکن قرآن پاک نے ایسی تعلیم نہیں دی وہ فرماتا ہے کہ جس طرح خدائے تعالیٰ نے اپنی ظاہری عنایات کو عالمگیر کیا ہے اور مختص بالقوم اور مختص بالزمان نہیں کیا اسی طرح اسکے روحانی فضل بھی کسی خاص وقت تک نہیں رہے۔ پس قرآن کریم کی ہدایت کے مطابق ہمارا ایمان ہے کہ خدا کے مرسل نہ صرف بنی اسرائیل ہی ہیں بلکہ دوسری قوموں میں بھی مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ اور جس طرح اسرائیلیوں میں پیغمبر آتے رہے ہیں اسی طرح مصریوں۔ ایرانیوں۔ ہندوؤں اور چینیوں میں بھی خدا کے مامور نازل ہوتے رہے ہیں ایک مسلمان کی نظر میں زرتشت ؑ۔ کرشن ؑ۔ بدھ ؑ زمانہ قدیم کے ہندو رشی۔ کنفیوشس اور تمام دنیا کے بڑے بڑے معلم بعینہٖ اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیئے مبعوث کیئے۔ تھے جس طرح حضرت موسیٰ ؑ حضرت عیسیٰ ؑ اور دوسرے اسرائیلی نبی بنی اسرائیل کی روحانی تعلیم کے لیئے مامور ہوئے تھے پس ہم حضرت موسیٰ ؑ وحضرت زرتشت ؑ اور حضرت عیسیٰ ؑ وحضرت کرشن ؑ (علیہم وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام) میں کسی طرح کا فرق اور تمیز نہیں کرتے کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (بقرہ۔ ۱۶) یعنی کہہ کہ ہم ان (انبیاء علیہم السلام میں سے) کسی میں کوئی تمیز نہیں کرتے (یعنی سب کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے سمجھتے ہیں) اور ہم اسکے (خدائے تعالیٰ کے) فرمانبردار ہیں۔ خدائے تعالیٰ کے رسول ہونیکی وجہ سے یہ سب لوگ یکساں تھے اگرچہ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بھی تھی۔ جیسا کہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بقرہ۔ ۳۳) یعنی ان رسولوں میں بعض ایسے ہیں کہ انکو دوسروں پر فوقیت ہے۔ پس برعکس مسیحیوں کے ہم نہ صرف ان تمام انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو فلسطین کے علاوہ دوسرے ممالک میں مبعوث ہوئے بلکہ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ انہیں سے کئی انبیاء مسیح ؑ سے بڑھ چڑھکر ہونگے چونکہ مسیحی صاحبان یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ دوسرے ممالک میں بھی خدا کے فرستادہ نمودار ہوئے ہیں۔ اسی لیئے ولیم میور صاحب دوسرے ادیان کو انسانی مذاہب کہکر پکارتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قرآنی تعلیم کا ماخذ انسانی تصانیف ہیں۔ لیکن اسلام دنیا کے تمام مذاہب کی بنیاد الہام الٰہی پر مانتا ہے۔

اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا کے کل ادیان ابتدا میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ ہاں جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ویسے ویسے لوگوں نے مسیح کی طرح دیگر انبیاءؑ کو بھی جو دراصل انسان ہی تھے اور انسانی کمزوریاں اپنے اندر رکھتے تھے خدا اور خدا کے بیٹے بنا لیا۔ اور پولوس جیسے آدمی بھی پیدا ہو گئے جنہوں نے اصلی توحید کو بدلکر تین میں ایک اور ایک میں تین کے لایعنی معموں کو مذہب ..... میں داخل کر دیا۔ لیکن اس سے کیا یہ لازم آجائیگا کہ ان ادیان میں سچی تعلیم کا کوئی حصہ نہیں۔ نہیں نہیں دراصل بات یہ ہے کہ چونکہ ان مذاہب کی اصل جڑھ خدائے تعالیٰ کا پاک الہام تھا۔ اسلئے باوجود اس تغیر اور تحریف و تبدیل کے تاحال انکی تعلیم میں سچائی کی جھلک پڑتی ہے۔ اور انکی کتابوں میں اب تک خداوند تعالیٰ کے کلام کے بہت سے اجزا دکھائی پڑتے ہیں پس اگر مسیحی صاحبان دوسرے ادیان کی تعلیم کے بعض حصوں اور بعض اسلامی عقائد میں مطابقت دیکھتے ہیں۔ تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے۔ کہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی نے ان عقائد کو مذاہب مذکورہ سے لیا ہے۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ قران کریم اور دوسرے انبیاءؑ کی تعلیم کا ایک ہی منبع ہے اور وہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ لم یلد ولم یولد کی ذات پاک ہے جس نے اپنے مرسلوں پر مختلف ممالک اور مختلف زمانوں میں اپنا کلام نازل کیا اور جب منبع و مبدا ایک ہوا تو پھر مطابقت و مشابہت کیوں نہ ہوگی۔ مثلاً پادری ٹسڈال صاحب قرآن کریم کی تعلیم کے ماخذ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ جو قرآن نے قیامت کے دن نیک و بد اعمال کے وزن کیا جانیکے متعلق تعلیم دی ہے اسکو ایک پرانی مصری کتاب سے لیا گیا ہے۔ جس کی چند جلدیں قدیمی مصریوں کی قبروں میں سے برآمد ہوئی ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور مسٹر ٹسڈال کا ترجمہ کرتے ہوئے صفحہ ۶۹ پر لکھتا ہے۔ "لیکن جو کچھ وہاں میزان کے متعلق لکھا ہے اُسکا ماخذ ایک بہت قدیمی کتاب ہے جسکا نام کتاب الاموات ہے۔ اس قدیم کتاب کی کئی جلدیں پہلے زمانہ کے بُت پرست مصریوں کے مقبروں میں سے برآمد ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کو مقبروں میں اس لئے رکھا گیا تھا کہ مصریوں کے خیال میں وہ ان کے ایک دیوتا مسمیٰ بہ تھوتی کی تصنیف ہے اور وہ یہ بھی گمان کرتے تھے کہ مدفون اس کتاب کو قبر میں بھی پڑھیں گے۔ اس کتاب

ہیں ایک عجیب تصویر ہے جس میں وہ کمرہ دکھایا گیا ہے کہ جہاں ایک شخص اُسر نامی کی عدالت ہو رہی ہے۔ اور اس کی ایک نقل ہمارے مصنف مسٹر ٹسڈال نے بھی دی ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ ایک میزان کھڑی ہے۔ جسکے دونوں طرف دو دیوتا ہیں جنمیں سے ایک تو کسی نیک شخص کا دل ایک برتن میں رکھکر وزن کر رہا ہے اور اسکے مقابل دوسرے پلڑے میں ایک بُت کا نشان ہے جسکا نام مآت یا راستی ہے بڑا دیوتا مصر کی قدیمی زبان میں متوفی کی قسمت کا حساب کتاب درج کر رہا ہے اور وہ اس طرح لکھتا ہے۔ اُسر عادل شمار کیا گیا ہے اور وہ زندہ ہے اُس کا ترازو والی دیوانخانہ میں برابر ہے۔ اُسر عادل کا دل اپنی جگہ میں داخل ہوگا خدائے بزرگ جو شہر ہرمو پولیس کا مالک ہے ایسا کہتا ہے۔ ......

...... وہاں بعض ایسے بُت دکھائے گئے ہیں جنپر انکے نام لکھے ہوئے ہیں جس میں سے ایک ڈراونی سی شکل پر یہ لفظ مرقوم ہیں دشمنوں پر فتح پانیوالا امنتی (زمانہ بعد الموت) کا خدا۔ اکثر دفعہ ان الفاظ کا تکرار ہے "اسکے لیئے حیات اور سلامتی ہو" اس بیان کے بعد ٹسڈال لکھتا ہے

پس از انچہ گفتہ شدہ ظاہر ست کہ ہر آنچہ در قرآن نسبت آن میزان مکتوب است۔ ازیں ینبوع صادر شدہ است (صفحہ ۱۶۷) یعنی جو کچھ اوپر بیان ہوا ہے اس سے صریح واضح ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں میزان وغیرہ کے متعلق لکھا ہے اسکا ماخذ یہی کتاب ہے یہ ہے جو کہ ٹسڈال اور میور صاحبان نے بڑی کوشش اور تحقیقات سے پیش کیا ہے لیکن مصنف ینابیع یہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال کے موازنہ کا مسئلہ مصریوں کی کتاب سے لیا ہے بلکہ برعکس اسکے کتاب الاموات اور قرآنی تعلیم کی مطابقت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب مذکور میں جو کچھ اعمال کے وزن کے متعلق لکھا گیا ہے وہ دراصل کسی ملہم کی پاک صاف تعلیم تھی جسپر بعد میں بُت پرستی کا رنگ چڑھا دیا گیا ہے مگر تاحال برابر اس میں نبوت کی سچی تعلیم جھلک مار رہی ہے ممکن ہے کہ تھوتی جسکی طرف اس کتاب کو منسوب کیا جاتا ہے وہ دراصل خدا کے ایک نبی ہوں۔ جنکو بعد میں لوگوں نے ٹھیک اسی طرح خدا بنا لیا جس طرح عیسائیوں نے بُت پرست اقوام کے دیوتاؤں کی تعداد بڑھانے کیلیئے مریم کے بیٹے کو اپنا معبود بنا لیا پس پادری ٹسڈال صاحب کی محنت

ہمارے مفید مطلب اور قرآن کریم کی صداقت پر ایک شہادت ہے کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے
وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی ایسی کوئی قوم نہیں ہوئی جس میں ہم نے
ڈرانیوالا نہیں بھیجا اور گو پادری صاحب نے رضامندی سے شہادت نہیں دی تاہم ہمارا فرض
ہے کہ ہم انکا شکریہ ادا کریں ہاں یہ امر بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن کریم کا یہ منشاء
ہرگز نہیں کہ حقیقۃً ایک پیتل یا لوہے کی میزان خدائے تعالیٰ کے سامنے رکھی جائیگی
اور نیک و بد اعمال پلڑوں میں ڈالکر اسطرح وزن کیئے جائیں گے جسطرح مادی اشیاء تولی جاتی
ہیں۔ بلکہ قرآن یہ بتلاتا ہے کہ جس کے نیک اعمال بُرے اعمال سے زیادہ وزنی ہوں گے
یعنی نسبتاً نیک اعمال کی زیادتی ہوگی وہ خدائے تعالیٰ کی رضا کے بہشت میں داخل ہونگے
اور جن کے بداعمال نیک اعمال کی نسبت وزنی یعنی نسبتاً زیادہ ہو جائیں گے وہ عذاب
دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ چنانچہ فرماتا ہے فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَهُوَ
فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؂
(القارعہ) یعنی جسکے اعمال صالحہ کا پلڑا بھاری ہوگا وہ خوشی کی زندگی بسر کریگا یعنی
بہشت میں داخل ہوگا۔ اور جسکا پلڑا ہلکا ہوگا وہ دوزخ کی گود میں جائیگا۔
خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید۔ ۳) یعنی تحقیق ہمنے پہلے نبیوں کو
کھُلے کھُلے نشان دیکر بھیجا اور اُنکے ساتھ کتاب اور میزان اُتاری۔ اس آیت کریمہ میں
لفظ میزان صریحاً استعارہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے اسی طرح یہ سمجھنا چاہیئے کہ محشر
کے دن اعمال کی میزان کوئی مادی اشیاء کی سی میزان نہ ہوگی کیونکہ انسان کے اعمال کوئی
مادی چیز نہیں ہیں۔ مگر کسی نہ کسی رنگ میں موازنہ ضرور ہوگا کیونکہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے
وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٱلْحَقُّ (اعراف ۱) یعنی یہ سچی بات ہے کہ اُس دن (قیامت کے دن)
اعمال تولے جائیں گے۔

(۱) اسی طرح پادری ٹسڈال لکھتا ہے کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
زرتشتئ کی کتب مقدسہ سے لی گئی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ زرتشتی ایک کتاب پر

ایمان لاتے ہیں جسکو وہ دساتیر آسمانی کہتے ہیں اور وہ یقین کرتے ہیں کہ یہ آسمان کی بولی میں لکھی ہوئی ہے اور خسرو پرویز کے زمانہ میں وہ زبان دری میں ترجمہ کیگئی تھی۔ اسمیں پندرہ کتابیں ہیں جو پندرہ نبیوں پر نازل ہوئی تھیں جن میں سے پہلا مہاباد تھا اور آخری ساسان اور تیرھواں زرتشت تھا۔ کتاب ہر دو زبانوں میں شائع کی گئی ہے اصل زبان میں بھی اور اسکا ترجمہ دری میں بھی۔ ہر کتاب کی دوسری آیت "بنام ایزد بخشائندہ بخشائش گر مہربان دادگر" سے شروع ہوتی ہے۔ جو بالکل مشابہ ہے آیت کریمہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے جو قرآن شریف کی ہر سورۃ کے ابتدا میں آتی ہے۔ ہم زرتشیوں کی ایک دوسری کتاب میں بھی ایسے ہی الفاظ پاتے ہیں اور وہ ہیں "بنام ارمزد آفرینندہ"

دنیا بھر میں کوئی عیسائی یہ ثابت ہرگز نہیں کرسکتا نہ پادری ٹسڈال اور نہ ولیم میور کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصدر آیت کریمہ کو زرتشتی کتب سے لیا ہے اور اگر قرآن کریم کی ہر سورۃ کی ابتدائی آیت کریمہ زرتشتی کتاب کی دوسری آیت سے مطابقت رکھتی ہے تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ کتب مقدسہ زرتشت بھی اسی منبع سے آئی ہیں جس منبع سے قرآن شریف آیا ہے۔ یعنی وہ بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں جیسا کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے پادری ٹسڈال (یا اسکی روح اگر وہ مرگیا ہے) یہ معلوم کرکے افسوس کریگا کہ وہ ہتھیار جو اس نے اسلام کے استیصال کرنیکے لیئے استعمال کیا تھا وہ الٹا اسی پر پڑا اور وہ اسلام کا ایک بال بھی بینگا نہ کرسکا جیسا کہ اس نے ینابیع الاسلام لکھتے وقت امید کی تھی بلکہ اسکی تحقیقات نے قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کے دعویٰ کو بہت ہی پکا اور مستحکم کردیا ہے۔ اُس کتاب مقدس کی بابت جسکو زرتشتی نوشتۂ آسمانی یقین کرتے ہیں پادری ٹسڈال کہتا ہے البتہ این کتاب جعلی است یعنی البتہ یہ کتاب جعلی ہے۔ پادری ٹسڈال کو کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ کتابیں بناوٹی ہیں یہ محض انکا دعویٰ ہے جو اپنے ساتھ دلیل نہیں رکھتا اور نہ وہ اسکو مبرہن کر سکتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ زرتشتی کتب مقدسہ میں تحریف ہوگئی ہو جیسا کہ بائبل میں تحریف ہوگئی ہے

لیکن کوئی بھی پادری صاحب کے اس دعوے کے قبول کرنیکے لیئے ہرگز طیار نہیں ہے کہ وہ بالکل محض سرے سے ہی جعلی اور انسان کی افترا ہیں جبتک وہ انکے جعلی ہونے کو بدلائل قطعیہ پایۂ ثبوت تک نہ پُہنچاوے۔

زرتشتی روایت کہ یہ کتابیں آسمانی زبان میں لکھی گئی تھیں صرف اتنا بتاتی ہے کہ وہ منزل من اللہ کتابیں ہیں آسمانی زبان سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ زبان آسمان پر بولی جاتی ہے اور زمین پر نہیں بولی جاتی۔ ورنہ انکو کون سمجھ سکتا تھا اور وہ کیسے دری زبان میں ترجمہ کی جاسکتی تھیں۔

اسجگہ یہ سوال ہوسکتا ہے۔ کہ اگر قرآن شریف کتبِ مقدسہ سابقہ منزل من اللہ کی تصدیق کیلیئے آیا ہے اور اس میں وہی تعلیم ہے۔ جو پہلے انبیاءؑ لاے تھے۔ تو اسکے آنیکا کیا فائدہ تھا اس سوال کا جواب قرآن شریف خود بیان فرماتا ہے۔

اولاً۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی دنیا کی حالت کا نقشہ یوں کھینچتا ہے وہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ* خشکی اور تری میں بگاڑ نے زور پکڑ لیا ہے۔ یعنی تمام دنیا میں بگاڑ پڑگیا ہے۔ بحر کی تشریح میں یہ کہا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں خدا کی طرف سے کتاب عطا ہوئی تھی۔ اور وہ اُس روحانی آب سے بہرہ ور تھے جسکو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی بھلائی کیلیئے نازل کیا تھا۔ اور بَرّ سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ جو کبھی انکے آباؤ اجداد کی طرف اُتاری گئی۔ اور انہوں نے آسمانی ہدایت کو اپنی یاد سے نسیًا منسیًا کر دیا تھا۔ اور آسمانی پانی کا ایک قطرہ بھی انکے پاس نہ تھا۔ اور وہ بالکل خشک زمین کی طرح خشک ہوگئے تھے۔ دونوں جماعتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارک کے وقت بالکل ردی اور خراب ہوگئی تھیں۔ تاریخ عالم بھی قرآن شریف کے اس بیان کی بڑی شد و مد سے تائید و تصدیق کرتی ہے۔ اور سلیم الفطرت اور انصاف پسند انسان ہرگز انکار نہیں کر سکتا۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت تمام مذاہب بگڑ چکے تھے۔ اور ان میں روحانیت بالکل نہیں رہی تھی۔ دوسرے مذاہب کو تو جانے دو۔ خود عیسائیت جو سب سے زیادہ تازہ مذہب

* الروم ۵

تھا۔ اسکے متعلق خود میور لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تمہید میں لکھتا ہے۔ کہ "ساتویں صدی کی عیسائیت میں بھی سخت بگاڑ اور فساد برپا ہوگیا تھا۔ اور اس میں مذہبی خانہ جنگیاں اور سخت تفرقہ پڑ گیا تھا۔ اور سچے اور خالص مذہب عیسائی کی جگہ طفلانہ توہمات نے لے لی تھی" پس بمطابق قرآن کریم کے دنیا میں عالمگیر فساد اور خرابی ایک نئے نبی کی بعثت اور ظہور کے متقاضی ہوی۔ کیونکہ قانون قدرت اور سنت اللہ اسی طرح واقع ہوئی ہے۔ کہ جب کبھی ظلمت دنیا میں چھا جاتی ہے۔ اور اپنے انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ تو خدائے تعالےٰ نور کو پیدا کرتا ہے۔ اور جب دنیا گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو بھول جاتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے دنیا کے لئے ایک نیا رسول بھیجتا ہے۔ تاکہ وہ اندھیرے کو دور کرے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن انبیاء گذشتہ مختص وقت اور مختص قوم کیلیئے تھے۔ کیونکہ اسوقت تک دنیا کی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ کہ کل ممالک کے لیئے ایک ہی نبی مبعوث کیا جاتا۔ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہ تمام موانع اور رکاوٹیں جو ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرتی تھیں۔ دور اور کافور ہونی شروع ہوگئی تھیں۔ اور آثار شروع ہوگئے تھے۔ جو یہ بتلاتے تھے۔ کہ دنیا اب ایک ہونیوالی ہے۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ نے ایک کامل نبی بھیجا۔ اور اسے ایک قانون اور ضابطہ عطا فرمایا۔ جو بنی نوع آدم کی تمام ضروریات اور حاجات کیلیئے بالکل کافی ہے۔ الغرض تمام دنیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں روحانی طور پر مرگئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس میں روح پھونکنے کیلیئے تمام نبیوں کے موعود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ چنانچہ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (الحدید ۲) جان لو کہ اللہ تعالیٰ زمین کو اسکی موت کے بعد پھر دوبارہ زندہ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وحی الٰہیہ کو بارش سے تشبیہ دیتا ہے۔ جو اوپر سے آتی ہے۔ اور خشک زمین کو تر کرتی ہے۔ اس وحی کا ذکر کرتے ہوئے جو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی تھی۔ فرماتا ہے۔ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا (البقرہ ۲۰) اور جو کچھ اللہ تعالےٰ نے آسمان سے پانی اتارا

..... پس اسکے ساتھ زمین کو اسکے مرنیکے بعد زندہ کیا...... اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ (سورۃ النحل ۹) اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل کیا۔ پس اس سے مردہ زمین کو زندہ کیا۔ اس میں سننے والی قوم کے لیئے نشان ہے اس آیت کریمہ کا سیاق وسباق بتاتا ہے۔ کہ جیسا پانی آسمان سے اُترتا اور مردہ زمین میں جان ڈالدیتا ہے۔ ایسا ہی وحی الٰہیہ کا پانی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن شریف کی شکل میں نازل ہوا۔ مردہ قلوب میں روحانی زندگی کی روح پھونک دیگا۔

ثانیاً۔ قرآن کریم سے پتہ ملتا ہے۔ کہ چونکہ انبیاء سابقہ میں بہت ہی عرصہ گذر گیا تھا۔ لوگ قاسی القلب۔ سنگدل اور شریر ہوگئے تھے۔ اور ایک نئے مصلح کی بعثت کو چاہتے تھے۔ جو آکر انکے دلوں میں ایمان اور صدق بھردے۔ اسطرح وہ اہل کتاب کی بابت فرماتا ہے۔ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ (سورۃ الحدید ۱) اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجائیں۔ جو کتاب دیئے گئے تھے پہلے سے۔ اُنپر لمبا زمانہ گذر گیا۔ پس انکے دل سخت ہوگئے۔ اور بہتسے انمیں سے فاسق اور فاجر ہوگئے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۝ (سورۃ مائدہ ۳) اے اہل کتاب ہمارا رسول تمھارے پاس آگیا ہے۔ تاکہ تمھیں کھولکر سنادے رسولوں کے بند ہوجانیکے بعد ایسا نہ ہو۔ کہ کہدو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا نہیں آیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت پہلے رسول آنے بند ہو چکے تھے۔ سب سے آخری نبی جسکے بعد رسول کریم تشریف لائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جو آپ سے چھ سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح یہ خیال کرتے ہوئے کہ گذشتہ نبیوں کی آمد کے بعد ایک لمبا وقفہ گذر چکا تھا۔ اور کہ تمام دنیا پر جہالت کی تاریکی کا پردہ چھا گیا تھا۔ ہر ایک منصف مزاج

آدمی ماننے کو تیار ہوگا۔ کہ ایک نبی کے آنیکا یہ وقت ہونا چاہیئے۔ جو لوگوں کو تاریکی سے نکالکر نور کی طرف لیجائے۔ اور یہ ضرورت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت سے پوری ہوئی۔ اسلیئے قرآن شریف فرماتا ہے۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۝ (سورہ ابراہیم) یہ کتاب ہم نے اسکو تیری طرف اُتارا ہے۔ تاکہ تو لوگوں کو انکے رب کے حکم سے تاریکی سے نور کی طرف لیجائے یعنی عزیز حمید خدا کی طرف۔

ثالثاً۔ قرآن شریف بیان فرماتا ہے۔ کہ اہل کتاب بھی تفرقہ میں پڑ گئے تھے۔ وحی الٰہی کے بہت سے حصّے کو بھول گئے تھے۔ کلام الٰہی کا غلط ترجمہ کرنے لگ گئے تھے۔ اسکی بعض حصص کو چھپا لیتے تھے۔ کتب مقدسہ کی پیروی کو انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ ظنون فاسدہ اور آمال کاسدہ کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ انہی وجوہات کے سبب سے نئی وحی کی ضرورت پڑی جو باہمی اختلافات کو مٹا دے۔ جو اہل کتاب میں پڑ گئے تھے۔ اور اُن تعلیمات کو جو لوگوں نے نسیاً منسیاً کر دی تھیں نئے سرے سے زندہ کرے۔ اور ان صداقتوں کو ظاہر کرے۔ جنکو وہ چھپاتے تھے۔ اور اس سے پہلے جتنی تعلیمات دنیا میں رسولوں کے ذریعے سے پھیلائی گئی تھیں۔ ان سب کو جمع اور اکٹھا کرے۔ اور تمام زمینی قوموں کے سامنے ایک کامل کتاب پیش کرے جو دنیا کیلیئے نور ہو۔ اور روحانی امراض کے لیئے جن میں لوگ اکثر مبتلا ہیں۔ علاج اور شفا ہو۔ مندرجہ ذیل آیات مذکورۃ الصدر بیان کی تائید کرتی ہیں۔

(الف)۔ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (سورۃ النحل) اور نہیں نازل کیا ہم نے تجھ پر کتاب کو مگر اسلیئے کہ تو کھولکر بیان کر دے جسمیں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور مومنوں کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(ب) اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (سورۃ النساء) تحقیق ہمنے تیری طرف کتاب نازل کی ہے ساتھ حق کے تاکہ تو لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے جو اللہ تجھ کو سمجھاوے۔

(ح) یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ قَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَکُمْ کَثِیْرًا مِّمَّا کُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْکِتٰبِ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ۔ قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّکِتٰبٌ مُّبِیْنٌ یَّھْدِیْ بِہِ اللّٰہُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَہٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ وَیَھْدِیْھِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (سورہ مائدہ ۳)

اے اہل کتاب تمھارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے۔ بیان کرتا ہے بہت کچھ جو تم کتاب سے چھپاتے تھے۔ اور بہت سے درگذر کرتا ہے۔ تحقیق اللہ کی طرف سے نور اور کھولکر بیان کرنیوالی کتاب آگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکے ذریعے اس شخص کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اللہ کی رضامندی کی اتباع کرتا ہے اور انکو اندھیروں سے نور کی طرف لیجاتا ہے اپنے اذن سے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

(د) وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْکِتٰبِ وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ عَمَّا جَآءَکَ مِنَ الْحَقِّ (سورہ مائدہ ۷) اور ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے۔ وہ گذشتہ کتب مقدسہ کی سچائیوں اور صداقتوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور ان سب کی جامع ہے۔ پس تو انکے درمیان اللہ کے نازل کیئے ہوئے کے ساتھ فیصلہ کیا کر۔ اور ان کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی مت کر۔ اُس حق کو چھوڑ کر جو تیرے پاس آیا ہے۔

(ہ) وَکَذٰلِکَ اَنْزَلْنٰہُ حُکْمًا عَرَبِیًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآءَھُمْ بَعْدَ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ (سورہ الرعد ۵) اور اسی طرح ہم نے عربی زبان میں حکمنانہ کے طور پر نازل فرمایا ہے۔ اور اگر تو انکی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کرے پیچھے اسکے کہ تیرے پاس علم پہنچ گیا۔ تیرا اسوقت اللہ کے مقابلہ میں کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے گا۔

(و) یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ (سورۃ النساء ۲۳) اے اہل کتاب۔ اپنے دین میں غلو مت کرو۔ اور اللہ کے متعلق

سوائے حق اور واقعی صحیح بات کے اور کچھ مت کہا کرو۔

(ز) فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَىٰ خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ (سورۃ المائدہ ۳)

بسبب اسکے کہ انہوں نے ہماری شریعت کو توڑا۔ ہم نے انپر لعنت کی اور انکے دلوں کو سخت بنادیا۔ وہ خدا کے کلمات انکی جگہوں سے بدلاتے ہیں۔ اور ان نصائح اور پند کے ایک حصّہ بالکل بھول گئے ہیں۔ جو انہیں کیئے گئے تھے۔ اور ہمیشہ تو انکے خیانت کنندگان پر اطلاع پاتا رہیگا۔ سوائے معدودے چند کے۔ انکو معاف کر۔ اور ان سے درگذر کر۔

(ح) وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ (سورہ مائدہ ۳) اور عیسائیوں سے بھی ہم نے پکے وعدے لیئے۔ مگر وہ بھی تعلیم کے ایک حصّہ کو بالکل بھول گئے۔

(ط) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (سورہ مائدہ)

اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو۔ اور اس قوم کی گڑی ہوئی خواہشوں کی اتباع نہ کیا کرو۔ جو پہلے تم سے جادہ مستقیم سے دُور جا پڑے۔ اور انہوں نے دوسروں کو بھی سچی راہ سے ہٹا دیا۔ اور وہ خود بھی سیدھے راہ سے گمراہ ہوگئے۔

(ی) فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ (سورہ بقرہ ۹) لعنت اور ہلاکت ان لوگوں کے لیئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں۔ اور پھر کہدیتے ہیں۔ کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے۔

(ک) وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (سورۃ آل عمران) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ

کتاب الٰہی اپنی زبانوں کو پیچ دیکر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ وہ کتاب ہی پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ کتاب نہیں ہوتا اور کہتے ہیں۔ کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا اور عمداً اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

ایسی ناگفتہ بہ حالت ان لوگوں کی تھی جو اپنے تئیں اہل کتاب بتاتے تھے یہ آیات بیّنات وضاحت سے دلالت کر رہی ہیں۔ کہ انہیں باہم تفرقے اور اختلافات پڑگئے تھے جو چاہتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسکی وحی انکے جھگڑوں اور تنازعات کو مٹانیکے لئے بطور حَکَم کے آوے اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اپنے لئے حَکَم ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ یہ آیات یہ بھی تصریحاً ظاہر کر رہی ہیں کہ نہ صرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے یہود اور نصاریٰ بگڑے تھے بلکہ انکے آباء و اجداد بھی صراطِ مستقیم کو کھو چکے تھے۔ قرآن شریف واضح طور پر بیان کر رہا ہے کہ یہود اور عیسائیوں نے تعلیمات الٰہیہ اور نصائح الٰہیہ کو پس پشت ڈالدیا تھا یہ ضرورتیں تھیں جو ایک نئے اور کامل قانون کی مقتضی تھیں۔

رابعاً۔ قرآن شریف دعویٰ کرتا ہے۔ کہ اس نے بہت سے ایسے مسائل کو وضاحت سے بیان کیا ہے کہ وہ یا تو بالکل مفقود اور نامعلوم تھے۔ یا اگر معلوم تھے تو پوری طور پر معلوم نہ تھے۔ نیز یسوع مسیحؑ نے بھی جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آخری نبی تھے فرمایا تھا کہ میں تم لوگوں کو تمام صداقتیں نہیں بتلا سکتا۔ کیونکہ اس کے لئے ابھی تک مناسب وقت نہیں آیا۔ لیکن وہ ایک جو میرے بعد آئیگا انکے سامنے وہ تمام صداقتیں آشکارا کریگا۔ (یوحنا باب ۱۶ ورس ۱۲-۱۳) قرآن کریم دعویٰ کرتا ہے کہ اس پیشگوئی کے مصداق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنکی خوشخبری اور بشارت مسیحؑ نے دی تھی اور جو لوگوں کو تمام صداقتیں سکھلانے کیلئے تشریف لائے تھے (دیکھو سورہ صف)

قرآن شریف دعویٰ کرتا ہے کہ اس نے دین کو پورا کر دیا ہے اور تمام صداقتیں لوگوں پر آشکارا کر دی ہیں چنانچہ فرماتا ہے کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ) یعنی آج کے دن میں نے تمہارے دین کو پورا کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دیا اور میں نے تمہیں فرمانبرداری کا

مذہب عطا کرنیسے اپنی رضامندی کا ثبوت دے دیا ہے اور یہی ایک مذہب ہے جس نے یہ دعویٰ کیا۔ ان مسائل کی ایک عمدہ مثال مسئلہ قیامت ہے۔ جن کو توریت اور صحف گذشتہ انبیاء علیہم السلام نے بالکل مبہم سا چھوڑ دیا تھا اور قرآن شریف نے آکر اسکو وضاحت اور الصریح سے بیان کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ یہود کا ایک گروہ قیامت سے بالکل منکر ہو گیا تھا۔ قیامت اور معاد کے مسئلے پر قرآن شریف نے پوری روشنی ڈالی ہے۔ توریت میں اس مسئلے کی طرف بہت کم توجہ کی گئی تھی۔ چنانچہ بہت سے یہود حیات بعد الممات کے صریح منکر ہو گئے تھے اور جو اعتراضات انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام پر کیے انہیں ایک مردوں کے جی اٹھنے کا سوال بھی تھا۔ جو جواب حضرت یسوع مسیح نے منکران قیامت صدوقیوں کو دیا تھا وہ صاف بتلا رہا ہے کہ یہود کی کتب مقدسہ میں بہت ہی کم قیامت کا بیان کیا گیا تھا۔ قیامت کے اثبات کے لیے جو مسیح نے درس پیش کی وہ ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ "میں ابراہیمؑ کا خدا ہوں۔ میں اسحٰقؑ کا خدا ہوں اور میں یعقوبؑ کا خدا ہوں" اور اس سے انہوں نے مرنے کے بعد کی زندگی کا نتیجہ نکالا۔ کیونکہ جیسا کہ یسوع مسیح فرماتے ہیں۔ وہ مردوں کا خدا نہیں ہے۔ بلکہ زندوں کا خدا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو قیامت کے ثابت کرنیکے لیے صرف یہی آیت مل سکی حالانکہ وہ کتب مقدسہ سے گہری واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن یہ آیت قیامت کے ثبوت کے لیے بہت ہی کمزور ہے۔ جیسا کہ پڑھنے والے کو خود معلوم ہو جائیگا۔ الفاظ ابراہیمؑ کا خدا اسحٰقؑ کا خدا اور یعقوبؑ کا خدا۔ ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کی حیات ہرگز ثابت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آیت کے صرف یہی معنے ہیں۔ کہ میں وہ خدا ہوں۔ جسنے ابراہیمؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کو مبعوث کیا۔ اور میں وہ خدا ہوں جسکی یہ راستباز انسان عبادت کرتے تھے۔ جب وہ اس زمین پر زندہ موجود تھے۔ لیکن یہ یسوع کا قصور نہیں ہے۔ کہ اس نے قیامت کے ثبوت میں ایسی کمزور آیت پیش کی۔ حق بات یہ ہے۔ کہ اس سے بہتر کوئی آیت اسے توریت میں ملی نہ تھی۔ یسوع کا ایسی آیت کو قیامت کی دلیل گردانا صاف بتلا رہا ہے۔ کہ کتب مقدسہ اس مضمون سے کہ کا ایک بڑا رکن ہے۔ عیسائی جو بڑی

کیفیت کتب مقدسہ کی سند پر دے سکتے ہیں صرف یہی ہے۔ کہ ابراہیمؑ کی چھاتی ایمانداروں کیلئے بہشت ہے۔ پادری ٹسڈال کہتا ہے۔ وہ پکے ایمانداروں کیلئے ایک آرام گاہ ہے جسے اغوش ابراہام کہتے ہیں" لیکن معترض اعتراض کر سکتا ہے کہ ابراہیمؑ سے پہلے کے راستباز کہاں آرام کرتے تھے۔ کیونکہ آغوش ابراہیم تو انکے مرنے کے بعد وجود میں آیا۔

پادری ٹسڈال بیان کرتا ہے کہ چونکہ وہ تمام بیانات جو قیامت کے متعلق قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں۔ توریت اور گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی صحف میں پائے نہیں جاتے۔ لہذا وہ جعلی اور خود ساختہ ہیں۔ ایسی عجیب منطق پادری ٹسڈال کو ہی شایاں ہے۔ لیکن ایک شخص جواب دے سکتا ہے۔ کہ چونکہ یہودی کتب مقدسہ نے اس مسئلہ قیامت کے متعلق عالم سکوت ہی اختیار کیا ہوا ہے۔ اسلیئے آغوش ابراہام جس کا توریت میں ذکر نہیں ہے بالکل غلط ہے۔ جیساکہ پادریصاحب کا اعتراض ایک طرف لگتا ہے۔ ویسا ہی دوسری طرف بھی چسپاں ہوتا ہے۔ سچی بات یہی ہے۔ کہ توریت و انجیل کا اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ وہ کامل کتابیں نہیں ہیں۔ اور وہ تمام صداقت پر حاوی نہیں ہیں۔ جیساکہ خود یسوع اقرار کرتا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ ابھی مجھے اور بہت سی باتیں تمھیں بتلانا ہے۔ لیکن تم اب انہیں برداشت نہیں کر سکتے البتہ جب وہ روح الصدق آئیگا۔ وہ تمھیں تمام صداقت کی طرف رہنمائی کریگا۔ کیونکہ وہ اپنی طرف کوئی بات بیان نہیں کریگا۔ لیکن جو کچھ وہ سنے گا۔ سب کچھ بیان کریگا۔ اور وہ تمھیں آئندہ کی باتیں بتائیگا (یوحنا باب ۱۶۔ ورس ۱۲-۱۳)

قرآن کریم میں ایک اور بڑا امتیاز یہ ہے کہ یہ صرف کامل تعلیمات ہی پیش نہیں کرتا بلکہ بدلائل قاطعہ انکی صداقت بھی ثابت کرتا ہے۔ یہ محض اعتقادات اور ایمانیات اور کتابوں کی طرح صرف دعوی کے رنگ میں ہی پیش نہیں کرتا برخلاف انکے یہ صداقتوں کو بدلائل قاطعہ اور حقائق ثابتہ ثابت کرکے بھی دکھلا دیتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔ کِتَابٌ اُحْكِمَتْ اٰیَاتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ خَبِیْرٍ (سورۃ ہود)

قرآن کریم ایسی کتاب ہے کہ اسکی آیات مضبوط دلائل سے پکی کی گئی ہیں۔ اور پھر بڑی صفائی سے اللہ حکیم خبیر کی طرف سے بالتفصیل اور الگ الگ کر کے بیان فرمائی گئی ہیں۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمْ بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝ (سورۃ النساء ۲۱) اے لوگو! تحقیق تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے مضبوط دلیل آچکی ہے۔ اور ہم نے تمھاری طرف نور مبین نازل فرما دیا ہے۔ قرآن کریم کو بنظر غائر پڑھنے والے بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ قرآن مجید صرف خشک بیانات پر ہی بس نہیں کرتا۔ بلکہ بدلائل قاطعہ اور واقعات صحیحہ ثابت بھی کر دیتا ہے۔

قرآن شریف کھلے الفاظ میں باواز بلند کہہ رہا ہے کہ یہ انسانوں کی طاقت سے بالکل باہر ہے کہ وہ قرآن جیسی کوئی کامل کتاب طیار کر سکیں۔ جو مومنوں کے لیئے رحمت اور شفا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل) کہدے اگر تمام جن و انس اس قرآن کی مثل بنانا چاہیں تو وہ ہرگز اس کی مثل نہیں بنا سکیں گے۔ اور اگرچہ وہ ایکدوسرے کے مددگار بھی بنجائیں۔ دلیل بالکل صاف اور کھلی ہے۔ کیوں لوگ قرآن کریم جیسی کتاب بنانے سے عاجز ہیں۔ اسکا جواب قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ کہ خدا کا کام اور خدا کا کلام دونوں بے نظیر ہیں اور ان دونوں کی کوئی نظیر نہیں بنا سکتا اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک کو (۱) آسمانی بارش سے (۲) اور اس دودھ سے جو چارپائے دیتے ہیں اور (۳) ان میوہ جات سے جو درختوں پر لگے ہوئے ہیں اور (۴) اس شہد سے جسے مکھی تیار کرتی ہے۔ تشبیہ دی ہے وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَھُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَھُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ۝ (سورۃ النحل ۹) ترجمہ - اور ہم نے تجھ پر اسلیئے کتاب نازل کی ہے۔ تاکہ تو انپر انکے اختلاف کو کھولکر بیان کرے اور یہ مومنوں کیلیئے ہدایت اور رحمت ہے اور اللہ نے بادلوں سے پانی نازل کیا اور اس سے ویران زمین کو زندہ کیا۔ سننے والوں کے لیئے اس میں ضرور نشان ہیں۔ اور تمھیں تو چارپایوں سے عبرت لینی چاہیئے کہ ہم تمھیں انکے پیٹوں میں سے خون اور گوبر سے الگ کرکے خالص دودھ پلاتے ہیں ※۔ جو پینے والوں کو بڑا خوشگوار لگتا ہے اور کھجور اور انگور کے پھلوں کو ہی دیکھ لو کہ اس سے تم شراب اور رزق حسن (پاکیزہ کھانے) طیار کرتے ہو۔ عقلمندوں کے لیئے اسمیں ضرور نشان ہیں۔ اور تیرے ربنے شہد کی مکھی کی طرف وحی بھیجی کہ پہاڑوں میں درختوں میں اور جہاں کہ لوگ بیلیں اور چھتریاں بناتے ہیں۔ گھر بناوی۔ پھر تمام پھلوں اور پھولوں سے مٹھاس الگ کرکے کھالے اور اپنے رب کی راہو نپر فرمانبرداری سے چلے۔ انکے پیٹوں سے شربت نکلتا ہے جسکے مختلف رنگ ہوتے ہیں اور وہ لوگوں کے لیئے شفاء ہوتا ہے۔ تفکر کرنیوالوں کیلیئے اسمیں ضرور نشان ہے۔

یہ آیات صراحت سے بیان کر رہی ہیں کہ قرآن جیسی کتاب بھیجنا صرف اللہ تعالےٰ کا کام ہے۔ جو مردہ زمین کیلیئے زندگی کا کام کرتی ہے۔ جو روحانی زندگی کے طلبگاروں کیلیئے دودھ کا کام دیتی ہے۔ جو حق کے پیاسوں کے لیئے آب زلال ہے۔ اور روحانی بیماروں کے حق میں شفا ہے۔ جیساکہ ویران زمین کو آباد کرنا اور مردہ

※ اس میں اس امر کیطرف اشارہ ہے کہ جیسا خون وگوبر میں سے خدائے تعالیٰ ایک قدرتی مشین کے ذریعہ دودھ جیسی چیز الگ کر لیتا ہے ایسا ہی خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ دوسرے مذاہب میں سے جو جو صداقتیں تھیں انکو الگ کرکے ایک جگہ جمع کر دیا ہے اور جو چھوڑ دیا ہے اُسکی مثال ایسی ہے جیسے خون و گوبر۔ منہ

زمین کو زندہ کرنا بالکل محال اور ناممکن ہے جبتک کہ اللہ تعالیٰ بادلوں سے بارش نازل فرماوے ایسا ہی لوگوں کیلئے یہ بالکل ناممکن ہے کہ وہ زمینی اسباب اور مواد سے ایسی کامل کتاب طیار کرسکیں۔ جو روحانی مردوں میں زندگی کی روح پھونک سکے۔ یہ صرف اللہ ہی کا کلام ہے جو آسمانی بارش کی طرح جو اوپر سے آکر مردہ زمین کو زندہ کرتی ہے۔ کام کرتا ہے۔ ایسا ہی انسان گھاس میں سے دودھ کو الگ نہیں کرسکتے اور انہیں اسکے لیے ایک زندہ مشین کی ضرورت پڑتی ہے۔ جو خدا نے اس غرض کیلئے بنائی ہے۔ ویسے ہی روحانی دودھ کیلئے اللہ پاک نے مشینیں یعنی انبیاء علیہم السلام کو تیار کیا ہے۔ جو اُس سے الہام پاکر نوع انسان کو روحانی دودھ سے مستفیض کرتے ہیں اور جیساکہ انسان پھولوں میں سے شہد نہیں لے سکتا سوائے شہد کی مکھی کے ذریعہ کے جو الٰہی وحی کے ماتحت کام کرتی ہے ویسا ہی وہ روحانی شہد کو حاصل نہیں کرسکتا جو کہ روحانی بیماریوں کیلئے شفا ہے۔ ہاں نبیوں کے ذریعے وہ شہد مل سکتا ہے۔ یہ کہنا آسان ہے۔ کہ قرآن کریم کی فلاں فلاں تعلیم فلاں فلاں منبع سے ماخوذ ہے۔ جیساکہ ایک علم کیمیا کا ماہر کہتا ہے کہ دودھ فلاں فلاں اجزا سے مرکب ہے۔ لیکن سوال یہ ہے۔ کہ آیا کوئی کیمسٹ دودھ جیسی سیال چیز بنا بھی سکتا ہے جو دودھ کے تمام خواص اپنے اندر رکھتی ہو۔ ایسا ہی پادری ٹسڈال جیسا معترض ہمیں بتلاتا ہے کہ قرآن کریم کی ترکیب میں فلاں فلاں اجزا ہیں۔ لیکن ہم اسے پوچھتے ہیں جیساکہ ہم ایک کیمیادان سے پوچھتے ہیں کہ آیا کوئی قرآن کریم جیسی کتاب بنا سکتے ہیں جو وہی خواص اور صفات رکھتی ہو۔ یہی تو وجہ ہے کہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر تمام لوگ جمع ہوجاویں اور ملکر ایک دوسرے کی حمایت اور تائید کریں۔ تو وہ ہرگز قرآن جیسی کتاب بنا نہیں سکیں گے۔ ٹھیک جیساکہ لوگ دودھ۔ میوہ جات پانی اور شہد بنانے سے عاجز ہیں۔ ایسا ہی وہ قرآن کریم جیسی کتاب بنانے سے عاجز ہیں جو قرآن جیسے صفات اور خواص رکھتی ہو یہ قرآن شریف کی الٰہی دلیل ہے۔ اسکا جواب کوئی انسان نہیں دے سکتا۔ قرآن خاص خواص اور تاثیرات کا دعویٰ کرتا ہے۔ اور نتائج نے ظاہر کردیا ہے کہ وہ تاثیرات اور خواص اسمیں کامل طور سے پائی جاتی ہیں مثلاً وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ نور ہے وہ ہدایت ہے وہ شفا ہے وہ رحمت ہے وہ ایسی کتاب ہے جو اندھیرے سے نور کی طرف

لاتی ہے۔ اور جو حیرت انگیز تبدیلی قرآن کریم نے دنیا میں کی ہے۔ وہ اسکے ان دعاوی کی مصدق ہے۔ اسنے ایسی طاقتور تبدیلی کی ہے کہ اندھا بھی اسے محسوس کر سکتا ہے۔ پادری ٹسڈال کو بھی مجبورًا ماننا پڑا ہے کہ یہ عجیب کتاب بڑی تاثیر اور طاقت رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "یہ ایک وسیع ندی ہے جس نے دنیا کی بہت سی قوموں کو سیراب کر دیا ہے" باوجودیکہ وہ قرآن کریم کو ایک انسانی افترا بتاتا ہے۔

مذکورۃ الصدر بیان سے ثابت ہے کہ پادری ٹسڈال کی محنت بالکل رائگاں گئی ہے۔ اس نے اپنی کتاب کی عمارت اس خیال کی بنا پر اُٹھائی ہے۔ کہ چونکہ اسلام کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ اسلیئے تمام کوشش اسکے یا اسکی کسی حصہ کے متعلق انسانی منبع ثابت کرنیکی بالکل بے فائدہ ہونی چاہیئے اور اگر ہم قرآنی تعلیمات کو یا اسکے کسی حصہ کا زمینی منبع یا کسی انسانی سلسلہ کی طرف کھوج لگا سکیں جو رسول کریم صلعم سے پہلے موجود تھی تو اسلام فورًا منہدم ہو جائیگا لیکن قرآن کریم کی رو سے دنیا کے تمام مذاہب جو ابتک دنیا میں قائم ہیں انکی بنیاد الہام الٰہی پر تھی اور قرآن انکی سچائیوں کا مصدق ہے جو ابتک ان کتب اور مذاہب میں پائی جاتی ہیں اور انکی غلطیوں اور بدعقیدوں کی تکذیب اور تغلیط کرتا ہے جو انہیں طول زمانہ کی وجہ سے لگ گئی ہیں۔ اسطرح اگر پادری ٹسڈال قرآن کریم کی کسی تعلیم کو کسی مذہب کی تعلیم سے مشابہ بھی ثابت کر دے تو وہ اسلام کو ضرر نہیں دے سکتا۔ برخلاف اسکے وہ صرف قرآن کریم کے مصدق ہونیکے دعوی کو مستحکم کرتا ہے۔ اور اسطرح ٹسڈال کی کتاب کی بنیاد اور اسکی عالیشان عمارت جو اس نے جھوٹی بنیاد پر قائم کی تھی فورًا منہدم ہو کر زمین سے پیوست ہو جاتی ہے جسپر اس نے بہت محنت اور وقت خرچ کیا تھا۔ چونکہ پادری ٹسڈال کی عمارت ایک غلط بنیاد پر ہے اسلیئے ہم پر واجب نہیں ہے کہ اسکی کتاب کی بالتفصیل تردید کیجائے لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اسکی صرف بنیاد ہی غلط بات پر نہیں رکھی گئی بلکہ وہ اسباب اور مواد بھی جنسے ایک غلط بنیاد پر ایک عظیم الشان بطلان کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ وہ بھی ویسے ہی باطل اور غلط ہیں۔ اسلیئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکی بنیاد کو غلط ثابت کرنے کے بعد اس کے مواد اور اسباب کا بطلان بھی ظاہر کر دیا جاوے۔ جن کے ذریعہ اس نے اس عمارت کو اُٹھایا ہے۔ وما توفیقنا الا باللہ

(باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہوار رپورٹ انجمن احمدیہ

سالانہ جلسہ۔ یہ نمبر احباب کے ہاتھ میں اسوقت پہنچیگا جب وہ سالانہ جلسہ کے لیے سفر کی تیاری میں ہونگے
جلسہ اور رکنیشن سرٹیفکٹوں کے متعلق علیحدہ ہدایات بذریعہ خطوط مطبوعہ و اخبارات شائع کردیگئی ہیں۔ جلسہ کی
تاریخیں ۲۵-۲۶-۲۷ مارچ ہیں۔ ۲۵-مارچ کو نماز جمعہ اور حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبہ سے جلسہ کا افتتاح ہوگا۔
جلسہ کے پروگرام یعنی مضامین اور اوقات کی تعیین سردست نہیں کیجاسکتی۔ سب احباب کو ۲۵ مارچ کی
دوپہر تک جمع ہوجانا چاہیئے۔ اور ۲۷ مارچ کی دوپہر تک یا شام تک جلسہ ہیگا۔ ان ایام میں سب سے
ضروری حصہ حضرت خلیفۃ المسیح کی نصائح اور تقریریں ہونگی۔ مگر اسکے علاوہ بھی امید ہے بعض
احباب کی طرف سے سلسلہ کی صداقت کے متعلق مضامین ہونگے اور وہ قومی تحریکیں ہونگی جو سلسلہ
کی اہم اغراض میں داخل ہیں اور پھر انہی ایام میں کانفرنس انجمنہائے احمدیہ بھی ہوگی۔ اور علاوہ
ان سب امور کے باہمی میل و ملاقات اور خصوصاً ایک ہی ضلع یا علاقہ کے احباب کو باہم زیادہ تعلقات
پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ انجمنہائے ضلع مضبوطی سے قائم ہوکر چندوں کی باقاعدہ
وصولی کا انتظام مستحکم ہوجائے۔ اس غرض کیلیئے کوشش کیجاویگی کہ ایک ایک ضلع یا علاقہ کے
احباب کے اکٹھے اُتارنیکا انتظام کیا جاوے تاکہ باہمی میل و ملاقات سے وہ مفید تجاویز سوچ
سکیں۔ خاص تحریکات قومی میں چندہ تعمیر بورڈنگ ہوس و مدرسہ کی تحریک کو مقدم کیا گیا ہے
یہ تحریک علیحدہ مطبوعہ چٹھی کے ذریعہ اور پھر سلسلہ کی قیمتی اخبار بدر میں چھپکر سب احباب تک
پہنچ چکی ہے یہ تحریک دراصل نہ صرف مدرسہ انگریزی کیلیئے بلکہ مہمانخانہ اور مدرسہ احمدیہ کیلیئے بھی ہے۔
کیونکہ مہمانخانہ اور مدرسہ احمدیہ کی ضروریات اسی صورت میں موجودہ عمارت میں پوری ہوسکتی ہیں
کہ بورڈنگ ہوس بہت جلد باہر بنجائے۔ اس بورڈنگ کی بنیاد ۵ مارچ کو اُس مبارک مسجد کی بنیادی
اینٹ کے ساتھ حضرت خلیفۃ المسیح کے ہاتھ سے رکھی گئی ہے۔ جسکے لیئے مکرمی مخدومی حضرت
میر ناصر نواب صاحب کے دل میں جوش پیدا ہوا اور اڑہائی ہزار روپیہ چندہ انہوں نے اس مسجد کے
لیئے اس بڑھاپے کی عمر میں طرح طرح کے سفر کی صعوبتیں اُٹھاکر فراہم کیا۔ اور اسی قدر رقم کی

قریب ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کی ہمشیرہ مرحومہ کی وصیت سے اگر اس عظیم الشان مسجد کی تکمیل کا سامان ہوگیا جو بورڈنگ ہوس کے ساتھ مدرسہ کی زمین میں بن رہی ہے۔ یہ ایک نہایت ہی نیک اور مبارک فال ہے کہ اس بورڈنگ ہوس کی بنیاد مسجد سے رکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ جو تحریک تعمیر بورڈنگ کیلئے سب احباب کیخدمت میں کی گئی ہے سالانہ جلسہ میں اسکا کسیقدر نتیجہ بھی معلوم ہو سکیگا۔ بہت سے احباب کے خطوط اور انجمنوں کی طرف سے اطلاعیں آرہی ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک کا نہایت خوشی سے خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اگر ہر جگہ احمدی احباب اور انجمنیں اس تجویز کو جو اس تحریک میں کی گئی ہے کہ سب احمدی احباب اپنی ایک ایک ماہ کی آمد تعمیر کیلئے دیدیں عمل میں لانیکی کوشش کریں تو کچھ عجب نہیں کہ سالانہ جلسہ پر ایک لاکھ چندہ تعمیر کا اعلان ہو جائے۔

سب احباب کیخدمت میں یہ بھی التماس ہے کہ جہانتک ممکن ہو سالانہ جلسہ میں ضرور آکر حصہ لیں۔ سالانہ جلسہ قومی زندگی کے ایک سال کے حالات کا نقشہ ہے۔ اور یہ اجتماع جو محض اللہ کیلئے ہے بہت سے برکات اور فوائد کا موجب ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کیلئے اس سفر کو اختیار کرینگے اللہ تعالیٰ انکی اس سعی کو بلا اجر نہ چھوڑیگا۔ علاوہ ازیں سالانہ جلسہ ایک قومی عظمت کا نشان ہے۔ پس سب احباب کیخدمت میں میری پھر یہ درخواست ہے کہ وہ ضرور جلسہ میں شمولیت کے لیئے کوشش کریں خواہ ایک دن کیلئے ہی کیوں نہ ہو۔

سالانہ جلسہ کے اخراجات کے سلسلہ میں مکرمی شیخ یعقوب علی صاحب نے اپنے اخبار الحکم میں بڑی زور سے تحریک کی ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ انجمنیں بہت جلد کوشش کرکے سالانہ جلسہ کے اخراجات کو پورا کر دینگی۔ لنگر خانہ پہلے ہی ایک ہزار روپے کے قریب مقروض ہے۔ ادھر جلسہ سالانہ کی اخراجات کے لیئے قریب تین ہزار روپے کی ضرورت ہے اور اسکے علاوہ اڑھائی تین ہزار کے قریب روپیہ جامع مسجد کی توسیع اور درستگی پر خرچ ہو چکا ہے۔ انجمنوں میں جو تحریک یکمشت چندوں کے لیئے کی گئی تھی اسکی طرف بہت ہی کم توجہ ہوئی ہے اور بڑی بڑی انجمنیں جنسے ایسے موقعہ پر بہت مدد کی امید ہوتی ہے انہوں نے بھی ابتک اس سوال پر کافی توجہ نہیں کی۔ اسمیں شک نہیں کہ سالانہ جلسہ پر ایک ایک روپیہ فی کس کے چندہ کی جو تحریک کی گئی تھی اسپر اگر سب احباب نے عمل کیا تو اخراجات جلسہ کے لیئے ہزار ڈیڑھ ہزار روپیہ اسطرح پر جمع ہو جائیگا مگر اسکے متعلق بھی ابھی تک ہمیں کوئی علم نہیں

کہانتک مختلف انجمنوں نے اپنے اپنے ممبروں میں سے کے لیئے تحریک کی ہے۔ اور علاوہ ازیں اطرح پر صرف اخراجات جلسہ میں سے نصف کے قریب رقم وصول ہوگی۔ باقی نصف کے لیئے اور لنگرخانہ کو قرض کے بوجھ سے سبکدوش کرنے کیلیئے جبتک انجمنیں معقول رقموں سے مدد نہ کرینگی کام نہیں چل سکتا۔ اگر اسلیئے عزم کر لیا جائے تو کوئی مشکل امر نہیں۔ اگر ہر ایک انجمن اس سالانہ جلسہ کو اپنا ہی سالانہ جلسہ سمجھ لے تو جسقدر رقم کی ضرورت ہے اس سے دوگنی بھی جمع ہو سکتی ہے۔

لنگرخانہ۔ لنگرخانہ کی آمد کا روپیہ اخراجات کے لیئے مکتفی نہیں۔ جیسا کہ گذشتہ چند ماہ کے اعداد بتاتے ہیں اسکی وجہ میرے نزدیک یہ تو نہیں ہے کہ لنگرخانہ کی معمولی آمدنی میں کمی ہو گئی ہو بلکہ کثرت آمد و رفت مہمانان اور بعض دیگر وجوہات سے لنگرخانہ کے اخراجات بڑھ گئے ہیں علاوہ ازیں حضرت صاحب کے وقت میں لنگرخانہ کے اخراجات صرف لنگرخانہ کے معمولی آمد پر نہ چلا کرتے تھے۔ بلکہ باوجود اسکے کہ حضرت اقدسؑ ہر قسم کا روپیہ جو آپ کو ملتا تھا لنگرخانہ کے لیئے صرف کر دیتے تھے۔ پھر وقتاً فوقتاً خاص چندوں کیلیئے تحریکیں کرنی پڑتی تھیں اور جیسا کہ ہمارے احباب کو اچھی طرح علم ہے لنگرخانہ کو چلانے کیلیئے سال میں عموماً دو یا کم از کم ایک تحریک خاص یکمشت چندوں کے لیئے پڑتی تھی۔ ایسی ایک تحریک اس سال میں بھی کی گئی تھی مگر اس کی طرف احباب نے بہت ہی کم توجہ کی معلوم ہوتی ہے۔ ایک ہزار روپیہ کوئی بڑی رقم نہیں اگر کوشش کیجاوے تو تھوڑے تھوڑے پیسوں سے ہی یہ بوجھ اتر سکتا ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت صاحب کے وقت میں بھی اور اب بھی لنگرخانہ میں صرف مہمانوں کے اخراجات ہی نہیں بلکہ بعض غریب مہاجرین اور حضرت اقدسؑ کے اہل بیت کے اخراجات بھی شامل ہیں۔ پس سالانہ جلسے کے اخراجات کو پورا کرنیکے سوال کے ساتھ ہی امید ہے انجمنیں لنگرخانہ کے قرضہ کے سوال کو حل کرنیکی طرف بھی متوجہ ہونگی۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

ریویو

رسالہ چودھویں صدی:۔ یہ ماہوار رسالہ حال ہی میں راولپنڈی سے شائع ہوا ہے جسکے ایڈیٹر قاضی سراج الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لاہیں جو فن ایڈیٹری میں بہت تجربہ کار ہیں جنوری کے نمبر میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں جنسے ناظرین اس رسالہ کی اغراض کی بابت رائے لگا سکتے ہیں۔ (۱) ہندوستان کی انگریزی سلطنت (۲) مشرقی بنگال اور اسکے مسلمان

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۴

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ - اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا چندہ سالانہ عوام سے عہ طلباء سے عہ

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نور الدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائی ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کے لیے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عہ قسم دوم عہ قسم سوم عہ۔ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اوّل عہ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم ۶ ۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

المشتہر۔ احمد نور۔ کابلی مہاجر از قادیان ضلع گورداسپور پنجاب۔

دیسی کلنڈر

سنہ ۱۹۱۰ء مرتبہ نیاز علی خاں امرتسر۔ اکثر شرفاء کے مکانوں میں انگریزی کلنڈر سامنے لٹکے رہتے ہیں جن سے ہر مہینہ کی تاریخوں۔ دنوں۔ تعطیلوں وغیرہ کا پتہ لگتا رہتا ہے اسی غرض سے یہ دیسی کلنڈر شائع کیا گیا ہے جس میں نہ صرف انگریزی بلکہ عربی ہندی شمسی۔ ہندی قمری مہینوں کی تاریخیں وغیرہ درج ہیں۔ ار پتہ قادیان۔ دفتر بدر سے مل سکتا ہے۔

خریداران ریویو کو اطلاع۔ ہر ایک قسم کی خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں ورنہ تعمیل ارشاد میں اگر دیر ہو جائے تو معذور سمجھیں۔ (مینجر ریویو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۱

فتح مکہ نمبر ۲

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اندرونی زندگی

ابو سفیان کے اُس سفر کے متعلق جو اُس نے تجدید معاہدہ کیلیئے مدینہ کی طرف کیا (جسکا ذکر پہلے گذر چکا ہے) احادیث میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر ہے جس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بیوہ لڑکی ام حبیبہ سے شادی کر لی تھی۔ اس لیئے اُس نے جناب نبوی میں حاضر ہونے سے پہلے اپنی بیٹی حضرت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر جانیکا ارادہ کیا وہاں پہنچکر وہ ایک چٹائی پر بیٹھنے لگا لیکن ام حبیبہ نے جلدی سے اُس چٹائی کو کھینچ لیا اور لپیٹ کر رکھ دیا۔ ابوسفیان دیکھکر مبہوت رہ گیا اور حیرت زدہ ہوکر پوچھنے لگا یا بنیۃ ما ادری ارغبت بی عن ھذا الفراش ام رغبت بہ عنی۔ "میری بیٹی میں حیران ہوں کہ یا تم نے اس چٹائی کو اسلیئے کھینچا ہے کہ تمھارے خیال میں یہ چٹائی ایسی اچھی ہے کہ میں اسپر بیٹھنے کے قابل نہیں یا تم نے

میری ہی کچھ ایسی شان سمجھی ہے کہ یہ چٹائی میرے لائق نہیں" حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا بل ھو فراش رسول اللہ وانت مشرك نجس یعنی بات یہ ہے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فراش ہے اور میں نہیں پسند کرتی کہ تو جو ایک ناپاک مشرک ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فراش پر بیٹھے" یہ سُنکر ابو سفیان نے کہا واللہ لقد اصابك بعدی شر یعنی اللہ کی قسم جب تو میرے پاس تھی تو ایک اچھی لڑکی تھی اب معلوم نہیں کہ تجھے کیا ہو گیا۔ (زاد المعاد جلد اوّل صفحہ ۴۲۰) مشرک باپ کے یہ الفاظ سُنکر مسلمان بیٹی نے جواب دیا بل ھدانی اللہ تعالیٰ للاسلام فانت یا ابت سید قریش وکبیرھا کیف یسقط عنك الدخول فی الاسلام وانت تعبد حجرا لا یسمع ولا یبصر یعنی ایسا نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ نے اسلام کی طرف میری رہنمائی فرمائی ہے۔ ابا جان! آپ قریش کے سردار ہیں اور انہیں سب سے بڑے ہیں پھر آپ اسلام کیوں قبول نہیں فرماتے اور کیوں اُن پتھروں کی پرستش میں مصروف ہیں جو نہ سُن سکتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں" ابو سفیان اپنی بیٹی کے اس وعظ کا کیا جواب دے سکتا تھا اسی وقت وہاں سے چلدیا۔

پیارے ناظرین! اب آپ خود ملاحظہ فرمائیں کہ ام حبیبہ رضہ کا فعل اور قول کس طرح اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ وہ اسلام کی شیدائی تھیں۔ اور اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے انتہا ادب ملحوظ تھا۔ اگرچہ آپ نے کئی سال کے بعد اپنے باپ کو دیکھا تھا اور یہ فطری تقاضا ہونا چاہیئے تھا کہ باپ کی محبت ہر بات پر غالب آتی لیکن اُنکے دل میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر عزت تھی کہ اُنسے ہرگز ہرگز یہ نہ دیکھا جاسکا کہ آنحضرت صلعم کی نشست گاہ پر کوئی بُت پرست بیٹھے خواہ وہ بُت پرست ام حبیبہ کا باپ ہی کیوں نہ ہو اور خواہ وہ باپ اپنی بیٹی سے ایک عرصہ کی جدائی کے بعد ہی کیوں نہ ملا ہو۔ پھر ملاحظہ ہو کہ بیٹی اپنے باپ کو کس طریق سے اسلام کی دعوت کرتی ہے۔ اُنکے الفاظ سے صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ اُنکو بُت پرستی سے اسی قدر دشمنی تھی جسقدر کہ اسلام سے محبت تھی۔ وہ اس بات پر تعجب کرتی ہیں کہ اُنکے باپ کو اسلام قبول کرنے میں کیوں تامل ہے اس

تعجب کے ساتھ ہی وہ اپنے بُت پرست باپ کو اسکے بودے مذہب اور پتھر پرستی کے لئے ملامت کرنیسے بھی نہیں چوکیں اگر مسیحیوں اور دیگر مخالفین اسلام کو انصاف سے حِصّہ ملا ہے تو اب اُن لوگوں کے لئے غور کا مقام ہے جو اندھا دُھند آنحضرت صلعم کی متاہل زندگی پر اعتراض کیا کرتے ہیں اور جبلی شرارت سے معاذ اللہ حضورؐ کے چال چلن پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو انصاف سے ذرا بھی مس ہو اور اُنکے دل میں سچائی سے قسمہ بھر بھی محبت ہو تو اُنکی تسکین اور اُنکے غلط الزامات کی تردید کیلئے صرف یہی ایک واقعہ کافی ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلعم کی خانگی زندگی سراسر پاک اور پرلے درجہ کی مقدس تھی۔ اگر ہمارے مسیحی معترضین حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اصل حالات معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اُنکو لازم ہے کہ آپ کو اُن لوگوں کی آنکھ سے دیکھیں جو آپکے پورے واقف اور بوجہ نہایت قریبی تعلق کے نہ صرف ظاہری حالات بلکہ باطنی رازوں تک سے بھی آگاہ تھے۔ ہم پھر کہیں گے کہ اگر ہمارے مسیحی معترض اس مقدس نبی کی اندرونی زندگی سے واقف ہونا چاہیں تو اُنکو لازم ہے کہ آپکی خانگی زندگی پر ایک گہری نظر ڈالیں۔ اور یہ دیکھیں کہ آپکی بیویاں آپکو کس نظر سے دیکھتی تھیں اور آپکے گھر کے راز دار صحابہؓ کا آپکی نسبت کیا خیال تھا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں آپکو پرلے درجہ کا مقدس اور پاکباز انسان یقین کرتی تھیں اور اگر آپکے یار غار آپکو ایک راستباز انسان سمجھتے تھے تو اسمیں شک ہی کیا ہوسکتا ہے کہ آپکی زندگی پاک اور آپ ایک مطہر انسان تھے پس جس رنگ میں متعصب مسیحیوں نے آپکو پیش کیا ہے وہ محض فرضی اور دشمنی کا نتیجہ ہے کیونکہ کسی شخص سے جسقدر گھر والے اور راز دار دوست واقف ہوسکتے ہیں اس قدر دوسرے نہیں ہوسکتے۔

ابوسفیان اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی اس بات چیت سے اُس امر کی تائید ہوتی ہے جس کا اس سے قبل ہم ذکر کرچکے ہیں یعنی یہ کہ تعلقات ناطہ داری قائم کرنیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک غرض یہ تھی کہ اگر کفار آپکے رشتہ دار ہوگئے

تو بوجہ قرابت انکو موقعہ ملیگا کہ آپکے اخلاق و عادات اور آپکے مذہب کا پورے غور و خوض سے مطالعہ کریں اگر ابوسفیان کی لڑکی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا آنحضرت صلعم کے حرم میں داخل نہ ہوتی تو ابوسفیان کو یہ موقعہ کہاں سے ملتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں جانا اور اپنی آنکھوں سے آپکی زوجہ مطہرہ کے صدق اور ایمان کا مشاہدہ کرتا۔ اسمیں شک ہی کیا ہوسکتا ہے کہ ابوسفیان پر اُسکی بیٹی کے کلام کا ضرور اثر ہوا ہوگا اور اُسے یقین ہوگیا ہوگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں بھی آپ پر اسی طرح فدا ہیں جسطرح کہ دوسرے مسلمان ہیں اور کہ انکے دلوں میں بھی اشاعت اسلام کی وہی تڑپ ہے جو مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ کیونکہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ کو صاف الفاظ میں دعوت اسلام دی تھی اور اسکو ملامت کرکے کہا تھا کہ "کیا تم ان پتھروں کو پوجتے ہو جو نہ دیکھنے اور نہ سُنتے ہیں" الغرض اس میں کلام نہیں کہ حضرت ام حبیبہ رض کی گفتگو نے ابوسفیان پر اثر ڈالا اور وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے تبدیل ہوکر نکلا یعنی جو کچھ اسلام اور بانئے اسلام کے متعلق اُسکے خیالات تھے اُنمیں کسی قدر اصلاح ہوگئی اور اس طرح سے قرابت و ناطہ داری کے اتحاد میں آنحضرت صلعم کو جو غرض مطلوب تھی وہ حاصل ہوگئی۔

مکہ پر چڑھائی ابوسفیان کے روانہ ہونیکے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر چڑھائی کرنیکے لیئے فوری تیاریوں کا حکم دیا اور پوری احتیاط سے اس بات کا التزام کیا کہ ان تیاریوں کی خبر مکہ نہ پہنچے جب لشکر اسلام کوچ کے لیئے آمادہ ہوا تو اُسوقت معلوم ہوا کہ دو سال کا امن مسلمانوں کے لیئے بہت ہی مفید پڑا ہے اور اس زمانہ میں اسلام نے عجیب وغریب سرعت سے ترقی کی ہے۔ اسوقت سے دو سال قبل جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کی ادائگی کیلیئے روانہ ہوئے تھے تو آپکے ہمرکاب صرف پندرہ سو آدمی تھے لیکن اب دس ہزار قدوسیوں کی جماعت آپکے ساتھ تھی اور اس روز وہ پیشگوئی ظہور پذیر ہوئی جو خدائے تعالیٰ کے ایک مقدس نبی موسیٰ علیہ السلام کے مُنہ سے نکلی تھی جو پُرانے عہد نامہ میں اسطرح مذکور ہے

"خداوند سینا سے آیا۔ اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اُسکے دہنے ہاتھ ایک آتشی شریعت اُنکے لئے تھی" استثنا۔ ۳۳-۲

خداوند کے 'آنے'، طلوع اور جلوہ گر ہونے سے صریحاً خدائے تعالیٰ کے انبیاء کی بعثت مراد ہے جنکے مامور ہونیکی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ دنیا کو اُس کے مولیٰ کا منور چہرہ دکھائیں۔ پہلا جو کہ 'سینا سے آیا' وہ موسیٰؑ تھا دوسرا جو شعیر سے طلوع ہوا وہ یسوع مسیح تھا اور تیسرا اور آخری جو فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا' وہ یہی شخص تھا جو دس ہزار صحابہؓ کی مقدس جماعت کے ساتھ مکّہ کی طرف کوچ کر رہا تھا اور اسی کے ہاتھ میں بنی اسرائیل کیلئے ایک آتشی شریعت دیگئی تھی۔ قریش کو معلوم تھا کہ اُنکو اپنی کرتوتوں کا جواب دہ ہونا پڑیگا اور جو ظلم اُنکے ہاتھ سے بنو خزاعہ پر ہوا تھا وہ اس قابل نہیں کہ اُسکو نظر انداز کیا جاوے کیونکہ خزاعہ مسلمانوں کے مددگار اور اُنکے زیر حفاظت تھے۔ لیکن لشکر اسلام کی نقل و حرکت کو ایسی احتیاط سے خفیہ رکھا گیا اور ایسی پھرتی سے کوچ کیا گیا کہ قریش کو اسوقت خبر ہوئی جب اسلامی فوج عین مکّہ کے دروازے پر پہنچ گئی۔

ابھی مسلمانوں کی فوج مدینہ سے تھوڑی دور ہی آئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اب تک مکّہ ہی میں تھے مع اہل و عیال مکّہ سے ہجرت کر کے مقام جحفہ پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین سے ملاقی ہوئی۔ حضرت عباسؓ کے علاوہ دو اور نو مسلم بھی راستہ ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر آئے۔ انہیں سے ایک تو آپ کا چچیرا بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلب تھا اور دوسرا آپکا پھپھیرا بھائی عبداللہ بن ابی اُمیہ تھا۔ یہ لوگ نو مسلموں کے اُس لگاتار سلسلہ کا تتمہ تھے جو صلح حدیبیہ کے وقت سے برابر جاری رہا تھا ابوسفیان بن حارث بھی اپنے ہمنام ابوسفیان بن حرب کی طرح اسلام کا سخت دشمن تھا اور اب مسلمان ہو کر اپنے کئے پر اسقدر نادم تھا کہ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور ہمیشہ آنکھیں نیچی کرکے بیٹھا کرتا تھا۔

پیارے ناظرین! بھلا وہ کونسی بات تھی جو ابوسفیان کو نادم کر رہی تھی۔ وہ اپنے کیئے پر پشیمان تھا تو کیوں ؟ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اُسکی آنکھیں کیوں نیچی ہوتی تھیں ؟ ان سوالوں کا جواب صاف ہے اور وہ یہ ہے کہ اُس پر یہ امر واضح تھا کہ جن قریش کا اُس نے ابتک ساتھ دیا اور جن کے ساتھ ہوکر مسلمانوں کے خلاف تلوار اُٹھائی تھی وہ ظلم اور زیادتیوں کے مرتکب ہوئے تھے اور انہوں نے بلا وجہ بے قصور مسلمانوں کو دُکھ اور ایذا پہنچائی تھی۔ پس اس گناہ اور جرم کا تصور و خیال ابوسفیان کی گردن جھکاتا اور مارے شرم کے اُسکی آنکھیں نیچی کراتا تھا۔

ابوسفیان بن حارث نے جو الفاظ پہلے پہل حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیئے وہ یہ تھے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ ؕ اللہ تعالیٰ کی قسم خدائے تعالیٰ نے تجھے ہم پر بزرگی دی ہے اور ہم بلا شبہ خطا کار ہیں۔ یہ وہ الفاظ تھے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ملک مصر میں اپنے بھائی یوسف کی نسبت استعمال فرمائے تھے اور اب ابوسفیان بن حارث نے بھی اُنہی الفاظ کا اعادہ کیا جو یعقوب کے بیٹوں کے مُنہ سے نکلے تھے اور اسطرح گویا نہ صرف اپنے جرم کا اقرار کیا بلکہ اپنے بھائیوں یعنی قریش کا گنہگار ہونا بھی تسلیم کرلیا۔ غرض ابن حارث نے قریش کی زیادتیوں کو برادران یوسف کے ظلم و جبر سے مشابہت دی۔ اس موقعہ پر ابوسفیان نے چند شعر پڑھے تھے جن سے واضح ہوتا ہے کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت ذاتی کے لیئے لڑائی نہیں چھیڑی تھی بلکہ اس جنگ سے اُنکو اپنے ٹھاکروں کی حفاظت مطلوب تھی یا یوں کہو کہ وہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے کیونکہ اسلام کی موجودگی اُنکے بتوں کی ہلاکت کا موجب تھی۔ چنانچہ وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔

لعمرك انى حين احمل رايـة ۞ لتغلب خيل اللات خيل محمد
كالمدلج الحيران اظلم ليله ۞ فهذا اوانى حين اهدى فاهتدى

ھدانی ھاد غیر نفسی و دلنی ٭ علی اللہ من طردتہ کل مطرد

(خلاصہ مطلب) تیری عمر کی قسم - جب میں جھنڈا اُٹھایا کرتا تھا تاکہ لات کا لشکر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لشکر پر غالب آئے تو اُسوقت میں اُس رات میں چلنے والے کی طرح تھا جو اندھیری رات میں سرگردان پھرتا ہے۔ پس اب میرے ہدایت پانیکا وقت آگیا ہے اور ایک ایسے ہادی نے میری اللہ تعالیٰ کی طرف رہنمائی کی ہے جسکو میں طرح طرح کے دُکھ پُہنچایا کرتا تھا۔ (ابن ہشام) یہ اشعار بھی اُن شہادتوں میں سے ایک شہادت ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش نے مسلمانوں کے تلوار اُٹھانے میں سبقت کی تھی اور یہ کہ اس جنگ سے قریش کی غرض صرف یہ تھے کہ اسلام کی بیخکنی ہوجائے اور اُنکے بُتوں کی حفاظت ہو یا بالفاظ دیگر یہ کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں لڑتے تھے اور نہ کہ ذاتی بچاؤ کیلئے جیسا ہمارے مسیحی معترضین کا خیال ہے۔ لات جسکا ان اشعار میں ذکر ہے ایک بُت کا نام تھا اسلامی فوج نے اس سرعت سے کوچ کیا کہ ایک ہی ہفتہ کے اندر مقام مرالظہران پر پُہنچ گئی جو مکّہ سے صرف ایک دن کا راستہ تھا۔ یہاں پُہنچکر حضرت نبی کریم صلعم نے حکم دیا کہ رات کو تمام لشکر سے آدمی ڈیرے کی بلندیوں پر جگہ جگہ آگ جلادیں۔ اس حکم سے رحم مجسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ غرض تھی کہ اب بھی قریش جنگ سے باز آئیں اگر اُنپر کسی اور بات سے اثر نہیں کیا تو کم ازکم وہ لشکر کی تعداد معلوم کرکے ہی مقابلہ سے رُک جائیں۔ شام کے وقت ابوسفیان بن حرب جو قریش کا رئیس تھا حکیم اور بدیل کو ساتھ لیکر لشکر اسلام کی خبر لانے کیلئے باہر آیا۔ باہر آکر جب انہوں نے دس ہزار آگ جلتی دیکھی تو وہ اسقدر متحیر ہوئے کہ بیان سے باہر ہے۔ ابھی وہ قیاس کے گھوڑے میدان فکر میں دوڑا رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اتنی بڑی فوج پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی کہ اس اثنا میں ایک آواز آئی جس نے ابوسفیان کو مخاطب کرکے کہا یا ابا حنظلہ یہ آواز جو رات کی تاریکی میں سے آئی تھی دراصل عباس رض عم رسول کی آواز تھی۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ بھی اپنے رحم مجسم بھتیجے کی طرح قریش

کی شفقت کی وجہ سے چاہتے تھے کہ کسی طرح قریش مسلمانوں کے مقابلہ سے رُک جائیں اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں تباہ نہ کریں اس غرض سے وہ آنحضرت صلعم کی خچر پر سوار ہوکر مکّہ کی سڑک پر آئے تھے تاکہ اگر کوئی مسافر یا لکڑ ہارا مکّہ جاتا ملجائے تو اُسکے ہاتھ قریش کو اسلامی لشکر کی خبر کردیں۔ عباس رضی اللہ عنہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیم کریم طبیعت سے واقف تھے اور اُنکو یقین تھا کہ اگرچہ قریش اکیس سال سے برابر مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں تاہم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انکی گذشتہ خطاکاریوں سے درگذر کریں گے اور اُنہیں معاف فرمادیں گے اور اسطرح مکّہ کے لوگ بتاہی سے بچ جائیں گے۔ پس عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا کہ جن روشنیوں کو دیکھکر تم بحر تحیر میں غرق ہوئے ہو وہ مسلمانوں کی فوج نے جلائی ہیں اور لشکر اسلام کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ قریش اسکا مقابلہ ہرگز ہرگز نہیں کرسکتے۔ ہاں اگر تم میرے ساتھ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ تک چلے آؤ تو میں حضور کی خدمت میں عرض کرکے تمھیں معافی دلاسکتا ہوں۔ ابوسفیان بھی حضرت نبی کریم صلعم کی رحیم طبیعت سے واقف تھا اُس نے دُوراندیشی ہی مناسب سمجھا کہ اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے اسکو خچر پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور آناً فاناً نبی کریم صلعم کے درِ دولت پر پہنچگئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو کہا کہ آپ اسوقت ابوسفیان کو اپنے خیمہ میں لیجائیں اور صبح کے وقت اُسکو اپنے ساتھ لائیں جب ابوسفیان صبح کو پھر دربار نبوی میں لایا گیا تو حضور نے اُسے دیکھکر فرمایا الم یان لك ان تعلم انه لا اله الا اللّٰه یعنی کیا ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اس کے جواب میں ابوسفیان نے کہا بابی انت وامی ما احلمك واكرمك واوصلك واللّٰه لقد ظننت ان لو كان مع اللّٰه اله غيره لقد اغنى عنى شيئاً یعنی اگر اللہ کے سوا کوئی اور دیوتا ہوتا تو وہ میرے کسی کام آتا" (ابن ہشام) ابوسفیان کا یہ جواب اس قابل ہے کہ ہمارے معترضین اسے غور سے پڑھیں۔ بھلا کوئی معبود

اُسکے کس کام آسکتا تھا؟ اور اب وہ اپنے بتوں سے کیوں بیزار ہو گیا تھا؟ اسکی صرف یہی وجہ تھی کہ ان جھوٹے معبودوں کی حمایت میں وہ جنگ کرتا رہا تھا۔ ابوسفیان اور قریش کی غرض ان جنگوں سے صرف یہ تھی کہ اسلام کو نیست و نابود کر دیں کیونکہ اسلام کی زندگی اُنکے معبودوں کی موت تھی۔ اگرچہ دشمنان اسلام نے اپنی معاندانہ کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اور اگرچہ اپنے دیوتاؤں کی حمایت میں خون تک بہا دیا تھا تاہم ان جھوٹے معبودوں نے اُنکا ذرا بھی ساتھ نہ دیا۔ اور باوجود ابوسفیان اور قریش کی اَن تھک کوششوں کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا غالب آگیا اور اُنکے تین سو ساٹھ دیوتا سرنگوں ہو کر اپنے پوجاریوں کی شرمساری کا موجب ہوئے اللہ۔ اللہ۔ ایک طرف ایک بےکس انسان ہے جسکا بظاہر کوئی حامی و ناصر نہیں اور اسکے مقابلہ میں لاانتہا دشمن صف بستہ ہیں آخر وہی تن تنہا فرد واحد آخر کار کامیاب ہوتا ہے۔ جو خدا اُس نے پیش کیا وہ بھی ایک ہی خدا تھا اور مقابلہ میں تین سو ساٹھ معبودوں کی جماعت تھی۔ ایک خدا سے سینکڑوں خداؤں کی جنگ ہوئی لیکن انجام یہ ہوا کہ ایک نے سینکڑوں کو مغلوب کیا پس فتح ہوئی تو ایک خدا اور ایک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہوئی اور لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا چار دانگ عالم میں ڈنکا بجا۔ خدائے اسلام اور پیغمبر اسلام کی آخری فتح نے ابوسفیان کے دل پر گہرا اثر کیا اور بتوں کی محبت کو اُسکے دل سے نکالدیا۔ در اصل اب ابوسفیان کو بلکہ تمام قریش کو اپنے معبودوں کے بطلان کا یقین ہو چکا تھا اور ابوسفیان کی آواز بحیثیت قریش کا رئیس ہونیکے تمام قوم کی آواز تھی۔ گویا اب تمام قریش یہ کہہ رہے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو وہ ہمارے کسی کام آتا کیونکہ ہم اپنے معبودوں کی حمایت کیلئے ناخنوں تک زور لگا چکے ہیں۔

ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ جب ابوسفیان قریش کی فوج لیکر جنگ احد کیلئے آیا تھا تو اپنے ساتھ بتوں کو بھی لایا تھا اور بڑی عزت و وقار کے ساتھ اُنکو فوج کے مرکز میں رکھا ہوا تھا۔ جب جنگ احد کا خاتمہ ہوا۔ تو ابوسفیان نے باواز بلند کہا "عزیٰ کی جے ہبل کی جے! عزیٰ ہمارا ہے تمہارا نہیں" مسلمانوں نے اسکے جواب میں یوں کہا

لنا اللہ مولینا ولا مولے لکم یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔ الغرض اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ قریش حفاظت ذاتی کیلیئے مسلمانوں سے آمادہ پیکار نہیں ہوئے تھے اور نہ ہی جیساکہ بعض معترضین کا خیال ہے انہوں نے اپنے قافلوں کی حمایت وحفاظت کیلیئے ہتھیار اُٹھائے تھے بلکہ ان جنگوں سے اُنکی غرض یہ تھی کہ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹائیں اور لات و عزیٰ و ھبل کی شان بلند کریں۔

پیارے ناظرین! پُرانا طرز جنگ یہ تھا کہ بادشاہ ہمیشہ قلب لشکر میں ہوتا اور تمام فوج اُسکے گرداگرد لڑتی مرتی گویا تمام جنگ کا دارومدار بادشاہ کی حفاظت ہوتی جونہی بادشاہ مارا جاتا یا قید ہوتا وہیں فوج بھاگ جاتی اور ہزیمت سمجھی جاتی۔ پس جنگ احد میں کفار مکہ کا قلب لشکر میں اپنے بتوں کو رکھنا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کی خاطر لڑ مرے ہیں اور تمام جنگ وجدل کا دارومدار انہی کی حفاظت تھی۔ پھر جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال اور ابوسفیان کا جواب اس امر کی ایک اور بیّن و روشن شہادت ہے۔ کیا اسلام کے معترضین یہاں پر تعصب کی عینک اُتار کر ایک نظر سے ان واقعات کو دیکھ سکتے ہیں؟

اب ابوسفیان حضور نبوی میں پیش ہے وہ اُس قوم کا سفیر ہے جو اکیس سال سے برابر نبی کریم صلعم کو دُکھ دے رہی تھی اور ایذا رسانی سے اسوقت تک باز نہیں آئی تھی جبتک خائب۔ خاسر اور کمزور نہیں ہوگئی۔ اُس نے ایک تنہا رحیم کریم ناصح کی جان پر حملے کیئے۔ اُسکے پیرووں کو گرم ریت پر لٹا لٹا کر طرح طرح کے عذاب دیئے۔ اُسکی پردہ نشینوں کی بے حرمتی کی اسکی آنکھوں کے سامنے اُسکے خدام کو رنگ رنگ کے دُکھ دیئے۔ آقا اور خادم سبکو وطن چھوڑ ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور اسی پر بس نہیں کی بلکہ بے وطن مہاجرین کا تعاقب بھی کیا اور مورو ملخ سے لشکر کے ساتھ مٹھی بھر مومنوں کا بالکل خاتمہ کرنا چاہا۔ پھر بار بار فوج کشی کرکے اور اقوام عرب کو اکٹھا کرکے اسلام کا نام و نشان مٹانا چاہا بیکس ستمدیدہ انسان جنپر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کے جرم میں طرح طرح کے ظلم و ستم توڑے

جاتے تھے اب صاحب اختیار ہونیوالا ہے اور یقیناً چند ہی گھنٹوں کے بعد اُسکے دشمن اُسکے سامنے حاضر کیئے جائیں گے۔ آؤ ہم دیکھیں وہ اُنسے کیا سلوک کریگا اُسکے کیا ارادے ہیں اگر کوئی دنیوی بادشاہ ہوتا تو آج حکم دیتا کہ شہر کو گھیر لو باشندوں کو قتل کردو مال کو لوٹ لو۔ اُنکے سردار کو پکڑ لو یہ ظالم اس قابل نہیں کہ انہیں معاف کیا جائے۔ لیکن یہاں سابقہ ہے تو اُس سے جو رحمۃ للعالمین ہے رحیم اور کریم ہے اور وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کا مصداق ہے پس اسلیئے ابو سفیان کو ارشاد ہوتا ہے من دخل دار ابی سفیان فھو اٰمن ومن اغلق علیہ بابہ فھو اٰمن ومن دخل المسجد فھو اٰمن (ابن ہشام) یعنی "اپنی قوم سے کہدو کہ جو شخص آج ابو سفیان کے گھر میں پناہ لیگا اُسکو امان دیجائیگی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیگا اُسکو امان دیجائیگی اور جو مسجد کعبہ میں داخل ہوگا اُسکو بھی امان دیجائیگی" اللہ۔ اللہ کیا رحم اور کیسا عفو ہے کہ ذرا بھی قوت انتقام سے کام نہیں لیا جاتا اور فوراً امان کا وعدہ دیا جاتا ہے اللّٰھم صل علٰی محمد وعلٰی اٰلہٖ واصحابہ وخلفائہٖ اجمعین۔ ناظرین ذرا انصاف کریں کہ اگر نبی عربی صلعم واقعی پیشدستی اور زیادتی کرنیوالے تھے تو اب امان کیسی اور وہ کیوں۔

فتح مکہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابو سفیان کو کسی اونچی جگہ پر کھڑا کر کے اسلامی فوج کا ایک نظارہ دکھاؤ۔ پس جب لشکر اسلام علیحدہ علیحدہ دستوں میں فوجی ترتیب سے گذرا ... تو ابو سفیان نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑے ہو کر بڑے تحیر اور تعجب سے دیکھا کہ ہر ایک قبیلہ اپنے اپنے درجہ پر صف آرا جا رہا ہے اور ہر قبیلہ کے سردار کے پاس ایک عَلَم ہے جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُسی قبیلہ کو دیا گیا ہے۔ یکے بعد دیگرے ہر ایک قوم اور قبیلہ کا نام بتایا گیا حتّٰی کہ آہن پوشوں کی ایک جماعت آپہنچی جنمیں سے ہر سپاہی سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ یہانتک ابو سفیان دنگ رہ گیا اور متعجب ہو کر عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کرنے لگا کہ سبحان اللہ یا عباس من ھٰؤلاء ۔ سبحان اللہ! اے عباس یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت عباس رضی نے جواب دیا کہ "یہ مکہ اور مدینہ کے بہادر جوان ہیں جو خاص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے وجود مبارک کی حفاظت کرتے ہیں" ابوسفیان یہ سُنکر بولا "درحقیقت تیرے بھتیجے کی سلطنت ایک عظیم سلطنت ہے"۔ حضرت عباسؓ نے کہا "نہیں وہ ایک بادشاہ سے بڑھ چڑھکر ہے وہ توخدا کا ایک عظیم الشان نبی ہے"۔ اسکے جواب میں ابوسفیان نے کہا ہاں تم سچ کہتے ہو یہ کہکر وہ شہر کی طرف دوڑا اور جونہی کہ وہ مکّہ میں داخل ہوا اُس نے باآواز بلند پکار کر کہا۔ "اے قریش! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے سر پر آپہنچا۔ اُسکے ساتھ اسقدر فوج ہے جسکا تم مقابلہ نہیں کرسکتے۔ جو شخص آج میرے گھر میں داخل ہوگا اُسکو امان ہوگی جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلےگا اُسکو امان ہوگی اور جو مسجد کعبہ کے اندر چلاجائیگا وہ امان پائیگا" اسپر ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ غضب کے ساتھ اسکی طرف بڑھی اور اُسکی مونچھیں پکڑکر بولی اقتلوا الحمیت الدسم الاحمس قبح من طلیعۃ قوم "اس موٹے چربی دار ہٹے کٹے کی گردن ماردو یہ اپنی قوم کا منحوس جاسوس ہے" ابوسفیان نے پھر کہدیا "کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ عورت تمکو دھوکہ دیدے کیونکہ تمپر اتنی فوج چڑھ آئی ہے جسکا مقابلہ تمھاری طاقت سے باہر ہے"۔ یہ سُنکر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے اور کواڑ بند کرلیئے۔ اِدھر ابوسفیان نے مکّہ میں جاکر منادی کی اُدھر لشکر اسلام کوچ کرتے کرتے یہاں تک پہنچ گیا کہ شہر دکھائی دینے لگا۔ شہر تو دکھائی دیا لیکن کسی مخالف فوج کا کوئی نشان نہ تھا۔ اب امر روز روشن کی طرح ظاہر تھا کہ بڑھنے والے لشکر کے لیئے کوئی سدِ راہ نہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم ہوا تو آپ فوراً اپنے اُونٹ ہی کی پشت پر سربسجود ہوگئے اور جناب باری کا شکریہ ادا کیا..... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے چار دستے کیئے ہوئے تھے ہر ایک دستہ فوج کو حکم دیا تھا کہ مختلف راستوں سے شہر کے اندر داخل ہوں۔ یہ ایک احتیاط تھی کیونکہ اگر کسی ایک جگہ دشمن مقابلہ کرتا تو دوسرا دستہ عقب سے آکر اسے دشمن کا احاطہ کرسکتا تھا۔ ان تمام فوجی دستوں کو آنحضرت صلعم کا تاکیدًا حکم تھا کہ سوائے سخت مجبوری کے کسی سے لڑائی نہ کریں اور ہرگز ہرگز کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ ایک دستہ فوج میں انصار مدینہ تھے اُنکا سردار سعد بن عبادہ تھا۔ جب یہ لوگ شہر کے نزدیک پہنچے تو سعد نے باآواز بلند کہنا شروع کردیا کہ الیوم یوم الملحمہ

یعنی آج خونریزی کا دن ہے اور آج مکہ کیلئے کوئی امان نہیں جب اس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے سعد سے عَلَم لیکر اسی کے بیٹے قیس کے حوالہ کر دیا۔ الغرض لشکر اسلام چار دستوں میں منقسم ہوکر شہر مکہ میں داخل ہوا۔ اور سوائے اُس دستہ کے جو خالد کے زیر کماں تھا اور سب بے روک ٹوک شہر کے اندر چلے گئے۔ خالد کے دستہ کا قریش کے چند جوانوں نے جنکے سرغنہ صفوان ابن اُمیہ سہیل بن عمرو اور عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ تھے تھوڑا سا مقابلہ کیا لیکن اُن کو جلدی ہی پسپا ہونا پڑا۔ جب خالد کا مقابلہ ہو رہا تھا۔ تو اسی وقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اتفاقیہ ایک بلند مقام پر سے ہوا۔ اس بلندی پر سے آپکی نظر اُن تلواروں پر جا پڑی جو شہر کے دوسرے حصہ میں چمک رہی تھیں۔ آپ فوراً خفا ہوکر فرمانے لگے ما ھٰذہ وقد نہیت عن القتال یعنی یہ تلواریں کیسی چمکتی ہیں حالانکہ میں نے جنگ سے منع کیا تھا۔ جب آپکو اصل واقعہ سُنایا گیا تو فرمایا قضاء اللہ خیر۔ اب مکہ فتح ہو چکا ہے اور فتح بھی قریبًا بلا کسی قسم کی خونریزی کے ہوئی اور وہی بیکس انسان جسکو گالیاں دیجاتی تھیں۔ جسے خارج از قوم سمجھا جاتا تھا اور جسے شہر بدر کر دیا گیا تھا آج وہی مکہ کا مالک ہے۔ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپکے صحابہ رض نے عرض کی کہ کیا حضور اپنے گھر میں نہیں نزول فرمائیں گے؟ آنحضرت صلعم نے جواب دیا کہ کیا ان لوگوں نے اب تک میرے لیئے اس شہر میں کوئی گھر چھوڑا ہے مکہ میں داخل ہوتے وقت گذشتہ زخم تازہ ہو گئے تھے لیکن انتقام اور غضب کے جذبات پر رحمت۔ عفو اور احسان نے جو حضور کے قلب صافی میں کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے غلبہ حاصل کر لیا اور آپنے وہ کیا جو نبیوں کے سردار رسولوں کے خاتم کی شان کے شایاں تھا۔ کیا ہمارے مخالف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عفو و رحم پر غور کریں گے؟۔

اہل مکہ اسلام قبول کرتے ہیں

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخل ہونا ایک ایسا واقعہ ہے جسکی نظیر صفحہ تاریخ پر نہیں ملتی۔ اس مقدس شہر کی فتح کے متعلق جو واقعات ہیں اُنکے مطالعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا پتہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص پیغمبر اسلام علیہ الف الف سلام کی نسبت یہ دریافت کرنا چاہے کہ آپ کیسے انسان تھے تو اسے مناسب ہے کہ اُس حسن سلوک پر غور کرے جو آپ نے اپنے جانی دشمنوں سے کیا اور وہ بھی ایسے وقت جبکہ اُنکی طاقت ٹوٹ چکی تھی اور وہ مغلوب ہوکر محض آپکے رحم کا سہارا رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول اور ہر فعل میں دشمنوں کے ساتھ ایسی فیاضی اور فراخدلی کا برتاؤ پایا جاتا ہے جسکی مثال جہان کی تاریخ میں ہرگز ہرگز کہیں نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھکر اور کیا فیاضی ہو سکتی تھی کہ آپنے حکم دیدیا ”جو آج ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوگا امان پائیگا جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے گا امان پائیگا اور جو مسجد کعبہ میں داخل ہوگا امان پائیگا“۔ آپ دل سے چاہتے تھے کہ قریش تباہی سے بچ جائیں اور جیسا ہم اوپر بیان کرچکے ہیں اسی غرض سے آپنے سپہ سالاران لشکر کو تاکیداً حکم دیدیا تھا کہ سوائے سخت مجبوری کے ہرگز ہرگز لڑائی تک نوبت نہ آئے۔ پھر جب آپکی نظر شہر کے دوسرے حصہ میں چمکتی ہوئی تلواروں پر پڑی تو فوراً فرمایا کیا مینے تاکیداً حکم نہیں دیا تھا کہ کوئی جنگ وجدل نہ ہو“۔ ہم یہ بھی ذکر کرچکے ہیں کہ جب ایک فوجی افسر نے جوش دلانے والے اشعار پڑھے تو آپنے فوراً اسکو معزول کر کے اسکی جگہ ایک اور شخص کو سردار مقرر کیا۔ کیا یہ امور اس بات کی بین شہادت نہیں؟ کہ نبی کریمؐ اہل مکہ میں سے کسی ایک متنفس کا بھی خون گرانا نہیں چاہتے تھے۔ پہلے جنگوں میں بھی اگر آپنے اپنے صحابہؓ کو ہتھیار اُٹھانیکی اجازت دی تو صرف اسوجہ سے کہ سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ تھا پس آپنے اگر کوئی لڑائی کی تو ایسے وقت جبکہ ہر طرح مجبور ہو گئے۔ اب کوئی مجبوری نہ تھی دشمن بے زور اور بے کس تھا اور انہیں مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اسلیئے آپنے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

حکم دیدیا کہ کسی قسم کی خونریزی نہ ہونے پائے۔ علاوہ ازیں یہ ارشاد بھی فرمایا کہ اہل مکہ کے مال کی حفاظت کیجائے اور انہیں سے کوئی قید نہ کیا جائے۔

شہر میں بطور فاتح کے داخل ہو کر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے کعبہ میں تشریف لے گئے تاکہ خدائے تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں جس نے آپکو یہ بے نظیر کامیابی عطا فرمائی۔ اسکے بعد ایک نظارہ دکھائی دیا جس نے اہل مکہ پر ثابت کر دیا کہ انکی دیوتا کمزور اور ناتوانا ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے وسط میں کھڑے ہو کر اپنے عصا کے ساتھ ایک ایک کر کے تین سو ساٹھ بتوں کی طرف اشارہ کیا اور اشارہ کے ساتھ ہی قریش کے دیوتا۔ جنکی حمایت کیلئے نہ صرف انہوں نے خود بلکہ انکی مددگار عرب کی دوسری اقوام نے بھی برسوں کشت و خون کا بازار گرم رکھا تھا جھٹ ڈنڈوت کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں گرنے لگے جب ھبل کا بڑا بت کعبہ کے سامنے زمین پر دھم سے گرا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ جَاءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ یعنی سچائی آگئی اور جھوٹ بھاگ گیا جھوٹ تھا بھی اس قابل کہ وہ بھاگ جاتا۔

پیارے ناظرین! مذکورہ بالا آیت فتح مکہ سے بہت سال قبل نازل ہوئی تھی۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی اسوقت دنیا کو سنائی گئی تھی جب اسلام ابھی بچہ ہی تھا اور اس بچہ کی جان کے درپے ایک جہان تھا۔ دشمن چاہتے تھے کہ اس ننھے سے بچے کو ہی ہلاک کر ڈالیں لیکن خدا کے علم میں اس بچہ نے جوان ہونا تھا اور اس کے ہاتھ سے ہی خدا کے گھر نے جو بتوں کا گھر بن گیا تھا پھر اپنے اصل مالک کا گھر بننا تھا اور وہی ہوا جو خدا نے فرمایا تھا۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔

کفار اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا باہمی جنگ دراصل کفار عرب کے بے شمار دیوتاؤں اور اسلام کے ایک خدا کی باہمی لڑائی تھی۔ اول الذکر کے قائم مقام عرب کے تمام مغرور و متکبر رؤسا تھے اور آخر الذکر کی طرف سے ایک فرد واحد یعنی حضرت

محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا تھے۔ اگرچہ بظاہر کامیابی کا تاج کفار کے دیوتاؤں کے سر پر مزین ہوا دکھائی دیتا تھا اور اسلام کا اکیلا واعظ اپنے بے شمار دشمنوں کے سامنے بالکل بیکس معلوم ہوتا تھا تاہم اس عالم ناتوانائی میں اُس واحد خدا نے اپنے خادم کو اپنی امداد و اعانت کا وعدہ دیا۔ اور اُسوقت فتح کی خوشخبری سُنائی جب اُسے سر چھپانے کو جگہ نہیں ملتی تھی۔ خدائے تعالیٰ کے ان وعدوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان بھی کر دیا تھا تاکہ جب وہ پورے ہوں تو ظالم ایذا دہندہ مخالفین پر حجت ہو اور شائد اس طرح اُنکے سیاہ باطن ایمان کے نور سے منور ہو جائیں لیکن آہ۔ بدبخت دشمنوں نے اس خدائی آواز پر ہنسی اُڑائی اور بجائے نرمی اختیار کرنیکے اور بھی سختی شروع کر دی گویا اس پیشگوئی کو سُنکر اُنکا غضب اور بھڑک اُٹھا اور اُنھوں نے مصمم ارادہ کر لیا کہ اسلام کا شروع ہی میں خاتمہ کر دیں اور اس ننھے پودے کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینکدیں۔ اس دشمنی کا کیا نتیجہ ہوا۔ خدا کے فرمودہ الفاظ کس طرح پورے ہوئے اُسکے لیئے صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اپنی امداد کا وعدہ پُورا کیا اور جس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدوسیوں کی جماعت کے ساتھ مکّہ میں داخل ہوئے اُس دن وہ پیشگوئی کما حقہٗ پُوری ہوئی جسکا اعلان برسوں پہلے ہو چکا تھا۔

خدائے تعالیٰ کے کام عجیب ہوتے ہیں ملاحظہ فرمایئے کہ جس شہر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو دشمنوں نے باہر نکالا تھا وہی بستی اب آپکے قبضہ میں ہے اور جن لوگوں نے مسلمانوں کو ایذا دی تھی وہی اب اُنکے محکوم زیر فرمان ہیں۔ شہر اور اہل شہر کی تو بات ہی کیا تھی اب تو عربوں کے دیوتا۔ جنکی خاطر سے وہ کٹتے مرتے رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین کے ساتھ پیوست کیئے جا رہے تھے اہل مکّہ کے بُتوں کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے زمین پر گرایا جانا ہی ایک ایسا امر تھا جو بُت پرست مکّہ والوں کو یاد دلاتا تھا کہ اُنکے معبود معمولی پتھروں پر کسی طرح کی فوقیت نہیں رکھتے۔

جب بتوں کو توڑا جاچکا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور فرشتوں کی تصویروں کو جو کعبہ کی دیواروں پر منقش تھیں مٹا دیا گیا تو بلال رضی اللہ عنہ کعبہ کی چھت پر چڑھ گئے اور اذان دی۔ پیارے ناظرین! جو بلال اس وقت کعبہ کی چھت پر کھڑا ہو کر اللہ اکبر کی صدا کر رہا ہے یہ وہی حبشی غلام ہے جسکو اسکا بت پرست آقا بطحاء کی جلتی ہوئی ریت پر لٹا کر سخت ایذا دیا کرتا تھا۔ بلال رضی اللہ عنہ کا کعبہ کی چھت پر چڑھنا ہی مغرور متکبر قریش کے کبر و رعونت کو توڑنے کیلئے کافی تھا اور انکی صدا جہاں مومنوں کو نماز کے لیئے بلا رہی تھی وہیں کفار کے دلوں پر چھریوں کا کام کر رہی تھی چنانچہ بنی سعید بن العاص میں سے ایک شخص نے حضرت بلال رضی اللہ کی آواز سُنکر کہا لقد اکرم اللّٰہ سعیدا اذ قبضہ قبل ان یری ھذا الاسود علیٰ ظھر الکعبہ۔ خدا نے ہمارے ابا سعید پر بڑی عنایت فرمائی کہ اُسے موت دیکر اس تکلیف سے بچا لیا جو اُسے اس کالے حبشی کو کعبہ کی چھت پر دیکھکر ہوتی" (زرقانی شرح مواہب جلد ثانی صفحہ ۳۱۱)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف میں سے باہر آئے تو آپ نے اُس تمام مجمع کو مخاطب کیا جو باہر جمع ہو رہا تھا اور فرمایا یا معشر قریش ما ترون انی فاعل فیکم یعنی "اے قریش کی جماعت تمھارے خیال میں مجھے اب تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے" اُنہوں نے جواب دیا خیرًا اخ کریم و ابن اخ کریم۔ "اے فیاض بھائی اور اے فیاض بھائی کے بیٹے آپ ہم سے نیک سلوک کریں گے" طبری بیان کرتا ہے کہ یہ لفظ سُنکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حضور نے فرمایا فانی اقول کما قال اخی یوسف لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللّٰہ لکم و ھو ارحم الراحمین اذھبوا فانتم الطلقاء۔ یعنی "میں تم سے وہی کہونگا جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی آج میں تم کو ملامت نہیں کرونگا خدائے تعالیٰ تمھیں معاف فرمائیگا وہی سب سے زیادہ رحیم ہے۔ جاؤ تم آزاد ہو۔"

دنیا کی تاریخ دیکھتے جاؤ۔ بڑے بڑے لوگوں کی سوانح پر گہری نظر ڈالو۔ سارے

جہان کے واقعات میں اسکی کوئی نظیر تلاش کرو تو بھی قطعاً کوئی ایسی مثال نہیں ملیگی۔ یہ کیوں؟ محض اس لیئے کہ مسلمانوں کا نبیؐ جیسا کہ کسی ایک قوم کیلیئے مامور نہیں ہوا تھا بلکہ وہ خاتم النبیین اور سردار انبیاءؑ تھا اسی طرح اسکے اخلاق بھی بے نظیر اور بے مثال تھے وہ کامل انسان تھا اُسکے اخلاق بھی کامل تھے جسطرح اُسکا پیش کردہ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح وہ بھی عبد تو تھا لیکن بے مثل۔ غرض حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی اصلی حالت معلوم کرنیکے لیئے فتح مکہ اور اُسکے متعلق جو واقعات ہیں انپر غور کرنا ہی کافی ہے۔ آپنے کمال عالی حوصلگی فیاضی اور فراخدلی سے کام لیکر اپنے گنہگار، ظالم جانی دشمنوں کو بالکل معاف کردیا اور دشمن بھی وہ جنہوں نے آپ کو اور آپکے متبعین کو نہایت بے رحمی سے ایذا پہنچائی اور گھر سے بے گھر کیا۔ جنہوں نے بے گناہ مردوں اور عورتوں پر انواع واقسام کے جور وستم کا ارتکاب کیا اور آپ کی اور آپکے ہمراہیوں کی جانیں لینے کا عہد کر لیا۔ پھر جن لوگوں نے زندہ تو درکنار بے جان مُردوں کی لاشوں کی بے حرمتی کرکے انسانیت کے نام پر بٹا لگایا۔ جنکے اُکسانے سے عرب کی جنگلی اقوام.... مدینہ کی چھوٹی سی مسلمان بستی کے نیست و نابود کرنے پر آمادہ ہوگئے۔ جو متواتر بے شمار لشکر سے مدینہ پر محض ان ارادوں سے حملہ آور ہوئے کہ مسلمانوں کو کچل کر زمین سے ملادیں خلاصہ یہ کہ ایسے دشمنوں کو جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کو تباہ کرنیکی کوششوں میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا جو اپنے قاتلانہ جرائم کی وجہ سے اس قابل تھے کہ انکو جان سے ماردیا جاتا۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل معاف کردیا اور انکو یوسفؑ کے بھائیوں سے مشابہت دیکر اُنکے تمام گذشتہ گناہوں پر قلم معافی کھینچ دی۔ یہ یوسف بھی ایسا تھا۔ جس کا باطنی حُسن ظاہری خوبروئی سے کہیں بڑھ چڑھکر تھا۔

آجائیں کہیں یثرب کے جو بھوار میں یوسفؑ ❊ پائیں نہ جگہ چشم خریدار میں یوسفؑ

فرمائیں یہ پھر آپ ہی دربار میں یوسفؑ ❊ تھا بیش بہا حُسن کے بازار میں یوسفؑ

پر ہو نہ سکا سنگ ترازوئے محمدؐ

؎ حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ٭ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معترضین کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جو فتح مکہ کے واقعات سے لگا کھا سکتی ہو ۔۔۔۔۔۔ جو نمونہ حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ نے دکھایا ہے اُسکا دوسرا ملنا محال و مشکل اور ناممکن ہے۔ (ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔

فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر سٹینلی لین پول فرماتے ہیں۔" آپنے قریش کو بڑی فراخدلی سے معاف فرما دیا اور برسوں کا دُکھ (جو قریش کے ہاتھوں اُٹھانا پڑا تھا) اور ظالمانہ نفرت (جسکا برتاؤ اُنکی طرف سے ہوا تھا) سب کچھ بھلا دیا اور تمام مکہ والوں کی جان بخشی کر دی صرف چار شخصوں کو جو واقعی قتل کیے جانیکے مستحق تھے سزائے موت دیگئی۔ لشکر لیا نے بھی آپکی پیروی کی اور چپ چاپ امن و امان سے داخل شہر ہوئے ۔۔۔۔۔ اسطرح محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دوبارہ اپنے وطن مالوف میں داخل ہوئے۔ تمام عالم کی تاریخ میں ایسی مثال نظر نہیں آتی جہاں کوئی (فاتح) (اس عظیم الشان) کامیابی سے داخل شہر ہوا ہو" سر ولیم میور صاحب جیسا متعصب عیسائی بھی اس موقعہ پر مجبوراً کہتا ہے کہ" جس فراخدلی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُس قوم سے سلوک کیا جو عرصہ دراز تک آپسے متنفر رہی اور جس نے آپکو رد کیا وہ فراخدلی ہر قسم کی تعریف کی مستحق ہے"

چند آدمی جنکے دلوں میں اُنکے ناقابل عفو جرائم کھٹک رہے تھے شہر سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن اُنکی خطائیں بھی معاف کر دی گئیں اور وہ اپنے گھروں کو امن سے واپس آ گئے۔ ان بھگوڑوں میں عکرمہ بن ابوجہل بھی تھا جو ساحل سمندر کی طرف بھاگ گیا تاکہ وہاں سے جہاز میں سوار ہو کر ملک یمن میں چلا جائے٭ عکرمہ کی بیوی

٭ حاشیہ۔ لکھا ہے کہ جب عکرمہ کشتی میں سوار ہوا تو ایک سخت تیز ہوا چلنی شروع ہو گئی اور خوف تھا کہ کشتی ڈوب جائے۔ اُسوقت عکرمہ نے لات و عزیٰ کو پکارنا شروع کیا۔

اُمّ حکیم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا۔ "اے خدا کے رسول عکرمہ قتل کے خوف سے یمن کی طرف بھاگ گیا ہے۔ میں حضور سے اسلیئے درخواست کرتی ہوں کہ اُسکو معاف فرمایا جائے" آنحضرت صلعم نے جواب دیا هو امن یعنی اُسکو امن دیا جاتا ہے۔ یہ حکم پاکر اُمّ حکیم اپنے بھگوڑے خاوند کی تلاش میں روانہ ہوئی اور جب وہ عکرمہ سے ملی تو اُس سے کہا۔ "اے میرے چچا کے بیٹے میں اُس شخص کی طرف سے آئی ہوں جو نہایت ہی مہربان۔ عالی حوصلہ اور انسانوں میں سب سے بہتر آدمی ہے۔ اسلیئے تم اپنے تئیں تباہ نہ کرو میں نبی کریم (صلعم) سے تمہارے لیئے معافی لے کر آئی ہوں"۔ جب عکرمہ واپس مکہ آگیا تو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رض کو حکم دیا لا تسبوا اباه فان سب المیت یوذی الحی یعنی اُس کے باپ ابوجہل کی نسبت کوئی سخت لفظ استعمال نہ کیا جائے کیونکہ مردوں کو بُرا بھلا کہنے سے زندوں کو دکھ پہنچتا ہے (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۲۷۶)

ان بھاگنے والوں میں ایک شخص ھبار بھی تھا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بیٹی حضرت زینب رضی اللہ عنہا پر بے رحمی سے حملہ کیا تھا جبکہ وہ مکہ سے ہجرت

بقیہ حاشیہ۔ اسپر اہل سفینہ نے کہا اسوقت صرف اللہ تعالیٰ کو پکارو۔ تمہارے دیوتے اس جگہ کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ عکرمہ نے کہا لئن لم ینجنی من البحر الا الاخلاص لا ینجینی فی البر غیرہ۔ یعنی اگر ہمارے دیوتے دریا میں غرق ہونے سے ہمیں نہیں بچا سکتے اور یہاں صرف ایک خدا کو پکارنا مفید ہو سکتا ہے تو خشکی پر بھی سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود امداد نہیں دے سکتا اور پھر غرق ہونیکے خوف سے گھبرا کر خدائے تعالیٰ سے یہ عہد کیا کہ "اے اللہ۔ اگر تُو نے مجھے یہاں سے نجات دیدی تو میں اسوقت عہد کرتا ہوں کہ میں سیدھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤنگا۔ اور اپنے ہاتھ کو اُسکے ہاتھ میں رکھکر توبہ کروں گا اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ مجھے میری خطائیں معاف کردیگا کیونکہ وہ درگذر کرنیوالا۔ رحیم اور کریم انسان ہے۔ (ملاحظہ ہو زرقانی شرح مواہب جلد ثانی صفحہ ۲۷۶)

کیئے جا رہی تھیں۔ انکے وضع حمل کے ایام قریب تھے اور وہ اونٹ پر سوار تھیں ھبار نے
بھالے کے ساتھ دھکا دیکر زمین پر گرا دیا۔ جس سے انکا حمل گر گیا اور آخر اسی صدمہ سے
وہ جہان بحق ہو گئیں۔ اب ھبار مکہ سے بھاگ کر چند روز تو غائب رہا لیکن پھر واپس آکر اپنے
تئیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رحم پر چھوڑ دیا اور عرض کی "میں آپ سے بھاگ کر دوسرے
ملکوں میں گیا اور میرا ارادہ تھا کہ عجمیوں سے جا ملنا لیکن مجھے آپکا رحم۔ فیاضی۔ اور گنہگاروں
کو معافی دینا یاد آگیا (پس) اے نبی اللہ ہم بت پرست تھے خدا نے آپکے ذریعہ سے
ہمیں راہ راست دکھایا اور تباہی سے بچایا۔ پس آپ میری بیوقوفی پر درگذر فرمایئے
اور جو تکلیف میں آپ کو دیتا رہا ہوں اسے معاف کیجئے۔ میں اپنی بداعمالی کا اقرار اور
اپنے گناہ کو تسلیم کرتا ہوں" اسپر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو فوراً معافی دیدی۔
اگرچہ اسکا گناہ خطرناک اور جرم سنگین تھا لیکن چونکہ یہ جرم خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے متعلق ہی تھا اسلیئے آپنے بلا کسی شرط کے اسکو معافی دیدی (زرقانی شرح مواہب
جلد دوم صفحہ ۳۷۷)

فتح مکہ کے بعد جو شخص مکہ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے انمیں وحشی بھی تھا۔ یہ
وہی حبشی غلام تھا جسکو ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عم رسول کے قتل پر مامور
کیا تھا۔ یہ شخص مکہ سے طائف کو چلا گیا۔ اور جب طائف سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم کے حضور ایک وفد حاضر ہوا تو وحشی نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور جھٹ اس
وفد میں شامل ہو گیا اسکو یقین تھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سفیروں کی
بڑی عزت کرتے ہیں اسلیئے کسی قسم کا خوف نہیں۔ جب نبی کریم صلعم نے وحشی کو
وفد میں دیکھا تو فرمایا "کیا تم وحشی ہو" اس نے جواب دیا "ہاں حضور میں ہی ہوں" آنحضرت
نے پھر پوچھا "کیا تو نے حمزہ کو شہید کیا تھا" اس نے کہا "جی ہاں آپ ٹھیک فرماتے
ہیں"۔ اگرچہ نبی کریم نے اپنے پیارے چچا کے قاتل کو معاف کر دیا لیکن آپکے رنج کی
یہ کیفیت تھی کہ اسکو دیکھنے سے آپ کو بہت زیادہ دکھ پہنچتا تھا پس آپنے
وحشی کو ارشاد فرمایا غیّب وجھک عنی یعنی تم کو معاف کیا جاتا ہے مگر میرے

سامنے نہ آیا کرو۔ (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۷۷ ۲)

اس حبشی غلام کی کہانی سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے لوگوں کے دلوں پر کیسا قبضہ حاصل کیا ہوا تھا اور کس طرح سے وہ لوگ جو کل خطرناک دشمن تھے آج سچے دوست ہو گئے۔ حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ ایک روائیت نقل فرماتے ہیں جسمیں وحشی بیان کرتا ہے "جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور مسیلمہ کذاب نے دعوی کیا تو میں نے دلمیں کہا کہ میں مسیلمہ کے پاس جاؤں شائید میں اُسے قتل کر سکوں اور اسطرح حمزہ رضی اللہ عنہ کے خون کا کچھ کفارہ ہو جائے" آگے چلکر وحشی وہ تمام حالت بتلاتا ہے کہ کس طرح اُس نے اپنی برچھی سے کذاب مسیلمہ کو ہلاک کیا اور کسطرح اُس کا وار ہونیکے بعد ایک صحابی نے کود کر مسیلمہ کا سر کاٹا تھا جبکہ ایک لڑکی نے ایک کوٹھے کی چھت پر سے چلا کر کہا اے امیر المومنین یہ غلام ہے جس نے اُسے قتل کیا ہے' پس وحشی کی خواہش سے کہ کسی طرح حمزہؓ کے خون کا کفارہ ہو جائے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان ہو گیا تھا۔

اُدتو اور ابو سفیان کی بیوی ہندہ کو بھی جس نے جنگ اُحد میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے دل کو چبایا تھا اور آپکے کان اور بینی کا ٹکر گلے میں بطور ہار پرو کر پہنے تھے رحم مجسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاف فرما دیا۔ وہ اور عورتوں میں شامل ہو کر اور چہرہ پر نقاب ڈالکر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور مقام ابطح پر حاضر ہوئی اور کہا "سب تعریف کے لائق اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنے دین کو جو اُس نے پسند کیا غلبہ دیا ہے۔ تحقیق آپکے رحم سے مجھے بھی حصہ ملیگا۔ میں ایک عورت ہوں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتی ہے اور اُسکی ذات کی مصدق ہوں یہ کہکر اُس نے اپنے چہرہ پر سے نقاب اُٹھا دیا اور کہا 'میں عتبہ کی بیٹی ہندہ ہوں' یہ دیکھکر آنحضرت صلعم نے فرمایا "خوش آمدید" اسطرح ہندہ کو جو کسی وقت اسلام کی نہایت خطرناک دشمن تھی بالکل معاف کر دیا گیا (زرقانی شرح مواہب جلد دوم صفحہ ۷۷ ۲) روایت ہے کہ ہندہ خواب میں دیکھا کرتی تھی کہ وہ دھوپ میں کھڑی ہے اور سایہ اگرچہ اُسکے قریب ہی ہے تاہم وہ وہاں تک نہیں پہنچ سکتی لیکن جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ پہنچے تو اُس نے دیکھا کہ وہ دھوپ سے سایہ میں آگئی۔

آخر وہی ہوا اور ہندہ کو اسلام کی ٹھنڈی چھاؤں میسر آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی کا ہندہ پر اسقدر اثر ہوا کہ اُس نے آپ سے کہا کہ صفحہ دنیا پر کوئی ایسا خاندان نہ تھا جس سے مجھے اسقدر نفرت تھی جتنی آپ کے کنبہ سے تھی لیکن آج اگر مجھے کوئی گھرانا پیارا ہے تو آپ کا ہے"

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب کی بیٹی ام ہانی آپکے پاس آئی اور درخواست کی کہ دو آدمیوں نے میرے گھر میں پناہ لی ہے انہیں معاف فرما دیا جائے۔ آپ اُس سے بڑی مہربانی سے پیش آئے اور فرمایا قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی یعنی جسکو تم پناہ دیتی ہو میں بھی اُسکو پناہ دیتا ہوں۔ (زرقانی جلد ثانی صفحہ ۳۰۹)

منصف ناظرین۔ اگر آپ ان رحیمانہ کارروائیوں پر نظر ڈالیں تو آپ پر بہت سے امور کا انکشاف ہوگا۔ اور آپکو اس سوال کا جواب خود بخود مل جائیگا کہ آیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے زیادتی ہوئی تھی یا آپکے دشمنوں نے ابتدا کی تھی۔ کوئی سمجھدار آدمی اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ شخص جو اپنے سخت سے سخت دشمنوں پر رحیم اور ظالم بے رحم اعدا پر شفیق تھا اُس سے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ جنگ و جدل میں سبقت کرتا۔ پھر جو شخص فتح کے بعد جبکہ ہر ایک دشمن اُسکے قبضہ میں تھا اس بات کا خواہشمند تھا کہ مکہ کے ہر فرد بشر کو معاف کر دے بھلا اُسکی نسبت یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اُس نے اپنے اہل شہر اور ہموطنوں کے خلاف بلا مجبوری تلوار اُٹھائی اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب صافی کی اصل کیفیت معلوم کریں یا یہ دریافت کریں کہ آپکو اپنے وطن سے کیسی محبت تھی اور یہ کہ آپنے کن حالات کے ماتحت ہجرت فرمائی تھی تو آپ ذیل کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد فرمائے تھے جبکہ آپ برسوں کے دُکھ اور تکالیف جھیل کر اور وطن سے بیوطن ہو کر دوبارہ بطور فاتح داخل شہر ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر مکہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں "تو میرے لیئے روئے زمین پر سب سے زیادہ پیارا اور دل پسند مقام ہے۔ اگر تیرے باشندے مجھے نکال نہ پھینکتے تو میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا" (لائیف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم مصنفہ ولیم میور)

جب انصار مدینہ نے یہ دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زاد بوم سے پہلے درجہ کا اُنس ہے وہاں کے باشندوں پر آپ بہت ہی مہربان ہیں اور آپنے اپنی فیاضی اور فراخدلی سے ثابت کر دیا ہے کہ آپکو اہل مکہ سے سخت محبت اور پیار ہے۔ تو انکو اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیۃ العمر مکہ میں ہی گذاریں اور اُن لوگوں کے قرب میں رہیں جو انکے ہموطن ہیں اور جن سے آپنے بڑی دریا دلی اور فیاضی کا برتاؤ کیا ہی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اپنے شہر سے محبت تھی اور اگر آپ اپنی قوم پر بے انتہا مہربان تھے تو ساتھ ہی ایسے محسن انسان سے یہ کہاں ہو سکتا تھا کہ اُن لوگوں کو فراموش کر دیتے جنہوں نے مصیبت کے وقت آپ اور آپکے صحابہؓ کو پناہ دی تھی اور جن کا تعلق اور قربانی ایسی نہ تھی کہ جسے نظر انداز کیا جاتا۔ آنحضرت صلعم کو وہ وقت خوب یاد تھا جب آپ اور آپکے صحابہؓ کو مکہ والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آکر ہجرت کرنی پڑی تھی اور ایسے اڑے وقت اہل مدینہ نے آپ کو اپنے ہاں جگہ دی تھی۔ پناہ کیا دی تھی گویا عرب کی دشمنی کو مول لیا تھا پس آپنے اس خوشی اور کامیابی کے وقت مدینہ والوں کو نہیں بھلایا آپنے اہل مدینہ کو یقین دلایا کہ میں انصار کے شہر کو کبھی نہیں چھوڑونگا اور فرمایا المحیا محیاکم والممات مماتکم یعنی میرا جینا بھی تمھارے ساتھ ہوگا اور مرنا بھی تمھارے ساتھ ہوگا۔ اگر اب بھی کسی کو اسمیں شبہ ہو کہ آیا قریش کی زیادتی تھی یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تو اُسے چاہیئے کہ ان الفاظ پر غور کرے جو آنحضرت صلعم نے کعبہ کے صحن میں قریش کے مجمع کو مخاطب کرکے فرمائے تھے جو یہ ہیں یامعشر قریش ماترون انی فاعل فیکم (زرقانی شرح مواہب صفحہ ۳۹) "اے جماعت قریش! تم ہی بتاؤ مَیں تمھارے بارے میں کیا کروں" بھلا ان الفاظ سے کیا مترشح ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسا فرمانے سے کیا مراد تھی؟ یہ الفاظ صاف اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ زیادتی قریش کی تھی اور اپنے جرائم کی پاداش میں وہ مستوجب سزا تھے۔ ہمارے اس خیال کی تائید خود قریش کا جواب کرتا ہے جو یہ تھا "اے فیاض بھائی اور فیاض بھائی کے بیٹے! آپ ہم سے نیک سلوک کریں"

وہ صریحاً اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں اور آنحضرت صلعم کے رحم اور مہربانی پر اپنے آپ کو چھوڑتے ہیں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہم مظلوم ہیں بلکہ ابتدا سے اخیر تک جو ظالمانہ افعال اُنسے سرزد ہوئے وہ اُنپر نادم اور رحم کے خواستگار ہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو "فیاض بھائی اور فیاض بھائی کا بیٹا" کہکر پکارتے ہیں۔ اور ملاحظہ فرمائیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معافی کا اعلان کیا تو اپنے تئیں حضرت یوسف علیہ السلام سے اور قریش کو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے مشابہت دی۔ اگر زیادتی کا ذرا سا الزام بھی آپ پر آسکتا تو آپ کس طرح سے اپنے تئیں یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دے سکتے تھے آپنے جو مثال دی وہ بعینہ ہر طرح سے آپ اور قریش پر صادق آتی تھی جسطرح یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت موصوف پر زیادتی کی تھی اور آپکو نیست و نابود کرنا چاہا تھا اسی طرح قریش نے بھی آنحضرت صلعم پر زیادتی کی تھی اور آپکو تباہ و برباد کرنا چاہا تھا۔ لیکن اسکے مقابل جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی بدی کا جواب نیکی اور معافی سے دیا تھا اسی طرح آنحضرت صلعم نے بھی قریش کے مظالم اور بیرحمیوں کا جواب۔ فیاضی۔ فراخدلی۔ مہربانی اور عام معافی سے دیا۔

مکّہ والوں کو بلا کسی شرط و شرائط کے معاف کر دینے سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ اہل اسلام نے لوگوں کو جبراً مسلمان بنانے کیلئے تلوار نہیں اُٹھائی۔ حضرت نبی کریم صلعم نے قریش کو معاف کرتے وقت جو کچھ فرمایا وہ یہی تھا کہ "میں تم سے وہی کچھ کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا" یعنی یہ کہ میں آج تمکو ملامت نہیں کرونگا۔ خدا تعالیٰ تمکو معاف کریگا وہ ارحم الراحمین ہے اذ ھبوا فانتم الطلقاء جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو۔ آپنے اس معافی کے ساتھ اسلام لانے کی شرط نہیں لگائی۔ آپنے انکو اسلام قبول کرنیکے بغیر ہی آزادی سے چلے جانیکی اجازت دیدی۔ حالانکہ ابھی تک وہ پہلے کی طرح برابر بُت پرست ہی تھے۔ اگر جنگ کرنے سے آپکی مراد یہی تھی کہ لوگوں کو جبراً مسلمان کریں تو اس سے بڑھکر آپکو اپنی مطلب براری کا اور کونسا موقعہ مل سکتا تھا جبکہ تمام مکّہ والے آپکے مفتوح اور محکوم

تھے اور اگر تلوار اُٹھانے سے آپکی غرض یہ تھی کہ کفار کو نیست و نابود کر دیں تو اب جبکہ کا فروں کے پورے کے پورے شہر کی قسمت آپکے ارشاد پر موقوف تھی آپ باآسانی تمام اُنکو تہ تیغ کر سکتے تھے۔ لیکن نہ تو آپنے کسی کو اس شرط پر رہائی دی کہ وہ مسلمان ہو جائے اور نہ ہی اُنمیں سے کسی کو کفر کے بدلے قتل کیا۔ بلکہ برعکس اسکے آپنے مکّہ کے بُت پرستوں کو فرمایا "جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو"۔ بے کس لوگوں کو جبرًا مسلمان کرنے یا کفر کے لیۓ قتل کرنے کا خیال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عالی حوصلہ انسان کے نزدیک بھی نہیں آسکتا تھا کیونکہ آپ کی شان ایسے کینہ خیال سے پاک تھی۔ آہ۔ افسوس کہ متعصب عیسائیوں اور اُنکے ہمرنگ لوگوں نے اس عالی حوصلہ۔ فراخدل۔ فیاض اور رحم مجسم انسان کے ساتھ سخت بے انصافی کا برتاؤ کیا ہے اور مذہبی تعصب سے اندھے ہو کر اُس شرافت قلبی پر نظر نہیں ڈالی جو بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی جبلت میں سمائی ہوئی تھی۔ بلکہ اُلٹا آپ پر یہ الزام لگایا ہے کہ آپکے غزوات کی معاذ اللہ یہ غرض تھی کہ لوگوں کو جبرًا اپنے دین میں داخل کر لیں جائے تعجب ہے کہ مٹھی بھر آدمی اور بے شمار دشمنوں کا مقابلہ اور وہ بھی بصد مشکل کرتے ہیں تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ ان بے شمار لوگوں کو جبرًا اپنے دین میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ غریب جان بچانیکے لیۓ بھاگے بھاگے پھرتے ہیں اور یہاں اُنکو جبر اور زیادتی کا الزام دیا جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت کے خلاف ہتھیار اُٹھانے پر مجبور ہوئے تھے۔ اور یہ مجبوری اُسوقت تک برابر جاری رہی جبتک قریش میں طاقت تھی لیکن جب اُنکی طاقت ٹوٹ گئی اور کسی قسم کی مجبوری نہ رہی تو آپنے فورًا حکم دیدیا کہ تلواریں میان میں کر لی جائیں اور دشمنوں کی بھی جان بخشی کیجائے۔

اب ایک طرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حُسن سلوک ملاحظہ فرمائیں جو آپنے اپنے جانی دشمنوں سے کیا اور دوسری طرف مدمقابل کے ظلم و ستم کو دیکھیں جو اُنہوں نے آنحضرت صلعم اور آپکے صحابہؓ پر توڑے۔ جب دشمن آپکے اختیار میں تھے تو آپنے اُن سب کو بلا کسی شرط کے معاف فرما دیا اور کسی سے یہ نہیں کہا کہ اُسوقت

تک معاف نہیں کیا جائیگا جبتک اسلام نہ لاؤ گے۔ پس اس طرح آپنے ظاہر فرما دیا کہ اگر آپنے قریش سے جنگ کی تھی تو وہ سخت مجبوری کے بعد کی تھی ورنہ جانشادکلا آپ کا یہ منشا نہ تھا کہ لوگوں کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے۔ یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا منصوبہ کیا تھا جب کبھی کوئی اِکّا دُکّا مسلمان یا مسلمانوں کی کوئی چھوٹی سی جماعت اُنکے ہاتھ پڑ گئی تو اُنھوں نے یا اُنکے مددگاروں نے یا تو نہایت بیرحمی سے بھیڑ بکری کی طرح ذبح کردیا یا طرح طرح کی ایذا دیکر ارتداد پر مجبور کیا۔ اب جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک یہ بتلاتا ہے کہ آپنے جو کچھ کیا اشد مجبوری سے کیا اسی طرح آپکے دشمنوں کا طرز عمل صاف اس بات پر دال ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ لڑنے سے کفار کا اسکے سوا اور کوئی منشا نہ تھا کہ جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو تباہ کردیں اور اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹا دیں کیا ہمارے معترضین ان ہر دو نتایج سے فائدہ اُٹھائیں گے؟ کوئی لاکھ چھپائے اور کتنا پردہ ڈالے آخر سچائی اپنی جھلک ضرور ہی دکھاتی ہے اور حق پوشی کا مجرم آخر شرمندہ و ذلیل ہو کر کبھی کبھی خود ہی اقرار بھی کر بیٹھتا ہے چنانچہ اس امر کے متعلق کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو مذہب کے معاملہ میں پوری آزادی دیدی تھی سر ولیم میور صاحب (خلاف مرضی) یہ لکھتے ہیں "اگرچہ شہر (مکہ) نے بڑی خوشی سے آپکی حکومت تسلیم کر لی تھی (لیکن) عام باشندوں نے تا حال نئے مذہب کو اختیار نہیں کیا تھا اور نہ ہی آپکے دعویٰ نبوت کی کھلے طور پر تصدیق کی تھی شاید آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں بھی وہی طرز اختیار کرنا چاہتے تھے جو آپنے مدینہ میں اختیار کیا تھا یعنی مذہب کے اختیار کرنے میں شہر والوں کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا"۔ ملاحظہ ہو لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صفحہ ۴۰۹ گو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کو دین کے معاملات میں پوری آزادی دے رکھی تھی تاہم اُنھوں نے بڑی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلعم صفا کی پہاڑی پر تشریف فرما ہوئے اور لوگوں نے فوج در فوج حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ اور آپنے ہر ایک سے یہ معاہدہ لیا کہ "(اللہ تعالیٰ کے سوا) کسی چیز کی پرستش نہ کرینگے۔ چوری نہ کرینگے زنا اور بچہ کشی سے باز رہیں گے۔ جھوٹ سے بچیں گے۔ عورتوں کی عزت

کرینگے،، غرض مکہ والے اس سرعت سے اسلام میں داخل ہونے شروع ہوئے کہ دو ہفتہ کے اندر دو ہزار نو مسلم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر جان لڑانے کو حاضر تھے۔ مزید براں ان لوگوں نے اسلام قبول بھی کیا تو ایسی مضبوطی اور صدق سے کہ مدینہ کی طرح مکہ میں کوئی منافق نہیں تھا۔ اور نہ ہی مکہ والوں میں سے کوئی شخص اس بغاوت میں شامل ہوا تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے بعد وقوع میں آئی تھی۔

ہم اپنے ناظرین کو مذکورہ بالا واقعات پر غور کرنے کیلئے یہیں چھوڑتے ہیں اور انشاء اللہ اگلے پرچہ میں بشرط زندگی اپنے پیارے نبی ہاں خدا کے حبیب علیہ الف الف سلام کے ایک عظیم الشان معجزہ کا ذکر کرینگے ؎

اسرائیل کی گمشدہ بھیڑیں

اس رسالہ میں اکثر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ افغان اور کشمیری دراصل بنی اسرائیل کی گمگشتہ اقوام میں سے ہیں۔ ہمارے ناظرین میں سے جو صاحب اس بارہ میں ہماری دلائل کو ملاحظہ کرنا چاہیں وہ ریویو اردو انگریزی بابت ماہ جون ۱۹۰۲ء پڑھ لیں۔ بنی اسرائیل کی ان قوموں کا مشرق میں موجود ہونا ہی ہمارے اس دعوی کی تائید کرتا ہے کہ یسوع مسیح کا مقبرہ کشمیر سری نگر محلہ خانیار میں ہے۔ بنی اسرائیل کی سب قوموں کو مسیحؑ کے نزول کا وعدہ دیا گیا تھا اسلیئے وہ اسرائیلی قومیں جو مشرق میں رہتی تھیں مسیحؑ کے دیدار کی ویسی ہی بھوکی اور مستحق تھیں جیساکہ شام میں رہنے والے بنی اسرائیل تھے بلکہ یوں کہو کہ اول الذکر کا استحقاق آخر الذکر کی نسبت بہت زیادہ تھا۔ کیونکہ وہ دس قوموں کے جانشین تھے اور یہ صرف دو قبیلے تھے۔ حضرت مسیحؑ نے تو فرمایا تھا کہ "میں اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا" متی ۱۵-۲۴۔ پس اگر آپ اپنی نگرانی انہی بھیڑوں تک محدود رکھتے جو ملک شام میں آباد تھیں اور گلے کے اس بڑے حصہ کا قطعاً خیال نہ کرتے جو دوسرے ممالک کی طرف چلا گیا تھا جسکی نسبت زیادہ خطرہ تھا کہ کہیں اسے بھیڑیے نہ کھا جائیں

تو یہ کیونکر کہا جاسکتا کہ آپ نے اپنے فرض کو ادا کیا۔ پس ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب کی لعنتی موت سے بچکر اور اپنے شام کے اکثر شاگردوں کو الوداعی سلام دیکر اُن بھیڑوں کی تلاش میں روانہ ہوئے جو اپنے اصل وطن سے دُور نکل گئی تھیں۔ خدائی ہاتھ نے اُن کی رہنمائی کی اور آخر اُنکو وہ کھوئی ہوئی بھیڑیں مل گئیں یعنی حضرت مسیح علیہ السلام مشرقی اسرائیلیوں کے پاس پہنچ گئے جسکا یہ ثبوت ہے کہ ابتک ان مشرقی اسرائیلیوں یعنی کشمیریوں کے درمیان ایک مقبرہ موجود ہے جسکی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کی قبر ہے جو کہ ۱۹۰۰ برس کا عرصہ ہوا ایک مغربی ملک سے ادھر تشریف لائے تھے۔ اگر کوئی دریافت کرے کہ اس نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کے متعلق کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی یسوع ناصری ہیں تو ہمارے وہ دلائل ملاحظہ کرے جو اس میگزین میں وقتاً فوقتاً ذکر کیے گئے ہیں۔

البتہ یہاں ہم ایک اور شہادت پیش کرتے ہیں جو ہمارے دعاوی کی تائید کرتی ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان اور کشمیری بنی اسرائیل میں سے ہیں۔ یہ شہادت کوئی لفظی یا کتابی نہیں بلکہ ایک زندہ شہادت ہے یعنی ہندوستان کے ساحل پر ایک قوم رہتی ہے جو اپنے تئیں بنی اسرائیل میں سے بتاتے ہیں وہ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مذہب کی پیروی کا ادعا رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ عرب۔ شام یا کسی مغربی ملک سے نہیں آئے بلکہ شمال کی طرف سے آئے تھے اور وہ شمالی ملک ظاہر ہے کہ سوائے کشمیر اور افغانستان کے اور کوئی نہیں ہوسکتا جس سے بنی اسرائیل کا کوئی تعلق ہو۔ اسطرح ہمکو بنی اسرائیل کی گم گشتہ اقوام کے ایک ایسے جزو کا پتہ چلتا ہے جنہوں نے ابھی تک اپنے دوسرے بھائیوں یعنی افغانوں اور کشمیریوں کی طرح اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا بلکہ تاحال پُرانے عبرانی مذہب کے کچھ نہ کچھ حصے پر قائم چلے جاتے ہیں اور بڑی شدّومد سے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم بنی اسرائیل کے ایک بہت قدیمی کنبہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ عجیب وغریب لوگ ساحل مالابار پر آباد ہیں اور انہیں سے ایک صاحب نے ریویو میں کشمیریوں اور افغانوں کے متعلق مضمون پڑھکر از راہ مہربانی ہمارے پاس ایک کتاب بھیجی ہے جسمیں ان لوگوں کے حالات درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف

ادارا ما طبع نبی

ایک ہندوستانی پادری صاحب ہیں۔ اور اس کا نام ہے "یہود ہندوستان و مشرق بعید"
احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کی آبادی تخمیناً دس ہزار ہے یہ لوگ ابتدا میں سیدھے سادھے
دیہاتی آدمیوں کی طرح تھے اور بمبئی کے جنوب مشرقی علاقہ جات میں مختلف جگہ آباد ہو گئے
تھے ان کا خاص پیشہ تیل نکالنا تھا جس سے انکا نام شنوار تیلی یا سنیچر وار کے تیلی پڑ گیا۔
یعنی وہ تیلی جو سنیچر یعنی ہفتہ کے دن کو متبرک سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ تیل نکالنے کے علاوہ
اور اور کام بھی کرتے تھے اور انہیں سے بہت کھیتی باڑی دکانداری۔ دست کاری خصوصاً
بڑھئی کا کام وغیرہ کرتے تھے چنانچہ اب تک بھی یہی بعض انہیں سے کام کیئے جاتے
ہیں۔ لیکن انگریزی راج کے آنے سے ان لوگوں پر بھی ایک تغیر واقع ہوا۔ اور چند سال
سے وہ بمبئی احاطہ کے بڑے بڑے شہروں مثلاً پونا۔ تھانہ۔ کراچی۔ احمد آباد اور
دھاردار وغیرہ میں کثرت سے آپہنچے ہیں اور اب بہت تھوڑے آدمی اپنے پرانے
دیہاتی گھروں میں پائے جاتے ہیں جو ملتے ہیں وہ برابر وہی پرانا کام کرتے ہیں۔
ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانہ میں بہت سے بہادر سپاہی اس قوم میں سے بھرتی کیئے گئے
تھے۔ میسور کی دوسری لڑائی میں جو ۱۷۸۰ء سے ۱۷۸۴ء تک رہی چند بنی اسرائیل جو
کمپنی کے ملازم تھے سلطان ٹیپو کی فوج کے ہاتھ قید ہو گئے لیکن سلطان کی والدہ کو
جب انکا بنی اسرائیل ہونا معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ "ان لوگوں پر رحم
کرو کیونکہ قرآن کریم میں بنی اسرائیل کا بہت ذکر ہے اور ہندوستان میں اس سے پہلے
ان لوگوں کو دیکھنے کا مجھے موقعہ نہیں ملا" پس سلطان نے ان قیدیوں کو رہا کر دیا۔
جب سے ان لوگوں کی نسبت اہل یوروپ کو توجہ ہوئی ہے اُسی وقت سے یہ برابر اس امر
کی کوشش کر رہے ہیں کہ انکو یہودی کے نام سے نہ پکارا جائے بلکہ بنی اسرائیل کے صحیح اور
اصلی نام سے پکارا جائے۔ ہمیں اپنے ناظرین کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں کہ بنی اسرائیل
عبرانی لفظ ہے اور اسکے معنے اسرائیل (یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور بروئے
تاریخ بنی اسرائیل کا لفظ یہود کے لفظ کی نسبت پرانا ہے پس اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا
ہے کہ یہ لوگ ان دو قوموں میں سے نہیں جو عموماً یہودی کہلاتی ہیں بلکہ ان دس قوموں میں

سے کسی ایک کی شاخ ہیں جو گم گشتہ تھیں اور جنکو یسوع مسیح نے کھوئی ہوئی بھیڑوں سے تعبیر کیا تھا۔

ان بمبئی والے بنی اسرائیل میں اب تو پرانے عہد نامہ کے قریبًا تمام نام مروج ہیں لیکن کہتے ہیں کہ قبل ازیں مردوں میں یہوداہ اور عورتوں میں آستر کا نام نہیں رکھا جاتا تھا حالانکہ آجکل کے یہودیوں میں یہی دو نام عمومًا بڑے فخر سے اور کثرت کے ساتھ رکھے جاتے ہیں۔ البتہ جو نام ان لوگوں میں کثرت سے رکھا جاتا تھا وہ روبنؔ تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ اسرائیلی ناموں میں کسی قدر تغیر کرکے انکو ہندی ناموں کے مشابہ بنا دیا گیا ہے جنکی چند مثالیں ذیل میں دیجاتی ہیں۔ بیناجی (بن یامین) موسٰی جی (موسٰی) آباجی (ابراہیم) ہاروجی (ہارون) داؤد جی (داؤد) اسوب جی (یوسف) الیوجی (الیاس) وغیرہ اگرچہ ان ہندی ناموں کو اب ترک کیا جارہا ہے تاہم دیہات میں عمومًا ابھی تک بدستور یہی نام ہیں۔ کہتے ہیں کہ علاوہ انکے بعض خالص ہندی نام بھی تھے جو مردوں اور عورتوں میں برابر رکھے جاتے تھے۔

چونکہ امتداد زمانہ اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہتا اور جیسا دیس ویسا ہی بھیس ہوتا ہے اسلئے افغانوں اور کشمیریوں کی طرح بمبئی کے بنی اسرائیل نے بھی نہ صرف اپنے پرانے رسوم کو فراموش کیا ہے بلکہ مذہب سے بھی ناواقف ہوگئے ہیں۔ انکو افغانوں و کشمیریوں کی طرح عبرانی زبان بھی بھول گئی ہے اگر یاد رہا ہے تو صرف ایک خاص کلمہ ہے۔ جب پہلے پہل اہل یوروپ کو انکی خبر ملی تھی تو انکی حالت یہانتک پہنچ گئی تھی کہ اگر چند ایک صریح اور بدیہی شہادتیں نہ ہوتیں تو یہ معلوم کرنا ہی مشکل ہوتا کہ یہ لوگ بنی اسرائیل کی گم گشتہ اقوام کی ایک چھوٹی سی شاخ ہیں۔ جن شہادتوں نے یوروپین محققین کو اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ یہ لوگ بنی اسرائیل میں سے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

اوّل۔ وہ ختنہ کراتے اور اس رسم کو بچپن میں بجالاتے۔

دوم۔ ہفتہ کا دن انکے ہاں مقدس دن ہوتا۔

سوم۔ اگرچہ انکے پاس کوئی عبرانی صحیفہ یا کسی قسم کی کتاب نہ تھی تاہم انکو یہودی کلمہ

ؔ روبن حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ منہ

شمعہ یسرائیل یاد تھا جسکے معنے یہ ہیں اے اسرائیل سُن! خداوند ہمارا خدا واحد ہے۔
چونکہ ان لوگوں کو اور کسی قسم کے عبادت کے کلمات یاد نہیں رہے تھے اسلیئے روزہ
عید۔ پیدائیش۔ شادی اور غم غرض ہر موقعہ پر وہ یہی کلمہ بار بار پڑھ لیتے۔
چہارم۔ افغانوں کی طرح لمبی لمبی زلفیں چھوڑتے جس کا اسرائیلیوں میں رواج تھا
احبار ۱۹۔ ۲۷۔
پنجم۔ اُنہیں پُشت در پُشت یہ روایت چلی آتی تھی کہ وہ بنی اسرائیل میں سے ہیں۔
ششم۔ وہ اُس نس کو جو ران میں بھیتر وار ہے نہیں کھاتے جسکا ذکر پیدائیش
باب ۳۲۔ درس ۳۲ میں ہے ایسا ہی سوٗر کا کھانا اُنہیں بڑا عیب سمجھا جاتا ہے۔
اگرچہ یہی شہادتیں ہر ایک شک کے رفع کرنیکے لیئے کافی نہیں تاہم اُنکے علاوہ یہ بھی
معلوم ہوا کہ وہ اُن ایام کے روزہ بھی رکھتے تھے اور بعض وہ تہوار بھی مناتے تھے جو
عبرانی شریعت نے مقرر کیئے تھے۔ گو اجنبی ملک میں آئے ہوئے انکو ایک بڑا عرصہ ہوگیا
تھا تاہم وہ اپنی بعض قومی رسومات کو ادا کرتے تھے البتہ ان کا طرز ادا نرالا تھا۔
رسومات مذہبی سے کماحقہ واقفی نہ ہونیکی وجہ اسکے سوا اور کوئی نہیں معلوم ہوتی
کہ وہ زمانہ نہایت قدیم زمانہ تھا جب اُنکے بزرگوں نے اپنے وطن کو چھوڑا تھا۔ بہتسے ماہر
محققین کا خیال ہے کہ ان بنی اسرائیل کے رسوم و عادات مشنائی* زمانہ کے مطابق ہیں
جو لوگ مشنائی زمانہ کے رسوم و عادات سے واقف نہ ہوں وہ ان بنی اسرائیل کو کفر کے
افعال کا مرتکب سمجھیں گے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل کے رسوم و
رواج میں بعض ایسی رسوم بھی موجود ہیں جو وقتاً فوقتاً بیرونی یہودیوں نے آکر داخل
کرائی ہیں۔ جو رسومات بعد میں داخل ہوئی ہیں اُنکے تو ہندوستانی نام ہیں لیکن
جو پرانی ہیں اُنکے مرہٹی نام ہیں کیونکہ بنی اسرائیل مرہٹوں کے مُلک میں رہنے کے
سبب مرہٹی زبان ہی بولتے ہیں۔ جس کتاب کا ہم نے اوپر حوالہ دیا ہے اسکا مصنف

---

* مشنا و طالمود یہود کی متبرک کتابیں ہیں۔ منہ

بنی اسرائیل کی پانچ ایسی رسوم بیان کرتا ہے جنکو ہر جگہ کے یہودی مناتے ہیں۔ اور بمبئی کے بنی اسرائیل میں نہ صرف وہ پُرانی مذہبی رسوم پائی جاتی ہیں جو یہودی ہر جگہ مناتے ہیں بلکہ ان میں ایسی رسوم بھی موجود ہیں جنکا زمانہ حال کے یہود میں قطعاً رواج نہیں ہاں پُرانے عہدنامہ کے قدیم زمانہ میں انکا ضرور پتہ چلتا ہے۔ اور اس طرح یہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہندی بنی اسرائیل کسی ایسی قوم کی شاخ ہیں جو نہایت قدیم زمانہ میں گھر سے نکلی تھی۔ ذیل میں ہم چند ایک رسومات درج کرتے ہیں جنکا بمبئی کے بنی اسرائیلوں میں تو رواج ہے لیکن طالمودی یہودیوں کو قطعاً انکا علم تک نہیں اور وہ یہ ہیں (۱) لوبان کا استعمال۔ نذیر کی منت مندرجہ گنتی ۶-۱۸ اسبجا۔ مالیدہ۔ بکری کے جگر وغیرہ کا استعمال برکت کا جام اور سلامتی کا بوسہ۔ چونکہ عام یہودیوں نے بار بار بنی اسرائیل کو توجہ دلائی تھی کہ لوبان کا استعمال چھوڑ دیں کیونکہ یہ غیر یہودی رسم ہے اسلیئے اب اس رسم کو ترک کر دیا گیا ہے گو انہوں نے تو موجودہ یہودیوں کے کہنے سے اس رسم کو ترک کر دیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک اور قدیم شاخ کے آدمی کثرت سے مذہبی رسم کے طور پر خوشبو کا استعمال کرتے تھے اس قدیم شاخ سے ہماری مراد چین کے یہودی ہیں جنکی بقیہ تعداد تاحال کائی فنگ فو میں موجود ہے۔ انکے متعلق بھی ایک نہایت عجیب بات بیان کیجاتی ہے وہ یہ کہ ان چینی یہودیوں کے بزرگ ملک چین میں مغرب کی طرف سے داخل ہوئے تھے۔ اب ایک طرف بمبئی کے یہودی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بزرگ شمال کیطرف سے آئے تھے اور دوسری طرف چینی یہودیوں کا قول ہے کہ انکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے۔ ان چینیوں اور بمبئی والوں کے اقوال کے ساتھ ہی جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بمبئی سے شمال اور چین سے مغرب کی طرف ملک افغانستان و کشمیر واقع ہیں اور افغانستان کے باشندے بڑے زور سے بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور اسمیں کلام بھی نہیں کہ انکے اس دعویٰ کے ثبوت میں بہت سی شہادتیں پیش کیجا سکتی ہیں لیکن جو بہت بڑی شہادت انکے اسرائیلی الاصل ہونیکی ملتی ہے وہ نہ تو بمبئی کے بنی اسرائیل اور نہ ہی چین کے یہود میں پائی جاتی ہے بلکہ اگر یہ کہیں تو بے محل ہوگا

کردستان کے یہودی بھی جنکا ذکر مذکورہ بالا کتاب میں کیا گیا ہے ایسی شہادت پیش کرسکیں گے اس شہادت سے ہماری مراد یہ ہے کہ افغانوں کے بہت سے قصبات و شہر اُنہی ناموں کے ہیں جنکا بیان پُرانے عہد نامہ میں ہے اور جو شام کے قدیمی شہر تھے اور تو اور خود دارالسلطنت افغانستان بھی ایک قدیم شامی شہر کے نام پر ہے جو اسلاطین باب ۹۔ ۱۳ میں مذکور ہے اور وہ عبارت اس طرح پر ہے " اور بولا اے میرے بھائی یہ کیا شہر ہیں جو تُو نے مجھے دیئے اور اُس نے اُنکا نام کابول کا ملک رکھا جو آج کے دن تک ہے" ہمارے ناظرین قدیم شام کے نقشہ پر نظر ڈالیں تو اُسکے عرض البلد شمالی درجہ ۳ دقیقہ ۵۱ اور طول البلد مشرقی درجہ ۳۵ دقیقہ ۱۲ پر کابُل کا نام ملیگا۔ غرض اس امر کے بڑے بڑے ثبوت موجود ہیں کہ افغان اور کشمیری اسرائیلی الاصل ہیں۔ عیسائی مشنری صاحبان کو اگر دو باتیں مانع نہ ہوتیں تو وہ اس امر کا ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کرتے کہ افغان اور کشمیری دراصل اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں۔ پہلی بات جو عیسائی واعظ کو حق کے اظہار سے روکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے مذہب اسلام قبول کرلیا ہے اور یہ مذہب ایسا ہے کہ پادری صاحبان اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے دوسری بات یہ ہے کہ اگر افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی الاصل مان لیں تو پھر مشرقی ممالک میں اسقدر اسرائیلیوں کی موجودگی اس امر کے ماننے پر مجبور کریگی کہ مسیح صلیب کی موت سے بچکر کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں نکلے تھے اور کشمیر میں جو نبی صاحب یا عیسیٰ صاحب کا قدیم مقبرہ ہے وہ دراصل حضرت مسیح علیہ السلام ہی کی قبر ہے۔ گویا افغانوں اور کشمیریوں کو اسرائیلی ماننا عیسائیت کی موت ہے۔

بمبئی کے بنی اسرائیل کی پُشت در پُشت روایت کہ اُنکے آباواجداد شمالی علاقہ جات سے آئے تھے اور چین کے اسرائیلیوں کا یہ کہنا کہ اُنکے بزرگ مغرب کی طرف سے چین میں داخل ہوئے تھے یہ ہر دو امر اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ یہ لوگ اس بڑی اسرائیلی قوم کی شاخیں ہیں جو کہ افغانستان و کشمیر میں آباد ہے معلوم ہوتا ہے کہ گم گشتہ اسرائیلی اقوام کے بڑے حصے نے جب یہ دیکھا کہ افغانستان و کشمیر اُنکے اصل وطن شام کے زرخیزی آب و ہوا و

پیداوار کے لحاظ سے مشابہت رکھتے ہیں تو وہ وہیں آباد ہوگئے۔

احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل کے خط دخال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسرائیلی الاصل ہیں اور محققین کا خیال ہے کہ کسی وقت ہندوستانی و اسرائیلی خون میں باہم ملاپ ہوگیا ہے لیکن جہاں پر قیافہ دان یہ کہتے ہیں کہ انہیں دوغلا پن ہے وہیں یہ بھی مسلمہ امر مانتے ہیں کہ وے اسرائیلی النسل ہیں اور انہیں یہودی خون کا اثر ہے۔ یہ میل اور دوغلا پن جو کچھ بھی ہوا پہلے پہلے ہوچکا اب عرصہ بعید سے قطعاً کسی قسم کا خلط ملط واقع نہیں ہوا ہے بلکہ اب تو وہ لوگ ایسے تعلقات کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جہاں کہیں ایسا تعلق ہوکر کوئی اولاد ہو جائے تو ایسی اولاد کو وہ خارج از قوم سمجھتے ہیں۔ اُنہیں ایک ایسی جماعت ہے جنکو وہ 'کالا' اسرائیلی کہتے ہیں۔ کالا لفظ سے یہ مراد نہیں کہ اُنکے رنگ سیاہ ہوتے ہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اسرائیلی باپ اور سیاہ ہندوستانی ماؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔ جس کتاب سے ہمنے مذکورہ بالا واقعات لیئے ہیں اُس کا مصنف ایک جگہ لکھتا ہے۔ کہ

"راقم الحروف اُس شہادت سے پورا اتفاق رکھتا ہے جو ایک واقفکار یعنی ڈبلیو۔ ایف سنکلئر آنجہانی سابق سول افسر بمبئی نے دی تھی۔ صاحب موصوف ایک تجربہ کار افسر ضلع تھے۔ ایکدفعہ اُنہوں نے مجھے لکھا کہ 'میری رائے میں بنی اسرائیل اور کالا اسرائیلی ہر دو کے بشرہ سے برابر عبرانی وضع قطع ٹپکتی ہے۔ اور یہ بھی رقم فرمایا تھا کہ' بائیس سال کے عرصہ میں ایک دفعہ کے سوا مجھے کوئی ایسا موقعہ یاد نہیں جب بنی اسرائیل کے کسی شخص کو پہچاننے میں مجھے دقت ہوئی ہو"

عیسائیوں کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ یہ بمبئی کے بنی اسرائیل مسیح سے کم از کم دو صد سال پہلے ہندوستان میں آباد ہوچکے تھے چنانچہ مسٹر میکن سیموئیل کیہ ہمکار جس نے 'بنی اسرائیل کی تاریخ کا خلاصہ' نام کتاب لکھی ہے اپنی کتاب میں اس طرح تحریر فرماتی ہیں "عید حنکا جو ۱۶۵ قبل مسیح جاری ہوئی اور دوسری ہیکل کی تباہی سے بے خبر ہونا۔ مثنا کے زمانہ کی رسومات و رواج کا پابند ہونا۔ عبادت کے وقت لوبان جلانا وغیرہ وغیرہ امور سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے بزرگ سنہ عیسوی سے دو سو سال قبل ہندوستان

میں آئے ہونگے"۔

بمبئی کے بنی اسرائیل کے علاوہ علاقہ مالا بار میں ایک اور یہودیوں کی شاخ رہتی ہے۔ جنکی تعداد ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے بموجب ۱۲۷ ہے۔ اُنکا بیان ہے کہ وہ "پہلی اسیری" کے وقت سے اصل قوم سے علیحدہ ہو چکے ہوئے ہیں اگرچہ اُنکو عبرانی کا کچھ علم ہے مگر بولتے دکن کی ملیالم زبان ہیں۔ اہل یورپ نے اُنکے دو حصے کئے ہیں یعنی سفید یہودی اور سیاہ یہودی۔ یہ سیاہ یہودی اگرچہ کسی قدر سیاہی مائل رنگ کے ہیں لیکن اُنکا رنگ اسقدر سیاہ نہیں جیسا کہ کئی ہندوستانیوں کا ہوتا ہے۔ ان سیاہ یہودیوں کی پھر دو جماعتیں ہیں۔ ایک کو میک ہے سیّم یا بعض اوقات بھورے یہودی کہا جاتا ہے یہ لوگ اصل اسرائیل آبادکاروں کی نسل سے ہیں اور دوسری جماعت کو غیر میک ہے سیّم کہا جاتا ہے یہ لوگ دوغلے ہیں۔ کتاب مسمّی بہ "یہود ہندوستان و مشرق بعیدہ میں" کے مصنف کی رائے میں سفید یہودی بعد کے آئے ہوئے اسرائیلی ہیں۔ اسی کتاب کے مصنف کا خیال ہے کہ احاطہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور مالا بار کے یہودی دراصل ایک ہی شاخ ہیں صرف کچھ دیر اکٹھے رہ کر باہم جدا ہو گئے ہیں۔

بمبئی کے بنی اسرائیل اور دوسرے اسرائیلی ہندوستان میں کیونکر آئے اسکے متعلق چار مختلف خیالات ہیں۔

(۱) بعض کا خیال ہے کہ ہندوستانی اسرائیل یمن کے یہود کی ایک شاخ ہیں۔ مگر یہ خیال غلط ہے کیونکہ پہلے تو یمن کے یہودی قریباً تمام کے تمام عرب ہیں جنہوں نے سنہ ۳۰۰ء میں یہودیت کو قبول کیا تھا۔ دوسرے۔ اگر یہی سچ ہوتا تو جیسا کہ مسٹر ہیم سیموئیل کمکار فرماتے ہیں ضرور کوئی نہ کوئی ایسا نشان ملتا جو ہندوستانی و یمنی یہودیوں کے باہم تعلقات و ہمدردی وغیرہ کا اظہار کرتا۔ سوئم۔ ایسی شہادتیں ملتی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی اسرائیلی سواحل ہند پر یمن کے یہودیوں کے وجود سے بھی پہلے آباد ہو چکے تھے۔ ہندوستانی بنی اسرائیل کے رسومات و تہوار طالمود کے زمانہ سے پہلے کے ہیں۔ چہارم۔ ہندوستانی بنی اسرائیل کی پشتینی روایت یہ بتلاتی ہے کہ وہ شمالی علاقہ جات سے آئے تھے لیکن یمن مغرب

کی طرف واقع ہے۔

(۲) مسٹر ہیم کے خیال میں وہ براہ راست فلسطین سے آئے تھے اور شمالی علاقجات ہی اُنکی مُراد وہ یہودی صوبے ہیں جو مسیح سے پہلے ملک فلسطین کے اندر گلیل کے شمالی حصّوں میں قائم ہو گئے تھے۔ اس خیال کے متعلق ہمارا مصنف یعنی اُس کتاب کا مصنف جسکا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ "صحیح بات یہ ہے کہ ہم اپنے قابل ادب اور معزز مصنف کی اس بات کا ہرگز ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ (بمبئی کے بنی اسرائیل) کی روایت سے فلسطین کے شمالی صوبجات مراد ہیں"۔

(۳) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ عراق کے یہود کی اولاد ہیں جو خلیج فارس کے راستہ ہندوستان کو آئی تھے کیونکہ سنہ ۱۶۰ء میں خلیج فارس اور ہندوستان کے درمیان بڑے بڑے تجارتی تعلقات تھے۔ یہ خیال بھی مفصلہ ذیل وجوہات سے ناقابل تسلیم ہے۔ اوّل۔ ہندوستان کے اسرائیلی سنہ ۱۶۰ء سے سالہا سال پہلے ہندوستان کے سواحل پر آباد ہو چکے تھے۔ دوم۔ بنی اسرائیل کی روایات کے بموجب اُنکے ہندوستان کو آنیکا سبب تجارت نہیں تھی بلکہ پولٹیکل شکست اور سختیاں تھیں۔ ہمارے مصنف نے اُس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے "وہ (بنی اسرائیل) کہتے ہیں کہ قریباً سولہ سو یا اٹھارہ سو سال کا عرصہ ہوا جب اُنکے بزرگوں کے جہاز سواحل ہند پر غرق ہو گئے۔ وہ شمالی علاقوں کی طرف سے آئے تھے اور اُنکے آنیکی وجہ پولٹیکل شکست و سختیاں تھیں ...... اُنہیں سے صرف ۱۴۔ آدمی سات مرد اور سات عورتیں زندہ بچے اور ایک گاؤں کے پاس (جسکا نام نوا گاؤں ہے) وہ کنارے لگ گئے ...... یہاں پر اُن کو جس قدر ہمراہیوں کی لاشیں کنارے لگی مل سکیں اُنہوں نے وہ دفن کر دیں۔ ایک مدفن کے نزدیک جسمیں بنی اسرائیل کے دو سو مقبرے ہیں۔ دو پشتے ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اُنکے غرق شدہ اسرائیلی بھائیوں کی قبریں ہیں۔

(۴) خود ہمارے مصنف کا خیال ہے کہ ہندوستان کے بنی اسرائیل کے بزرگ ایرانی کردستان کے بنی اسرائیل کی اولاد ہیں لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ اگر یہ مانا جا سکتا ہے کہ کردستان میں

تھوڑے سے بنی اسرائیل رہتے ہیں اور وہ اسرائیل کی گم گشتہ قوموں میں سے ہیں تو پھر اسکی ماننے میں کیا عذر ہوسکتا ہے کہ ایک بڑی بھاری قوم جنکو بنی اسرائیل ہونیکا دعویٰ بھی ہے اور افغانستان میں آباد ہے وہ بھی اسرائیل کی گم گشتہ قوموں میں سے ہو۔ اسرائیلیوں کی چھوٹی سی جماعت کا ایران میں موجود ہونا اس امر کی ہرگز دلیل نہیں ہوسکتا کہ ہندوستانی بنی اسرائیل مذکورہ جماعت کی شاخ ہیں۔ اگر ہم ہندوستان کے بنی اسرائیلیوں کی متواتر روایت کو صحیح مانیں تو سوائے اسکے ہم اور کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے کہ وہ افغانستان سے آئے تھے کیونکہ بمبئی اور مالابار کے ٹھیک شمال میں اگر کوئی ملک ہوسکتا ہے تو صرف افغانستان ہے جہاں اسرائیلیوں کا پتہ چلتا ہے۔

اگرچہ ہمارے مصنف صاحب کا خیال ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل اور ہندوستان کے دوسرے اسرائیلی سب کے سب ایرانی بنی اسرائیل کی شاخ ہیں لیکن وہ اس خیال پر زور نہیں دیتے اور نہ ہی خود کوئی فیصلہ کرتے ہیں بلکہ وہ اس معاملہ کو ناظرین کی رائے پر چھوڑتے ہیں جو مختلف صورتیں اُنہوں نے پیش کی ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وجن شمالی علاقوں کا بنی اسرائیل کی روایات میں ذکر ہے وہ افغانستان اور کشمیر ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں "یہ خیال کہ شاید بنی اسرائیل افغانستان و بلوچستان سے جنوب کی طرف آئے ہوں بالکل نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسٹر اے۔ سلیمان نے لاڑکانہ علاقہ سندھ سے جوئش کرانیکل نام اخبار کو ایک خط لکھا تھا جو اخبار مذکور نے ۲۹ اگست سنہ ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں شائع کیا تھا (دیکھو صفحہ ۲۰ اخبار مذکور) اس خط میں صاحب موصوف نے ایک کتاب کے بعض حوالے دیئے ہیں جسکے مصنف کوئی صاحب شیخ صادق علی نام ہیں۔ شیخ صادق علی صاحب کی رائے میں انصاری۔ افغان یا پٹھان اور بیرابوئی سب یہودی یا بنی اسرائیل ہیں۔ مسٹر سلیمان کا بیان ہے کہ بمبئی کے بنی اسرائیل کو ان اقوام سے بلحاظ شکل و شباہت اور خط و خال کے بہت کچھ مشابہت ہے چنانچہ اُنکے کانوں پر زلفیں لٹکی رہتی ہیں جسکا ہندوستانی اور بغدادی۔ بنی اسرائیل میں عام رواج ہے۔ ان لوگوں کے چہرہ سے صاف اسرائیلیت ٹپکتی ہے اگر اُنسے کوئی کہے کہ میں بنی اسرائیل میں سے ہوں

تو وہ اُسی طرح ملتے ہیں گو یا وہ خود اُنکا اپنا آدمی ہے۔"

ہماری مصنف صاحب یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ مسٹر سلیمان نے جیوئش کرانیکل میں ایک واقعہ درج کرایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ایکدفعہ مسٹر موصوف کی کسی مسلمان نے دعوت کی جب وہ دعوت کھانیکے لیئے اپنے میزبان کے گھر گئے تو دسترخوان پر میٹھی روٹی۔ اور بکری کا جگر تھا اور خوشبو تیار کی گئی تھی علاوہ ازیں گھر والوں نے اپنے مہمان کو ایک عبرانی دعاؤں کی کتاب بھی دکھائی اگرچہ مسٹر سلیمان نے بار بار درخواست کی کہ یہ کتاب اُنکو دیدیجائے لیکن انکے میزبان نے اس کتاب کے دینے سے انکار کر دیا۔ مسٹر۔ اے۔ کے جانسٹن صاحب اپنی کتاب ڈکشنری آف جاگرفی میں افغانوں کے متعلق ذیل کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔

"جب نادرشاہ پشاور پہنچا تو یوسف زئی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے شاہ موصوف کیخدمت میں ایک عبرانی تورات اور چند ایسی دیگر اشیاء پیش کیں جو وہ اپنی قدیم پرستش میں استعمال کیا کرتے تھے اور جو انہوں نے اُس وقت سے محفوظ رکھی ہوئی تھیں ان اشیاء کو یہودیوں نے جو فوج کے ہمراہ تھے فوراً پہچان لیا۔"

پادری ٹی۔ ایچ لارڈ صاحب جنکی کتاب کی بنا پر ہم نے یہ مضمون لکھا ہے اس بات کو تسلیم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی شمالی علاقہ جات سے آنیکی روایت صحیح ہے اور اسکی صحت یوں ہو سکتی ہے کہ بنی اسرائیل یا تو خود افغانستان سے ہی آئے ہونگے یا افغانستان اور بلوچستان کے راستہ سے آئے ہونگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب کو افغانوں اور کشمیریوں کے بنی اسرائیل ہونیکے دلایل سے پوری واقفیت نہیں تھی ورنہ وہ اس سوال کو بلا فیصل کیئے نہ چھوڑتے۔ بنی اسرائیل کی روایت سے یہ بات تو بالکل حل ہو جاتی ہے کہ اُنکے ہندوستان میں آنیکی وجہ تجارت نہ تھی بلکہ پولیٹیکل تباہی اور سختیاں تھیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شمالی علاقوں میں ایک عرصہ تک رہے تھے اور وہاں مستقل طور پر آباد بھی ہو گئے تھے لیکن پولیٹیکل تباہی اور سختیوں نے اُنکو مجبور کیا کہ ان ملکوں کو چھوڑیں اور نیا گھر تلاش کریں۔

ریویو

باوانانک رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری جس میں باوا صاحب موصوف کے مفصل حالات اور انکی تعلیم اور توحید و معرفت الٰہی کے دلچسپ مضامین درج ہیں حال ہی میں اخبار نور کے لائق ایڈیٹر شیخ محمد یوسف صاحب سابق سوہن سنگھ نے تالیف کر کے شائع کی ہے۔ اس زمانہ میں جو جو امور خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری زمانہ کے موعود حضرت مسیح موعود علی انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ منکشف کئے ہیں ان میں حضرت باوا صاحب کا مسلمان ہونا بھی ہے اسلیئے ایسے بزرگ کی لائیف کا پڑھنا خالی از دلچسپی نہوگا خصوصاً جب وہ ایسے شخص کی تصنیف ہو جو سکھ مذہب کے حالات سے گہری واقفیت رکھتا ہو۔ جو صاحبان اخبار نور کے خریدار ہیں۔ وہ شیخ صاحب کے زور قلم اور قوت بیان سے بخوبی آگاہ ہونگے۔ یہ کتاب ۱۶۰ صفحہ پر ختم ہوتی ہے اور ایڈیٹر نور قادیان سے مل سکتی ہے۔ قیمت ۸ر

رسالہ کفارہ ۔ اصل میں یہ ایک تقریر تھی جو حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر نے لاہور میں عیسائیوں کے مقابل اسلامی لیکچروں کے سلسلہ میں بیان فرمائی تھی یہ تقریر نہایت مقبول ہوئی اور حاضرین کی درخواست کے بموجب اسکو ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا گیا ہے عقلی اور نقلی دلائل سے کفارہ کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اور نجات کی فلاسفی بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ حقیقی نجات کی راہ اسلام ہی ہے۔ تقریر شروع سے آخر تک فاضل مصنف کی طبعی ظرافت سے رنگی ہوئی ہے۔ اور اسکو پڑھتے ہوئے عیسائیوں کی بے وقوفی پر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح نے اس مضمون کو بہت پسند فرمایا ہے۔ یہ ۴۴ صفحہ کا رسالہ ہے اور دفتر بدر قادیان سے مل سکتا ہے۔

اسرار شریعت جلد اوّل :۔ آجکل کے بعض معترضین کی عادت ہے کہ وہ ہر ایک امر کیلیئے عقلی دلائل مانگتے ہیں۔ اس غرض کو مدنظر رکھکر مولوی محمد فضل خاں صاحب چنگوی نے ایک کتاب اسرار شریعت لکھی ہے۔ جسمیں بہت سے احکام و مسائل کی حکمت و فلاسفی مع حوالہ قرآن مجید و حدیث و اقوال ائمہ دین درج ہے۔ یہ اپنی نوع کی پہلی کتاب ہے جو اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ جو اس کتاب کی وسعت مضامین کا اندازہ کرنا چاہیں وہ فاضل مصنف سے فہرست مضامین مطبوعہ منگا کر دیکھیں۔ کتاب بہت مفید اور دلچسپ ہے ۲۰۰ صفحہ قیمت ۸ر فاضل مصنف سے مندرجہ ذیل پتہ پر مل سکتی ہے۔ مقام و ڈاکخانہ چنگا بنگیال تحصیل گوجرخاں۔ ضلع راولپنڈی۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ مئی سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۵

چندہ سالانہ

عوام سے [illegible] طلبا سے [illegible]

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ مئی سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

اشاعت اسلام نمبر ۱۱

ایک عظیم الشان معجزہ

کوہ صفا پر کا نظارہ ایک ایسا عجیب نظارہ تھا جسکی نظیر عالم کی تاریخ میں مفقود ہے مکہ والے مسلمان ہوئے اور انکا قبول اسلام ہر ایک کی نظر میں تعجب اور حیرت خیز ہے لیکن وہ کیوں مسلمان ہوئے؟ انکے اسلام لانے کا محرک کیا تھا؟ کونسی طاقت تھی جس نے انکے دل تسخیر کیئے تھے؟ کس قوت نے اندر ہی اندر انکو عاجز کر دیا تھا؟ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ اس عظیم الشان معجزہ کا نتیجہ تھا جس کا ظہور فتح مکہ کے دن ہوا۔ خود مکہ کا شہر اسلام کی پیدائش اور بالیدگی کا شاہد تھا۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس سے بیس سال قبل اس شہر میں ایک نبی پیدا ہوا جس نے شہر والوں کے قومی دیوتاؤں کا ابطال کیا اور اہل شہر کو خدائے واحد کی طرف بلایا لیکن اس دعوت کا جواب یہ دیا گیا کہ سارے کا سارا شہر اس نبی کا دشمن ہو گیا اور اس کی کوششوں کو ملیامیٹ کرنیکے لیئے انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا پہلے پہل اس کے

وعظ پر نفرت کا اظہار کیا جاتا اور ہنسی اُڑائی جاتی رہی لیکن جب اُسکی مساعی بارور ہونی شروع ہوئیں اور شہر کے چند آدمیوں نے اُسکی دعوت کو قبول بھی کر لیا۔ تو اُنکی ہنسی اور نفرت سخت دشمنی اور ایذا دہی سے مبدّل ہو گئی۔ اس نبیؐ کے پیرروں کو طرح طرح کی شکنجوں میں کھینچا اور اُسکے مددگاروں کو برادری سے خارج کر دیا گیا۔ آہ یہ کیسا خطرناک زمانہ تھا نومسلموں کی کیسی قابل رحم حالت تھی اور بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کام کیسا عالم مایوسی میں دکھائی دیتا تھا۔ شہر مکّہ کے تمام رؤسا ہاتھ دھوکر اس نئی تحریک کے پیچھے پڑ رہے تھے اُنہوں نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ جسطرح ہو سکے مسلمانوں کو کچل ڈالا جائے اور ان ارادوں کو عمل میں لانیکے لیئے پرلے درجہ کی بیرحمی اور ناخدا ترسی سے کام لے رہے تھے۔ ہر قبیلہ نے اپنی اپنی حدود میں اسلام کو تباہ کرنیکا عزم بالجزم کر لیا تھا اور اسطرح غریب نومسلموں کے لیئے چاروں طرف خوف و ہراس کے اژدہا مُنہ کھولے پڑے تھے جب بیکس مسلمانوں نے دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر ہجرت کرنیکا ارادہ کیا تو ہر طرف سے اُنکا راستہ روکنے کی تجاویز کی گئیں۔ آخر کار جب اُنکی تدبیریں کارگر نہ ہوئیں اور اسلام برابر ترقی کرتا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے اقارب واحباب کو ایک غار میں بند کر کے بیرونی دنیا سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا۔ لیکن کیا اس ایذا دہی نے آنحضرت صلعم کو ہراساں کر دیا؟ کیا اس بیرحمی اور مظالم نے آپکے جوش کو ٹھنڈا یا آپکی ہمت کو پست کر دیا؟ بلکہ اس موقعہ پر تو عجیب پیشگوئیاں بیان کیں اور ڈنکے کی چوٹ سے اعلان کیا کہ دیکھو "میں آخر کار کامیاب ہونگا اور میری دشمن ہلاک اور خائب وخاسر ہونگے"

منصف ناظرین! آپ ایک طرف اُس آتشِ عداوت پر نظر ڈالیں جو مکّہ کے شہر میں بڑے زور سے بھڑک رہی تھی اور جسکے بڑھتے ہوئے شعلے ہر آن اس بات کا کھٹکا دلا رہے تھے کہ مسلمانوں کو جلا کر بھسم کر ڈالیں گے۔ اور دوسری طرف اُن پیشگوئیوں کا ملاحظہ کریں جنکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے اڑے وقت میں اپنے طاقتور اور رجانی دشمنوں یعنی قریش کے متعلق اعلان کیا تھا۔ اور پیشگوئیاں حسب

ذیل ہیں۔

جب آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہؓ کو کمال بیدردی اور بے رحمی سے ایذا دی جا رہی تھی تو خدائے تعالیٰ کا الہام آپ کو یہ وعدہ دے رہا تھا کہ آپ اس ایذا کو صبر سے برداشت کریں کیونکہ خدائے تعالیٰ کی نصرت قریب ہے۔ چنانچہ فرمایا وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (یونس ۱۱) یعنی جو کچھ تجھے وحی کیا جاتا ہے تو اُسی پر کاربند ہو اور خدا کے فیصلہ تک صبر سے کام لے کیونکہ خدائے تعالیٰ سب سے بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ (روم۔۶) یعنی آپ صبر کریں درحقیقت خدائے تعالیٰ (کی نصرت) کا وعدہ سچا ہے۔

جب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو استہزا اور حقارت کی نظر سے دیکھا گیا تو خدائے تعالیٰ نے آپ کو تسکین دی اور فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ (انعام۔۱) اور البتہ تحقیق ٹھٹھا کیا گیا پیغمبروں کے ساتھ تجھ سے پہلے پس گھیر لیا اُن لوگوں کو جو ٹھٹھا کرتے تھے اُن میں سے اُس چیز نے کہ جس سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

پھر جب دشمنوں نے آپ کو جھوٹا کہکر پکارا تو اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرماکر آپکو تسلی دی وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ (انعام۔۴) یعنی البتہ تحقیق جھٹلائے گئے پیغمبر تجھ سے پہلے۔ پس انہوں نے صبر کیا اوپر اُسکے کہ جھٹلائے گئے اور تکلیف دیئے گئے یہانتک کہ آئی اُنکے پاس ہماری مدد اور اللہ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے۔ اور رسولوں کی بعض خبریں تیرے پاس آچکی ہیں

غرض جب دشمن چاروں طرف سے زغہ کرکے طرح طرح کی تکالیف پہنچارہے تھے اسوقت حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مولا کی طرف سے بار بار تسلی وتشفی اور آسمانی نصرت کے وعدے دیئے جاتے تھے جنکی چند مثالیں ذیل میں درج کیجاتی ہیں۔

ا۔ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا
یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہوئے اور انہوں نے گمان کیا تحقیق لوگوں نے انسے جھوٹ بولا آئی انکے پاس ہماری مدد (یوسف۔۱۲)

ب۔ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ۔ (ابراہیم۔۷) یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت ہرگز مت گمان کر وہ وعدوں کو پورا نہیں کریگا جو وہ اپنے رسولوں سے کرتا ہے تحقیق اللہ تعالیٰ غالب ہے اور (رسولوں کے دشمنوں سے) انتقام لینے والا ہے۔

ج۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝۔ (مومن۔۶) تحقیق ہم اپنے پیغمبروں کو اور مومنوں کو دنیا کی زندگی میں بھی مدد دیتے ہیں اور اس دن بھی جبکہ گواہی دینے والے کھڑے ہونگے۔

د۔ وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ اور تحقیق ہمارے بندوں رسولوں کے بارہ میں ہمارا وعدہ پہلے ہو چکا ہے کہ ضرور انہی کو مدد دی جاویگی اور ضرور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا (والصّفّت ۵)

ھ۔ وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝
یعنی البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے رسول انکی قوم کی طرف بھیجے پس آئے انکے پاس کھلے کھلے نشانوں کے ساتھ پس ہم نے ان لوگوں سے جنہوں نے قطع تعلق کیا انتقام لیا اور ہم پر مومنوں کی مدد کرنا لازم ہے (روم۔۵)

و۔ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ۔ (ترجمہ) کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں ہے۔

اس طرح اگرچہ دشمن شب و روز اسی دھن میں لگ رہے تھے کہ جس طرح بن پڑے اسلام کو نیست و نابود کریں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قادر خدا ہر آن آپکو یقین دلاتا تھا کہ دشمنوں کے مقابلہ میں آپکو ایسی ہی آسمانی امداد اور الٰہی نصرت پہنچے گی

جس طرح پہلے نبیوں کو پہنچی تھی اور یہ کہ انجام کار آپ ہی ضرور کامیاب ہوں گے اور دشمنوں کی کوششیں سب کی سب فضول اور بیکار رہیں گی۔ اس آڑے اور بظاہر مایوسی کے وقت میں اُس علیم و قادر خدا کے سوا اور کون تھا جو ایسی تسلی و تشفی دے سکتا۔ جب آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر مکہ میں جینا تک دوبھر ہو رہا تھا ایسے وقت میں اللہ تعالیٰ نے پچھے وقت کے اچھے آنیکی خوشخبری دیدی تھی چنانچہ فرمایا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (انشراح) ترجمہ تحقیق سختی کے ساتھ آسانی ہے۔ ایک اور جگہ بھی ایسا ہی ارشاد ہے وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (ترجمہ) اور البتہ پچھلی حالت تیرے لیئے بہتر ہے پہلی حالت سے (والضحیٰ)

پیارے ناظرین! خدا کے کلام میں جہاں پر آنحضرت صلعم کو تائید الٰہی کی بشارت دیگئی تھی وہیں آپکے خونخوار دشمنوں کو۔ جو اسلام کی تباہی و بربادی میں کوشاں اور مسلمانوں کی بیخکنی کے درپے تھے۔ صاف بتلا دیا گیا تھا کہ انکو اپنی بداعمالیوں کی سزا آیندہ جہان میں تو اپنے وقت پر ملے گی لیکن اسی دنیا میں اُنکے لیئے عذاب الیم کا ذخیرہ موجود ہے۔ اور وہ جلدی اپنے کیفر کردار کو پہنچکر رہیں گے۔ ان دشمنان اسلام کو کھول کھولکر سنا دیا گیا تھا کہ جو راہ تم نے اختیار کی ہے وہ بہت خطرناک اور سخت تباہ کن ہے۔ دیکھو یاد رکھو تمھاری طاقت ٹوٹ کر رہے گی اور انجام کار اسلام کے سر پر ہی کامیابی کا تاج پہنایا جائیگا چنانچہ ذیل میں چند آیات کریمہ درج کیجاتی ہیں جنمیں اس امر کی صاف تصریح کر دیگئی تھی کہ دشمن لاکھ کوششیں کریں ناخنوں تک زور لگائیں مگر آخری فتح ہو گی تو مسلمانوں کی۔ وہ آیات یہ ہیں۔

اوّل۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ (ترجمہ) کہدے (اے محمد) کہ حق آگیا ہے اور باطل گم ہو گیا تحقیق باطل گم ہو جانیوالا ہے (بنی اسرائیل ۹)۔ یہی آیت مجید تھی جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت تلاوت فرمایا تھا جب آپکے ارشاد سے عربوں کے بڑے بڑے بُت کعبہ شریف میں سے گرا کر زمین سے پیوست کیئے جا رہے تھے۔ اس موقعہ پر مذکورہ بالا آیت

کے پڑھنے سے آنحضرت صلعم کا یہ منشا رتھا کہ حاضرین کو وہ پیشگویاں یاد دلائیں جو اسلام کی آخری کامیابی کے متعلق بہت عرصہ پہلے کیگئی تھیں اور جنکا اسی وقت اعلان کیا گیا تھا جب مغرور قریش اسلام کو پاؤں تلے دبا رہے تھے۔

دوم۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ (انبیاء-۲) ترجمہ بلکہ مارتے ہیں ہم حق کو باطل پر اور وہ اسکا سر توڑتا ہے پس ناگہاں وہ فنا ہو جاتا ہے۔

سوم۔ وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ (یونس ۵) ترجمہ۔ اور خبر پوچھتے ہیں تجھ سے کیا سچ ہے وہ کہہ ہاں قسم ہے میرے پروردگار کی تحقیق البتہ وہ حق ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

چہارم۔ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ (نحل ۱۶) اور مت غمگین ہو اُنپر اور مت تنگدل ہو اُنکی تدبیروں سے تحقیق اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور محسنوں کے ساتھ۔

آیات مذکورہ بالا یا انکے ہم معنے دوسری پیشگویاں جو اسلام کی آخری کامیابی اور فتح کی خبر دیتی تھیں خصوصاً اس لیئے قابل توجہ ہیں کہ اُنکا اعلان ایسے وقت ہوا تھا جب معاملات کی صورت ہی دگرگوں تھی اور کوئی ظاہری آنکھ قطعاً انکے پُورا ہونیکی امید نہ کرسکتی تھی اس وقت دشمن اپنے پُورے عروج پر اور مسلمان نہایت ہی قابل رحم حالت میں تھے۔ جسطرح کفار نے دن بدن زیادہ سختی اور ایذا دہی شروع کی اسی طرح خدائی عذاب کے وعید بھی صاف صاف اور سخت الفاظ میں نازل ہونے شروع ہوگئے۔ چنانچہ ذیل کی پیشگویاں ملاحظہ ہوں جو تکلیف زدہ مظلوم نبی نے اپنے تندخو اور غصہ ور ایذا دہندہ دشمنوں کو انکی پوری طاقت کے وقت سنائی تھیں اور وہ ہیں۔ (۱) سَيُصِيبُ الَّذِينَ

اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ
البتہ ان مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت پہنچیگی اور سخت عذاب بسبب اُسکے کہ تھے مکر کرتے (انعام - ۱۵)

(ب) قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ .... لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ٥ (انعام ۸)
ترجمہ - یعنی کہ وہ قادر ہے کہ بھیجے تم پر عذاب تمھارے اوپر سے یا تمھاری پاؤں کے نیچے سے یا ملا دیوے تمکو گروہیں مختلف کرکر اور بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھاوے .... ہر ایک خبر کیلیئے ایک وقت مقرر ہے اور تمھیں جلد ہی ہی خبر ہو جائیگی۔

(ج) اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ٥ ترجمہ - تحقیق جس (عذاب) کا تمھیں وعدہ دیا گیا ہے وہ ضرور آرہا ہے اور تم عاجز نہیں سکو گے۔ (انعام ۱۶)

(د) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ وَاُمْلِيْ لَهُمْ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ٥ ترجمہ - اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو البتہ درجہ بدرجہ کھینچیں گے ہم انکو اس طرح سے کہ انکو خبر نہ ہوگی - البتہ میرا جنگ بڑا مضبوط ہے۔ (اعراف - ۲۳)

(ھ) اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ٥ ترجمہ - ان استہزا کرنیوالوں کیلیئے تیری طرف سے ہم خود ہی کافی ہیں۔ (نحل - ۶)

(و) قُلْ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ٥ (سبا - ۶) کہہ سوائے اسکے نہیں کہ نصیحت کرتا ہوں میں تمکو ایک بات کی یہ کہ کھڑے ہو اللہ کے لیئے دو دو ایک ایک ہوکر پھر فکر کرو۔ تمھارے یار کو کچھ جنون نہیں ہے وہ نہیں ہے مگر

ڈرانیوالا انکو ایک سخت عذاب سے پیشتر۔

ان پیشگوئیوں کی عظمت کا اندازہ صرف اسی وقت لگایا جا سکتا ہے جب ہم اس امر پر غور کریں کہ پیشگوئیوں کے وقت دشمن اپنی پوری طاقت میں تھے اور غریب مسلمانوں کو سر چھپانے کیلئے بھی جگہ نہیں ملتی تھی۔ جب ان آیات کریمہ کا نزول ہوا تھا تو مسلمانوں کی یہ حالت تھی کہ انکو پکڑ پکڑ کر سورج کی جلانیوالی دھوپ میں صحرا کی گرم ریت پر لٹایا جاتا تھا اور بھاری بھاری پتھر انکے سینہ پر رکھے جاتے تھے۔ اس مصیبت میں پیاس کے مارے انکی زبانیں منہ سے باہر نکل پڑتی تھیں۔ اللہ اللہ ایسی بیکسی کا عالم اور تسپر یہ پُرزور پیشگوئیاں بھلا کس بشر کا حوصلہ تھا کہ ایسے بگڑے وقت میں اپنے اچھے انجام کا اندازہ کرتا ہاں یہ اس قادر مطلق خدا کا کام تھا جو عالم الغیب اور ازل و ابد کا علیم ہے اور جس نے اپنا پیارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) شہر مکہ میں مبعوث فرمایا تھا بس صرف اُس کے قبضۂ قدرت میں تھا کہ ظالموں کو مغلوب اور مظلوموں کو غالب کرتا اور آیندہ آنیوالے واقعات کا ایک عرصہ پہلے اعلان کرا دیتا۔

ناظرین! اگر آپ ان پیشگوئیوں کی پوری پوری طاقت کا صحیح صحیح اندازہ لگانا چاہیں تو تھوڑی دیر کیلئے میدان خیال میں قوت متخیلہ کے تیز رو اسپ کو ایڑی لگا کر اُس زمانہ میں پہنچ لیں جب رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہ رضی اللہ عنہم مکہ کے شہر میں ایذا اور تکالیف سے بھری ہوئی زندگی بسر کر رہے تھے اور جب متکبر ابو جہل اور اسکے طاقتور مددگار مکہ کے گلی کوچوں میں مسلمانوں کی تضحیک و تحقیر کر رہے تھے۔ یہاں پہنچکر آپ دیکھیں گے کہ ایک طرف تو مکہ والے اسلام کے تباہ کرنیکے لیئے سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں اور تمام ظاہری سامان بھی اُنکا ہی ساتھ دیتے دکھائی پڑتے ہیں۔ اب دوسری طرف نظر ڈالیں گے تو آپکے سامنے یہ نظارہ ہوگا کہ ایک مظلوم ستم رسیدہ مگر عالی حوصلہ صابر انسان کھڑا ہے اور بڑی جرأت سے ان طاقتور دشمنوں کو للکار للکار کر

کہہ رہا ہے تم کیا اور تمھاری بساط کیا دیکھو میرا خدا مجھے کامیاب کریگا اور تم خائب و خاسر ہو گے۔

ناظرین! جب آپ عالم خیال کے اس عجیب منظر کو دیکھ چکیں پھر انصاف کو مد نظر رکھکر ہمارے اس سوال کا جواب دیں کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خود اپنی یہ طاقت ہو سکتی تھی کہ قریش جیسے جابر دشمنوں کو مفصلہ ذیل کلمات کہتے؟۔ آپکو یقیناً ماننا پڑیگا کہ یہ خدا کا کلام تھا اور اُسکی اعانت اور مدد کے بغیر کس کی مجال تھی کہ ایسے وقت پہ یہ پُرزور الفاظ کہتا۔ جو ان آیات کریمہ میں موجود ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

ا۔ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ٥ (انعام ۱۶) یعنی کہدے (اے نبی) اے میری قوم تم پورے زور سے کوشش کرو۔ تحقیق مَیں بھی اپنا کام کیے جاتا ہوں میں عنقریب تمھیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ فریقین میں سے کون شخص آخر کار کامیاب ہوگا تحقیق ظالم کبھی بامراد نہیں ہوتے۔

ب۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ٥ (یونس۔ ۸) یعنی اُنکو (اپنے دشمنوں کو) نوح (علیہ السلام) کی خبر پڑھکر سُنا کہ جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! اگر میرا رہنا اور سمجھانا تمپر گراں گذرتا ہے تو میرا بھروسہ اللہ ہی پر ہے پس تم اور تمھارے ٹھہرائے ہوئے شریک (سب ملکر) اپنی بات ٹھہرالو پھر تمھاری وہ بات تم میں سے کسی پر مخفی نہ رہے (تاکہ سب اُس تدبیر میں شریک ہو سکیں) پھر جو کچھ تم نے کرنا ہے میرے ساتھ کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو۔

ج۔ حضرت ہود علیہ السلام کی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو سُنایا۔
.... فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ٥ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ

وَرَبِّي وَرَبُّكُمْ (هود - ۵) ترجمہ - پس سب مِلکر تم میرے ساتھ جنگ کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔ میرا بھروسا اللہ تعالیٰ پر ہے جو میرا بھی ربّ ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے۔

د - پھر حضرت شعیب علیہ السلام کے الفاظ میں آپنے اپنی قوم کو سُنایا۔

.... وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ - (هود - ۸) ترجمہ ....

اے میری قوم تم اپنے زور سے کوشش کرو۔ مَیں بھی اپنا کام کرتا ہوں۔ عنقریب تمھیں معلوم ہوجائیگا کہ کس (فریق) پر ذلیل کرنیوالا عذاب آئیگا اور کون جھوٹا ہے۔ تم انتظار کرو۔ مَیں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

ھ - قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ - وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ (انبیاء - ۷) ترجمہ - کہدے تحقیق وحی اُتاری گئی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی ہے۔ پس کیا تم فرمانبردار بنتے ہو یا نہیں اور مَیں نہیں جانتا آیا جو تم وعدہ دیئے گئے ہو وہ قریب ہے یا دُور ہے۔

مذکورہ بالا آیات سب کی سب مکّی ہیں یعنی ان کا نزول مکّہ ہی میں ہوا تھا دیکھیئے ان آیات میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقین اور دلیری کے ساتھ اپنے خونخوار دشمنوں کو چیلنج دیتے ہیں اور اُنکو کھول کھول کر کہتے ہیں کہ تم سے ہماری مخالفت میں جو کچھ ہوسکے اسمیں ڈھیل نہ کرو لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا خدا جس نے آئندہ واقعات کی مجھے خبر دی ہے وہ اسلام کو کامیاب کریگا اور مخالفین ہلاک ہوں گے۔

ناظرین! یہ چونکا دینے والے الفاظ کسی طرح سے ایک بےکس انسان کی بناوٹ نہیں ہوسکتے بلکہ یقیناً یہ اُس قادر مطلق خدا کی طرف سے الہام کیئے گئے تھے جو اسلام کے دشمنوں کو تباہ اور اپنے پیارے نبی کو کفار پر فتحیاب کرنے پر قدرت رکھتا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مشکلات مکہ میں پیش آئیں اور جن حالات کے ماتحت آپکو اپنا کام کرنا پڑا وہ ایسے نہیں تھے کہ انسے کوئی انسان تائید الٰہی کے بغیر عہدہ برآ ہوسکتا یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخر کامیاب ہوئے اور کامیابی بعینہٖ اُسی طرح ہوئی جس طرح مدّت پہلے بتلایا گیا تھا پس اگر کوئی غور کرے تو مذکورہ بالا آیات کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خدا کی طرف سے مبعوث ہونیکا ایک زبردست ثبوت ہے۔ اسلام کے دشمنوں کی نظر چونکہ مسلمانوں کی ظاہری بیکسی اور اپنی عظمت وجبروت پر تھی اسلیئے انکے واہمہ میں بھی نہ آتا تھا کہ یہ پیشگویاں پوری ہوکر رہیں گی۔ وہ پیشگوئیوں کو سن سنکر ہنسی اڑاتے اور کہتے تھے اَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ (مریم - ۵) یعنی (بتاؤ توبھلا) فریقین میں سے کون بہتر حالت میں ہے؟ اور کس کی جماعت بہتر ہے؟۔

اللہ تعالیٰ نے ان سوالوں کا جو جواب دیا وہ یہ ہے۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا (مریم - ۵) ترجمہ۔ اور ہم ان سے پہلے بہت سی جماعتوں کو ہلاک کرچکے ہیں جنکے ساز وسامان اور جنکی روداد ظاہری ان سے کہیں عمدہ تھی۔ اور فرمایا فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا (مریم - ۵) ترجمہ۔ پس عنقریب انکو معلوم ہوجائیگا کون بدتر ہے مرتبہ میں اور کس کا جتھا زیادہ کمزور ہے۔

جب قریش نے کہا نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ہم بدلہ لینے والی جماعت ہیں (قمر - ۳) یعنی یہ کہ ہمارا ایک زبردست جتھا ہے اور آخر کار یہی غالب رہیگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مفصلہ ذیل جواب بتلایا گیا سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ عنقریب یہ جماعت شکست دیجائیگی اور یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے (قمر - ۳) یعنی یہ جتھا تباہ ہوگا اور انکو (قریش کو) اپنا سامنہ لیکر بھاگنا پڑیگا۔ کیا یہ الفاظ ایک فانی انسان کی اپنی بناوٹ ہوسکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ خدا کا کلام تھا اور اس نے بار بار اطلاع دی تھی کہ ان لوگوں کا جتھا انکے کسی کام نہیں آئیگا۔ چنانچہ فرمایا اَمْ

هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ ۝ بھلا خدائے رحمٰن کے سوا ایسا کون ہے جو تمہارا لاؤ لشکر بنکر تمہاری مدد کرے۔ بے شک منکر لوگ محض دھوکے میں ہیں۔ (ملک - ۲)

پھر فرمایا حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ۔ قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ۔ ترجمہ۔ یہانتک کہ جب دیکھیں گے اُس عذاب کو جس کا انسے وعدہ کیا جاتا ہے تو اُسوقت اُن کو معلوم ہو جاوے گا کہ کس کے مددگار بودے ہیں اور کس کا جتھا کم ہے۔ (اے نبی اللہ) ان لوگوں سے کہو کہ جس عذاب کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ مَیں نہیں جانتا کہ وہ نزدیک ہے یا میرا پروردگار ایک خاص وقت تک اُسکو ملتوی رکھیگا۔ (جن - ۲)

خدائے تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو متواتر اس امر پر متنبہ کیا کہ وہ اُن لوگوں کے حالات و انجام پر غور کریں جنہوں نے پہلے انبیاءؑ کی مخالفت کی تھی اور اُنکو ایذا پہنچائی تھی۔ قرآن کریم میں پہلے انبیاءؑ اور اُن کے دشمنوں کے حالات بیان کرنے سے منشا رہی یہ تھا کہ مکہ والے پہلی مثالوں سے فائدہ اُٹھائیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز آئیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہوا۔ لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ (یوسف ۱۲) ترجمہ اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں (انبیاء علیہم السلام) کے حالات میں عقلمندوں کے لیئے ایک سبق ہے۔

پھر دوسری جگہ فرمایا وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِیْصٍ ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِیْدٌ ۔ ترجمہ ۔ اور ان (کفار مکہ) سے پہلے ہم نے کتنی اُمتیں ہلاک کیں کہ وہ ان سے طاقت میں کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں۔ تو اُنھوں نے تمام شہروں کو چھان مارا کہ

کہیں بھاگنے کا ٹھکانہ بھی ہے۔ جو صاحب دل ہے یا کان لگا کر حضور قلب سے سنتا ہے اُس کے لیئے اِس میں نصیحت ہے (ق - ۳)

پھر فرمایا۔ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (یونس ۴) اسی طرح اُن لوگوں نے جھٹلایا جو انسے پہلے تھے۔ پھر دیکھ ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

غرض قرآن کریم نے جا بجا کفار کو تنبیہ کی اور انجام بد سے ڈرایا اور بار بار فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ یعنی کہہ (ان لوگوں کو) دنیا کی سیر کرو اور اُن لوگوں کا انجام دیکھو جنہوں نے پہلے انبیاء کی تکذیب کی تھی۔ (انعام ۲)

ہر ایک نبی کا واقعہ جو قرآن کریم میں مذکور ہے وہ اس امر کی پیشگوئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخر کار کامیاب ہوں گے اور اُنکے دشمن تباہ و ذلیل ہو جائیں گے۔ چنانچہ سورہ الشعراء میں حضرت موسیٰؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ سات انبیاءؑ کا ذکر کر کے بتلایا ہے کہ کس طرح خدائے تعالیٰ نے نبیوں کی نصرت کی اور انکے مخالفین کو مغلوب کر دیا۔ اس سورہ میں ہر ایک نبی کا ذکر ان الفاظ پر ختم ہوا ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ یعنی اس نبی کے واقعات میں ایک نشان ہے اور اکثر انمیں ایمان لانیوالے نہیں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بھی محض اسلیئے بیان کیا گیا ہے کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے بھائیوں یعنی قریش کے متعلق بہت سی پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ سورہ یوسف کے شروع ہی میں یہ الفاظ ہیں۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ۔ ترجمہ تحقیق یوسف اور اُسکے بھائیوں میں سوال کرنیوالوں کے لیئے بہت سے نشانات ہیں۔

پھر اس قصہ کے اختتام پر فرمایا ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ

اِلَیْکَ۔ ترجمہ۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جنکو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

اور اسمیں کلام بھی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔ جسطرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے مقدس بھائی یوسفؑ کے خلاف سازش کی تھی اسی طرح قریش نے اپنے بڑے خیر خواہ اور رحیم وکریم بھائی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازش کی۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کو ویران بیابان میں کنوئیں کے اندر رہنا پڑا تھا اسی طرح نبی کریم صلعم کو غار ثور کے اندر تین دن گذارنے پڑے۔ جس طرح یوسف علیہ السلام کو وطن سے بے وطن ہوکر ایک اجنبی ملک میں عزت ملی تھی اسی طرح آنحضرت صلعم کو اپنے وطن مالوف سے ہجرت کر جانے اور ایک اجنبی شہر میں پناہ لینے کے بعد عزت وجلال اور پوری فتح اور کامیابی حاصل ہوئی۔ پھر جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو زمانہ کے تغیر نے ذلیل وپست کر کے اپنے بھائی کے سامنے جھکایا تھا۔ جس طرح انکو مجبورًا اپنے گناہوں کا اقرار کرکے معافی کا خواستگار ہونا پڑا تھا۔ اور جس طرح انکے منہ سے یہ کلمات نکلے تھے تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝ (سورہ یوسف ۱۰) یعنی بخدا اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو ہم پر بڑی برتری دی اور بے شک ہم ہی قصوروار تھے۔

بعینہٖ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی یعنی مغرور قریش کو اپنے کیئے پر نادم ہونا پڑا اور مغلوب وخائب وخاسر ہوکر آخر مجبورًا معافی مانگنی پڑی اور بڑے عجز وانکسار سے اپنے تئیں آنحضرت صلعم کے رحم پر چھوڑ کر انکو یہ الفاظ کہنے پڑے خیرا۔ اخ کریم وابن اخ کریم وقد قدرت یعنی اے کریم بھائی اور اے کریم بھائی کے بیٹے ہم پر مہربانی اور رحم کیجیئے۔ اور درحقیقت آپ کو اب ہم پر قدرت حاصل ہے۔ اب ملاحظہ ہو کہ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو صرف معاف ہی نہیں کیا تھا بلکہ انکے ساتھ مہربانی کا برتاؤ بھی فرمایا تھا اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے سارے شہر کی جان بخشی فرمادی اور ایسا

کرتے وقت وہی الفاظ استعمال فرمائے جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مُنہ سے ملک مصر میں نکلے تھے پس اس طرح جو پیشگوئی سورہ یوسف میں کئی سال پہلے نازل ہوئی تھی وہ فتح مکّہ کے دن لفظ بہ لفظ پوری ہوئی۔

حاصل کلام قرآن کریم میں جسقدر انبیاء کے قصص بیان کیئے گئے تھے وہ سب پیشگوئیاں تھیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور دشمنوں کی شکست اور سزا پر دال تھیں۔

اسلام کے ضدّی دشمن برابر مسلمانوں کو ایذا پُہنچاتے رہے اور ساتھ ہی انکو عذاب الٰہی سے بھی برابر ڈرایا جاتا رہا لیکن وہ بدبختی سے اپنے کیئے پر نادم ہونیکے بجائے بالکل لاپروائی سے کام لیکر پوچھا کرتے مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کب یہ وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو۔ (سبا-۳) یعنی اگر تم راہ راست پر ہو تو ہمیں بتلاؤ کہ یہ پیشگوئیاں پوری کب ہونگی؟ قرآن کریم میں کفار کے اس سوال کا اکثر جگہ ذکر آیا ہے چنانچہ سورہ ہود میں ہے وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ (ہود-۱) اگر ہم نے اُن کے عذاب میں ایک عرصہ کے لیئے تاخیر کردی تو وہ کہتے ہیں۔ کونسی چیز عذاب کو روکے ہوئے ہے۔

اب ان سوالوں سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ قریش کے خیال میں یہ سب پیشگوئیاں ناممکن الوقوع تھیں کیونکہ بظاہر وہ طاقتور اور مسلمان سخت کمزور تھے اپنی طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری کا موازنہ و مقابلہ کرکے انکو صاف دکھائی دیتا تھا کہ ایسی پیشگوئیاں قطعاً پوری نہیں ہوسکتیں جنمیں مسلمانوں کی آخری فتح اور کامیابی کا ذکر تھا۔ ان سب سے بڑھکر جو بات قریش کو تحیر وتعجب میں غرق کرنیوالی تھی وہ ان پیشگوئیوں کا اعلان تھا جو تبلا رہی تھیں کہ ایک دن بُت پرستی کا بتمام وکمال خاتمہ ہوجائیگا۔ واقعی یہ ایک حیرت انگیز امر تھا کہ مکّہ کے زبردست اور طاقتور بُت پرست جنھوں نے اسلام کو نیست ونابود کرنیکا بیڑا اُٹھا رکھا تھا آخر

خود بالکل نسیاً منسیاً ہو جائیں گے اور مکّہ کی بُت پرست بستی آخر ایک اسلامی شہر بنجائیگا اللہ۔ اللہ۔ ایک طرف تو غریب نومسلموں پر اُنکے طاقتور دشمن طرح طرح کے ظلم و ستم کررہے ہیں اور دوسری طرف خدائے تعالیٰ کا کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوکر خبر دیتا ہے اور واضح خبر دیتا ہے کہ دیکھو تمھارے خطرناک دشمنوں کی بستی ایک دن اسلامی بستی ہوجائیگی۔

مصنف ناظرین! ہم آپ سے ہی پوچھتے ہیں کہ آیا یہ تعجب انگیز اور حیرت افزا اعلان کسی انسان کی طرف سے ہوسکتا تھا؟ کیا آدم کے کسی بیٹے کی مجال ہے کہ وہ دشمن کی پوری اور زبردست جمعیت کے مقابلہ میں اپنی کمزور اور مختصر سی جماعت کی نسبت یہ کہہ سکے کہ آخر تھوڑے بہتوں پر غالب آئینگے؟ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیا اور ہوا بھی وہی جو آپ کے مُنہ سے نکلا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ خود کچھ نہیں کہتا تھا بلکہ جو کچھ خدائے تعالیٰ کی طرف سے اسپر نازل ہوتا تھا اسی کا اعلان کردیتا تھا غرض جو بات بظاہر ناممکن اور محال تھی وہ آخر اُسی طرح ہوئی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلی تھی۔ اگر کوئی ہمارے اس دعویٰ کا ثبوت چاہے تو ذیل کی آیات کو ملاحظہ کرے جو سب کی سب مکّی ہیں یعنی مکّہ میں ہی نازل ہوئی تھیں۔ ان آیات کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوگا کہ یہ پیشگوئی صرف مکّہ تک محدود نہ تھی بلکہ اس میں تمام عرب کی طرف اشارہ تھا۔ شائد اس صورت میں تعجب کرنیوالوں کا تعجب اور زیادہ ہوجائے گا۔ بہرحال ہم ذیل میں اس پیشگوئی کے متعلق چند آیات نقل کرتے ہیں۔

ا۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۔ اور تحقیق ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیاہے کہ زمین کے وارث صالح لوگ ہوں گے (انبیاء - ۷)

ب۔ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۔ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْا اَیْدِیَهُمْ فِیْ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْا اِنَّا کَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَا اِلَیْهِ مُرِیْبٍ۔ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یَدْعُوْکُمْ لِیَغْفِرَ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَیُؤَخِّرَکُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا۔ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔۔۔۔۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ۔ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ کُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ۔ (ابراہیم - ۲)

ترجمہ۔ کیا نہیں پہنچی تم کو خبر اُن لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے نوح کی قوم کی۔ عاد کی اور جو اُن سے بعد ہوئے۔ نہیں جانتا اُنکو کوئی سوائے اللہ کے۔ آئے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول کھلی کھلی نشانیاں لیکر۔ پس ڈالے انہوں نے (یعنی مکذبین نے) اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں اور کہا انہوں نے تحقیق کفر کیا ہم نے ساتھ اُس چیز کے جسکے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔ اور ہم البتہ شک میں ہیں اُس چیز سے جسکی طرف تم ہمیں پکارتے ہو۔ بڑے شک میں۔۔۔۔۔۔۔۔ اور کافروں نے اپنے رسولوں کو کہا ہم تمکو اپنی زمین سے نکال دینگے یا البتہ تم پھر آؤ گے ہمارے مذہب میں۔ پس وحی بھیجی اُنکی طرف اُنکے رب نے کہ البتہ ہلاک کرینگے ہم ظالموں کو اور ضرور بسا دینگے ہم تمکو زمین میں اُنکے بعد۔ یہ واسطے اُس شخص کے ہے کہ ڈرتا ہے میرے روبرو کھڑے ہونیسے اور ڈرتا ہے میرے عذاب سے۔ اور فتح مانگی اُنہوں نے اور نامراد ہوا ہر ایک سرکش دشمنی کرنے والا۔

ج - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ رضؓ کو مخاطب کرکے وہی الفاظ پڑھکر سناتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو کہے تھے یعنی اِسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا۔ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ .... عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۔ (الاعراف ۱۵)

ترجمہ - مدد مانگو اللہ سے اور صبر کرو۔ تحقیق ملک اللہ ہی کا ہے وارث کرتا ہے اُسکا جسکو چاہے اپنے بندوں سے اور انجام متقیوں کے لیئے ہی ہے .... قریب ہے یہ کہ ہلاک کرے رب تمھارا تمھارے دشمن کو اور جانشین بنائے تمکو اُن کے بعد زمین میں - پس دیکھے کیسے تم عمل کرتے ہو۔

سورہ رعد میں ایک مثال بیان کیگئی ہے جس میں اسلام کے دشمنوں کو جو بظاہر زبردست معلوم ہوتے تھے ندی کے پانی پر کی جھاگ سے تشبیہ دی ہے۔ اور مسلمانوں کو جو اُسوقت اپنے زبردست دشمنوں کے پاؤں تلے دب رہے تھے پانی کے مشابہ قرار دیا ہے۔ اور بتلایا ہے کہ گو پانی اب جھاگ سے ڈھکا ہوا ہے لیکن یہ جھاگ بیٹھ جائے گی اسکا نام ونشان مٹ جائیگا اور آخر کار چمکتا ہوا شفاف پانی ہی چاروں طرف دکھائی دیگا یعنی اسلام کے دشمن نیست ونابود ہو جائینگے اور مسلمان اُنکی جگہ ملک کے وارث بنیں گے۔ اسی سورہ شریف میں ایک اور مثال بیان کی گئی ہے جسمیں کفار کو اُس میل سے تشبیہ دیگئی ہے جو سونے کو کٹھالی میں ڈالنے اور آگ دینے سے خارج ہو جاتی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ جسطرح سونے کی میل جل جاتی ہے تو خالص دھات باقی رہ جاتی ہے اسی طرح مسلمانوں کے دشمن نار حرب میں جل کر خاک سیاہ ہو جائیں گے اور باقی خالص خدائے تعالیٰ کے پیارے اور مخلص لوگ یعنی مسلمان رہ جائیں گے۔ چنانچہ فرمایا اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ۔ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ ۃ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۔ اُسی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنی اپنی سمائی کے قدر نالے

بہ نکلے پھر جھاگ جو اوپر آگیا تھا اُسکو سیلاب نے اُٹھالیا۔ اور یہ جو لوگ زیور یا دوسرے ساز و سامان کے لیئے دھاتوں کو آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی اسی طرح کا جھاگ ہوتا ہے۔ یوں اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے اور وہ چیز جو لوگوں کے لیئے نافع ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری رہتی ہے اللہ لوگوں کے سمجھنے کیلیئے اسطرح مثالیں بیان فرماتا ہے۔ (رعد - ۲)

کفار کی تباہی سے بھی بڑھکر حیرت افزا ایک اور پیشگوئی ہے جسمیں بتلایا گیا تھا کہ لوگ اسلام کی سچائی کے بہت سے نشان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ جب لوگوں نے بے صبری سے پُوچھا کہ یہ نشان کب پورے ہونگے؟ تو خدائے تعالیٰ نے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ پیدا کیا گیا ہے آدمی جلدی سے۔ عنقریب دکھاؤں گا میں تمکو اپنی نشانیاں۔ پس جلدی مت کرو مجھ سے (انبیار - ۳) ایک اور جگہ فرمایا وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (القصص ۷) ترجمہ۔ اور کہدے اللہ ہی کے لیئے سب تعریف ہے عنقریب دکھائیگا وہ تم کو اپنی نشانیاں پس تم پہچان لوگے اُنکو اور تیرا رب غافل نہیں ہے اُس سے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

پھر مفصلہ ذیل آیت میں تو صاف کھولکر بتلا دیا کہ اُن لوگوں کو اسقدر نشانات دکھلائے جائینگے جن کے دیکھنے سے وہ خود بخود اسلام کی سچائی پر ایمان لے آئیں گے اور وہ آیت کریمہ یہ ہے۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ (فصلت ۶) ترجمہ۔ عنقریب ہم دکھائینگے اُنکو اپنی نشانیاں بیچ ملکوں کے اور بیچ جانوں اُن کی کے یہانتک کہ اُنکے لیئے ظاہر ہو جاویگا کہ تحقیق وہ حق ہے۔

اس آیت نے پہلی پیشگوئیوں پر مزید روشنی ڈالدی اور ظاہر کر دیا کہ خدا کے نشانات صرف مکہ میں ہی ظاہر نہیں ہونگے بلکہ دوسری قوموں کو بھی دکھائے

جائیں گے۔ اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف قریش کے مقابلہ میں نصرت الٰہی ملیگی بلکہ دوسری قوموں کے مقابل وہی تائید الٰہی آپکے شامل حال رہیگی۔ اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ آنحضرت صلعم کی مخالفت کے لیئے ایک نہیں بلکہ کئی ایک دشمن کھڑے ہونگے۔ اور سب کے سب ناکام و نامراد ہوکر اپنے انجام سے یہ ثابت کردیں گے کہ خدائے تعالیٰ آنحضرت صلعم کے ساتھ ہے آپکے دشمنوں کے ساتھ نہیں۔

پیارے ناظرین! یہ پیشگوئی اُسوقت پوری ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ سے ہجرت کرنی پڑی اور دشمنوں کی متفقہ جماعتوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ مکّہ میں تو آپ کو صرف قریش سے ہی سابقہ تھا لیکن مدینہ میں پناہ گزین ہونیکے بعد مزید مشکلات اور زیادہ دشمنوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں پر آپ کو ایک طرف تو قریش کے حملوں کا دفعیہ کرنا تھا جو اسلام کے نازک پودے کو جڑھ سے اکھاڑنے پر تُلے ہوئے تھے اور دوسری طرف خود اپنے تئیں اور اپنے صحابہ کو یہودیوں کی سازشوں اور شہر کے منافقوں کے حسد سے بچانا تھا۔ اسکے علاوہ آپکو کہیں تو قرب وجوار کے بدوی قبائل کی طرف سے لوٹ کھسوٹ کا خوف تھا اور کہیں صحرا کی بے شمار خانہ بدوش قوموں کے حملوں کا ڈر تھا اس پر ہی بس نہیں بلکہ شمالی عیسائیوں کی طرف سے بھی کھٹکا تھا کیونکہ وہ بھی قریش کی طرح مسلمانوں کے خطرناک دشمن تھے۔ ان سب سے بڑھکر جن دشمنوں کا خدشہ تھا وہ یونانی اور ایرانی حکومتیں تھیں پھر اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں آنحضرت صلعم کیوں کامیاب ہوئے؟ عدو کا ٹڈی دل لشکر کیوں ناکام و نامراد رہا؟ اور باوجود دشمنوں کی اَن تھک کوششوں کے اسلام کیوں پھلا پھولا بارور ہوا؟۔ ہماری طرف سے اسکا وہی جواب ہے جو اکثر دفعہ پہلے دیا گیا ہے یعنی محض خدائے تعالیٰ کی امداد سے اور اسی کی نصرت سے نبی کریم صلعم غالب اور دشمن مغلوب ہوئے۔ خدائے تعالیٰ نے ہر ایک ایسے ہاتھ کو روکدیا جو اُسکے حبیب پر قاتلانہ ارادہ سے اُٹھا ہر ایک ایسی کوشش کو بے سود کردیا۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے آپکی جان لینے کے لیئے کی اور اس طرح ایک نہیں بلکہ بے شمار نشانات دکھائے گئے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے دشمنوں پر غالب آنا ہی ایک عظیم الشان نشان تھا جو ظاہر کرتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے فرستادہ اور سچے رسول ہیں اور خدائے قادر و قیوم آپکا ناصر و محافظ ہے۔ پس خدائے تعالیٰ نے نہ صرف قریش کو نشانات اور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دکھلایا بلکہ ہر مقام پر یہ نشان دکھلائے گئے تاکہ سچائی روز روشن کی طرح ظاہر ہو جائے۔

القصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے بیشمار دشمنوں پر انجام کار فتح پانا اور غالب آنا ہی ایک ایسا عظیم الشان معجزہ اور نشان ہے کہ جسکی نظیر صفحات تاریخ پر ہرگز نہیں ملتی۔ اگر اس فتح و ظفر کے ساتھ پیشگویاں۔ جو نبی کریم صلعم کی آخری فتح اور آپکے دشمنوں کی تباہی کا اظہار کرتی تھیں۔ نہ بھی ہوتیں تو بھی یہ کامیابیاں بجائے خود ایک ایک عجیب و غریب پُر جلال نشان تھے لیکن جیسا ہم بیان کر چکے ہیں ایسی پیشگویاں تھیں اور اُن کا اعلان بھی ایسے وقت ہوا تھا جب ظاہر آنکھ سے دیکھا جاتا تو دشمن نہایت طاقتور اور مسلمان نہایت کمزور تھے اور یہ وہ وقت تھا جب نبی کریم صلی اللہ وسلم کو خارج از برادری سمجھا جاتا تھا۔ اب اگر خود ان پیشگوئیوں کے انکے اعلان کے وقت اور آخر انکے پورا ہونے وغیرہ سب کو یکجا کیا جائے تو اس معجزہ کی عظمت دو بالا سہ بالا ہو جاتی ہے اور نبی کریم صلعم کی سچائی کیلئے ایک ہی ثبوت کافی ہے۔

اب یہاں ہم پھر اپنے ناظرین کی خدمت میں مؤدبانہ التماس کرتے ہیں کہ وہ ان پیشگوئیوں پر غور فرمائیں جنکا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں اور انکے علاوہ اور بھی بہت سی ایسی پیشگویاں۔۔۔۔ مکی سورتوں میں ملیں گی جو قابل مطالعہ ہیں ہاں ہم یہ بات اور کہتے ہیں کہ ان پیشگوئیوں پر غور کرتے وقت اُس زمانہ اور اُن حالات کا ضرور خیال رکھیں جب اور جنکے ماتحت ان پیشگوئیوں کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس غور کے بعد ہم دعوٰی سے کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کو انصاف سے ذرا بھی مس ہو گا وہ ضرور اس معجزہ کی اہمیت اور عظمت کا قائل ہو جائیگا۔ اور اسی ماننا پڑیگا کہ

کہ جس امر کا نبی عربی صلعم نے مکّہ میں اعلان کیا تھا اور جو عظیم الشان پیشگوئی آپ نے مخالفت کی عین بلندی کے وقت فرمائی تھی وہ کسی بنی آدم کیطرف سے ہرگز ہرگز ہو ہی نہیں سکتی اور پھر اُس کا عجیب و غریب طرز سے لفظ بہ لفظ پورا ہو جانا تاریخ عالم میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اعدار نے آپکے راستہ میں طرح طرح کی رُکاوٹیں ڈالیں آپ اور آپکے صحابہؓ کو تباہ کرنیکی ہر ایک ممکن کوشش کی لیکن باوجود ان سب کارروائیوں کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے اور آپکو کامیابی بھی وہ حاصل ہوئی جو بے مثل اور بے نظیر ہے اور یہی کامیابی اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ آپ کا مددگار اور ناصر خود خدائے تعالیٰ تھا۔

خدائے تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر قریش کے شریر آدمی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کرینگے تو دیر نہیں ہونے پائیگی کہ انکو بھی اپنے گھروں سے خارج اور تباہی اور بربادی کا شکار ہونا پڑیگا۔ چنانچہ فرمایا تھا وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل ۸) ترجمہ۔ اور تحقیق نزدیک تھے کہ بچلادیں تجھ کو اس زمین سے تاکہ نکالدیویں تجھ کو اس میں سے اور اسوقت نہ رہینگے پیچھے تیرے مگر تھوڑا عرصہ تم سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے اُن سب کے متعلق یہی دستور رہا ہے اور تو ہمارے دستور میں کوئی تغیر نہ پائیگا۔

یہ پیشگوئی بھی اُس دن کماحقہ پوری ہوئی جب ابوجہل اور دوسرے ائمۃ الکفر اسلام کی بیخکنی کا ارادہ کرکے مکّہ سے روانہ ہوئے اور روانہ بھی ایسے کہ کبھی واپس نہ ہوئے۔ یعنی میدان بدر پر خطرناک عذاب الٰہی کا شکار ہو کر وہیں کے وہیں کھیت رہے۔ اور اپنی موت سے اس کلام الٰہی کی صداقت پر مُہر لگا گئے۔

جنگ بدر نے اس پیشگوئی کے علاوہ خدائے تعالیٰ کے اُس کلام کو بھی پورا کیا جو ذیل کی عبارت میں مندرج ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ

سَیُھْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (القمر ۳) یعنی یہ کہتے ہیں کہ ہم بدلہ لینے والا گروہ ہیں۔ عنقریب شکست کھائیگا یہ گروہ اور پیٹھ پھیرینگے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ ہی میں تھے تو آپ پر خدائے تعالیٰ کا یہ کلام نازل ہوا تھا جس میں فرمایا تھا قُلْ یَجْمَعُ بَیْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفْتَحُ بَیْنَنَا بِالْحَقِّ وَھُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِیْمُ۔ (السبا ۳) کہدے عنقریب جمع کریگا ہم (تم) کو ہمارا رب پھر فیصلہ کریگا ہمارے درمیان ساتھ حق کے اور وہی کشاکش کرنیوالا جاننے والا ہے۔

خدائے تعالیٰ کے اس کلام میں جس اجتماع کی طرف اشارہ تھا وہ میدان بدر میں جمع ہوا اور اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے انصاف فرماکر راستباز کو فتح عنایت کی۔ جب اس پیشگوئی کا اعلان کیا گیا تھا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا اجتماع ہوگا اور قریش کے پاؤں تلے دبے ہوئے مسلمان بھی کبھی دشمنوں کے مقابلہ کرنیکی طاقت پائیں گے اور پھر مقابلہ بھی ایسا کرینگے کہ اپنے ایذا دہندوں کو کیفر کردار تک پہنچا چھوڑینگے۔ لیکن یہ ہونا تھا اور ہوا کیونکہ یہ کلام اس کا تھا جو علیم اور قادر مطلق ہے جسے ذرہ ذرہ کی خبر ہے اور جسکا ہر چیز پر راج ہے۔ مدینہ پہنچکر بھی مسلمان چونکہ اپنے بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں کمزور تھے اسلئے خدائے تعالیٰ کی نُصرت کے وعدے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وہاں بھی نازل ہوتے رہے۔ ذیل میں ہم وہ مدنی آیات بطور نمونہ درج کرتے ہیں جنھیں خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو اُنکے دشمنوں پر کامیاب ہونے کی بشارت اور اپنی نصرت کے وعدے دئیے تھے۔ وہ آیات یہ ہیں۔

(ا) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ (المجادلہ ۳) لکھ رکھا ہے (فرض کر رکھا ہے) خدا نے کہ البتہ غالب آؤنگا میں اور میرے رسول۔ تحقیق اللہ طاقت والا غالب ہے۔

(ب) اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (المجادلہ ۳) وہ (یعنی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) اللہ کا گروہ ہیں۔ خبردار تحقیق اللہ ہی کا گروہ وہی کامیاب بامراد ہونیوالا ہے۔

(ج) اِنَّ الَّذِیْنَ یُحَادُّوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ کُبِتُوْا کَمَا کُبِتَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (المجادلہ - ۱) تحقیق جو لوگ اللہ اور اُسکے رسول کا خلاف کرتے ہیں وہ ہلاک کیئے گئے جیسے ہلاک کیئے گئے وہ لوگ جو اُنسے پہلے تھے

(د) وَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ ھِیَ اَشَدُّ قُوَّۃً مِّنْ قَرْیَتِکَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْکَ اَھْلَکْنٰھُمْ فَلَا نَاصِرَ لَھُمْ (محمدؐ - ۲) اور بہت بستیاں ہیں کہ وہ بہت سخت تھیں قوّت میں تیری بستی سے جس نے نکال دیا تجھکو۔ ہلاک کیا ہم نے انکو پس اُنکے واسطے کوئی مددگار نہ ہوا۔

(ھ) وَیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا (الفتح - ۱) اور اللہ تعالیٰ بڑی قوّت کے ساتھ تیری مدد کریگا۔

(و) اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ ۔ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ .... وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰہُ مَنْ یَّنْصُرُہٗ ط اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ (الحج ۶) اجازت دیگئی واسطے اُن لوگوں کے کہ لڑائی کیئے جاتے ہیں اور اللہ اُنکی مدد کرنے پر بڑا قادر ہے۔ جو لوگ کہ نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے بغیر حق کے صرف اسوجہ سے کہ وہ کہتے ہیں کہ "ہمارا ربّ اللہ ہے" ...... اور اللہ ضرور مدد کریگا اُس شخص کی جو اُس کے دین کی مدد کرتا ہے

(ز) فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ط عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ۵ (توبہ - ۱۶) اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو تو کہدے کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اُسکے سوا اور کوئی معبود نہیں اُسی پر میرا سہارا ہے اور وہ عرش عظیم کا ربّ ہے۔

(ح) اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ۔

(الانفال ۹) یعنی اگر تم میں سے بیس ثابت قدم شخص ہوئے وہ غالب آئیں گے دو سو پر۔ اور اگر ہوں تم میں سے سو تو وہ غالب آئیں گے ایک ہزار پر اُن لوگوں سے جو کہ کافر ہیں کیونکہ وہ نافہم قوم ہے۔

(ط) وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور مت سستی کرو اور مت غم کھاؤ کیونکہ تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو (آل عمران ۱۴)

(ی) قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ۔ کہدے کافروں کو عنقریب تم مغلوب ہو جاؤ گے۔ (آل عمران ۲)

انکے سوا اور بھی ایسی مدنی آیات ہیں جو ایسی ہی پیشگوئیوں سے مملو ہیں لیکن ہمارے خیال میں مذکورہ بالا آیات ہی اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہیں کہ مدینہ میں بھی آنحضرت صلعم کو نصرت الٰہی کے وعدے ملتے رہے اور گویا مدینہ کی بڑھی ہوئی مشکلات اور وہاں کے بے شمار دشمنوں کے مقابلہ میں بھی خدائے تعالیٰ نے ان قبل از وقت بشارتوں سے آنحضرت صلعم کی تسکین فرمائی تھی۔

یہ پیشگوئیاں کب پوری ہوئیں اور کس عظمت و جبروت کے ساتھ خدا کا فرمودہ لفظ بہ لفظ وجود میں آیا؟ اسکے لیئے ہم اپنے ناظرین کو فتح مکّہ کا حوالہ دنیا ہی کافی سمجھتے ہیں یہ وہ وقت تھا جب تمام دشمن مغلوب ہو چکے تھے۔ تمام مشکلات حل ہو چکی تھیں اور خدائے تعالیٰ کے تمام وعدے جو مکّہ اور مدینہ میں ہوئے تھے تمام و کمال پورے ہو گئے تھے۔ مکّی پیشگوئیوں کا اعلان برابر تیرہ سال تک مکّہ میں ہوتا رہا اور پھر مدنی آیات کو مدینہ سے شائع کیا جاتا رہا غرض ان پیشگوئیوں سے کفار ناواقف نہ تھے بلکہ وہ اُنپر ہنسی اُڑاتے اور بار بار پوچھتے رہے کہ بھلا یہ پوری کب ہونگی؟ ہجرت کے مشہور واقعہ کے بعد وہ بڑے تعجب اور حیرت سے ان پیشگوئیوں کو پورا ہوتا دیکھنے لگ گئے تھے لیکن انہوں نے انکا کلی طور پر پورا ہونا فتح مکّہ کے دن ہی مشاہدہ کیا

فتح مکہ کیا تھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی اور آپکے راستباز ہونیکی ایک زبردست بے مثل دلیل تھی۔ اہل مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیکس حالت اور اپنی طاقت وجبروت کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ عظمت وسطوت اور اپنی بیکسی اور عاجزی سے مقابلہ کرتے تھے۔ اس مقابلہ سے انکو وہ تمام پیشگویاں یاد آتی تھیں جو مکہ میں اور بعد ازاں مدینہ میں شائع کی گئی تھیں اور جنکو سنکر انہوں نے ہنسی اڑائی تھی۔ اب وہ تمام وعدے اور وعید جو ایک عرصہ پہلے خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے تھے عملی جامہ پہنکر انکی آنکھوں کے سامنے آموجود ہوئے۔ انکی طرف سے ہر چند اسلام کی بیخکنی کیلیے کوششیں کی گئیں اور چاہا گیا کہ کسی طرح یہ پیشگویاں پوری نہ ہوں لیکن باوجود انکی سعی اور کوشش کے یہ سب پیشگویاں پوری ہوئیں اور اس طرح مسلمانوں کے جانی دشمنوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کا ایسا یقین ہوا کہ وہ سب کے سب قریباً ایک ہی دن میں اسلام لے آئے۔ پس یہ ایک عظیم الشان معجزہ تھا جسکو دیکھکر اُمّ القرےٰ کے لوگ مسلمان ہوئے اور انکے مسلمان ہونیسے خدائے تعالیٰ کا وہ وعدہ پورا ہوا جسکا کئی سال پہلے اسی شہر میں اعلان کیا جا چکا تھا۔ وہ یہ تھا۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ؕ عنقریب دکھائیں گے ہم انکو اپنی نشانیاں دوسرے ملکوں میں اور انکی اپنی جانوں میں بھی یہانتک کہ ظاہر ہو جائے اُن کے لیے کہ وہ حق ہے۔ (فصلت ٦)

آنحضرت صلعم ابھی مکہ میں ہی تھے جب آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ راستبازوں کو فتح دیکر خود اس امر کی شہادت دیگا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر دعا بھی یہی ہوتی کہ اے مولا حق کو باطل پر غلبہ دے اب خدائے تعالیٰ نے اپنے پیارے کے مُنہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو پورا کیا اور اُسکی دعاؤں کو سُنکر اسلام کی تائید میں شہادت دی۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے جو الفاظ نکلتے تھے وہ کیسے اور کہاں سے آئے ہوئے ہوتے تھے اسکے لیئے ہماری

ناظرین یوحنا باب ۱۶ ورس ۱۸ کی یہ عبارت کہ " وہ (روح حق) اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سُنے گی سو کہیگی" اور قرآن کریم کی یہ آیت ملاحظہ فرمائیں وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (نجم - ۱) یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ یہ کلام ایک وحی الٰہی ہے جو اُسکی طرف اُتاری جاتی ہے۔

پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ مکہ والوں سے کہا تھا وہ خدا کا کلام تھا اور وہ اطرح تھا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا - کہدے اللہ کافی گواہ ہے درمیان تمھارے اور میرے تحقیق وہ اپنے بندوں سے خبردار ہے اور اُنکو دیکھتا ہے۔

اور پھر فرمایا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ تحقیق اللہ پرہیزگاروں اور احسان کرنیوالوں کے ساتھ ہے (النحل ۱۶)

آپکی دعا کے الفاظ یہ تھے رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ - (الاعراف ۱۱) یعنی اے رب ہمارے فیصلہ کر ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ساتھ حق کے اور تو ہی بہتر فیصلہ کرنیوالا ہے۔

آخرکار یہ دعا قبول ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو غالب اور دشمنوں کو تباہ کرکے اسلام کی سچائی پر خود شہادت دیدی - ان وجوہات سے اور اس چمکتے ہوئے نشان کو دیکھکر اہل مکہ اپنے شہر کی فتح کے بعد مسلمان ہوگئے۔

ایک اور امر جس نے اہل مکہ کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا وہ یہ تھا کہ اسلام اور کفر کے باہمی مقابلہ نے ثابت کردکھایا تھا کہ اُنکے دیوتا بھی اُنکی طرح عاجز اور کمزور ہیں۔

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو جنگ جدل کا بازار گرم کیا تھا وہ سب کچھ بتوں کی حمایت میں کیا تھا۔ اگر قریش نے مسلمانوں کو ایذا دی تھی اور اُنکو اسلام سے برگشتہ کرنا چاہا تھا تو اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ نئے مذہب سے اُنکے بتوں کی ہستی معرض خطر میں تھی اور اگر مسلمانوں کے

ہجرت کر جانیکے بعد بھی وہ برابر اسلام کو تباہ کرنیکی کوششوں میں مصروف رہے تو اسکی وجہ سوائے اسکے اور کچھ نہیں تھی کہ انکو اپنے دیوتاؤں کی حفاظت مدنظر تھی۔ چنانچہ اس بارہ میں مسلمان مورخین نے ایک حکایت بیان کی ہے جسکا میور صاحب نے بھی لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں حوالہ دیا ہے وھو ہٰذا۔ مکہ کے نواح میں ایک بت تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بطور فاتح داخل ہوئے تو اس بت کے پجاری نے مندر کو چھوڑ دیا اور...... نزدیک کی ایک پہاڑی پر چلا گیا۔ لیکن مندر چھوڑنے سے قبل اس نے بت کی گردن میں تلوار لٹکا دی۔ اور کہا "تلوار تھامیے اور اپنے تئیں آپ بچاپیے"

پیارے ناظرین! اگرچہ یہ کہانی بہت سادہ سی معلوم ہوتی ہے لیکن یہ بہت نتیجہ خیز ہے۔ آپ تھوڑی دیر کیلئے ایک مندر کا تصور باندھیں جسمیں ایک بت تن تنہا کھڑا ہے اور اسکی گردن سے تلوار لٹک رہی ہے۔ بھلا اس عجیب تصویر کو دیکھکر آپ کیا خیال کرینگے؟ اس پجاری کے الفاظ کو سن کر آپ کیا قیاس فرمائینگے؟ پجاری نے اپنے معبود سے رخصت ہوتے وقت جو الفاظ کہے وہ اگرچہ مختصر ہیں لیکن پُر معنی اور مطلب خیز ہیں۔ اور اس جنگ کی نوعیت پر پوری روشنی ڈالتے ہیں جو کفار عربوں نے مسلمانوں کے ساتھ اس شد و مد سے چھیڑ رکھی تھی یہ لفظ کیا تھے گویا اس بات کا اظہار تھا کہ اگرچہ بت پرستوں نے مدت مدید تک اپنے اصنام کی حمایت میں جان لڑائی اور اسلام کی بیخکنی کے لیئے ناخنوں تک زور لگایا لیکن انکی سب کوششیں بے سود رہیں اور جن بتوں کو وہ تباہی سے بچانا چاہتے تھے وہ آخر تباہ ہوئے اور اسلام نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی بلکہ یوں کہو کہ اسلام ایک ابنچی اور دم بدم بڑھتی ہوئی موج کی طرح آگے بڑھا اور جو چیز سدراہ ہوئی اُسکو بہا کرلے گیا۔ ان بت پرستوں نے تو اپنے معبودوں کی حمایت و حفاظت کا پورا فرض ادا کیا تھا لیکن وائے برحال ایشاں کہ انکے دیوتاؤں نے انکی ذرا بھی امداد نہ کی۔ آخر اسلام کا خدا غالب رہا اور

کفار کے معبود سب کے سب نہایت بے عزتی سے مغلوب ہوئے۔ اب یہ دیوتا شکست پا چکے تھے اور انکے تابعین میں قطعاً تاب مقابلہ نہ تھی۔ عربوں نے اپنے معبودوں سے بے فائدہ مدد اور نصرت مانگی اور بے سود انکی امداد پر توقع کی۔ انکا ایمان تھا کہ انکے بُت عند الضرورت انکی امداد کرینگے پھر خصوصاً ایسے اڑے وقت جب انکی اپنی حمایت میں جنگ ہو رہا تھا بدرجہ اولیٰ مدد کو آئینگے اس خیال سے وہ اکثر ان پتھروں کو میدان جنگ میں لے گئے اور اپنی فوجوں کے قلب میں رکھا۔ لیکن انکی سب امیدیں خاک میں ملگئیں اور اب آکر انکو اپنی غلطی کا علم ہوا اور وہ جان گئے کہ جن پتھروں کو انہوں نے ٹھاکر بنا کر پوجا تھا وہ پتھر ہی تھے اور پتھر سے بڑھکر انکی کوئی وقعت نہ تھی جس طرح وہ پہلے انکو عزت کی نظر سے دیکھتے تھے اب ویسی ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے چنانچہ جس پجاری کا ذکر ہم نے مذکورہ بالا کہانی میں کیا ہے اُس کا فعل اس امر کی تائید کرتا ہے۔ اُس نے اپنے بُت سے کہا مہاراج اگر آپ سے بن پڑتا ہے تو اب اپنی خبر آپ لیجئے!

ابتدا ہی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بُت پرست دشمنوں کو متنبہ کیا تھا کہ جن بتوں کو وہ خدائے وحدہٗ لاشریک کا شریک ٹھہراتے ہیں وہ انکے نفع و نقصان کا ذرا بھی اختیار نہیں رکھتے اور دوسروں کی امداد کرنا تو درکنار وہ اپنے آپکو بھی نہ بچا سکیں گے بلکہ نسیاً منسیاً ہو کر ملک عرب سے ہی خود انکا صفایا ہو جائیگا یہ بھی صریحاً بتلا دیا گیا تھا کہ وہ وقت جلد آنیوالا ہے جب بُت پرست اپنی بتوں کی پرستش سے دست بردار ہو جائیں گے۔ چنانچہ ذیل میں چند ایسی آیات درج کیجاتی ہیں جن کے ذریعہ سے بُت پرستوں کو قبل از وقت بتلایا گیا تھا کہ یہ ٹھاکر تمہارے کسی کام نہ آئینگے بلکہ خود تباہ ہو جائینگے۔

۱۔ اَیُشْرِکُوْنَ مَا لَا یَخْلُقُ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۝ وَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ لَھُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ۝ (الاعراف ۲۴) کیا شریک ٹھہراتے ہیں (یہ کفار اللہ کا) اُس چیز کو جو کچھ پیدا نہیں کرتی اور وہ خود پیدا کیگئی

ہیں۔ اور نہ تو انکی (یعنی مشرکین کی) مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں (یعنی اب تو خود بتوں کی خیر نہیں)

ب۔ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۖ وَ هُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿﴾ وَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهٖ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَکُمۡ وَ لَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ یَنۡصُرُوۡنَ ﴿﴾ (اعراف ۲۴) یعنی میرا کارساز اللہ تعالیٰ ہے جسنے یہ کتاب اُتاری ہے اور وہی نیکوں کا والی ہوتا ہے۔ اور جنکو تم اللہ کے بغیر پکارتے ہو وہ نہ تو تمھاری مدد کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی جانوں کی وہ مدد کریں گے۔

ج۔ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیۡکَ .... فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیۡ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّکَ ؕ وَ مَا زَادُوۡهُمۡ غَیۡرَ تَتۡبِیۡبٍ (ہود ۹) ترجمہ یہ ہیں بعض خبریں بستیوں کی کہ بیان کرتے ہیں ہم اُسکو تیرے اوپر ...... پس نہ کفایت کیا اُن سے اُنکے معبودوں نے جنکو کہ وہ اللہ کے بغیر پکارتے تھے کچھ بھی جب آیا تیرے پروردگار کا حکم اور نہیں زیادہ کیا اُنکو سوائے ہلاک کرنیکے۔

د۔ وَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَۃً لِّیَکُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ﴿ۙ﴾ کَلَّا ؕ سَیَکۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَ یَکُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ ضِدًّا ﴿﴾

ترجمہ۔ اور اللہ کے بغیر دوسروں کو معبود بناتے ہیں تاکہ وہ (معبود) اُنکو مددگار بنیں۔ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ عنقریب وہ (یعنی مشرکین) اُن کی عبادت سے انکار کرینگے اور اُنکے مخالف ہوجائیں گے (مریم ۹)

جب بُت پرستوں نے مذکورہ بالا الفاظ کی سچائی کا مشاہدہ کیا اور اُنکے بتوں کی کم مائگی اور کمزوری پورے طور پر ثابت ہوگئی تو یہ ایک قدرتی نتیجہ ہونا چاہیئے تھا کہ اُن کے دلوں سے ان پتھروں کی عظمت دُور ہوجاتی چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان سے پوچھا کہ آیا وہ وقت ابھی پہونچا ہے یا نہیں کہ وہ اقرار کرے کہ اللہ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ؟ تو اُس نے جواب دیا کہ

اسکے سوا کوئی اور معبود ہوتے تو وہ اپنے اُن پرستاروں کے کام آتے جنہوں نے اُنکی حمایت میں خون تک بہا دیا۔* اگر ان پتھر کے ٹھاکروں پر کوئی تھوڑا بہت ایمان باقی بھی تھا تو وہ اُسوقت جاتا رہا جب آنحضرت صلعم کے حکم سے کعبہ کے بُت زمین سے پیوست کیئے گئے۔ اگر اُن ٹھاکروں میں کوئی طاقت ہوتی تو اول وہ دوسروں کو مدد دیتے .... اور اگر یہ نہ ہوسکتا تو کم از کم اپنی مدد آپ کرتے۔ اسطرح اُن بتوں کے پجاریوں پر قرآن کریم کے ان الفاظ کی سچائی بخوبی واضح ہوگئی کہ جن ٹھاکروں کی وہ پُوجا کرتے ہیں اور جنکی حمایت کا اُنہوں نے بیڑا اُٹھایا ہے وہ ہرگز ہرگز کسی کے نفع نقصان کا مقدور نہیں رکھتے۔ جب اُنپر یہ ثابت ہوگیا تو پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ بدستور اُنکے معتقد رہتے۔ پہلے فتح مکہ نے ان اصنام پرستوں کے ایمان میں تزلزل تو ڈال ہی دیا تھا اب جس وقت کعبہ شریف کو تین سو ساٹھ ۳۶۰ .... ٹھاکروں کے وجود سے پاک کیا گیا تو اُس وقت اُنکے معتقدوں کے دلوں کے مندر بھی اُنکی محبت کے اثر سے پاک ہوگئے۔ جب بلال رضؓ نے کعبہ کی چھت پر سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا تو کفار مکہ کی آنکھوں کے سامنے ایک بار پھر اُن تمام واقعات کا سما بندھ گیا جو عرصہ دراز سے اُنکو پیش آرہے تھے اور اُنکے دلوں میں جو اُسوقت بتوں کی محبت سے خالی ہوچکے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ نے جگہ لینی شروع کردی۔ یعنی اسلام کے پاک اور عام فہم اصولوں نے جنکو ہر سمجھدار انسان پسند کرتا ہے آخر اپنا رنگ دکھانا شروع کیا اور مکہ والوں نے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی پر سینکڑوں نشان دیکھ چکے تھے آخر بُت پرستی سے توبہ کرکے اسلام قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اب نہ کوئی رکاوٹ تھی نہ کوئی ایذا دہندہ ہر طرح مذہبی آزادی تھی اسلام کے دشمنوں کا راج ٹوٹ چکا تھا اسلیئے باوجود لا اکراہ فی الدین کی منادی اور باوجود کسی قسم کا ذرا بھی جبر نہ ہونیکے لوگوں نے فوج در فوج اسلام میں داخل ہونا شروع کردیا گویا وہ اسی موقعہ کے ہی منتظر تھے۔ سبحان اللہ کیا منظر ہوگا اور مومنوں کے ایمان کو

*حاشیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کی بھی صریحًا یہ غرض تھی کہ آپ ابوسفیان کو اس امر کی طرف توجہ دلائیں کہ اگر اُنکے دیوتا واقعی عبادت کے لائق ہوتے تو ضرور تھا ابوسفیان اور اُسکی پارٹی کی کچھ مدد کرتے جنہوں نے اُنکی حمایت کے لیئے ناخنوں تک زور لگایا اور پھر بھی ناکام رہے۔ آپ نے ابوسفیان کے ذہن کو اسطرف منتقل کرنا چاہا کہ اسلام ...... کی کامیابی باوجود دشمن کی اَن تھک کوششوں کے اس امر کا ایک نشان تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں اور یہ نشان ایسا صریح تھا کہ ابوسفیان کو شرمندگی کے ساتھ اسکی تصدیق کرنی پڑی۔ منہ

کیسی تقویت پہنچی ہوگی۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فیاضی اور فراخدلی نے اہل مکّہ پر ایسا اثر کیا کہ وہ خوشی خوشی ایمان لے آئے اور اپنے گئے پر اگرچہ نادم تو تھے لیکن آنحضرت صلعم کے اعلیٰ سلوک اور برتاؤ کے باعث انکو ذرا بھی خجالت محسوس نہ ہوئی اور وہ ہنسی خوشی مسلمان ہوگئے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور عفو کا اگرچہ اُنکو پہلے بھی علم تھا لیکن اب جو آپنے اُنکی گذشتہ خطاؤں اور خطا کاریوں پر درگذر فرمائی اس سے اُنکے دلوں پر ایسا عمدہ اثر ہوا جسکو وہ زبان سے بیان نہیں کر سکتے تھے۔ جسقدر وہ پہلے نبی کریم صلعم کے دشمن تھے اب اُسی قدر جان نثار اور شکر گذار بنگئے۔ وہ بار بار اپنی ۲۰ سالہ بے رحمیوں اور ناہنجار حرکات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ترحم اور عفو سے مقابلہ کرتے اور جوں جوں وہ زیادہ غور کرتے اُسی طرح اُنکی محبت اور شکر گذاری میں ترقی ہوتی جاتی۔ آنحضرت صلعم بھی اپنے اہل شہر مگر سابق دشمنوں پر ایسے مہربان ہوئے کہ آپنے صحابہ کرام رضہ کو مُردوں کی نسبت بھی بان کھولنے سے منع فرمایا اور کہا کہ اس فعل سے اُنکے زندہ رشتہ داروں کو دُکھ پہنچیگا۔ مکّہ والے جب اپنے ضمیر کو ٹٹولتے تو اُنکو اپنی زیادتیاں اور اپنے مظالم یاد آتے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترحم اور فیاضانہ سلوک کو مشاہدہ کرتے تو شکر گذاری سے بھر جاتے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح وہ نشانات اور پیشگوئیوں کا پورا ہونا دیکھکر مسلمان ہوئے تھے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سلوک اور فیاضی کا مشاہدہ کرکے وہ مخلص اور پرلے درجہ کے جان نثار بن گئے۔

الغرض اسلام کی اعجازی فتح اور نبی کریم صلعم کے اعلیٰ اخلاق و فیاضی نے لوگوں کے دلوں میں عجیب تبدیلی پیدا کر دی اور جو لوگ اسلام کو تباہ کرنیکے لئے شمشیر برہنہ کی طرح کھڑے تھے وہ فتح مکّہ کے چند ہی روز بعد ایسے مخلص اور وفادار مسلمان بنگئے کہ اپنے نئے آقا و مولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کردوش بدوش اسلام کے دشمنوں کا مقابلہ کرنیکو تیار رہتے تھے؟

کاش ہمارے مخالف ”تسلی دینے والے“ ”روح حق“ کے دشمن غور کریں اور اس عظیم الشان

[illegible] وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

اس سے پہلے نمبر میں بعض وجوہات سے معمولی ماہوار رپورٹ ملتوی رہی۔ اس رپورٹ میں اہم امر ہمارا سالانہ جلسہ تھا۔ مگر چونکہ اخبار بدر و الحکم میں مفصل حالات جلسہ کے شایع ہو کر سب احباب تک پہنچ چکے تھے اسلیئے انکے بار بار دُہرانیکی ضرورت بھی نہ تھی۔ الّا ایک امر کے سب احباب تک پہنچانیکی ضرورت ہے اور وہ ہے کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کی کارروائی کانفرنس کے قیام نے دراصل ابتک کوئی مضبوط صورت نہیں پکڑی۔ اور نہ ہی ایسی امید کی جاسکتی ہے جبتک کہ خود انجمنوں کا قیام مضبوط نہ ہو جاوے کانفرنس میں ذیل کی انجمنوں کی طرف سے قائم مقام شامل تھے۔ قادیان۔ امرتسر۔ لاہور۔ سیالکوٹ ڈیرہ اسمٰعیل خاں سہارنپور۔ جالندھر۔ شملہ۔ فیروز پور۔ سانگلہ۔ چھاؤنی لاہور۔ ڈنڈوت۔ جیپور۔ ادرحمہ بستی وریام کملانہ۔ سیکھواں۔ قتال پور۔ رہتک۔ ظفروال۔ کھیوہ باجوہ۔ منگولا کاٹھ گڈھ۔ گوجرانوالہ۔ بدوملی۔ شاہدرہ۔ بنگہ۔ ڈیرہ بابا نانک۔ ملتان۔ جہلم۔ کوہاٹ۔ مردان۔ ہشیارپور۔ ڈیرہ غازیخاں۔ یہ ان انجمنوں کے نام ہیں جنکے قائم مقام کارروائی شروع ہونیسے پہلے کانفرنس میں شامل ہو گئے تھے بعد میں بھی احباب آتے رہے مگر انکے نام اور پتے بہ سبب کارروائی شروع ہو جانیکے نہیں لیئے جاسکے۔ کانفرنس میں جو امور پیش ہوئے ان میں سے اول بجٹ اور رپورٹ سالانہ صدر انجمن تھے۔ اسکے بعد حسب ذیل تجاویز پیش ہو کر بالاتفاق پاس ہوئیں۔

(۱) ”یہ سوال کہ جس صورت میں صدر انجمن کا مالی سال ستمبر میں ختم ہوتا ہے کانفرنس انجمنہائے احمدیہ کے لیئے بہترین وقت کونسا ہے۔ پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ بجٹ حسب معمول سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ کے وقت کانفرنس میں پیش ہوتا رہے۔

(۲) ”یہ سوال کہ اسلامی مشن کا قائم کرنا یورپ یا امریکہ میں ضروری ہے پیش ہو کر

فیصلہ ہوا کہ مشن کا قائم کرنا ضروری ہے مگر اسکے لیئے پہلے سرمایہ کا بہم پہنچنا نہایت ضروری ہے اسکے لیئے فنڈ کھولا جاوے اور کم از کم تین چار سال کا سرمایہ جمع ہونے پر یہ قدم اُٹھایا جاوے۔

(۳) "چندہ تعمیر کی وصولی کے خاص انتظام کا سوال پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ جو تجویز مجلس معتمدین نے کی ہے کہ سب احباب اپنی ایک ایک ماہ کی آمد چندہ تعمیر کے لیئے دیں اس کے عملدرآمد میں لانے کو یہ کانفرنس نہایت ضروری خیال کرتی ہے سب انجمنیں اسکے متعلق بہت جلد تحریک کر کے فہرستیں مرتب کریں۔

(۴) "ماہوار آمدنی کی افزائش کی تدابیر اور باقاعدہ وصولی کے انتظام کا سوال پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ سب انجمنوں کو پوری سعی کرنی چاہیئے۔ کہ چندوں کا بقایا نہ رہے اور اپنے اپنے ضلعوں میں شاخوں کا انتظام پختہ کریں۔ مجلس معتمدین محصلوں اور واعظین کے سوال پر غور کر کے اسکے لیئے عملی تجاویز کرے جس سے انجمنوں کو وصولی چندہ میں مدد ملے اور مناسب ہے کہ بعض احباب وصولی چندہ کے لیئے اپنی خدمات والنٹیر کریں۔

(۵) "انجمنہائے احمدیہ کے اپنے اپنے سالانہ اجلاسوں کا سوال پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ اس کانفرنس کی رائے میں سالانہ جلسوں کو قطعی طور پر بند کرنا مناسب نہیں البتہ بلحاظ مقامی ضروریات کے اگر کوئی انجمن سالانہ جلسہ کی ضرورت محسوس کرے تو مجلس معتمدین مقامی حالات پر اور اس امر پر کہ اسکا اثر مستقل چندوں پر نہ ہو غور کر کے ایسی اجازت دے سکتی ہے"

ان تجاویز میں سے میں بالفعل احباب کو تجاویز نمبر ۳ و نمبر ۴ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانی چاہتا ہوں بالخصوص تجویز متعلق چندہ تعمیر پر۔ کیونکہ یہ کام وسیع پیمانے پر شروع ہے اور روپے کی سخت ضرورت ہے۔ جگہ کی تنگی کی وجہ سے اسوقت ۴۵ بورڈروں کے قریب باہر ہیں۔ اگر اس چندہ کی وصولی میں پوری کوشش سے

کام لیا جائے تو امید کیجاتی ہے کہ بورڈنگ کا بڑا حصہ ستمبر تک تیار ہوجاوے۔
مدرسہ تعلیم الاسلام بوجہ پلیگ ۱۵-اپریل تک بند رہا۔ اور احتیاطاً ۱ مئی تک بورڈروں کو بھی باہر رکھا گیا۔ تعداد طلباء میں قابل اطمینان ترقی ہورہی ہے اور اسوقت قریب ۱۴۰ کے بورڈر ہیں۔ کوشش بھی اللہ تعالیٰ کی نصرتوں کی جاذب ہے پچھلے سال انہی دنوں قریب ۷۰ کے بورڈر رہ گئے تھے۔ اسوقت بورڈنگ ہوس میں جگہ پوری ہو کر ۴۰ بورڈروں کے لیئے باہر عارضی انتظام کیا گیا ہے۔ یہ ضرورت مقتضی ہے اس امر کی کہ بورڈنگ ہوس کی عمارت کی بہت جلد تکمیل کیجاوے گذشتہ ماہ کے اخیر پر ٹیچرز کانفرنس ہی جو بمقام علیگڈھ ہوئی اور جس میں کل اسلامیہ سکولوں کے منتظمین اور مدرسین کو حصہ لینے کے لیئے مدعو کیا گیا تھا۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کی طرف سے مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی ہیڈ ماسٹر مدرسہ و مولوی شیر علی صاحب بی اے و مفتی محمد صادق صاحب سابق ہیڈ ماسٹران مدرسہ شریک کانفرنس ہوئے۔ مدرسہ کی رپورٹ سنائی گئی جو کانفرنس کی روئداد میں شائع ہوگی۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب کا ایک لیکچر بھی کالج میں ہوا۔ جس سے سلسلہ حقّہ کے متعلق بہت غلط فہمیوں کا ازالہ ہوا۔ امسال امتحان انٹرنس میں اس مدرسہ کے ۱۶ طلباء میں سے ۸ کامیاب ہوئے۔ یہ نتیجہ بمقابلہ اکثر مدارس کے اطمینان بخش ہے۔ صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کامیاب ہو کر گورنمنٹ کالج لاہور کی ایف اے کلاس میں داخل ہوگئے۔
لنگرخانہ ۸-اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کو حکیم فضل الدین صاحب کا انتقال بمقام لاہور ہوگیا جہاں وہ علاج کے لیئے گئے تھے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ حکیم صاحب کا اخلاص اس سلسلہ سے قابل رشک تھا۔ اللہ تعالیٰ انکو اپنی مغفرت اور رضوان میں جگہ دے آمین۔ لنگرخانہ کا گذشتہ قرضہ نہایت فراخ حوصلگی سے احباب نے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر پورا کردیا تھا مگر آیندہ کے لیئے بھی خاص توجہ درکار ہے۔

واعظین۔ مولوی اللہ دیا صاحب لدھیانوی جو ایک مدت تک عیسائی مشنریوں کے خلاف بڑی کامیابی سے وعظ کرتے رہے ہیں یکم مئی سے صدر انجمن کی طرف سے بھی انکو سلسلہ واعظین میں شامل کیا گیا ہے۔ مولویصاحب زیادہ چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ ریل کے قریب قریب کے سٹیشنوں پر آسانی سے جاسکتے ہیں مگر دور نہیں۔ لہذا ان اطراف میں اگر ہمارے احباب میں سے کوئی صاحب ضرورت محسوس کریں تو مولویصاحب کے بھیجنے کا انتظام کیا جاسکتا ہے۔

تعمیر کے سلسلہ میں مسجد کا ایک کمرہ جو ۶۰ فٹ لمبا اور ۲۲ فٹ چوڑا ہے مکمل ہو گیا۔ بقیہ حصہ کی تکمیل کیلیئے کچھ انتظار کرنا پڑیگا۔ اب بورڈنگ ہوس کا کام شروع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تین ماہ تک نصف بورڈنگ ہوس تیار ہو جائیگا اور گرمیوں کی تعطیلوں کے بعد بورڈروں کے باہر رہنے کے لیئے کافی جگہ کا انتظام ہو جاویگا۔

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

وید کی ناکامی

جو کچھ قرآن شریف نے توحید کا تخم بلاد عرب۔ فارس۔ مصر۔ شام۔ ہند۔ چین۔ افغانستان کشمیر وغیرہ بلاد میں بو دیا ہے اور اکثر بلاد سے بت پرستی اور دیگر اقسام کی مخلوق پرستی کا تخم جڑھ سے اُکھاڑ دیا ہے یہ ایک ایسی کارروائی ہے کہ اسکی نظیر کسی زمانہ میں نہیں پائی جاتی مگر بمقابل اسکے جب ہم وید کی طرف دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ وہ آریہ ورت کی بھی اصلاح نہیں کر سکا اور اس ملک کے انسانوں پر نیک اثر ڈالنے میں نہایت نکما ثابت ہوا ہے اور نہ صرف ہماری اس زمانہ میں بلکہ اس ملک کی ایک لمبی تاریخ پر نظر ڈالکر ظاہر ہوتا ہے کہ کبھی اس ملک میں وید کے ذریعہ سے توحید نہیں پھیلی بلکہ بجائے اسکے نفع کے اس کا ضرر قریباً تمام آریں لوگوں کو ہلاک کرتا رہا ہے اور جب وید کے پیرو لوگوں کے عقاید اور اعمال پر نظر ڈالی جاوے تو نہایت درد اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وید ایک گمراہ کرنیوالی کتاب ہے کون اس واقعہ سے انکار کر سکتا ہے کہ جسقدر مخلوق پرست فرقے ہندوؤں کے اس

ملک میں پائی جاتے ہیں اور یا جسقدر نہایت گندی اور ناپاک مذہب اس ملک میں رائج ہوگئے ہیں
جیسے شاکت مت وغیرہ وہ سب وید ہی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہیں اگر وید میں یہ لیاقت ہوتی کہ
وہ کھلے کھلے طور پر بیان کرتا کہ سورج چاند اور پانی اور آگ وغیرہ کی پرستش مت کرو اور بدکاری
اور زنا کاری کو اپنا مذہب مت بناؤ۔ تو کیوں آریہ قوم ساری کی ساری ان چیزوں کی پرستش
میں مشغول ہوجاتی اور کیوں اسقدر بدکاری آریہ قوم میں پھیلتی مگر وید نے تو بجائے منع کرنیکے
بیگانہ عورتوں سے تعلق پیدا کرنیکی راہ بذریعہ نیوگ کھولدی اور سورج وغیرہ کی پرستش کی
ترغیب دی اور جابجا اجرام سماوی اور عناصر کو معبود ٹھہرا کر انکی مدح و ثنا کی۔ اسی طرح جوالا مکھی
کی آگ کے پوجاری اور گنگا کے پرستار اور سورج کے آگے ہاتھ جوڑنے والے اس
ملک میں کروڑہا شخص پیدا ہوگئے۔ اگر کہو کہ ان کروڑہا لوگوں نے جنمیں ہزارہا پنڈت عالم
و فاضل ہیں وید کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھے تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عذر مان بھی لیں تب
بھی وید کا ہی قصور ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں اسکی عبارت غیر فصیح اور مبہم اور مشتبہ اور
معما کی طرح ماننی پڑتی ہے تب ہی تو کئی کروڑ آریہ ورت کے پنڈتوں کو سمجھ نہ آسکی اور کروڑہا انسان
وید کی نسبت یہی خیال کرتے گذر گئے کہ وہ مخلوق پرستی کی تعلیم دیتا ہے اور جبکہ انہوں نے
اس کے سمجھنے میں غلطی کھائی تو پھر کیونکر سمجھا جائے کہ ایک تھوڑا سا فرقہ آریوں کا کہ جو
انکے مقابل پر ایک ذرہ کے موافق بھی نہیں غلطی سے بچا رہا ہے تم سچ کہو اور اپنے دھرم
سے کہو کہ کیا وید میں کہیں لکھا ہے کہ سورج اور ہوا اور اگنی اور جل وغیرہ کی پوجا مت
کرو اور بجز خدا کے جو غیب الغیب اور نہاں در نہاں ہے کسی کو اپنا معبود مت قرار دو
اور جو چیز تمھیں آسمان پر یا زمین پر دکھائی دیتی ہیں وہ تمھارے خدا نہیں ہیں بلکہ خدا
وہی ہے جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا۔ اگر کہیں لکھا ہے تو ہمیں بتاؤ۔ لیکن قرآن
شریف تو سارا اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ بجز خدا کے کسی کی پرستش جائز نہیں بلکہ کلمہ
لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے یہی معنے ہیں کہ تمہارا معبود بجز خدا کے اور کوئی نہیں اور
یہ بھی قرآن شریف فرماتا ہے لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ
خَلَقَہُنَّ۔ یعنی نہ تم سورج کی پرستش کرو اور نہ چاند کی بلکہ اس ذات کی پرستش کرو

کہ جو ان سب چیزوں کا پیدا کرنیوالا ہے۔ اگر وید میں اس آیت کے ہم معنے کوئی شرتی ہوتی تو کروڑہا آدمی مخلوق پرستی سے ہلاک نہ ہوتے۔ دیانند نے جسقدر وید کی حمایت میں تکلفات کئے ہیں وہ سب بیہودہ اور لچر ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ دیانند نے اصلی وید کیطرف آرین لوگوں کو رجوع نہیں دلایا۔ بلکہ اُس نے زمانہ کی ہوا کو دیکھ کر ایک نیا وید بنا کر پیش کیا ہے چونکہ کئی کروڑ ہنود وید سے بیزار ہو کر مسلمان ہو چکے تھے اس لیئے اُس نے خواہ نخواہ وید میں توحید کو دکھلانا چاہا سو اس بات کے ثابت کرنیسے وہ نامراد مرا۔ وید کی حالت آزمانیکے لیئے سہل طریق یہ ہے کہ ایک تحت اللفظ ترجمہ اُس کا جسمیں بطور شرح اپنی طرف سے کوئی فقرہ نہ ملایا جائے کسی غیر قوم کی طرف بھیجدو تو پھر انکو پوچھکر دیکھ لو کہ وید کی ان عبارتوں سے توحید ثابت ہوتی ہے یا مخلوق پرستی ۔

آریہ سماج کی دیانندسی بیزاری اور قرآن شریف کی پیروکاری

سناتن دھرمی ہندو بیوہ کے نکاح کی مخالف تھی بانی آریہ سماج پنڈت دیانند جی بھی ایسے ہی نکاح بیوگان کے مخالف ہیں۔ جیساکہ پنڈت صاحب کی مندرجہ ذیل عبارت سے منکشف ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں ”جس عورت یا مرد کا پانی گرہن ماتر سنسکار ہوا ہو (محض رسومات شادی ادا ہوئی ہوں) اور میل نہ ہوا ہو۔ یعنی جو اکھشت یونی استری (باکرہ عورت) اور اکھشت ویرج مرد ہو انکا دوسری عورت یا مرد کے ساتھ پنر وواہ (مکرر ازدواج) ہونا چاہیئے اور برہمن کھشتری اور ویش ورنوں (ذاتوں) میں کھشت یونی عورت اور کھشت ویرج مرد (جنکا میل ہو چکا ہو) کا پنر وواہ (مکرر بیاہ) نہ ہونا چاہیئے“ ان ذاتوں کیلیئے پنڈت صاحب بجائے مکرر بیاہ کے نیوگ کی سفارش کرتے ہیں اور اسکے جواب میں کہ آیا ان تین اعلیٰ ذاتوں کی عورتیں اور مرد ایک دفعہ بیاہ والی زندگی بسر کرنیکے بعد خاوند یا بیوی کی وفات کے بعد کسی صورت میں دوبارہ بیاہ کر سکتے ہیں پنڈت صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں ہرگز نہیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ پنڈت جی کے پیرو اپنے لیڈر کے صریح حکم کے برخلاف بیوہ کے نکاح کو صرف جائز ہی خیال نہیں کرتے۔ بلکہ حتی المقدور اپنی قوم میں اس رسم کو فروغ دینے کیلیئے ہر طرح سعی کرتے ہیں۔ میرا اسوقت

یہ مدعا نہیں کہ انکو اپنے لیڈر کے صریح حکم کے توڑنے کا الزام لگاؤں۔ بلکہ میری غرض صرف یہ ہے کہ انکی توجہ اس امر کی طرف مبذول کروں کہ انہوں نے اپنے سوامی صاحب کے صریح حکم کو چھوڑ کر قرآن مجید کی تعلیم کو اختیار کیا ہے کیونکہ یہ قرآن شریف کی ہی تعلیم ہے کہ وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ یعنی تم اپنے میں بیوگان کو نکاح کرو۔ خدائے تعالیٰ کا شکر ہے کہ قرآن شریف کی تعلیم سے مؤثر ہو کر انکے لیڈر نے اپنے آباء اجداد کی بت پرستی کے افعال کو ترک کیا اور اب آریہ سماج قرآن شریف کی تعلیم پر کاربند ہو کر بانی سماج کی صریح تعلیم کے برخلاف بیواؤں کے نکاح پر زور دے رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

آریوں کا بیواؤں کے نکاح کیلئے اسقدر جدوجہد سے سعی کرنا صاف بتلا رہا ہے کہ اگرچہ وہ اکثر اپنے گرو کی عزت کو ملحوظ رکھکر اپنی زبان سے نیوگ کی حمایت کرتے ہیں مگر وہ دل سے اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جیسا کہ ہر انسان کو جو حیا کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہو۔ کرنا چاہیئے پنڈت دیانند نے بجائے نکاح بیوگان کے نیوگ کی سپارش کی اور آریہ سماج کا بیواؤں کے نکاح کو نیوگ کی رسم پر ترجیح دینا حالانکہ پنڈت صاحب کا صریح حکم موجود ہے کہ اعلیٰ اقوام کی بیواؤں کو دوبارہ شادی نہیں کرنی چاہیئے ہاں وہ نیوگ کر سکتی ہیں۔ یہ امر اس بات کی صاف شہادت ہے کہ آریہ سماج فی الحقیقت نیوگ سے سخت متنفر ہے اور جب وہ خواستہ نخواستہ اسکے ڈیفینس کیلئے سعی کرتے ہیں تو اسوقت انکو صرف اپنے استاد یعنی سوامی صاحب کی عزت ملحوظ ہوتی ہے۔ جس نے ستیارتھ پرکاش میں اپنے پیروؤں کیلئے نیوگ کی تعلیم دی کیونکہ اگر انکے نزدیک فی الحقیقت نیوگ عمل میں لانیکے لائق ہوتا تو پھر کیوں وہ بیواؤں کے نکاح کو نیوگ پر ترجیح دیتے؟

اگرچہ سماج مجموعی طور پر بیواؤں کے نکاح کی حامی ہے تاہم اس میں بعض ممبر ایسے بھی ہیں جو ابھی تک اسکے مخالف ہیں اور اس بارے میں اپنے بزرگ آقا کے حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کی کتب مقدسہ پر مبنی ہے۔ چنانچہ ایک سماجک استری لکھنؤ سے بیواؤں کے نکاح کے برخلاف ایک پُرجوش مضمون ویدک میگزین میں بھیجتی ہیں وہ فرماتی ہیں ”کہ رنڈوے مردوں کے نکاح کا رواج

غیر آریوں کی سازشوں کی وجہ سے تو پہلے ہی پھیلا ہوا تھا اب آریہ صاحبان بھی سوشل
اور مذہبی اصلاح کی اوٹ میں ان بیوگان کو جو بیاہ والی زندگی بسر کر چکی ہیں دوبارہ
بیاہ کرنیکی ترغیب دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسطرح انکو پاکدامنی سے محروم کرتے ہیں
بعض آریہ بیان کرتے ہیں کہ سوامی دیانند جی بیواؤں کے نکاح کا قائل تھا میں انسے
استفسار کرتی ہوں کہ ستیارتھ کے کس ایڈیشن اور کس صفحہ پر سوامی جی نے یہ بیان کیا ہے۔
پھر وہ استری آگے چلکر ستیارتھ کی عبارت یہ ظاہر کرنیکے لیئے نقل کرتی ہے کہ سوامی
جی نے بیواؤں کے نکاح کی ممانعت کی اور اسکی بجائے نیوگ کی سفارش کی۔ پھر وہ
کہتی ہے "میرے مترو! جب بیوہ کا بیاہ ویدک دھرم کی رو سے جائز نہیں اور
سوامی جی بھی اسقدر اسکے برخلاف ہیں تو آپ اسکو کس طرح عمل میں لاسکتے ہیں۔ آپ
کیوں آریہ سماج کے نام پر دھبا لگاتے ہو اور بیواؤں کا نکاح کر کے کیوں اعلیٰ ذاتوں کو
خاک میں ملاتے ہو؟ اس دلیل کے جواب میں کہ بیوہ کا بیاہ آریہ استریوں کی عصمت
بچانے کیلیئے اختیار کیا گیا ہے وہ کہتی ہے۔ بعد کہ اگر ہم ایک لمحہ کیلیئے انکے اعتقاد کے
مطابق فرض بھی کر لیں کہ جب بیوہ استریاں بیاہی جائیں تو وہ بدی سے باز
رہیں گی تو مجھے نہایت ہی افسوس اور شرم سے کہنا پڑتا ہے۔ کہ شریف خاندانوں
کی اکثر بیاہی ہوئی استریاں اس قسم کے گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں حالانکہ انکے خاوند
ابھی تک زندہ موجود ہیں۔"

میرے خیال میں اگر وہ استری یہ جواب دیتی کہ جب سوامی جی نے بیوگان کو نیوگ
کرانے کی پوری اجازت بخش دی ہے جب کبھی وہ اسکی ضرورت محسوس کریں تو پھر گناہ
کرنیکی ضرورت کس طرح باقی رہ سکتی ہے تو یہ جواب کامل تسلی بخش اور یقین دلانیوالا ہوتا

آریوں کے اس بیان سے کہ بیواؤں کا نکاح زناکاری سے محفوظ رہنے کیلیئے اختیار کیا گیا
ہے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ نیوگ کو زنا کے برابر تصور کرتے ہیں کیونکہ ایک بیوہ عورت بغیر
نکاح کے بھی نیوگ کرا سکتی ہے۔ اور اگر نیوگ زنا نہیں تو اسکو ترک کرنے اور گناہوں
سے محفوظ رہنے کیلیئے نکاح کی صورت اختیار کرنیکی کیا ضرورت آپڑی؟ اگر بیواؤں کا

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیری کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالی نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اس لیے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اول قسم عا/ قسم دوم عہ/۸ قسم سوم عہ/ فی تولہ قیمت ممیرا قسم اول ۵/ جسکو لوگ اڑھائی روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم سے ۳/ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم دریاح دافع بواسیر وجذام واستسقا وزردی رنگ وتنگی نفس ودق وشیخوخیت وفساد بلغم وقاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ ومثانہ وسلسل بول وسیلان منی ویبوست ودرد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ ۸/

لنگیاں اور کلاہ :- ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی اور سوتی نسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور قیمت کی حمائل خورد دردی ہدیہ عہ/ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑہ کی جلد قیمت ۱۱/

المشتہر

احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور پنجاب

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ ۔ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۰ع ۔ نمبر ۶

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲-جون سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

نوٹ:- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قرآن مجید پر ڈاکٹر کرل کم کے حملے کا جواب

عیسائی لوگ مذہب اسلام کے متعلق کتابوں۔ رسالوں۔ اور تقریروں کے ذریعہ خلاف واقعہ امور پھیلانیکے عادی تو تھے ہی۔ لیکن اب انہوں نے اسلام کے متعلق غلط بیانیاں پھیلانیکا ایک نیا طریق نکالا ہے وہ نیا طریقہ یہ ہے کہ ریوٹر ایجنسی کے ذریعہ سے بذریعہ تار خبر اعتراضات کو دنیا میں شائع کیا جاتا ہے۔ اس ایجنسی کو ایک پیغام تھوڑا عرصہ ہوا کہ ڈاکٹر کرل کم صاحب نے ارسال کیا ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب افریقہ میں سفر کرتے رہے ہیں اور اُنکا مقصد یہ تھا کہ افریقہ میں اسلام کی ترقی اور اسلام کے متعلق مختلف مسائل پر غور کریں۔ اس پیغام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف جنگلستان افریقہ میں پھرتے رہے ہیں بلکہ قرآن شریف کے اس ترجمہ کا بھی جو سیل صاحب نے کیا ہے ورق گردانی کرتے رہے ہیں وہ اس پیغام میں جو انہوں نے ریوٹر ایجنسی کو بھیجا ہے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کا بڑے تدبر سے مطالعہ کیا ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ قرآن کی تعلیم مذہبی جنون کو پیدا کرنے والی ہے اس دعویٰ کو ثابت کرنیکے لئے وہ سیل کے ترجمے کے چند صفحوں کا حوالہ دیتے ہیں اور اُن کے نزدیک ان صفحات کی تعلیم کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ کافروں کو قتل کیا جاوے یا انکو غلامی کی حالت میں ذلت کے ساتھ رکھا جاوے۔

افسوس ہے کہ ڈاکٹر کرل کم صاحب جیسا علم و فضل کا مدعی انسان قرآن کریم کی تعلیم سے ایسا ناواقف ہو کہ ساری دنیا کے سامنے یہ ظاہر کرے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کو یا قتل کیا جاوے یا انکو غلام بنایا جاوے۔ اگر تمام دنیا ایسی ہی سمجھدار ہوتی جیسا ڈاکٹر کرل کم تو قرآن کریم کے خلاف ایسے اعتراض کا جواب دینا بے فائدہ تھا لیکن ہم یقین کرتے ہیں کہ ہمارے ناظرین میں بہت سے ایسے اصحاب ہیں جو سچائی کو سمجھکر اُسکی قدر کرینگے۔ ہم اپنے ناظرین کے سامنے وہ عبارات پیش کرتے ہیں جنکا ڈاکٹر کرل کم صاحب نے حوالہ دیا ہے اور ہر ایک صاحب بصیرت یہ دیکھ لیگا کہ ڈاکٹر مذکور نے کیسے ناجائز اعتراض قرآن کریم پر کیئے ہیں ڈاکٹر مذکور سیل کے ترجمے میں سے مفصلہ ذیل صفحات کا حوالہ دیتا ہے۔ صفحات ۲۰ و ۲۲ و ۶۴ و ۷۰ و ۲۷ و ۸۲ و ۸۳ و ۳۶۵ وغیرہا۔ ہم پہلے صفحہ ۲۰ کے متعلق غور کرتے ہیں۔ صفحہ مذکور پر لڑائی کے متعلق مفصلہ ذیل آیات ہیں وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ج فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ط كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ۔ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ ط فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ج وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (البقرہ ۲۴) ان آیات کا ترجمہ سیل نے حسب ذیل کیا ہے۔ " اور خدا کے مذہب کے واسطے اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں مگر اُنپر پہلے حملہ مت کرو کیونکہ خداوند کریم حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور اُنکو قتل کرو جہاں کہیں تم اُنکو پاؤ۔ اور اُنکو نکالدو اُس جگہ سے جہاں سے تم کو اُنہوں نے بے دخل کیا ہے۔ کیونکہ بت پرستی کی ترغیب قتل سے زیادہ بُری ہے لیکن مسجد حرام کے پاس اُنسے نہ لڑو مگر اُس صورت میں جب وہ تم پر حملہ وہاں کریں اگر وہاں وہ تم پر حملہ کریں تو اُنکو وہیں قتل کرو۔ کافروں کے لیئے یہ سزا ہے۔ مگر اگر وہ باز آجاویں تو خدائے تعالیٰ بخشنے والا اور رحیم ہے۔ اور اُنکے ساتھ لڑتے رہو حتّٰی کہ بُت پرستی کی طرف ترغیب نہ رہے اور خدا کا مذہب ہو جاوے لیکن اگر وہ باز آجائیں تو پھر کوئی لڑائی نہیں ہونی چاہیئے مگر ظالموں کے ساتھ۔ حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے بدلے ہے۔ اور حرمتوں کا بدلہ ہے۔ پس جو کوئی تمپر زیادتی کرے پس تم بھی اُسپر زیادتی کرو مانند اُسکے کہ اُس نے تمپر زیادتی کی اور خدا سے ڈرو اور یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ خدا اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو اُس سے ڈرتے ہیں۔ خدا کے مذہب کی حمایت میں اپنے مال سے مدد دو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور بھلائی کرو۔ ان آیات سے ڈاکٹر کرل کُم یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ قرآن کی یہ تعلیم ہے کہ کافروں کے ساتھ جنگ کرو حتّٰی کہ یا تو وہ غلام بن جاویں یا ذلیل بنکر رہیں۔ اگر ڈاکٹر مذکور ان آیات کو غور سے مطالعہ کرتا تو اُسکو معلوم ہو جاتا کہ ان آیات کی تعلیم انصاف اور عقل پر مبنی ہے اور یہ تعلیم ہر ایک صاحب فہم کے نزدیک واجب التعمیل ہے۔

اوّلاً ان آیات کے سمجھنے کے لیئے ہمیں اُن حالات کو دیکھنا چاہیئے جن حالات میں یہ آیتیں نازل ہوئیں قرآن کریم کا ہر ایک پڑھنے والا اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ قرآن کریم ایک ہی وقت نہیں اُترا بلکہ تھوڑا تھوڑا حسب ضرورت و موقعہ اُترا ہے۔ ان آیات سے یہ ظاہر ہے کہ یہ آیتیں تمام کفار کے متعلق نہیں ہیں۔ بلکہ وہ صرف اُن کفار کے متعلق ہیں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ اور لڑائی جسکا حکم دیا گیا وہ آنحضرت کے مخالفین کے خلاف .... تھی۔ اگر قرآن کریم یہ کہتا ہے کہ اُن سے لڑو تو اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ ہر ایک سے لڑو۔ ان الفاظ سے عام معنے نکالنا ایک ظلم ہے اور ان الفاظ کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ یہ حکم صرف اُن منکرین کے متعلق ہے جو پیغمبر خدا صلعم

کے زمانے میں تھے۔ اور جس ضرورت کی وجہ سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے
صحابہؓ کو مخالفین سے لڑنیکا حکم ہوا تھا وہ خود اُن آیات سے ظاہر ہے۔ لڑائی کا سبب
پتہ لگانے کے لیئے ہم کو کچھ ضرورت نہیں ہے کہ ہم اُس زمانہ کی تاریخ کی ورق گردانی
کریں۔ خود قرآن کریم اسکا سبب بیان فرماتا ہے اور اُس زمانے کے واقعات کے
متعلق قرآن کریم کی شہادت کو عیسائی معترضین بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ ہم ان آیات
کی طرف توجہ کرتے ہیں جو ڈاکٹر کرل کُم صاحب اپنے دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے
ہیں۔ پہلی آیت کا سیل نے اس طرح ترجمہ کیا ہے۔ "اور خدا کے مذہب کی خاطر اُن
لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں۔ لیکن تم اُنپر پہلے حملہ کر کے حد سے نکلنے
والے نہ بنو۔ کیونکہ خداوند کریم حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" اس آیت سے
صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُن مخالفین سے لڑنے کا حکم تھا جو اُن سے
لڑتے۔ اور اُن کو یہ بھی حکم تھا کہ مخالفوں پر پہلے حملہ نہ کریں۔ منکروں پر حملہ کرنے میں
ابتدا کرنا خدائے تعالیٰ کے نزدیک اعتدا (حد سے نکلنا) ہے۔ اور اعتداء کرنے
والوں کے لیئے خداوند کریم کا وعید ہے کہ وہ انکو اس جرم کے بدلے ضرور سزا دیگا۔
اگر ڈاکٹر کرل کُم صاحب تعصب سے کام نہ لیتے تو وہ اس آیت کی تعلیم کو مذہبی جنون کی
تعلیم نہ خیال کرتے اور نہ ہی انکو خیال ہوتا کہ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمان دوسرے
مذاہب کے پیرؤوں کو بلا امتیاز قتل کر ڈالیں۔ خود اس آیت میں اس اعتراض کا جواب
ملتا ہے جو اعتراض قرآن کریم کے خلاف کیا گیا ہے۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم صاحب قرآن کریم
پر کافی تدبر کرتے تو انکو معلوم ہو جاتا کہ قرآن صرف اُن لوگوں کے خلاف لڑنیکی اجازت
دیتا ہے جو مسلمانوں پر پہلے ہتھیار اُٹھائیں۔ اور قرآن کریم میں سخت ممانعت ہے
اُن لوگوں سے لڑنیکی جو مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھانیکے مرتکب نہیں ہوئے
سو صاف ظاہر ہے کہ ڈاکٹر کرل کُم صاحب میں یا تو یہ قابلیت نہیں کہ ایک صریح عبارت
کو سمجھ سکیں یا عمداً حق کو چھپا کر غلط بیانی سے کام لیتے ہیں۔ وہ الفاظ جنکا ترجمہ سیل
نے خدا کے مذہب کے واسطے کیا ہے وہ فی سبیل اللہ ہیں جنکا لفظی ترجمہ ہے

خدا کے راستہ ہیں۔ کافروں کو مسلمانوں کے ساتھ کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی مسلمان اُنکے رشتہ دار تھے۔ کافر مسلمانوں سے اسواسطے لڑتے تھے کہ انہوں نے مذہب اسلام قبول کیا تھا اور کافروں کا مدعا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرنیکا یہ تھا کہ یا تو اُنکو تباہ کردیں اور یا اُنکو مجبور کریں کہ وہ اسلام چھوڑکر پھر بُت پرستی کی طرف رجوع کریں۔ اُنکا مدعا یہ تھا کہ اسلام کو نیست ونابود کردیں وہ مسلمانوں سے نہیں لڑتے تھے بلکہ اسلام سے جو خدا کا مذہب تھا۔ اسواسطے مسلمانوں کی نسبت یہ کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے راستہ میں لڑتے ہیں۔ کافر جھوٹے معبودوں کی راہ میں لڑتے تھے اور مسلمان خدا کے راستہ میں لڑتے تھے۔ خدا کے راستہ میں لڑنے کے معنے مسیحی صاحبان نے غلطی سے یہ کیئے ہیں کہ مسلمان خدا کے مذہب یعنی اسلام کو پھیلانے کیلیئے لڑنیکے واسطے حکم دیئے گئے تھے لیکن ان معنوں کی غلطی خود اُس آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کیونکہ یہ آیت صرف اُن لوگوں کے خلاف لڑنیکی اجازت دیتی ہے جو پہلے مسلمانوں کے ساتھ لڑتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ قطعی لڑنے کی ممانعت ہے جو لڑنے میں پیش قدمی نہیں کرتے۔ اگر لڑائی کا مدعا یہ ہوتا کہ اسلام کو پھیلایا جاوے تو حکم یہ ہوتا کہ تمام کافروں سے لڑو۔ ایک اور بات بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو مذہب پھیلانیکی غرض سے لڑائی کرنیکا حکم نہیں دیا گیا تھا اور وہ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو صرف اُسوقت تک لڑنیکا حکم تھا جب تک کہ مخالف اُنکے ساتھ لڑتے رہیں اور جب مخالف لڑنا چھوڑدیں تو مسلمانوں کو حکم تھا کہ وہ فوراً ہتھیار ڈال دیں اور لڑنا بند کردیں۔ اور جب تک کہ مخالف اُنپر تعدی نہ کریں وہ ہرگز اُنسے نہ لڑیں۔ مذکورہ بالا دعویٰ کو ثابت کرنیکی غرض سے بہت سی آیتیں قرآن کریم سے نکالکر پیش کی جاسکتی ہیں۔ لیکن ہم انہیں آیتوں تک اپنے تئیں محدود رکھیں گے جنکا حوالہ ڈاکٹر کلارک صاحب نے دیا ہے۔ ان آیتوں میں سے جنکا اوپر حوالہ دیا گیا ہے ایک یہ بھی ہے فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لیکن اگر وہ رُک جاویں تو خداوند غفور اور رحیم ہے۔ اور پھر یہ بھی فرمایا ہے کہ

فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ اگر وہ (کافر) لڑنے سے رک جاویں تو پھر اُنکے ساتھ لڑائی نہیں ہونی چاہیئے - ان دو آیات سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں اوّل یہ کہ مسلمانوں کو لڑائی کرنیکی اجازت صرف اُسوقت تھی جبکہ مخالفوں کی طرف سے لڑائی کی ابتدا ہو - دوئم یہ کہ مسلمانوں کو جنگ کرنیکی صرف اُسی وقت تک اجازت تھی جبتک کہ کافر اُنسے لڑتے رہیں - اور جب فریق مخالف لڑنا چھوڑ دیں تو پھر مسلمانوں کے لیئے حکم تھا کہ وہ بھی ہرگز اُن سے لڑائی نہ کریں - سوئم یہ کہ اگر دشمنان اسلام لڑنا چھوڑ دیں تو اُنکے گذشتہ ظلموں کو نظرانداز کر دینا چاہیئے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ یہ ہیں فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کہ اگر وہ رک جاویں تو خدا بخشنے والا اور رحیم ہے - ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اُنکی گذشتہ خطاؤں کے بدلے میں اُنکو کوئی سزا نہیں ملنی چاہیئے بلکہ وہ معاف ہو جانی چاہئیں تو اب صاف ظاہر ہے کہ مسلمان صرف مخالفوں کا ظلم روکنے کے لیئے لڑتے تھے -

جنگ بدر کے بعد پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حسب ذیل وحی الٰہی نازل ہوئی - اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَکُمُ الْفَتْحُ - وَاِنْ تَنْتَھُوْا فَھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِیَ عَنْکُمْ فِئَتُکُمْ شَیْئًا وَّلَوْ کَثُرَتْ - وَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ* - اے اہل مکہ اگر تم فتح چاہتے ہو تو اب فتح آ چکی ہے اب تمہارے لیئے یہ بہتر ہے کہ تم لڑائی سے رک جاؤ - لیکن اگر تم لڑائی کی طرف لوٹو گے تو ہم بھی لوٹیں گے اور تمہاری کثیر التعداد فوج تمہارے کچھ کام نہیں آویگی کیونکہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ ہے - ان آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ لڑائی کے شروع ہونیکے بعد بھی مخالفین کو کہا جاتا تھا کہ جنگ سے باز آجاؤ - اور اُنکو یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ اگر وہ لڑائی سے باز نہ آدیں گے تو خدا مسلمانوں کے ساتھ ہے اور وہ مسلمانوں کو ضرور فتحیاب کریگا خواہ دشمنوں کی تعداد زیادہ ہو - صرف اللہ تعالیٰ

* انفال ۲ -

کی طرف سے ہی ایسی پیش گوئی ہو سکتی تھی۔ کوئی انسان ایسی پیشگوئی نہیں کرسکتا
تھا۔ اور یہ پیشگوئی اُسوقت کی گئی تھی جبکہ مسلمان بہت کمزور تھے اور دشمنوں کے
مقابلہ میں اُنکی جمعیت بالکل ہیچ تھی۔ اور اس پیشگوئی کا پورا ہونا اس بات پر دلالت
کرتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے تھی۔

غرض مسلمانوں کو صرف اُسوقت تک لڑنیکا حکم تھا جبتک کہ کافر انکے ساتھ
لڑتے رہیں اور جنگ کے اثنا میں بھی دشمنوں پر بار بار یہ امر واضح کردیا جاتا تھا کہ
اگر اب بھی وہ لڑائی سے رُک جاویں گے تو اُنسے مسلمان ہرگز نہیں لڑیں گے
جن آیات کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے اُنمیں سے مفصلہ ذیل آیت بالخصوص قابل ذکر
ہے وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ”لڑائی
کرو .... اُنسے۔ حتّٰی کہ بُت پرستی کی کوئی ترغیب نہ رہے اور مذہب خدا کا
مذہب ہوجاوے“۔ جس لفظ کا ترجمہ سیل نے بُت پرستی کی ترغیب کیا ہے وہ
فتنۃ ہے۔ اس لفظ کے اصلی معنے ہیں آزمائش۔ تکلیف اور مصیبت میں ڈالنا
(دیکھو لین پول کی عربی انگریزی ڈکشنری) خدا کا حکم یہ تھا کہ کافروں سے لڑو حتّٰی کہ
کوئی فتنہ باقی نہ رہے یعنی اُسوقت تک کافروں سے لڑو جسوقت تک کہ کافر
مسلمانوں کو تکلیف میں ڈالکر مذہب چھوڑنے کیلئے مجبور کرنیسے باز آجاویں۔
اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ دشمنوں کا مدعا یہ تھا کہ مسلمانوں کو تنگ کرکے اُنکو
اپنا مذہب اسلام چھوڑنے پر مجبور کیا جاوے۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ جب کافر
اُنسے اس غرض سے لڑیں کہ مسلمان اپنا مذہب اسلام چھوڑدیں تو وہ بھی کافروں
سے لڑیں۔ مگر جب کافر مذہب کی خاطر دُکھ دینے سے باز آجاویں تو مسلمان بھی
لڑائی سے باز آجاویں۔ جب مسلمان لڑائی کیلئے آمادہ نہیں ہوئے تھے اور ہتھیار
نہیں اُٹھائے تھے تو اُنکو واسطے اس سرزمین میں کوئی امن نہیں تھا۔ بہت سے ایسے
لوگ تھے جو دلمیں مومن تھے لیکن دشمنان اسلام ایسے زبردست تھے کہ
ایسے لوگ اُنکے ڈر کے مارے اپنا اعتقاد ظاہر نہیں کرسکتے تھے۔ اس قسم کے لوگ

بُت پرستوں کے مذہب کو ڈر کے مارے مانتے تھے۔ پس ان لوگوں کا مذہب خدا کے لیئے نہیں تھا بلکہ اُن لوگوں کے لیئے تھا جن سے وہ ڈرتے تھے۔ مسلمانوں کو لڑنے کا حکم اسواسطے ہوا تاکہ مذہب کے سبب سے کوئی شخص نہ ستایا جاوے اور ہر شخص کو یہ آزادی حاصل ہو کہ جس مذہب کو وہ سچا سمجھے اُسی کی پیروی کرے۔

غرض جب دشمنان اسلام مومنوں کے قتل کرنے میں مصروف تھے اور ایسا کرنیکو واسطے اُنکے آگے کوئی روک نہ تھی۔ تو بہت سے آدمی ان دشمنان اسلام کے ڈر کے مارے اپنے باپ داداؤں کے مذہب کو پکڑے رکھتے تھے۔ سو اُنکا مذہب خدا کے لیئے نہیں تھا بلکہ اُن لوگوں کے لیئے تھا جنکے ڈر کے مارے وہ اپنے پُرانے مذہب کو نہیں چھوڑتے تھے۔ اور مسلمانوں کو لڑنیکا حکم اس واسطے دیا گیا تھا کہ کوئی شخص کسی مذہب کو قبول کرنیکی خاطر دُکھ نہ دیا جاوے اور ہر ایک شخص کا مذہب خالصۃً للّٰہ ہو۔ یہ ہی اُس آیت کی تفسیر ہے جسکا ترجمہ سیل صاحب اس طرح پر کرتا ہے۔
(وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ) لڑو اُنسے یہانتک کہ بُت پرستی کی کوئی ترغیب نہ رہے اور مذہب خدا کا ہو جاوے۔ اگر آیت کریمہ کے آخری الفاظ کا ترجمہ ٹھیک طور سے کیا جاوے تو یُوں کہنا چاہیئے کہ مذہب خدا کے لیئے ہو جاوے۔ کیونکہ اصل لفظ لِلّٰہ ہے جسکا ترجمہ لفظی اللہ کے واسطے ہے آیت وَيَكُونَ الدِّينُ لِلّٰهِ۔ اور مذہب خدا کیلیئے ہو جاوے۔ کے معنے سمجھنے میں مسیحی مصنفین نے بڑی غلطی کھائی ہے ان الفاظ کے معنے مسیحی صاحبان نے یہ سمجھے ہیں کہ تمام لوگ مسلمان ہو جاویں۔ اور بیان کیا جاتا ہے کہ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کو لڑنا چاہیئے حتیّٰ کہ تمام دنیا مسلمان ہو جاوے ان معنوں کا غلط ہونا کئی طریقوں سے ثابت ہو سکتا ہے مگر مَیں صرف انہیں آیات تک اپنے آپ کو محدود رکھونگا جن کا حوالہ مینے اوپر دیا ہے۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ جو معنے مسیحی لوگوں نے اس آیت کے کیئے ہیں وہ غلط ہیں۔ (سیل کے ترجمہ کے مطابق) وہ الفاظ جو اس آیت سے پہلے ہی وارد ہیں وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا

تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ - "اسواسطے اُنکے خلاف لڑو حتیٰ کہ بُت پرستی کی کوئی ترغیب نہ رہے"۔ ان الفاظ کے معانی پہلے بیان کیئے گئے ہیں جنکا خلاصہ یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ اسوقت تک لڑائی کرنی چاہیئے کہ وہ مسلمانوں کو ستانا چھوڑ دیں - جب کافر مسلمانوں کو دین اسلام چھوڑانے کی غرض سے تنگ کرنا اور اُنسے لڑنا چھوڑ دیں تو مسلمانوں کے واسطے حکم یہ تھا کہ وہ بھی لڑنا چھوڑ دیں - یہ حکم ہے جو آیت زیر بحث سے پہلی آیت میں دیا گیا ہے - کیا یہ کہنا بالکل عقل کے خلاف نہیں ہے کہ دوسری آیت جو پہلی آیت کا ایک جزو ہے یہ حکم دیتی ہے کہ کافروں سے لڑو حتیٰ کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیویں یا تلوار کے نیچے آکر قتل ہو جاویں - اب ہم اُس آیت کو دیکھتے ہیں جو آیت زیر بحث کے بعد آتی ہے مابعد کی آیت کے الفاظ حسب ذیل ہیں فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ - "لیکن اگر وہ (کافر) لڑائی سے باز آجاویں تو پھر کوئی لڑائی نہیں ہونی چاہیئے مگر ظالموں کے ساتھ"۔ کیا اس آیت سے یہ بات صاف ظاہر نہیں ہے کہ قرآن کریم مسلمانوں کو ہرگز یہ حکم نہیں دیتا کہ مسلمان کافروں سے لڑتے رہیں حتیٰ کہ تمام کافر مسلمان ہو جاویں اگر قرآن کریم کا یہ منشا ہوتا تو وہ یہ حکم مسلمانوں کو ہرگز نہ دیتا کہ اگر کافر لڑنا چھوڑ دیں تو مسلمانوں کو بھی اُنکے ساتھ نہیں لڑنا چاہیئے - دوسری آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ - "مگر ظالموں کے خلاف" اس سے ظاہر ہے کہ صرف دُکھ دینے والوں اور ستانیوالے ظالموں کے خلاف لڑائی کرنے کی اجازت ہے۔

سیل کے ترجمہ صفحہ ۲۰ پر سے جو آیات نقل کی گئی ہیں انہیں ایک اور تعلیم بھی ہے جو خاص توجہ کے قابل ہے - ان آیات سے صرف یہی نہیں نکلتا کہ مسلمان لڑائی میں ابتدا کرنیوالوں سے لڑیں بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے لڑائی کرنے میں انصاف کو مدنظر رکھا جاوے - حکم ہے کہ ان لڑائی کی ابتدا کرنیوالوں کو سزا دیجاوے لیکن ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ سزا دینے میں جرم کی حیثیت کا لحاظ رکھا جاوے - ان آیات میں ناظرین کو مفصلہ ذیل ہدایات ملیں گی (الف) وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ

يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ خدا کے راستہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں لیکن حد اعتدال سے مت بڑھو۔ کیونکہ خدا حد اعتدال سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا سیل صاحب الفاظ "حد سے نہ بڑھنے" کے بعد۔۔۔ تفسیر کے طور پر یہ لفظ لکھتے ہیں کہ کافروں پر پہلے حملہ نہ کیا جاوے۔ لیکن اُسکی تفسیر سے آیت کے معنے محدود ہو جاتے ہیں اس آیت کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ مسلمانوں کو پہلے پہل لڑنے سے منع کیا گیا ہے بلکہ اسکا مطلب یہ بھی ہے کہ لڑائی شروع ہونیکے بعد بھی کسی طرح اعتدال اور انصاف کی حد سے تجاوز نہ کیا جاوے۔ ایک مثال اس بات کو خوب ثابت کرے گی۔ جب اُحد کی جنگ میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز اور بہادر چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کو کچلا ہوا اور مثلہ کیا ہوا دیکھا تو آپکا دل ایسا نظارہ دیکھنے سے پھٹ گیا اور آپنے اپنے چچا کے جسم مبارک کو مخاطب کرکے یوں فرمایا لامثلن بسبعین منهم مكانك کہ میں آپکے بدلے دشمن کے ستر آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔ اسپر خدا کی وحی اسطرح نازل ہوئی وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔ (نحل ۱۶) اگر تم سزا دو تو ایسی سزا دو جیسی کہ تمکو سزا دیگئی ہے لیکن اگر تم صبر کرو تو صبر کرنیوالوں کے لیئے بڑا اجر ہے۔

(ب) سیل صاحب کے ترجمہ

صفحہ ۲۰ سے جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے اُنہیں یہ مزید ہدایت بھی ہے کہ مسلمانوں کو لڑائی میں انصاف کیسے قائم رکھنا چاہیئے وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ "اور اُنکو اُس جگہ سے نکال دو جہاں سے کہ اُنہوں نے تم کو نکالا ہے"۔ ان الفاظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدا دشمن کی طرف سے تھی۔ لیکن مسلمانوں کو اجازت تھی کہ وہ اس حد تک بدلہ لیں جس حد تک اُنکو دکھ دیا گیا۔۔۔ اور جائز حد سے اُنکو آگے بڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ مسلمان صرف اُس جگہ سے کافروں کو نکال سکتے تھے

جہاں سے مسلمانوں کو کافروں نے نکالا تھا۔ لیکن مسلمان کافروں کو اس جگہ سے نہیں نکال سکتے تھے جس جگہ سے مسلمانوں کو نہیں نکالا گیا تھا۔ ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ قرآن مجید کی یہ تعلیم کیسی انصاف پر مبنی ہے۔ بایں ہمہ ڈاکٹر کرل کُم قرآنی تعلیم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ وہ مذہبی جنون پیدا کرتی ہے۔ شائد ڈاکٹر مذکور کا منشا یہ ہے کہ دشمن تو جس طرح چاہیں مسلمانوں پر حملہ کریں اور اُنکو اُنکے گھروں سے نکالدیں لیکن مسلمانوں کو یہ اجازت نہ ہو کہ وہ اپنے بچاؤ کے لیئے دشمن کا مقابلہ کریں یا اُنکو اُس زمین سے نکال دیں جہاں سے کہ دشمن نے اُنکو نکالا ہے اور اگر مسلمانوں کو ایسا کرنے کی اجازت ہو تو اُسکو مذہبی جنون کے نام سے پکارنا چاہیئے۔ اگر یہی مذہبی جنون ہے تو ہم اس بات کے ماننے لیئے بالکل تیار ہیں کہ قرآن کریم مذہبی جنون کی تعلیم دیتا ہے۔

ڈاکٹر کرل کُم ان الفاظ سے کہ "جہاں کہیں اُنکو پاؤ قتل کر ڈالو" یہ نتیجہ نکالنا چاہتا ہے کہ قرآنی تعلیم مذہبی جنون سکھاتی ہے۔ عیسائیوں کی یہ عادت ہے کہ ایسی آیتوں کو جیسی کہ مذکورہ بالا آیت ہے منتخب کر لیتے ہیں اور اُنکو باقی آیات سے جدا کرکے جاہل اور کم علم لوگوں کے سامنے پیش کرکے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان آیات میں تمام کافروں کو بلا تمیز قتل کرنیکا حکم ہے۔ ایسی آیتوں یا ایسے ضمائر کو تمام منکرین اسلام پر چسپاں کرنا ایک صریح ظلم ہے مذکورہ بالا آیت کو لیجیئے اس آیت میں اگر ضمیر هُم کو تمام کافروں کی طرف منسوب کیا جاوے تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اس آیت سے یہ حکم نکلتا ہے کہ مسلمان جہاں کہیں کافروں کو پائیں قتل کر ڈالیں۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم صاحب تھوڑا عقل اور فہم استعمال کریں تو آیت مذکورۃ الصدر کا ماقبل دیکھنے سے معلوم ہو جاویگا کہ ضمیر هُم ایسے لوگوں کی طرف پھرتی ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں (اَلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ) اور آیت مابعد کے دیکھنے سے معلوم ہو جاویگا کہ وہ اشخاص جن سے اس آیت کا تعلق ہے ایسے اشخاص ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو اُنکے ملک سے نکالا۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو بعض دشمنوں کو لڑنے اور اُنکو مارنے کا حکم تھا جہاں کہیں یہ دشمن اُنکو مل جاویں وجہ یہ تھی کہ یہ

٭ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ

دشمن بھی مسلمانوں کو جہاں کہیں پاتے تھے مار ڈالتے تھے۔ اسکے ثبوت میں میں ڈاکٹر
کرل کم صاحب کی خدمت میں اس زمانے کی تاریخ پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ بات
بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ جن لوگوں سے پیغمبر خدا صلعم کو واسطہ پڑا وہ لوگ ڈاکٹر صاحب
کی طرح مہذب نہیں تھے۔ یہ لوگ جنگلی تھے اور بہت کم باقاعدہ لڑائی کے عادی تھے
اور انکو انکی ظالمانہ حرکات سے روکنے کے لیئے ہمیشہ سخت لڑائی کی ضرورت رہتی
تھی۔ تاہم مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ وہ کعبہ کی مقدس حدود اور عزت کے مہینوں میں
دشمن سے نہ لڑیں۔ ہاں اگر دشمن مسلمانوں پر کعبہ کی مقدس حدود اور عزت کے
مہینوں میں پہلے حملہ آور ہوں تو صرف اس صورت میں مسلمانوں کو لڑنیکی اجازت
تھی۔

(ج) سیل کے ترجمہ صفحہ ۲۱ میں سے، جو آیات نقل ہوئی ہیں انہیں ایک اور آیت
بھی ایسی ہے جو مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ لڑائی کے وقت بھی انصاف کرنیکا حکم
دیتی ہے اس آیت کے الفاظ یہ ہیں فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُتَّقِیْنَ۔ "جو کوئی تمہارے خلاف تم سے تعدّی کرتا ہے تو تم بھی اس سے
ویسی ہی تعدّی کر سکتے ہو۔ خدا سے ڈرو اور جان لو کہ خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے
جو اس سے ڈرتے ہیں۔" یہ آیت بھی آیت ماسبق کی طرح مسلمانوں کو حکم دیتی ہے
کہ تم کافروں کو اتنی سزا دو جتنی تکلیف کہ انہوں نے تم کو دی ہے اور مسلمانوں کو
مطلع کیا گیا ہے کہ اگر تم اس شرط پر عمل درآمد کرو گے تو صرف اس صورت میں خدا
تمہاری مدد کرے گا باایں ہمہ ڈاکٹر کرل کم ریوٹر کی ایجنسی کو اطلاع دیتا ہے کہ
قرآن کریم کی ان آیات سے مذہبی جنون پیدا ہوتا ہے۔

سیل کے ترجمہ قرآن صفحہ ۲۱ ہی سے ایک اور آیت قابل غور ہے۔ اس
صفحہ پر آخری آیت کے الفاظ اس طرح پر ہیں وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا
تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ط وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اسکا ترجمہ سیل نے حسب ذیل کیا ہے۔ "خدا کے مذہب کی حفاظت کیلیئے اپنے مالوں کو خرچ کرو اور اپنے آپکو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور بھلا کرو۔ کیونکہ خدا اُنسے محبت کرتا ہے جو بھلا کرتے ہیں"۔

الفاظ وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ کی تشریح اسطرح کی گئی ہے کہ لڑائی میں مدد دینے میں غفلت کرنے سے اپنی ہلاکت کا باعث تم خود مت بنجاؤ۔ یعنی اگر تم دشمن کا مقابلہ نہیں کروگے تو دشمن تمھیں ہلاک کر دیگا۔ راڈول اور سیل ہر دونے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ تو اب اس آیت سے مزید پتہ یہ لگتا ہے کہ دشمنان اسلام مسلمانوں کو ہر وقت تباہ کرنیکے لیئے تیار تھے اور اگر مسلمان دشمنوں کے حملوں کو روکنے کیلیئے تیاری نہ کرتے تو دشمن انکا نام و نشان صفحہ زمین سے بالکل مٹا دیتے۔

اس بحث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ سیل صاحب کے ترجمۂ مخبہ بیں؟ کی جن آیات کی نسبت ڈاکٹر کرل کُم لکھتا ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر ملک کے کافروں کے قتل کرنیکے لیئے حکم دیتی ہیں اور مذہبی جنون پیدا کرتی ہیں۔ انمیں مفصلہ ذیل تعلیم دیگئی ہے۔

(۱) صحابہ کرامؓ کو صرف ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت تھی جو اُن سے لڑتے تھے۔

(۲) مسلمانوں کو سخت ممانعت تھی کہ وہ کافروں پر پہلے حملہ کریں۔

(۳) لڑائی کے وقت میں بھی انکے واسطے سخت تاکید تھی کہ وہ انصاف کو پوری طرح سے برتیں۔ اور نیز اُنکو یہ بھی حکم تھا کہ حدِ اعتدال سے بالکل نہ بڑھیں۔

(۴) اُنکو حکم تھا کہ جب دشمن لڑائی سے باز آجائیں تو وہ بھی لڑنا چھوڑ دیں۔

(۵) دشمنوں کی غرض لڑائی کرنے سے یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو یا تو تباہ کر دیں یا اُن کو مذہب اسلام کے ترک کرنے پر مجبور کریں۔

(۶) اگر مسلمان اپنی حفاظت میں کچھ غفلت کرتے تو انکی نسبت یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی تباہی میں آپ مددگار ہوئے۔

(۷) مسلمانوں کی غرض لڑائی کرنے سے یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو بچائیں اور امن قائم ہو۔

اب میں ڈاکٹر کرل کم سے یہ پوچھتا ہوں۔ کہ صفحہ بیس پر ہمکو وہ آیات دکھلائیں جنہیں یہ لکھا ہو۔ کہ ہر ایک کافر جہاں ملے اُسکو قتل کر دینا چاہیئے۔ جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے انہیں مشرکین عرب کا ذکر ہے جو پہلے لڑائی کرنیکے مجرم تھے۔ اب میں سیل کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ بیس سے صفحہ بائیس ۲۲ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اس صفحہ پر لڑائی کے متعلق حسب ذیل آیات ہیں کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ - يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا۔ ترجمہ لکھا گیا ہے تم پر لڑنا اور وہ تمھیں دوبھر معلوم ہوتا ہے اور قریب ہے کہ تمھیں ایک چیز دوبھر معلوم ہو اور وہ تمھارے لیئے اچھی ہو اور قریب ہے کہ ایک چیز تم پسند کرو اور وہ تمھارے لیئے بُری ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے وہ تجھ سے حرمت کے مہینہ میں جنگ کرنیکے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ کہ اُسمیں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے اور لوگوں کو خدائے تعالیٰ کی راہ سے روکنا اور اُسکے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور وہاں کے لوگوں کو اُسمیں سے نکالدینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اُس سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے اور فتنہ لڑائی سے زیادہ بُرا ہے اور نہیں ٹلیں گے جو لڑے جاوینگے تم سے یہانتک کہ پھیر دیں تمکو تمھارے دین سے اگر ان سے ہو سکے۔ (بقرہ - ۲۷)

ڈاکٹر کرل کم نے جو بیان کیا ہے کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کافروں سے لڑو انکو غلام بناؤ یا انکو ذلیل کرو۔ اس تعلیم کا پتہ ان آیات میں کہیں نہیں چلتا۔ بیشک ایک آیت میں یہ لکھا ہے کہ تمکو لڑائی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حکم نہیں ہے

کہ تمام کافروں سے لڑائی کرو۔ اگر ڈاکٹر کرل کم ان آیات کو غور سے دیکھتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ اگر ان آیات میں لڑنیکا حکم ہے تو ساتھ ہی ایسا کرنے کی دلیل بھی انہی آیات میں بیان کی گئی ہے اور انہی آیات میں دشمنان اسلام کے ایسے کاموں کا ذکر ہے جن کاموں کے کرنیکے باعث مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ کافروں سے لڑیں۔ اور ہر ایک آدمی جو دشمنوں کے ان کاموں کے متعلق غور کریگا اسکو ماننا پڑیگا کہ ایسی حالات میں مسلمانوں کے واسطے سوائے لڑائی کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

(۱) کافر خدا کے راستہ سے روکتے تھے یعنی یہ کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے تھے۔

(۲) وہ لوگوں کو مسجد الحرام میں آنیسے سے روکتے تھے مکّہ کی پاک مسجد میں ہر ایک آدمی کو آنے کا حق حاصل تھا۔ قریش اپنے دشمنوں کو بھی اس پاک جگہ میں آنے سے روک نہیں سکتے تھے دستور یہ تھا کہ اگر لڑائی بھی ہو رہی ہو تو موسم حج میں لڑائی بند ہو جاتی تھی اور مخالف فریق ایک دوسرے کو دُکھ دینے کے بغیر حج کرتے تھے مگر قریش اور انکے ساتھی اسلام کے ایسے دشمن تھے کہ وہ حق جو ہر ایک سخت سے سخت دشمن کو حاصل تھا وہ مسلمانوں کو حاصل نہیں تھا۔

(۳) دشمنوں نے مسلمانوں کو نہ صرف بیت اللہ میں سے روک دیا تھا بلکہ انہوں نے ساکنان مکّہ کو اپنے گھروں سے نکالدیا تھا۔

(۴) کافر مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالتے تھے **فتنہ** کا ترجمہ سیل نے بُت پرستی کی ترغیب کیا ہے لیکن اُسکے اصل معنے یہ ہیں آزمائش یا تکلیف اور مصیبت میں ڈالنا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اسلام لاتے اُنکو تکلیف اور مصیبت میں ڈالا جاتا تاکہ وہ نیا مذہب چھوڑ دیں۔

(۵) کافروں نے یہ ٹھان لیا تھا کہ جبتک مسلمان اپنے مذہب کو نہ چھوڑ دیں اُن سے لڑتے رہنا چاہیئے۔ قرآن مجید میں لکھا ہے کہ وہ تم سے لڑتے رہیں گے حتّٰی کہ وہ تمکو تمہارے مذہب سے ہٹا دیں اگر ایسا کرنا اُنکی طاقت میں ہو۔ قرآن کریم

کے اصل الفاظ یہ ہیں وَلَا یَزَالُوْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوْکُمْ عَنْ دِیْنِکُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا۔

دشمنان اسلام کا ظلم دیکھنا چاہیے کہ جب مسلمان مکّہ میں رہتے تھے تو کافر اُنسے اسلام چھوڑوانے کیلئے اُنکو دردناک تکالیف میں ڈالتے تھے۔ اور جب کافروں کے ظلم سے مسلمان تنگ آکر مکّہ چھوڑ گئے اور ایک دُور کے شہر میں جاکر پناہ لی۔ تب بھی کافروں نے اُنکا پیچھا کیا اور جیساکہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے۔ یہ ٹھان لیا کہ مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے حتّٰی کہ وہ اپنا مذہب چھوڑدیں جب دشمنوں کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا تو مسلمانوں کے واسطے کیسے ممکن تھا کہ وہ زندہ رہ سکتے اگر وہ اپنے بچاؤ کے لیئے ہتھیار نہ اُٹھاتے۔ کاش کہ ڈاکٹر کرل کُم اور اُسکے دوست قرآن شریف کا غور سے مطالعہ کرتے تب اُنکو صاف پتہ لگ جاتا کہ مسلمان دشمن کے ظلم کے سبب اپنی بچاؤ کے لیئے لڑنے پر مجبور ہوگئے تھے۔

عیسائی لوگ اکثر کہتے ہیں۔ کہ مسلمان جبتک کمزور تھے وہ صبر سے ہر ایک تکلیف کو برداشت کرتے رہے لیکن جب وہ طاقتور ہوگئے تو اُنہوں نے دشمن کے خلاف لڑنا شروع کر دیا۔ سیل کے ترجمہ صفحہ ۲۶ پر جو آیتیں ہیں وہ اس اعتراض کو جڑھ سے اُکھاڑ رہی ہیں۔ پہلی آیت یہ ہے کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ وَھُوَ کُرْهٌ لَّکُمْ۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو جب لڑنیکا حکم دیا گیا تھا۔ تو وہ اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کو دیکھکر لڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چونکہ دشمن بہت طاقتور تھا اسلیئے اُن کا مقابلہ کرنے میں یقینی تباہی نظر آتی تھی۔ بدر کی لڑائی کے متعلق خداوند کریم یوں فرماتا ہے وَلَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۔" اور خدائے تعالیٰ نے تمکو بدر کے مقام پر مدد دی حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے" بدر کی لڑائی کے وقت مسلمان کیسے کمزور تھے یہ بات مفصلہ ذیل آیتوں سے ظاہر ہے جو بدر

کی لڑائی کے متعلق ہیں۔

(۱) كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ (انفال - ۱) "جیسا کہ خدا نے تمکو تمہارے گھر دل سے حق کے ساتھ نکالا جبکہ مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات کو دوبھر سمجھتا تھا وہ سچائی کے معاملہ میں تجھ سے جھگڑا کرتے تھے بعد اسکے کہ حق اُنپر ظاہر ہو چکا تھا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں - اور وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں"

اس آیت سے ظاہر ہے کہ جب مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ مکہ سے آنیوالی فوج کے ساتھ لڑائی کریں تو وہ ایسے کمزور تھے۔ کہ اُن میں سے بہت مقابلہ کے لیئے نکلنا اپنے لیئے بڑا دوبھر سمجھتے تھے۔

(۲) جب بدر کے مقام پر فوجیں آپس میں آمنے سامنے ہوئیں تو مسلمان اپنی کمزوری کو دیکھکر خدا کے حضور مدد کے واسطے چلائے إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ "جب تم اپنے خدا سے فریاد کرتے تھے تو خدا نے تمہاری فریادوں کو قبول کیا (انفال - ۱)

(۳) اگر ناظرین یہ بات جاننا چاہتے ہیں کہ مسلمان لڑائی کے شروع کے وقت کیسے کمزور تھے تو اُنکو مفصلہ ذیل آیت پڑھنی چاہیئے۔ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (انفال - ۳) "اور اُسوقت کو یاد کرو جبکہ تم تعداد میں بالکل تھوڑے تھے اور ملک میں تم ناتوان سمجھے جاتے تھے تمکو یہ ڈر تھا۔ کہ لوگ تمکو اچک لے جائینگے تو ایسے وقت میں خدا نے تمھیں پناہ دی اور اپنی مدد سے تمکو مؤید کیا اور تمکو عمدہ چیزیں عطا کیں تاکہ خداوند کریم کا شکریہ ادا کرو"۔

سیل کے ترجمہ کا ایک اور صفحہ جسکا ڈاکٹر کلارک حوالہ دیتا ہے وہ صفحہ ۱۴۶ ہے اس

صفحہ پر جن آیتوں میں جنگ کا ذکر ہے وہ مفصلہ ذیل ہیں۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

(نساء ۱۲) "وہ (منافقین) یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جیسا کہ وہ کافر ہیں۔ تاکہ تم اور وہ برابر ہو جاویں اس واسطے انکو دلی دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ خدا کی راہ میں اپنے ملک کو نہ چھوڑ دیں اور اگر وہ روگردانی کریں تو انکو پکڑو اور جہاں کہیں انکو پاؤ مارو نہیں سے کسی کو دوست نہ بناؤ نہ کسی کو اپنا مددگار بناؤ۔"

شاید ڈاکٹر کرل کم نے ان آیات سے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ کافروں کو جہاں پاؤ قتل کر دو یا مار ڈالو۔ لیکن اگر وہ اسکے ساتھ کی آیات کو پڑھتا تو اسکو صاف معلوم ہو جاتا۔ کہ قرآن کریم کا یہ حکم کن لوگوں کے متعلق ہے وہ مابعد کی آیتیں حسب ذیل ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا۔ (النساء۔ ۱۲) "سوائے اُن لوگوں کے جو اس قوم سے جا ملتے ہیں جن کے ساتھ تمھارا عہد ہے یا وہ لوگ تمھارے پاس آتے ہیں۔ اس حال میں کہ انکے دل تمھارے خلاف یا اپنی قوم کے خلاف لڑنے سے رُکتے ہیں۔ اور اگر خدا چاہتا تو انکو تم پر مسلط کر دیتا۔ اور وہ تمھارے خلاف لڑتے پس اگر وہ تم سے ایک طرف ہو جاویں۔ اور تمھارے خلاف نہ لڑیں۔ اور تمکو امن دیدیں تو خدا تمکو اجازت نہیں دیتا کہ ایسے لوگوں سے جنگ کرو۔"

ناظرین خوب احتیاط سے دیکھیں۔ کہ ان آیات میں کن اشخاص کو مستثنیٰ کیا گیا ہے کئی لوگ ایسے تھے جو بظاہر مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن در اصل وہ مسلمان نہیں تھے یا اصل میں اسلام کے دشمن تھے اور اُن لوگوں سے جو مسلمانوں کے خلاف کھلم کھلا

لڑتے تھے زیادہ خطرناک تھے۔ خدا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کے متعلق اطلاع دی کہ انکو اپنا دوست یا مددگار نہ سمجھو۔ اور یہ اسواسطے فرمایا۔ تاکہ مسلمان ایسے لوگوں کے دھوکہ میں نہ آجاویں۔ خداوند کریم ایسے لوگوں کی سچائی پرکھنے کیلئے ایک معیار بیان فرماتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ دشمنان اسلام کا ساتھ چھوڑدیں۔ اور مدینہ میں جاکر مسلمانوں سے ملجاویں۔ تو انکو مسلمان ماناجائے لیکن اگر وہ دشمنانِ اسلام سے ملے رہیں اور ہجرت نہ کریں تو انکو دشمن خیال کیا جائے۔ مگر اس صورت میں تین استثنار تھے پہلا استثنا یہ تھا کہ اگر وہ ایسے کافروں سے جاملیں جنہوں نے مسلمانوں کے ساتھ امن کا عہد و پیمان کیا ہوا ہے۔ تو اُن کے ساتھ جنگ نہ کیا جاوے۔ دوسرا استثنار یہ تھا کہ دشمنانِ اسلام کے ساتھ ملکر مسلمانوں سے جنگ نہ کریں۔ تیسرا استثنار یہ تھا کہ وہ الگ رہیں اور مسلمانوں سے جنگ نہ کریں اور اُن سے امن کا معاہدہ کریں۔ خدا نے ایسی تین صورتوں میں حکم دیا ہے۔ کہ نہ صرف ایسے لوگوں سے لڑائی کیجائے بلکہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اس امر کے شکرگذار ہوں کہ یہ لوگ اُنکے ساتھ جنگ کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ اگر اصحاب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے ساتھ لڑتے تھے تو اسکی صرف یہ وجہ تھی۔ کہ کافر مسلمانوں کے خلاف لڑتے تھے۔ اور اگر کافر ایسا نہ کرتے تو مسلمانوں کو حکم تھا کہ ہرگز اُنسے نہ لڑیں۔ بلکہ اُنکے شکرگذار ہوں۔ قرآن کریم اُنکو یہ بھی بتاتا ہے۔ کہ منافقوں کے ساتھ کب لڑنا چاہیئے۔ مذکورہ بالا آیت سے مابعد کی آیت میں لکھا ہے۔ سَتَجِدُونَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْکُمْ وَیَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا۔ تم اور ایسے لوگوں کو پاؤ گے جو تمہاری طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں اور اپنے لوگوں کی طرف سے بھی امن میں رہنا چاہتے ہیں جب کبھی وہ لڑائی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اسمیں اُلٹ جاتے ہیں۔ اگر وہ تم سے ایک طرف نہ ہوں اور نہ تم سے صلح رکھیں۔ اور نہ وہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو ایسی صورتوں میں

جہاں اُن کو پاؤ۔ اُنکو پکڑ لو۔ اور اُنکو مارو۔ انپر خدا ئے تعالیٰ نے تمکو کھلی دلیل دی ہے۔ کیا مسلمانوں کے واسطے ضروری نہیں تھا کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ جنگ کر کے اپنے تئیں اُنکے شر سے بچائیں۔ مَیں ڈاکٹر کرل گم صاحب سے اس سوال کا جواب پوچھتا ہوں۔

باقی صفحات جن کا حوالہ ڈاکٹر کرل گم نے دیا ہے وہ مفصلہ ذیل ہیں صفحات ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۸۲ و ۸۳ اور ۳۶۵۔ میں نے ان صفحات کو بغور پڑھا ہے۔ لیکن سوائے صفحہ ۸۲ کے اور کسی صفحہ پر جنگ کا ذکر نہیں صفحہ ۸۲ پر خداوند کریم یہودیوں کے متعلق یوں فرماتا ہے۔ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ٭ " جتنی دفعہ وہ لوگ (یہودی) جنگ کی آگ جلائیں گے خدا اُسکو بجھا دیگا اور وہ زمین میں شرارت ...... کریں گے لیکن خدا شریروں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ آیت متعلق اُن سازشوں کے ہے جو مدینہ کے یہودی مسلمانوں کے برخلاف کرتے تھے۔ اور یہودیوں کی کوشش یہ رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف بت پرست عربوں کو اُکسائیں۔ اور یہ آیت بتاتی ہے کہ خداوند کریم ایسی سازشوں کو ناکام رکھے گا اور یہودیوں کی کوششیں کامیابی کا پھل نہیں لاوینگی تاریخ ہم کو بتاتی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کے زمانے کے یہودی سازشیں کیا کرتے تھے اور ایسی سازشوں میں ہمیشہ ناکام رہتے تھے ....

.... اس آیت سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کو بے گناہ لوگوں کا خون بہانیکا ہرگز حکم نہیں ہے۔ بلکہ اس آیت سے یہ صاف پتہ لگتا ہے کہ دشمنانِ اسلام مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سازشیں کرتے رہتے تھے۔ اور ان سازشوں سے اُنکا مدعا یہ تھا کہ مسلمان تباہ ہوجاویں۔ مَیں تعجب کرتا ہوں کہ ڈاکٹر کرل گم نے ان صفحات کا حوالہ کیوں دیا ہے۔ البتہ ان سب صفحات میں ایک بات ضرور درج ہے اور وہ بات ہے عیسائی عقائد کی تردید۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی غرض سے ڈاکٹر کرل گم نے ان صفحات کا حوالہ دیا ہے۔ صفحات ۷۰ و ۷۱ میں لکھا ہے کہ مسیح صلیب پر نہیں مرا اور یہ کہ عیسائیوں کے پاس اس بات کے باور کرنیکی کوئی وجہ نہیں کہ وہ صلیب پر مرا

٭ مایدہ ۹

اور صلیب پر مرنے سے اُس موت کا شکار ہوا جسکو عیسائی اور یہودی دونوں لعنتی موت مانتے ہیں۔ اہل کتاب کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ "ان میں سے کفر کرنیوالوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے" صفحہ ۲۷ پر کچھ عبارتیں ہیں جو کہ تثلیث کے مسئلہ کے برخلاف ہیں۔ صفحہ ۸۲ پر یہ لکھا ہے لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ (المائدہ - ۱۰) "بیشک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ تحقیق خدا مسیح ابن مریم ہے"۔ صفحہ ۸۳ پر مفصلہ ذیل آیات ہیں لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (المائدہ - ۱۰) "بیشک وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا تین میں سے تیسرا ہے خدا کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے اور اگر وہ اپنے اس کہنے سے باز نہ آویں بیشک ان میں سے کفر کرنیوالوں پر ایک دردناک عذاب نازل ہوگا" نیز اس صفحہ پر یہ بھی لکھا ہے مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ (المائدہ - ۱۰) "مسیح ابن مریم صرف ایک پیغمبر ہے"۔ صفحہ ۳۶۵ پر یہ آیات ہیں اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (زخرف - ۶) "وہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) صرف ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا"۔ اسی صفحہ پر عیسائیوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے قرآن کریم فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ (زخرف - ۶) "وائے ہے اُن لوگوں کے لیئے جنھوں نے ظلم کیا دردد دینے والے دن کے عذاب سے"۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کرل کم کا مدعا ان صفحات کا حوالہ دینے سے یہ ہے کہ عیسائی بھی قرآن کریم میں کافر قرار دیئے گئے ہیں اور اسواسطے کفار کے خلاف جنگ کرنیکے متعلق جو آیات ہیں وہ عیسائیوں پر بھی عاید ہوسکتی ہیں بیشک یہ آیتیں عیسائیوں پر عائد ہوتیں اگر ان آیتوں کا مدعا یہ ہوتا کہ مسلمان تمام کافروں سے لڑیں چاہے وہ کافر کہیں ہوں اور کون ہوں لیکن میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جنگ کی اجازت تمام منکران اسلام کے خلاف نہیں تھی بلکہ صرف ایسے ہی لوگوں کے خلاف جنگ کرنیکی اجازت تھی جو

مسلمانوں سے پہلے لڑتے تھے اور اُس جنگ سے اُن کا مدعا یہ ہوتا تھا کہ یا تو مسلمانوں کو تباہ کر دیں یا اُنکو مذہب اسلام چھوڑنے پر مجبور کریں سو اگر ڈاکٹر کرل کُم مسلمانوں کے خلاف اس نیت سے جنگ کرے کہ یا اُنکو تباہ کردے یا اُنکو مذہب عیسائی کے قبول کرنے پر مجبور کرے تو ایسی صورت میں بیشک مسلمانوں کو بموجب قرآن اجازت ہے کہ وہ لڑائی کریں لیکن اگر ڈاکٹر کرل کُم مسلمانوں کو اپنی حالت پر چھوڑ دے تو پھر بموجب قرآن کریم مسلمانوں کو اُسکے ساتھ لڑنے کی اجازت نہیں اور اگر وہ ایسی صورت میں لڑیں تو انہوں نے خدا کی مقرر کی ہوئی حد کو توڑ دیا اور وہ اپنی شرارت کے واسطے ضرور خدا کے ہاں سے سزا پائیں گے۔

یہ بھی یہاں ذکر کر دینا ضروری ہے کہ لفظ کافر کے لُغوی معنے ہیں انکار کرنیوالا یا ناشکرگذار قرآن کریم میں یہ لفظ اُن لوگوں کے واسطے بولا گیا ہے جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دعاوی پر انکار کرتے تھے یا خدا کو ایسا خدا ماننے سے انکار کرتے تھے جیسا خدا کہ قرآن کریم نے پیش کیا ہے کافر کے لفظ کے مقابلہ میں مومن کا لفظ ہے .. .. اور مومن ..... کے معنے ہیں ماننے والا اسواسطے کافر کے معنے ہیں نہ ماننے والا۔ لفظ کافر کبھی گالی کے طور استعمال نہیں کیا گیا اور اسی واسطے عرب کے بُت پرستوں نے کبھی اس لفظ کو بُرا نہیں مانا وجہ یہ تھی کہ وہ خود جانتے تھے کہ ہم کافر یعنی انکار کرنیوالے ہیں۔ اگر ڈاکٹر کرل کُم کو بُرا لگتا ہے کہ لفظ کافر مسیحی صاحبان کے متعلق کیوں استعمال کیا گیا تو اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ وہ عربی نہیں جانتا۔

ہم نے تمام اُن صفحات پر غور کیا ہے جنکا حوالہ ڈاکٹر کرل کُم نے اپنے پیغام میں دیا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اور بھی ایسی آیتیں ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ کافروں کو بلا تامل قتل کر ڈالو یا اُنکو غلام بنالو۔ اسواسطے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی چند اور آیتوں پر غور کیا جاوے اور یہ ثابت کیا جائے کہ اُن آیات کی تعلیم بھی ویسی ہی ہے جیسی کہ اُن آیات کی ہے جنپر ہمنے پہلے بحث کی ہے ہم پہلے وہ آیت لکھتے ہیں جسکے رو سے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنیکے واسطے پہلے پہل اجازت ملی تھی اُس آیت کے الفاظ یہ ہیں اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا

وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرُ۔ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ط۔ "ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے جنکے خلاف لوگ لڑتے ہیں یہ اجازت اسلیئے دی گئی ہے کہ وہ مظلوم ہیں اور تحقیق خدا مدد دینے پر قادر ہے ان لوگوں کو لڑنے کی اجازت ہے جو اپنے گھروں سے ناجائز طور پر نکالے گئے صرف اسلیئے کہ انہوں نے یہ کہا کہ ہمارا مالک خدا ہے"۔ یہ آیت ایسی صاف ہے کہ اسکی تشریح کی ضرورت نہیں ہے اگر ڈاکٹر کرل کم اس آیت کو غور سے پڑھتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ مسلمانوں کو لڑنے کی اجازت دی گئی مگر صرف اُس صورت میں کہ جب پہلے اور لوگوں نے اُنکے خلاف لڑائی کی اور جب انکو ناجائز طور پر گھروں سے نکالا گیا صرف اس لیئے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا مالک خدا ہے۔

اس آیت کے مابعد کی آیت میں ایک ایسی تعلیم ہے جو ناظرین کسی اور الہامی کتاب میں نہیں پائیں گے۔ یہ تعلیم ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی مذہبی بُردباری اور مذہبی آزادی کی اُس آیت کے الفاظ یہ ہیں وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَھُمْ بِبَعْضٍ لَّھُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْکَرُ فِیْھَا اسْمُ اللّٰہِ کَثِیْرًا۔ اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے کے ہاتھ سے نہ ہٹواتا رہتا تو درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے مسمار کر دیئے جاتے۔ کیا ڈاکٹر کرل کم بائیبل (عہدنامہ جدید و عتیق) میں سے کوئی ایسی آیت نکال سکتا ہے جسکی تعلیم ایسی ہو جو اس آیت میں دی گئی ہے اور باوجود ایسی آیت کے موجود ہونیکے ڈاکٹر مذکور قرآن کریم پر یہ الزام لگاتا ہے کہ اس میں مذہبی جنون کی تعلیم ہے اس آیت میں یہ تعلیم ہے کہ تمام مذاہب کے عبادت خانوں کی حفاظت کرنی چاہیئے اور تمام لوگوں کو مذہبی رسوم ادا کرنے میں پوری آزادی ہونی چاہیئے اور جہاں ایسی آزادی نہیں ہے تو خون بہا کر بھی ایسی آزادی کو حاصل کرنا چاہیئے۔ جب نجران کے ایک عیسائیوں کی جماعت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے واسطے مدینہ میں آئی تو پیغمبر خدا صلعم نے انکو اجازت

دی کہ وہ آپ کی مسجد مبارک کو اتوار کی عبادت کے واسطے بطور گرجا کے استعمال کریں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی یروشلم یعنی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو آپ کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ وہ عیسائی گرجا میں نماز پڑھیں آپ نے فرمایا کہ اگر میں ایسا کروں تو آئندہ نسلیں اس گرجا کو مسجد بنا لیں گے۔

ناظرین بمفصلہ ذیل احکامات کو ضرور غور سے دیکھیے یہ وہ احکامات ہیں جن کو عیسائی واعظ جنگ کے متعلق قرآنی آیات کا ذکر کرتے ہوئے دبا جاتے ہیں۔

(۱) لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (بقرہ - ۳۳) "دین میں کوئی جبر نہیں"

(۲) وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف ۴)
کہو یہ خدا کی طرف سے حق بات ہے جو چاہے اسکو مانے جو چاہے نہ مانے۔

(۳) نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ (ق ۳۰) اے پیغمبر ہم جانتے ہیں کہ وہ تمھاری نسبت کیا کہتے ہیں اور تمھارا یہ کام نہیں ہے کہ تم انپر جبر کرو۔

(۴) أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (توبہ ۲) کیا تم ایسے لوگوں سے لڑائی نہیں کروگے جنھوں نے اپنا عہد و پیمان توڑ دیا ہے اور رسول کے جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور لڑائی میں ابتدا بھی اول انھوں نے کی کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو پس اگر تم ایمان رکھتے ہو تو انسے بڑھکر خدا حق رکھتا ہے کہ تم اس سے ڈرو۔

(۵) وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (نساء - ۱۰) تم کو کیا ہو گیا کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیئے نہیں لڑتے۔ جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی یعنی مکہ سے نجات دے جہاں کے رہنے والے

ہم پر ظلم کرتے ہیں اور خود ہی اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور خود اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

(۶) قُلْ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ۔ (انفال - ۵) کافروں سے کہو کہ اگر اب بھی شرارتوں سے باز آجاویں تو انکے پچھلے قصور معاف کردیئے جاویں گے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر لڑائی کرنے سے باز آجاویں گے تو مسلمان بھی لڑائی سے باز آجاویں گے اور جو بے انتہا تکالیف کافروں کی طرف سے مسلمانوں کو پہنچی ہیں وہ بھی انکو معاف کیجاویں گی۔

(۷) وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ۔٭ (انفال ۹) اس آیت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تھا۔ کہ جب کبھی دشمن صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی صلح کی طرف جھکیں۔ اور یہ خیال کہ دشمن دھوکہ دینے کی خاطر صلح کر رہا ہے۔ صلح کے عہد و پیمان کرنے سے روکنے کا موجب نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ مسلمانوں کی غرض لڑائی کرنے سے یہ تھی۔ کہ وہ مومنین کو ظلم سے بچائیں۔ اور امن قائم کردیں۔

(۸) وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ۔ (توبہ - ۲) اگر یہ عہد کرکے پیچھے اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں۔ اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں۔ تو کفر کے پیشواؤں کی قسمیں کچھ بھی نہیں ان سے بے تامل لڑیں۔ تاکہ یہ لوگ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں۔ اس آیت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ پیغمبر خداؐ کا مدعا کفار کے پیشواؤں سے لڑنے کا یہ تھا۔ کہ دشمن لڑائی کرنے سے رک جاویں۔

(۹) وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (توبہ رکوع ۱-) اور اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تیری پناہ مانگے تو تو اسکو پناہ دے یہانتک کہ وہ خدا کی کلام کو

٭ (ترجمہ) اگر مخالف صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر وہ سننے والا ہے اور جانتا ہے اور اگر وہ تجھے دھوکہ دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ تیرے لئے کافی ہے۔

سُن لے۔ پھر اُسکو امن کی جگہ پہنچادو یہ اسلیئے ہے کہ وہ نادان قوم ہے"۔ لیکن ڈاکٹر ہم کو ریوٹر کے ذریعہ سے اطلاع دیتا ہے کہ قرآن اپنے پیرؤوں کو ہر ایک کافر کو جو اُنکے ہاتھ میں آجاوے مارنے یا غلام بنانیکا حکم دیتا ہے۔

(۱) لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (الممتحنہ - ۸) جو لوگ تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے۔ اور اُنہوں نے تم کو تمھارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اُن کے ساتھ احسان کرنے اور منصفانہ برتاؤ کرنے سے خدائے تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے۔

میں یقین کرتا ہوں کہ ڈاکٹر کرل کم کو اب بخوبی معلوم ہوگیا ہوگا کہ قرآن کریم میں ہر ایک کافر کے قتل کرنے یا غلام بنانیکا حکم نہیں ہے۔ خداوند کریم یہ فرماتا ہے کہ وہ اُن مسلمانوں سے محبت کریگا جو کافروں کے ساتھ انصاف سے برتیں۔ خواہ وہ کافر عیسائی ہوں۔ مسلمانوں کو صرف ایسی صورت میں لڑنے کی اجازت ہے جبکہ کافر اُنکے ساتھ پہلے پہل لڑیں۔ مسلمانوں کو یہ ہرگز حکم نہیں ہے کہ وہ کافروں سے* اُسوقت لڑائی کریں جبکہ وہ اُنپر حملہ آور ہوں اسی طرح سے مسلمانوں کو یہ حکم بھی ہے کہ جب دوسرے مسلمان اُنکے خلاف جنگ کریں تو مسلمان بھی ایسے مسلمانوں کے خلاف ضرور جنگ کریں۔ جبکہ ڈاکٹر کرل کم نے قرآن کا بخوبی مطالعہ کیا ہے تو اُسنے مفصلہ ذیل آیتیں ضرور پڑھی ہونگی۔ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ۔ (الحجرات - ۹) اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپسمیں لڑ پڑیں تو اُنہیں صلح کرادو۔ پھر اگر اُنہیں ایک فرقہ دوسرے پر زیادتی کرے تو جو زیادتی کرتا ہے تم بھی اُس سے لڑو یہانتک کہ وہ خدائے تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے۔ اب ایسی آیت کی موجودگی میں ڈاکٹر کرل کم کو شکایت کرنیکی کوئی وجہ نہیں کیونکہ قرآن کریم

* صرف اسواسطے لڑیں کہ وہ منکر اسلام ہیں جس طرح کہ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ وہ منکرین اسلام سے

جیسا کافروں کے خلاف لڑائی کرنیکا حکم دیتا ہے۔ جبکہ کافر مسلمانوں پر پہلے حملہ کریں۔ ویسے ہی مسلمانوں کے خلاف بھی لڑائی کرنیکا حکم دیتا ہے جب مسلمان دوسرے مسلمانوں سے لڑیں۔ دونوں صورتوں میں مدعا ایک ہی ہے یعنی یہ کہ کمزوروں کو ظالم لوگوں کے مظالم سے بچایا جاوے۔

ایک اور جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (النساء - ۱۰) اور مسلمانو! تم کو کیا ہوگیا۔ کہ اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کیلئے نہیں لڑتے جو دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نجات دے۔ جہاں کے رہنے والے ہم پر ظلم کر رہے ہیں۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا۔ اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار بنا۔

الغرض قرآن شریف کی تعلیم پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام کافروں کو بلاتمیز مار ڈالنے یا انکو غلام بنانیکا حکم نہیں دیتا اور اس خیال کی تائید جو ڈاکٹر کرل کُم نے ظاہر کیا ہے قرآن کریم سے نہیں ہوتی۔ بلکہ قرآن کریم کی تعلیم تو یہ ہے کہ صرف اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن لڑائی کے وقت حدِ اعتدال سے مت بڑھو۔ اور تمہاری لڑائیوں کا مدعا یہ ہو کہ امن قائم ہو جاوے۔

اگر ڈاکٹر کرل کُم کے پاس قرآن شریف کا ترجمہ سیل صاحب کا تھا تو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے پاس ایک بائیبل بھی ہوگی۔ کیونکہ ایک سرگرم مسیحی بائیبل کے بغیر سفر پر نہیں جاسکتا۔ بہتر ہوتا کہ ڈاکٹر کرل کُم بائیبل کا بھی غور سے مطالعہ کرتا۔ اور بائیبل کے خدا کے احکامات کا قرآن شریف کے احکامات سے مقابلہ کرتا۔ لیکن اگر ڈاکٹر مذکور نے ایسا نہیں کیا تو ہم اُس کی جگہ یہ کام کرتے ہیں۔

ناظرین! آپنے جنگ کے متعلق قرآن کریم کی تعلیم تو پڑھی ہے۔ اب میں آپکے سامنے

بائیبل کی جنگی تعلیم کو پیش کرتا ہوں۔

(۱) "پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ اہل مدیان سے بنی اسرائیل کا انتقام لیں اور تو بعد اسکے اپنے لوگوں سے مل جائیگا.... موسیٰ نے انکو لڑائی پر بھیجا ایک ایک فرقے کے پیچھے ایک ہزار.... بھیجا۔ اور انہوں نے مدیانیوں سے لڑائی کی جیسا کہ خداوند نے موسیٰ کو فرمایا تھا۔ اور سارے مردوں کو قتل کیا۔ اور انہوں نے ان مقتولوں کے سوا مدیان کے پانچ بادشاہوں کو جان سے مارا اور بعور کے بیٹے بلعام کو بھی تلوار سے قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور انکے بچوں کو اسیر کیا اور انکے مواشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور انکے سارے شہروں کو جنمیں وے رہتے تھے اور انکے سب قلعوں کو پھونک دیا۔ اور انہوں نے ساری غنیمت اور سارے اسیر انسان اور حیوان لیئے۔ اور وے قیدی اور غنیمت اور لوٹ موسیٰ اور الیغزر کاہن اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے پاس خیمہ گاہ میں موآب کے میدانوں میں لائے۔ تب موسیٰ اور الیغزر کاہن اور جماعت کے سارے انکے استقبال کے لیئے خیمہ گاہ سے باہر گئے۔ اور موسیٰ لشکر کے رئیسوں پر اور انپر جو ہزاروں کے سردار تھے اور انپر جو سینکڑوں کے سردار تھے جو جنگ کر کے پھرے غصے ہوا۔ اور انکو کہا کہ کیا تم نے سب عورتوں کو جیتا رکھا۔ دیکھو یہ بلعام کے کہنے سے فعوز کی بابت خداوند کے آگے اسرائیل کے گنہگار ہونیکا باعث ہوئیں۔ چنانچہ خداوند کی جماعت میں وبا آئی۔ سو تم ان بچوں کو جتنے لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف تھی جان سے مارو لیکن وے لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں انکو اپنے لیئے زندہ رکھو" گنتی باب ۳۱ آیت ۱-۱۸

(ب) اور خداوند نے موآب کے میدانوں میں یردن کے کنارے یریحو کے مقابل موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ بنی اسرائیل کو خطاب کر اور انہیں کہہ جب تم یردن سے پار ہو کے زمین کنعان میں داخل ہو۔ تو تم ان سب کو جو اس زمین کے باشندے ہیں اپنے سامنے سے بھگاؤ اور انکے ڈھالے ہوئے بتوں کو نابود کر دو اور انکے

سب اونچے مکانوں کو ڈھادو اور انکو جو اس زمین کے بسنے والے ہیں خارج کردو اور وہاں آپ بسو۔ کیونکہ مینے وہ سرزمین تمھیں دی ہے کہ اسکے مالک بنو...... پر اگر تم اس زمین کے باشندوں کو اپنے آگے سے دفع نہ کروگے تو یوں ہوگا کہ وے جنھیں تم باقی رہنے دوگے تمھاری آنکھوں میں خار ہونگے۔ اور کانٹوں کی مانند تمھارے پہلوؤں میں چبھینگے اور اس زمین میں جہاں تم بسوگے تمکو دق کرینگے۔" گنتی باب ۳۳ آیت ۵۰-۵۵

(ج) "چنانچہ خداوند ہمارے خدانے بشن کے بادشاہ عوج کو بھی اسکی ساری قوم سمیت ہمارے قابو میں کردیا۔ اور ہم نے انہیں یہاں تک مارا کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہا اور ہم نے اسی وقت اسکے سب شہر لیئے وہاں ایک شہر بھی نہ رہا جو ہم نے ان سے نہ لیا۔" باب استثنا آیت ۳-۴۔

(د) "اور ہم نے اسی وقت اسکے سارے شہروں کو لے لیا اور عورتوں اور بچوں کو ہر ایک شہر میں حرم کیا اور کسی کو باقی نہ چھوڑا۔" استثنا۔ آیت ۳۴۔

(ھ) "تم ان سب جگہوں کو جہاں ان قوموں نے جنکے تم وارث ہوگے اپنے معبودوں کی بندگی کی ہے اونچے پہاڑوں پر اور ٹیلوں پر اور ہر ایک ہرے درخت تلے نیست و نابود کردیجیو۔" استثنا باب ۱۲ آیت ۲۔

(و) "اور جبکہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کرے تو تو انہیں ماریو اور حرم کیجیو نہ تو ان سے کوئی عہد کریو۔ اور نہ انپر رحم کریو نہ ان سے بیاہ کرنا اسکے بیٹے کو اپنی بیٹی نہ دینا نہ اپنے بیٹے کے لیئے اسکی کوئی بیٹی لینا۔" باب ۷ استثنا آیت ۲۔

(ز) "اور انہوں نے ان سب کو جو شہر میں تھے کیا مرد کیا عورت کیا جوان کیا بڈھا کیا بیل کیا بھیڑ اور گدھا سب کو ایک لخت تہ تیغ کرکے حرم کیا۔" یشوع باب ۶ آیت ۲۱۔

(ح) "پھر انہوں نے اس شہر کو اس سب سمیت جو اسمیں تھا پھونک دیا۔ مگر روپا اور سونا اور پیتل اور لوہے کے ظروف خداوند کے خزانے میں داخل کیئے گئے۔" یشوع باب ۶ آیت ۲۴۔

(ط) "اور ایسا ہوگا کہ جس کسی کے پاس حرم چیز پائی جائے وہ اس سب سمیت

جو اسکا ہے آگ میں جلا دیا جائیگا۔" یوشع باب آیت ۱۵۔

(ی) "اور یوشع نے کہا کہ تو نے ہمکو کیوں دُکھ دیا خداوند آج کے دن تجھکو دُکھ دیگا تب سارے اسرائیل نے اسپر پتھراؤ کیا اور انہیں سنگسار کرنیکے بعد آگ سے جلایا پھر انہوں نے اسکے اوپر پتھروں کا بڑا تودہ کیا جو آجتک ہے۔" یوشع باب آیت ۲۵۔

(ک) "اور ایسا ہوا کہ جب اسرائیل میدان میں اس بیابان کے درمیان جہاں انکا پیچھا کیا گیا عئے کے لوگوں کو قتل کر چکے اور جب وے سب تہ تیغ ہوئے یہانتک کہ بالکل کھپ گئے تو سارے بنی اسرائیل عے کو پھرے اور اسے تلوار کی دھار سے مارا چنانچہ وے جو اُس دن مارے گئے مرد اور عورت بارہ ہزار تھے یعنی عے کے سب لوگ۔ کیونکہ یشوع نے اپنا ہاتھ جس سے بھالا اُٹھایا جبتک کہ عے کے سارے رہنے والوں کو حرم نہ کر دیا تھا پھر نہ کھینچا..... اور یشوع نے عے کو جلا کر ہمیشہ کے لیئے راکھ کا تودہ کر دیا۔ سو وہ آج کے دن تک خرابہ ہے اور اسنے عے کے بادشاہ کو پھانسی دیکے شام تک درخت پر لٹکا رکھا۔" یشوع باب ۸ آیت ۲۴-۲۹۔

(ل) "سو یوشع نے کوہستان کی ساری سرزمین اور دکھن کی اور نشیب اور چشموں کی ساری سرزمین کو تہ تیغ کیا۔ اور وہاں کے بادشاہوں کو فنا کیا ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑا بلکہ وہاں کے ہر ایک دم لینے والے کو حرم کر دیا جیسا کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے حکم کیا تھا۔" یشوع باب ۱۰ آیت ۴۰۔

(م) "اور سیسرا پیدل بھاگ کے حبر قینی کی جورو یاعیل کے خیمے پر گیا..... تب یاعیل سیسرا سے ملنے کو نکلی اور اسے کہا اے میرے خداوند آیئے میرے یہاں آیئے اور مت ڈریئے جبکہ وہ اسکے پاس خیمے میں گیا تو اس نے اسے کمبل اُڑھایا ...... تب حبر کی جورو یاعیل نے خیمے کی ایک میخ اُٹھائی اور ایک میخچو کو ہاتھ میں لیا اور دبے پاؤں اسکے پاس جاکے اور میخ اسکی کنپٹی پر دھر کے ایسی گاڑی کہ زمین میں جا دھنسی کیونکہ وہ بھاری خواب میں تھا اور ماندہ ہو گیا تھا سو وہ مر گیا۔" قاضیون باب ۴ آیت ۱۷-۲۱۔ "حبر قینی کی جورو یاعیل سب عورتوں

سے مبارک ہو وہ ان عورتوں سے جو خیموں میں ہیں مبارک ہو"۔ قاضیون باب ۵ آیت ۲۴۔

(ن) "کیا انہوں نے کچھ نہیں پایا اور لوٹ نہیں بانٹی ہر ایک پہلوان کو ایک ایک یا دو دو کنواریاں"۔ قاضیون باب ۵ آیت ۳۰۔

(س) "تب ان سب لوگوں میں سے ہر ایک نے ایک ڈالی کاٹ لی اور ابیملک کے پیچھے ہو لئے اور انہیں برج پر ڈالکے انہیں آگ لگادی چنانچہ سکم کے برج میں جتنے لوگ تھے جل مرے سب مرد اور عورتیں قریب ایک ہزار کے تھیں"۔ قاضیون باب ۹ آیت ۴۹۔

(ع) "اور اس (داؤد) نے وہاں کے بادشاہ کا تاج اس بادشاہ کے سر پر سے اس جواہر سمیت جو اس میں جڑے تھے لے لیا اور اسکا سونا وزن میں ایک قنطار تھا سو وہ داؤد کے سر پر رکھا گیا۔ ... ... اور اس شہر سے لوٹ کا بہت سامال نکلا اور اس نے ان لوگوں کو جو اس میں تھے باہر نکال کے آروں اور لوہے کے داؤنے کی گاڑیوں اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کیا اور انہیں اینٹوں کے جلتے پزاوے کے درمیان سے چلایا اور اسنے بنی عموں کے سارے شہروں سے یہ کچھ کیا"۔ سموائیل باب ۲ آیت ۳۰۔ ۳۱۔ تواریخ باب ۲۰ آیت ۲۔ ۳۔

(ف) "سو یاہو نے ان سب کو جو اخی اب کے گھرانے سے یزرعیل میں بچ رہے تھے اور اس کے سارے امیروں اور اسکے سارے رشتہ داروں اور اس کے خادموں کو قتل کیا یہانتک کہ اسکے لیئے ایک کو بھی باقی نہ چھوڑا"۔ ۲ سلاطین باب ۱۰ آیت ۱۱۔

(ص) "تب مناحم نے تفسح کو ان سب سمیت جو اس میں تھے ترضہ سے لیکے اسکی سرحدوں تک جا مارا اس نے اسکو اسواسطے مارا کہ انہوں نے اسکے لیئے دروازے کھول نہ دیئے اور اس نے ان سبکے جو پیٹ والیاں تھیں پیٹ پھاڑ ڈالے"۔ ۲ سلاطین باب ۱۵ آیت ۱۶۔

(ق) "اور جب یوسیاہ نے منہ پھیرا اسنے پہاڑ پر قبریں دیکھیں تو اس نے لوگ بھیج کے ان قبروں میں کی ہڈیاں نکلوائیں اور بذع پر جلائیں اور انپر نجاست ڈالی خداوند کے کلام کے مطابق جسے مرد خدا نے پکار کے کہا تھا جس نے ان باتوں کی منادی کی تھی" ۲ سلاطین باب ۲۳ آیت ۱۶۔

اس قسم کی لڑائیاں تھیں جو اسرائیلی بادشاہ اور نبی خداوند کے حکم کے مطابق لڑتے رہے۔ گھروں کو تہ و بالا کرنا شہروں کے شہر جلا دینا باغوں اور سبز درختوں کو جلا کر راکھ کر دینا تمام جانداروں کو فنا کرنا مرد و زن اور بچوں بلکہ بیل بھیڑوں اور گدھوں کو قتل کرنا سروں میں میخیں ٹھونکنا مردوں کو آروں سے چیرنا لوہے کے داؤنے کی گاڑیوں کو اور لوہے کے کلہاڑوں کے نیچے کرنا۔ برجوں میں آدمیوں کو جلانا حاملہ عورتوں کے پیٹ چیرنا اور مُردوں کی ہڈیاں نکالکر جلانا یہ سب کچھ کیا گیا اور سب سے بڑھ کر خداوند کا حکم تھا کہ کسی سے کوئی عہد نامہ نہ کیا جاوے اور کسی پر رحم نہ کیا جاوے۔ یہ سب کچھ خدا کی مرضی کے عین مطابق داؤد یوشع اور موسیٰ جیسے بزرگوں سے وقوع میں آیا موسیٰ کی بابت خدا کہتا ہے "اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند کوئی نبی نہیں اٹھا جس سے خداوند آمنے سامنے آشنائی کرتا" استثنا باب ۳۴ آیت ۱۰۔ موسیٰ کو خدا کا برگزیدہ بھی کہا گیا ہے۔ داؤد کی بابت یہ کہا گیا ہے "داؤد جس نے میرے حکموں کو حفظ کیا اور اپنے سارے دل میں میری پیروی کی تاکہ فقط وہی کرے جو میری نگاہ میں اچھا تھا" ۱ سلاطین باب ۱۴ آیت ۸۔ پھر لکھا ہے کہ "داؤد نے وہی کیا جو خداوند کی نگاہ میں اچھا تھا" ۱ سلاطین باب ۱۵ آیت ۵۔ بائیبل کہتی ہے کہ "نون کا بیٹا یوشع دانائی کی روح سے معمور ہوا" استثنا باب ۳۴ آیت ۹۔

اب اس شخص کو جو بائیبل کو کلام الٰہی یقین کرتا ہے قرآن شریف پر حملہ کرنے سے شرم کرنی چاہیئے۔ جنگ کے متعلق قرآن شریف نے جو ہدایات دی ہیں وہ ایسی ہیں جو مہذب سے مہذب اقوام کے لیئے دستور العمل ہونی چاہیئے اب میں الٹر

کرنل گم سے چاہتا ہوں کہ وہ بائیبل کی تعلیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد اور حضرت یوشع جیسے عظیم الشان انسانوں کے عملدرآمد کا جو عین خداوندی کے حکم کے مطابق تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس رحیمانہ حکم کے ساتھ مقابلہ کریں جو آپنے موتہ کی طرف جانیوالے لشکر کو دیا آپنے فرمایا اوصیکم بتقوی اللہ ومن معکم من المسلمین خیرا اغزوا بسم اللہ فی سبیل اللہ من کفر باللہ لا تغدروا ولا تغلوا ولا تقتلوا ولیدًا ولا امراۃً ولا کبیرًا فانیًا ولا منعزلًا بصومعۃ ولا تقربوا نخلًا ولا تقطعوا شجرًا ولا تھدموا بناء (زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد دوم صفحہ ۳۲۲) یعنی میں تمکو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور جو مسلمان تمھارے ساتھ ہیں ان سے نیک سلوک کر نیکی وصیت کرتا ہوں اللہ کے نام کے ساتھ اپنے جنگ کو شروع کرو اور صرف خدا کے لیئے کفار سے (یعنی شرحبیل اور اسکے مددگاروں سے جنہوں نے ایک مسلمان سفیر کو قتل کر کے خود جنگ کی بنا ڈالی) لڑو مگر فریب اور خیانت سے اجتناب کرو بچوں عورتوں بوڑھوں اور درویشوں کو ہرگز قتل نہ کرو کھجوروں کے قریب مت جاؤ کسی درخت کو مت کاٹو اور نہ کسی مکان کو گراؤ۔ نیز ڈاکٹر موصوف کو چاہیئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے خلیفہ یوشع بن نون کی لڑائیوں کا آنحضرت صلعم کے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکرؓ کے انصاف اور اعتدال کے اصولوں کے ساتھ مقابلہ کریں۔ آپنے شام کی طرف لشکر بھیجتے ہوئے فرمایا۔ انصاف کرو اپنے عہد کو نہ توڑو کسی کو مثلہ نہ کرو بچوں بوڑھوں اور عورتوں کو نہ مارو۔ کھجوروں کو نقصان نہ پہنچاؤ اور نہ آگ سے جلاؤ۔ کسی پھلدار درخت کو نہ کاٹو۔ بھیڑوں بکریوں گایوں اور اونٹوں کو بغیر ضرورت کے ذبح نہ کرو تمھیں ایسے لوگ بھی ملیں گے جو خانقاہوں میں رہتے ہیں انسے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔ انکے پکے ہوئے کھانوں کو خدا کا نام لیکر کھاؤ خدا کا نام لے کر آگے بڑھو۔ وہ لڑائی میں اللہ وبا سے تمھاری حفاظت کرے۔ (پریچنگ آف اسلام مصنفہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ صفحہ ۵۰)

جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ڈاکٹر کول گم کی غلط بیانیوں کو کھولنے کے لیئے کافی ہے

اب ریوٹر ایجنسی کا فرض ہے کہ جس طرح انہوں نے ڈاکٹر موصوف کے اعتراضات کو کل اخبارات میں شائع کیا ہے۔ ایسا ہی وہ اس جواب کے خلاصہ کو شائع کریں۔

واقعہ صلیب کے متعلق ایک محقق امریکن کی رائے

حضرت مسیح کے واقعہ صلیب کے ہمارے بیانات سے ناظرین بخوبی واقف ہیں۔ ہم ذیل میں ایک نیویارک کے ہفتہ وار اخبار سے ایک صاحب مسٹر جارج لمو کے مضمون کو نقل کرتے ہیں صاحب موصوف کی رائے صلیب کے واقعہ کے متعلق بالکل اُس حقیقت کے مطابق ہے جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے۔ آپ لکھتے ہیں "چار انجیلوں کے بیان کے مطابق تمام مسیحی کامل ایمان رکھتے ہیں کہ یسوع مسیح ہفتے کے چھٹے دن دو مجرموں کے درمیان صلیب دیا گیا تھا جو واقعہ اناجیل میں بیان کیا گیا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ پلاطوس نے موت کے وارنٹ پر اپنی مرضی کے برخلاف دستخط کئے اور اُسکی بیوی نے بھی بہت زور لگایا کہ وہ ایسا نہ کرے۔ ... ... مگر جب یہودیوں نے اُسے ایسی دھمکی دی جس میں اُسکے معزول ہونیکا خوف پایا جاتا تھا۔ تو اس عام شور و غل سے گورنر نے متاثر ہو کر مسیح کا صلیب پر چڑھانا منظور کر لیا۔ ... ...

..... صلیب سے ایک آہستہ موت واقع ہوتی تھی۔ مصلوب عموماً دو یا تین اور بعض دفعہ چار دن تک اپنی موت کے واقع ہونے سے پیشتر تکلیف اُٹھاتا تھا مگر مسیح کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بالکل تھوڑے وقت میں صلیب پر مر گیا۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُسکے گرفتار ہونیکے بعد اسکے تمام حواری اسکو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اسلیئے ان لوگوں کا بیان صلیب کے واقعہ کے متعلق معتبر نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ یہودیوں نے صلیبوں سے لاشیں اُتارنیکے لیئے پلاطوس کو کہا تاکہ دوسرے دن یعنی سبت کی بے حرمتی نہ ہو۔ یہ بات بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ پلاطوس اور اسکی نرم مزاج بیوی نے مسیح کو موت کے پنجے سے چھڑانیکے لیئے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سپاہیوں نے دوسرے

دو چوروں کو جلد مارنے کی خاطر انکی ہڈیاں توڑ ڈالی تھیں تاکہ انکی لاشیں بغیر کسی توقف کے دفن کی جائیں مگر مورخ بیان کرتا ہے کہ یسوع کی ہڈیاں نہیں توڑی گئیں۔ اسکی کیا وجہ تھی۔ صریحاً اسکی وجہ یہ تھی کہ پلاطوس نے انکو ہدایت کی تھی کہ حتی الوسع اس بیگناہ شخص کو موت سے بچانیکی کوشش کیجائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسکو ایک برچھے سے چھیدا گیا مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ انجیل نویس کا اس سے مدعا تھا کہ وہ کسی طرح عبرانی کتب مقدسہ کی ذکر کی ہوئی علامات کو یسوع پر چسپاں کرے۔ مگر افسوس کہ زخم کی گہرائی کی بابت کچھ نہیں بیان کیا گیا۔ اسکا جسم ایک مقبرہ میں رکھا گیا۔ اور ایک پہرہ بھی اس قبر پر حفاظت کے لیئے متعین کیا گیا یہ سپاہی پلاطوس کے ماتحت اور تنخواہ دار ملازم تھے مانا کہ وہ گورنر کمزور اور خودغرض تھا مگر وہ رحم دل بھی تھا۔ اب اسکے لیئے کونسی راہ قدرتی طور پر اس کام کی انجام دہی کے لیئے مناسب تھی۔ یہ بالکل اغلب معلوم ہوتا ہے کہ جب رات شروع ہوئی تو اسنے اپنے ڈاکٹر کو اس قبر پر بھیجا ہوگا اور ایک حکمنامہ بھی پہرہ داروں کے افسر کے نام بھیجا ہوگا کہ وہ اسکو اندر داخل ہونیکی اجازت دے تاکہ وہ مسیح کا مناسب علاج کرکے اسکو ہوش میں لائے اور سب کے لیئے یہ تاکیدی حکم دیا ہوگا کہ ساری کارروائی خفیہ طور پر کی جاوے۔ کوئی ظالم یہودی وہاں ادھر ادھر نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ سبت شام سے شروع ہوگیا تھا اور چونکہ وہ ایک خاص کر متبرک دن تھا اس لیئے کوئی بھی قبر کے نزدیک رہ کر اپنے آپ کو ناپاک نہیں کرسکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح وہ مذہبی رسومات میں شمولیت سے محروم رہتے۔ انجیل کی کہانی کی تمام تفصیل اس بیان کے مطابق ہے۔ سپاہیوں کو پہرہ کے وقت سو جانے پر بھی سزا نہ دی گئی۔ یسوع صلیبی واقعہ کے بعد بہت دن زندہ اور اسی جسمانی حالت میں رہا۔ کیونکہ اس نے جھیل گلیل کے کنارے بھنی ہوئی مچھلی کا ٹکڑا اور شہد کھایا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا جسم باقی انسانوں کے جسم کی طرح تھا۔ اسکو کوئی نیا جسم عطا نہیں ہوا تھا۔ پھر یہ بیان کہ اسنے اپنی باقی زندگی لوگوں سے علیحدہ ہوکر بسر کی۔ اس خیال کے عین مطابق ہے کہ پلاطوس اس معاملہ کو بادشاہ سے مخفی رکھنے کے لیئے بہت فکرمند تھا اسلیئے اسنے مسیح کو علیحدگی

میں رہنے کیلیئے تاکید کی ہوگی۔

پولوس بیان کرتا ہے کہ جب وہ دمشق کی طرف جارہا تھا تو راستے میں مسیح اُسپر ظاہر ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز اُسوقت پولوس پر ظاہر ہوئی اور جس نے پولوس کو کہا کہ تم کب تک میرے شاگردوں کو ستاؤ گے وہ کوئی روح نہ تھی بلکہ مسیح بذاتِ خود اپنے جسمانی وجود میں پولوس سے ملاقی ہوئے اور اگر پولوس نے غلطی سے اُنکو روح سمجھا تو وہ ایسا سمجھنے میں بالکل معذور تھا۔

اگر خود مسیح کا بھی ایک عرصہ تک یہی خیال رہا کہ میں مر کر جی اُٹھا ہوں تو بھی کوئی تعجب کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ صلیب کے دردناک عذاب نے ضرور اُسکے دل پر اثر کیا ہوگا اور اگر اُس نے اپنے شاگردوں کے پاس یہ بیان کیا کہ میں مر کر پھر زندہ کیا گیا ہوں تو اُسکا یہ بیان ہمارے اصول کے ہرگز مخالف نہیں ہو سکتا۔

میری یہ رائے ہے کہ مسیح حقیقی طور پر مرا نہیں تھا بلکہ اُسکی حالت ایک معلق زندگی کیحالت تھی مگر ابھی اُسکی روح نے پرواز نہیں کی تھی۔ اور پلاطوس کے معتبر خدام کی مدد سے وہ پھر ہوش میں لایا گیا اور یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ وہ مر کر جی اُٹھا۔ یہ ہے حقیقت اس معجزے کی جسکو مسیحی لوگ دنیا کے آگے پیش کرتے ہیں۔

اُلوہیت مسیح کے برخلاف آسمانی کتب کی شہادت

اقتباس از یونیٹی اینڈ منسٹر کلکتہ

باوجودیکہ الوہیت مسیح کو باطل کرنیوالی بہت سی آسمانی کتب کی شہادتیں موجود ہیں تاہم بعض مسیحی صاحبان یہی کہے جاتے ہیں کہ یسوع مسیح خدا ہے یا خدا اور مسیح ایک ہی ہیں یا یسوع خدا کے برابر ہے۔ مگر تمام بائبل میں ایک فقرہ بھی ایسا نہیں ہے جو بصراحت الوہیت مسیح کے عقیدہ کی تائید کرتا ہو۔ برخلاف اسکے بیشمار حوالے اس عقیدے کے باطل ہونیکے ثبوت میں پیش کیئے جاسکتے ہیں نئے عہدنامے کی تمام

طرز تعلیم اسکے بالکل مخالف ہے مندرجہ ذیل چند حوالے جنکو ہمارے مسیحی دوست اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت ہی مضبوط دلائل سمجھتے ہیں۔ یہاں پیش کیئے جاتے ہیں:
یسوع نے کہا ہے۔ "میں باپ پاس جاتا ہوں اور میرا باپ مجھ سے بڑا ہے" یوحنا ۱۴/۱ ورس ۲۸۔ یسوع نے اپنے حواریوں سے پوچھا "کہ تم کس کو میرے جیسا کہتے ہو" شمعون پطرس نے اسکو کہا "تو زندہ خدا کا بیٹا یسوع مسیح ہے" یسوع نے جواب میں کہا "مبارک ہے تو شمعون برجونا کے بیٹے کیونکہ یہ گوشت اور خون نے تجھے الہام نہیں کیا بلکہ میرے باپ نے جو آسمان میں ہے" یہ اس امر کا پُرزور اعلان ہے کہ یسوع مسیح خدا نہیں ہے بلکہ خدا کا بیٹا مانا کہ یسوع یہ کہتا ہے "کہ میں اور میرا باپ ایک ہیں" یوحنا باب ورس ۳۰۔ مگر اس نے پھر یہ بھی کہا ہے۔ "اور وہ جلال جو تو نے مجھے دیا میں نے انکو دیا ہے تا کہ وے ایک ہوویں جیسا کہ ہم ایک ہیں" یوحنا باب ۱۷ ورس ۲۲۔ یقیناً یسوع کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ تمام خدا ہو جائینگے۔ پھر یسوع کی سلطنت کا ایک انتہا بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ اسکا حواری کہتا ہے۔ جب تمام چیزیں مغلوب ہوجائینگی بیٹا خود اسکے (خدا کے) ماتحت ہو جائیگا (اول قرنتیون باب ۱۵ ورس ۲۸)

پھر جب یہودیوں نے اسپر الزام لگانیکی کوشش کی کہ اس نے خود ہی اپنے آپکے خدا بنایا یسوع نے فوراً اس بہتان کی تردید کی اور کہا کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا کہ تم خدا ہو۔ جب وہ انکو خدا کہتا ہے جن کی طرف خدا کی وحی نازل ہوئی اور کتاب باطل نہیں ہو سکتی۔ تم اُسے جسے خدا نے مخصوص کیا اور دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر کہتا ہے کیونکہ میں نے کہا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ یوحنا باب ۱۰ ورس ۳۴-۳۶ یسوع زور سے اس بات کی تردید کرتا ہے کہ وہ خدا ہے "جو کوئی یہ ایمان رکھے گا کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے خدا اسمیں ہے اور وہ خدا میں ہے"۔ یوحنا۔

مشہور پادری صاحبان کی رائے میں مندرجہ ذیل عبارت پندرھویں صدی سے پہلے کسی یونانی تحریروں اور نہ ہی نویں صدی سے پہلے کسی لاطینی تحریرات میں پائی جاتی ہے۔ وہ عبارت اس طرح ہے "یسوع مسیح خدا کی شکل میں ہو کر خدا کے برابر ہونیکو

بُرا خیال نہ کیا" خدا کی شکل میں یا خدا ہونیکا بیان ظاہر کرتا ہے ۔ خدا کے
بات خدا سے برابری کے الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اگر یسوع خود
اپنے آپ کو خدا کے برابر کہنا ایک بے معنی بات تھی یسوع نے خود کہا کہ میرا باپ
بڑا ہے اور مجھے اس نے اپنی مرضی پورا کرنیکے لیئے بھیجا ہے" اور ہمیشہ کی زندگی
یہی ہے کہ وہ تجکو اکیلا سچا اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں" یوحنا باب ۱۷
۴۔ یسوع صیحون کا بادشاہ آقا اور مالک دنیا کا نور زندگی کی روٹی۔ خدا کا برّہ
...... نبی۔منجی۔ شفیع۔ بچانیوالا۔ اُستاد۔ سچائی۔ نور اور زندگی خدا کی دانائی
خدا کی آواز اور خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ آسمانی کتب میں تقریباً بیس دفعہ خدا تعالیٰ کو
یسوع مسیح کا خدا کر کے پکارا گیا ہے۔ اٹھاسٹھ دفعہ خدا کو یسوع مسیح کا باپ کہا گیا ہے۔
انیس ۱۹ دفعہ یسوع کو نبی کہا گیا ہے اسّی دفعہ سے زیادہ یسوع انسان کا بیٹا کر کے پکارا
گیا ہے اور چھپن ۵۶ دفعہ خدا کا برگزیدہ ۳ اور خدا کا بیٹا ایک سو بیس ۱۲۰ دفعہ۔ اُنیس ۱۹ فقروں
میں کہا گیا ہے کہ تمام حمد و ثنا صرف خدا کے لیئے ہے چار سو پچاس ۴۵۰ دفعہ اعلیٰ صفات خدا
کی طرف منسوب کی گئیں ہیں۔ جنمیں سے یسوع مسیح کو کوئی بھی نہیں دی گئی۔ تیرہ سو ۱۳۰۰
فقرے ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ یسوع مسیح سے بالکل الگ ہستی ہے۔ الوہیت
مسیح کا عقیدہ صرف بے ثبوت ہی نہیں ہے بلکہ آسمانی صحیفوں کی کھلی کھلی شہادتوں
کے بالکل برعکس ہے۔

گوتم بُدھ کی ہڈیاں اور حضرت مسیحؑ ناصری کی قبر

ہمارے ناظرین ملک کشمیر۔ شہر سری نگر۔ محلہ خان یار کی قبر سے بخوبی واقف ہیں
جو نبی صاحب اور عیسیٰ صاحب کی قبر کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی کتابوں
میں اس قبر والے کا نام شہزادہ یوز آسف لکھا ہے اور یوز آسف کے نام پر ایک قصّہ
بھی موجود ہے اور چونکہ اس قصّہ کے بعض واقعات گوتم بُدھ کی زندگی کے واقعات
سے مشابہت رکھتے ہیں اسلیئے اکثر عیسائی صاحبان کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ

شہزادہ یوزآسف گوتم بدھ کا ہی دوسرا نام ہے۔ یہ رائے اُسوقت رکھی جاتی تھی جبکہ ابھی یوزآسف کی قبر کا کشمیر میں ہونا عام طور پر معلوم نہ تھا اور اس امر کے دریافت ہونے کے بعد کہ یوزآسف کی قبر ملک کشمیر میں ہے مناسب تھا کہ پرانی رائے کو عیسائی صاحبان ترک کر دیتے۔ کیونکہ سری نگر کا شہزادہ کسی صورت میں گوتم بدھ نہیں ہوسکتا تھا مگر پادریوں کی ایک عجیب عادت ہے کہ اصل حقیقت کھلنے کے بعد بھی وہی پرانی رام کہانی سنائے جاتے ہیں اسلیئے یوزآسف کی قبر کشمیر میں دریافت ہونیکے بعد بھی یہی کہتے رہے کہ یوزآسف کوئی نیا شخص نہیں وہ گوتم بدھ کا ہی دوسرا نام ہے۔ اور اس بات کے ماننے میں کہ یوزاسف گوتم بدھ نہیں انکو موت نظر آتی تھی کیونکہ اس سے یہ ماننا پڑتا تھا کہ سری نگر کا شہزادہ وہی شہزادہ ہے جس نے یروشلم میں صلیب سے نجات پاکر مشرقی بنی اسرائیل میں آکر پناہ لی۔ اگر سری نگر کی قبر بدھ کی قبر ہوتی تو وہ دنیا کے کُل بدھ مذہب کے پیرووں کا مرجع ہونی چاہیئے تھی۔ علاوہ ازیں بدھ کی کچھ ہڈیاں تھوڑا عرصہ ہوا کہ نیپال کے پاس دریافت ہوئی تھیں اور اب حال ہی میں پادریوں کی بدقسمتی سے اس کی کچھ اور ہڈیاں پشاور کے پاس سے نکلی ہیں جو بڑی عزت اور شان و شوکت کے ساتھ ملک برہما میں ایک خاص مندر تیار کرکے اُسمیں رکھی گئی ہیں۔ ان ہڈیوں کے دریافت ہونے میں ایک دنیا نے دلچسپی حاصل کی ہے مگر ہمارے لیئے ان کا دریافت ہونا خصوصیت کے ساتھ دلچسپی کا باعث ہے کیونکہ اب وہ پادریوں کا بیہودہ خیال کہ سری نگر کا شہزادہ گوتم بدھ ہی ہے بالکل نابود ہوگیا اور اب پادریوں کو یہ کہتے ہوئے ضرور شرم آئیگی کہ شہزادہ یوزآسف جسکی قبر محلہ خان یار سری نگر کشمیر میں ہے وہ گوتم بدھ ہی ہے۔

ایک نیا عیسائی فرقہ

فری تھنکر لکھتا ہے کہ عیسائیوں کا ایک نیا فرقہ ملک روس میں نکلا ہے۔ اس فرقہ کا بڑا اصول یہ ہے کہ دنیا کا خاتمہ قریب ہے۔ اور یہ کہ نجات صرف خودکشی سے حاصل ہوسکتی ہے۔ پولیس نے اس فرقے کی طرف اُسوقت توجہ کی جبکہ انہوں نے بہت سی

لاشوں کو جنگلوں میں لٹکا ہوا دیکھا اور آخر کو معلوم کیا کہ یہ ایک نئے عیسائی فرقے کی کارروائی تھی۔ جنکو سلف ڈسٹرائرس یعنی خودکش کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بہت سے لوگ خودکشی کر چکے ہیں اور ایک علاقہ میں تو اس فرقے کے قریباً سب لوگوں نے اپنے آپ کو تباہ کر دیا ہے۔

اس فرقے کے اصول پر بحث کرتے ہوئے اخبار فری تھنکر لکھتا ہے۔ اپنے آپ کو تباہ کرنیکا خیال عیسائی دنیا میں اور خصوصاً ملک روس میں کوئی نیا خیال نہیں تیس سال سے زیادہ عرصہ گذرا ہے کہ ایک عیسائی فرقہ ظہور پذیر ہوا جس کے اصول قریباً وہی تھے جو آجکل کے خودکشوں کے اصول ہیں اس فرقے کے لوگ مرد عورتیں۔ بچے ایک جگہ جمع ہو جاتے۔ بالغ بچوں کو قتل کرتے۔ مرد عورتوں کو ذبح کرتے اور پھر آپس میں مرد ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنا خاتمہ کر دیتے۔ ایک اور فرقہ کے لوگ مسیح کی خاطر بڑی بڑی آگیں جلاتے اور اپنے تئیں جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کی نذر کرتے۔ ہر ایک صورت میں لیڈر خوابیں دیکھتے اور لوگوں پر اپنی روح ڈالتے اور جب لوگ روح سے بھر جاتے تو پھر اسکے بعد اپنے تئیں آپ ہلاک کرنیکی کارروائی شروع ہو جاتی۔ اس قسم کے کئی فرقے ملک روس میں پیدا ہو چکے ہیں۔ اور مسٹر ہیڈ نے اپنی کتاب "رشن چرچ اینڈ رشن ڈسنٹ" میں ان فرقوں کا کچھ بیان کیا ہے اگرچہ وہ بیان بہت نرم الفاظ میں ہے۔ یہ فرقے اس بات کا ایک بین ثبوت ہیں کہ مذہب عیسائیت میں ایک گندہ عنصر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اکثر ملکوں میں یہ گندہ عنصر نسبتاً بے ضرر شکل میں ظاہر ہوتا رہا ہے۔ لیکن اگر مذہب عیسائیت کی تاریخ ایک قابل اور سمجھدار مورخ کے قلم سے لکھی جاوے تو اس میں بہت سی اس قسم کی دلچسپ باتیں ملیں گی۔

دھرم کی کسوٹی:۔ مرتبہ ماسٹر محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور"

یہ کتاب ان چودہ سوالات کا جواب ہے جنکو درشنانند پرچارک آریہ سماج نے اسلام کے برخلاف اپنے زعم میں لاینحل سمجھکر پبلک پر راولپنڈی میں پیش کیے۔ اس کتاب میں بہت قوی دلائل سے سوامی صاحب کے اعتراضات کا بخیہ ادھیڑا گیا ہے صفحہ ۹۴ قیمت ا/ خورد۔ ایڈیٹر نور قادیان سے مل سکتی ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر

جلد ۹ — بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء — نمبر ۷

چندہ سالانہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

نوٹ:- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

انبیائے عالم

سردار پریتم سنگھ صاحب ایم اے نے ایک قابل دید مضمون مذکورہ بالا عنوان پر گورو کل میگزین میں لکھا ہے۔ سردار صاحب موصوف کے خیالات قریباً قریباً ایسے ہی ہیں جیسا کہ ہم اکثر اس رسالہ میں روئے زمین کے انبیاء کے متعلق ظاہر کرتے رہے ہیں اور چونکہ یہ مضمون ایک تعلیم یافتہ سکھ سردار نے لکھا ہے ہم اس مضمون میں سے بہت سے اقتباسات یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو کہ قرآن شریف کی جو تعلیم دوسرے مذاہب کے متعلق ہے وہ ایسی معقول ہے کہ ہر ایک سلیم الفطرت انسان خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو اسکو قبول کریگا۔

اس مضمون کے لکھنے والا اپنے مضمون کی ابتدا میں انبیاء کا شعراء اور فلاسفروں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "نبی میں وہ سب اچھی باتیں موجود ہوتی ہیں جو شاعر اور فلاسفر میں پائی جاتی ہیں۔ وہ دونوں کے درمیان ایک اوسط راہ پر چلتا ہے وہ الٰہی پیغمبر ہوتا ہے وہ ایک مشن یعنی پیغام لاتا ہے اسکو خدا کے ہاں سے حکم ملتا ہے اسکے الفاظ اگرچہ بظاہر نثر کی صورت میں ہوتے ہیں مگر وہ نظم کا اثر اپنے اندر رکھتے ہیں اور اسکے فرمان اگرچہ سادہ ہوتے ہیں مگر تاہم بڑے بڑے فلسفہ کے اصولوں کو اپنے اندر لئے ہوتے ہیں پیغمبر وہ حکم دیتا ہے جنکی اس زمانہ کے لوگوں کو ضرورت ہوتی ہے

اسکی تعلیم آسانی سے سمجھ آسکتی ہے اور اسکے احکام ایسے ہوتے ہیں جو سب کو ماننے پڑتے ہیں وہ فلاسفر کی طرح دقیق باتیں نہیں کرتا اور نہ ہی شاعر جیسے تصوّر باندھتا ہے وہ روزمرہ کی زندگی کے متعلق عملی قواعد بتاتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ان قواعد کی پابندی کیجاوے وہ احکام خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں"۔

پھر سردار صاحب موصوف بیان کرتے ہیں کہ نبی کی شان فلاسفر یا شاعر کی حیثیت سے نہایت بالاتر ہوتی ہے اور اسکے ثبوت میں ایک ایسی معقول دلیل دیتے ہیں جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی کے کام کا اندازہ اس اثر سے ہوتا ہے جو کہ وہ لوگوں کے دلوں پر ڈالتا ہے اور جو اثر کہ انبیاءؑ کی تعلیم کا لوگوں پر پایا جاتا ہے اور جس اخلاص سے دنیا انبیاءؑ کی پیروی کرتی ہے اُس کا نام و نشان بھی فلسفی لوگوں یا شاعروں میں نہیں پایا جاتا۔ دنیا کو بحیثیت مجموعی دیکھا جاوے تو دنیا کے لوگ مفصلہ ذیل فرقوں میں منقسم پائے جاتے ہیں یعنی ہندو مسلمان عیسائی بُدھ مذہب کے پیرو زردشتی یہودی وغیرہ کیا دنیا میں کوئی ایسا فلاسفر بھی ہوا ہے جس نے دنیا میں کسی مذہب کی بنیاد ڈالی ہو اور دنیا اسکی ایسی اتباع کرتی ہو جیسی کہ انبیاءؑ کی اتباع کرتی ہے۔ ان مذہبوں میں سے ہر ایک فرقہ میں ایک کتاب اور ایک مقدس بزرگ پایا جاتا ہے ہندوؤں کے پاس وید ہیں اور انکے رشی صاحبان کو الہام ہوا آخری زمانہ میں انکے پاس گیتا آئی جو کرشن علیہ السلام پر خدا کی طرف سے نازل ہوئی مسلمانوں کے پاس قرآن شریف ہے اور محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) انکے پیغمبر ہیں عیسائیوں کے پاس بائیبل ہے اور حضرت مسیحؑ انکے پیغمبر ہیں بُدھ مذہب کے لوگوں کے پاس تری پٹک ہے اور اُنکا پیشوا بُدھ ہے پارسیوں کے پاس انکی کتاب زندوستا ہے اور اُنکا نبی زردشت ہے اور یہودیوں کے پاس انکا عہدنامہ عتیق ہے اور انکے پیغمبر حضرت موسیٰؑ ہیں چینی لوگوں میں کنفیوشیس اور اسکے احکام ہیں۔

مسٹر پریتم سنگھ پھر مفصلہ ذیل اصول بیان کرتے ہیں۔ اوّل تمام مذہب

دراصل خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ دوم۔ تمام انبیاء خدا کے رسول تھے۔
سوم جو کتابیں وہ لائے وہ خدائی الہام کے ذریعہ سے نازل ہوئیں۔
وہ مفصلہ ذیل دلیل سے ان مذکورہ بالا اصول کو ثابت کرتا ہے "ہم عام طور پر
مشاہدہ کرتے ہیں کہ دنیا انبیاء کے خدا کی طرف سے ہونے اور اُنکی کتابوں کے الہامی
ہونے پر ایمان لاتی ہے اور یہ ایمان جو عام طور پر مشاہدہ کیا جاتا ہے مندرجہ بالا
اصول کے سچا ہونیکے لیئے کافی دلیل ہے اور اگر اور ثبوت کی ضرورت ہو تو میں
ایک اور ثبوت بھی پیش کرتا ہوں جو میرے لیئے موجب یقین کا ہوا ہے اور امید
ہے کہ ناظرین کو بھی یقین دلانیوالا ہوگا۔ بنی نوع انسان ہمیشہ ترقی کرتے ہیں مختلف
انسان مختلف طور سے سوچتے ہیں اور انسانوں کی جماعت کی بہبودی کیلیئے
کوئی معیار قرار نہیں دیا جا سکتا جبتک کہ ان میں ایک ایسا انسان پیدا نہ ہو جو
دوسروں سے ہر طرح بڑھ چڑھکر ہو ایسا آدمی دنیا کے لیئے کشتیبان یا ہادی
ہوتا ہے۔ انسان اس کی عزت کے لیئے اسکے آگے جھکتے ہیں اور لوگ اسکا حکم
مانتے ہیں ایسا آدمی جماعت انسان کے لیئے کچھ قواعد مقرر کرتا ہے جس کی
تعمیل ہر ایک فرد کرتا ہے اور یہ قواعد دنیاوی گورنمنٹ کے قانون کی طرح نہیں
ہوتے جنپر حاکمان وقت جبر سے عملدرآمد کراتے ہیں بلکہ یہ قواعد ایسے ہوتے ہیں
جنکی تعمیل ہر ایک فرد کو ضرور کرنی پڑتی ہے یہ قواعد چند صدیوں تک زیر عمل رہتے
ہیں حتّٰی کہ افراد کی حالت بدل جاتی ہے اور ایک نئے قواعد مقرر کرنیوالے کی ضرورت
محسوس ہوتی ہے پھر الٰہی قواعد کے مطابق ایک نیا مامور آتا ہے جو کہ گذشتہ
نبیوں کے احکام کی تائید کرتا ہے مگر اُنکی شریعت میں ایک نئی روح پھونک دیتا ہے
اور اُسپر ایک نیا رنگ چڑھا تا ہے۔ اور ان قواعد میں ضرورت وقت کے مطابق
کچھ تبدیلیاں بھی کر دیتا ہے اس طرح سے وقتاً فوقتاً خدا کے نبی بنی نوع انسان
کی رہنمائی کے لیئے آتے رہتے ہیں اور ضرورت وقت اور ضرورت مکانی کے
مطابق وہ اپنی قوم کے سامنے ایک نئی تعلیم پیش کرتے ہیں گذشتہ زمانہ

...کی مذہبی تاریخ اس دستور کی شاہد ہے پانچ ہزار برس ہوئے کہ آریہ قوم کی ضرورت
کے مطابق وید اُترے جب زمانہ بدل گیا اور آریہ قوم کے خیالات نے ترقی کی تو پھر بھاگوت
گیتا کرشنؑ پر نازل ہوئی یہ کتاب ہندوؤں کے قدیمی علم ادب میں ایک اعلیٰ درجہ کی
کتاب ہے۔ بھاگوت گیتا میں لکھا ہے کہ جب مذہب زوال پذیر ہو جاتا ہے اور لامذہبی
ترقی کر جاتی ہے تو اُس وقت مَیں آتا ہوں اور دنیا میں اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہوں
بھاگوت گیتا کی یہ عبارت میری بات کی تائید کرتی ہے (گیتا کی عبارت جو اوپر
نقل کی گئی ہے وہ خدا کا کلام ہے جو کرشن پر نازل ہوا اسواسطے لفظ مَیں خدا
کی طرف پھرتا ہے نہ کہ حضرت کرشن علیہ السلام کی طرف جو ایک انسان تھے جن کے
ذریعہ سے خدا نے اپنے آپ کو دنیا میں ظاہر کیا جیسا کہ وہ دیگر انبیاءؑ کے ذریعہ اپنے
آپ کو وقتاً فوقتاً دنیا پر ظاہر کرتا رہا ہے)

پھر فاضل مضمون نویس دنیا کے مذاہب کی موجودہ حالت کا خاکہ کھینچتا ہے
ہندوؤں کے مذہب کی نسبت وہ لکھتا ہے کہ "ہندو مذہب کی صحیح تعریف کرنا
ایک محال کام ہے کسی ہندو کو اسکے مذہب کے متعلق سوال کرو تو کوئی دو ہندو ایسی
نہیں ملیں گے جنکا مذہب بالکل ایک ہی ہو۔ ہندو مذہب میں اس قدر تفرقہ اور تقسیم
پیدا ہو گئی ہے کہ اب یہ عدم کے کنارے پر پہنچ گیا ہے۔ ممکن ہے کہ اسکا فلسفہ اعلیٰ درجہ
کا ہو مگر جو کام ایک زندہ مذہب کا ہونا چاہیئے وہ کام اب ہندو مذہب پورا نہیں کر سکتا
اور ایک عرصہ دراز سے اس نے اپنے فرائض کو ادا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ بوڑھا اور
بے جان ہو گیا ہے اور اگرچہ اسکو زندہ رکھنے اور اسکو سہارا دینے کیلئے لوگوں نے بہت
سی اصلاحی سوسائٹیاں قائم کر رکھی ہیں مگر پھر بھی وہ بڑھاپے کی وجہ سے مر رہا ہے
اور ضروری تھا کہ اس قسم کا ایک سوشل مذہب مرورِ زمانہ کی وجہ سے موت کا مزہ چکھتا"
بُدھ مذہب کے متعلق مسٹر پریتم سنگھ صاحب لکھتے ہیں "اس مذہب کا سہارا
ایک عالی شان انسان اور لاثانی نفس کشی پر ہے۔ ہندو مذہب میں زوال آچکا
تھا اُس وقت خدا کی روح از سرِ نو بُدھ مذہب کی شکل میں نازل ہوئی اور اُس نے

دوبارہ ملک ہند میں صحیح اعتقادات کی بنیاد ڈالنی چاہی - اور اس ملک میں ذات پات کے سلسلہ کی وجہ سے جو اختلاف پیدا ہو گئے تھے انکو دُور کرنا چاہا - اُسوقت ویدوں کو ہندوؤں نے پڑھنا چھوڑ دیا تھا اور درحقیقت وہ اُس زمانہ کے مناسب حال بھی نہیں رہے تھے کیونکہ ہر ایک الہام ایک خاص زمانہ اور خاص ملک کے لئے ہوتا ہے اس لئے ایک نئے مذہبی سلسلہ نے اُنکی جگہ لے لی - بُدھ مذہب کا سرعت کے ساتھ ہند اور گرد و نواح کے ممالک میں پھیلنا ایک تاریخی واقعہ ہے جس سے ہر ایک تاریخدان آگاہ ہے - اور ہند میں یہ پہلا مذہب تھا جس نے غیر قوموں کو اپنے اندر لینے کا اصول قائم کیا مگر آجکل بُدھ مذہب میں بھی اُسی طرح زوال واقعہ ہو گیا ہے جیسا کہ ہندو مذہب میں - اور اگرچہ بُدھ مذہب کی حالت ایسی ردّی نہیں جیسی کہ ہندو مذہب کی ہے اور بدھ مذہب کے عقائد کا وہ حال نہیں جو ہندو مذہب کے عقائد کا ہے تاہم اس مذہب سے بھی زندگی کی روح نکل چکی ہے اور اب چھلکا ہی چھلکا باقی رہ گیا ہے۔"

اسکے بعد سردار پریتم سنگھ زردشتی مت اور یہودی مذہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "دنیا کے دو پرانے مذہبوں زردشتیت اور یہودیت کا بھی اب وہی حال ہے جو بُدھ مذہب اور ہندو دھرم کا ہو گیا ہے زردشت ایران کا ایک بزرگ نبی گذرا ہے - اُسکے احکام اور قوانین زندوستا کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں کئی صدیوں تک یہ ایرانیوں کا مذہب رہا - اور اب یہ بھی پُرانا ہو گیا ہے - پُرانے سے میری یہ مراد نہیں کہ مذہب کے اصول اور راستیاں تغیر پذیر ہیں بلکہ اس سے میری یہ مراد ہے کہ اس مذہب کے قواعد اور ضوابط صرف ایک خاص زمانہ اور خاص قوم کیلئے تھے - اسلام کی بڑھتی ہوئی لہر کے آگے اس مذہب کے پاؤں اُکھڑ گئے اور مسیح سے چھ سو سال بعد ایرانیوں نے مذہب اسلام کو قبول کیا - ایران بھی ہمارے آریہ ورت کی طرح ایک پُرانی تہذیب کا مرکز تھا اور جیسا کہ اُنکی تہذیب ہماری تہذیب کی طرح قدیم تھی ایسا ہی اُنکا مذہب بھی ہمارے مذہب کی طرح قدیم تھا -

اور جیسا کہ ہر ایک سوشل سلسلہ مرورِ زمانہ کی وجہ سے زوال پذیر اور بگڑا ہوا ہو جاتا ہے یہی حال زردشت کے مذہب کا ہوا۔ یہودیوں کے پاس بھی ایک ضابطہ قوانین تھا اور حضرت موسیٰؑ انکے نبی صاحب شریعت تھے۔ اسرائیل کے بیٹے ایک دفعہ روئے زمین کی قوموں میں سب سے زیادہ زبردست قوم تھے۔ مگر جس روحانی لہر کو حضرت موسیٰؑ نے چلایا تھا آخر اُس نے اپنا زور کھو دیا اور پیشتر اسکے کہ مسیحی مذہب ظاہر ہو یہود دنیا میں منتشر ہو چکے تھے اور وہ گھٹتے گئے گھٹتے گئے یہاں تک کہ اب بہت تھوڑے یہودی پائے جاتے ہیں جو ایک پرانے بوسیدہ مذہب کے پیرو ہیں اور یہ مذہب آجکل کے حالات کیلئے ہرگز موزون نہیں۔"

یہودی مذہب کے بعد سردار صاحب موصوف مسیحی مذہب کا ذکر کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ "وہ نصائح اور تعلیم جو مسیحؑ دنیا میں لایا وہ چند صدیوں تک توافرادِ قوم کیلئے موجب رہنمائی ہوئے۔ پھر اُسکے بعد عرب کی سرزمین میں ایک نبیؑ پیدا ہوا جس نے اپنی قوم یعنی اہل عرب میں ایک معجزانہ تغیر پیدا کر کے دنیا کو عجائبات کا مشاہدہ کرایا۔" مسیحی مذہب کی موجودہ حالت کا ذکر کرتے ہوئے سردار صاحب لکھتے ہیں کہ "جسم تو موجود ہے مگر جسم میں سے روح پرواز کر گئی ہے۔"

اسکے بعد سردار پریتم سنگھ صاحب اُس اعتراض کا ذب کرتے ہیں جو اکثر مسیحی صاحبان اور بہت سے ہنود خصوصاً پنجاب کا فرقہ آریہ سماجیوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر لگاتے ہیں کہ معاذ اللہ آپ سچے نبی نہیں تھے۔ سردار صاحب موصوف لکھتے ہیں "میں ایک لمحہ کیلئے بھی اس بات کو برداشت نہیں کر سکتا کہ ... نبی جھوٹا ہو یا اُسکی زبان پر کچھ اور اُسکے دل میں کچھ اور ہو۔ وہ اپنی تمام قوت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ لوگ اُسکا مقابلہ کرتے ہیں اور اُسکو طرح طرح کے دُکھ دیتے ہیں مگر وہ اپنے کام میں ثابت قدم رہتا ہے اور آخر کار کامیاب ہو کر رہتا ہے۔ کیا تم مجھے اس بات کا

یقین دلا سکتے ہو کہ ۳۰ کروڑ مسلمان جو آج قرآن مجید کو خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور وہ لوگ جو اس سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ایمان رکھتے تھے وہ تمام ایسے لوگ تھے جنہوں نے ایک جھوٹی بات پر اپنے ایمانوں کو جمایا۔ آپ کے احکام پر آج ایک دنیا اپنا سر جھکاتی ہے اور گذشتہ تیرہ ۱۳ سو سال سے مومنین کم از کم دن میں پانچ دفعہ محمد رسول اللہ کا نام مبارک اپنی زبانوں پر جاری رکھتے ہیں۔ میرے مہربانو! مجھے بتلاؤ کہ یہ طاقت یہ قوت کہاں سے آئی کیا یہ جو تم دیکھتے ہو الٰہی طاقت نہیں ہے؟ میں نہیں سمجھ سکتا کہ الٰہی نصرت کے بغیر یہ طاقت پیدا ہو سکے۔"

اسکے بعد سردار صاحب اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں بھی خدا کا ایک نبی آیا مگر انہوں نے صراحت کے ساتھ اس نبی کا نام بیان نہیں فرمایا۔ آپ لکھتے ہیں " بالآخر ہمارے زمانہ میں بھی ایک نبی پیدا ہوا اور اسکی تعلیم کے لیئے یہ امر مقدر ہے کہ اس عظیم الشان زمانہ کے لوگ اس سے ہدایت اور رہنمائی حاصل کریں گے۔"

اگرچہ سردار صاحب نے بالصراحت اس موجودہ زمانہ کے نبی کا نام نہیں لیا مگر ان کے مضمون پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اشارہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح و مہدی موعود کی طرف ہے کیونکہ جو کیفیت سردار صاحب ایک سچے نبی کی بیان کرتے ہیں وہ حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر بالکل چسپاں ہوتی ہے۔ سردار صاحب سچے نبی کی نسبت لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وثوق اور قوت کے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ میں خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہوں اور دنیا اسکے مقابل میں مخالفت کا ایک جوش دکھلاتی ہے اور اسکو نابود کرنا چاہتی ہے مگر وہ بڑے عزم اور استقامت کے ساتھ اپنی بات پر قائم رہتا ہے آخر کار وہ کامیاب ہوتا ہے اور اس کے دشمنوں کی ساری کوشش بے فائدہ ثابت ہوتی ہے۔ یہ بیان اس زمانہ میں صرف

حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کامل اور اتم طور پر صادق آتا ہے۔ اس زمانہ میں جسقدر لوگ اصلاح کے لیئے اُٹھے ہیں۔ اُن میں سے ایک احمدؑ ہی ہے جو ایک نبی کے لباس میں اور نبوت کے منہاج پر ظاہر ہوا۔ تمام وہ خصوصیتیں جو صرف انبیائؑ میں پائی جاتی ہیں وہ ہمارے زمانہ کے احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام میں کامل طور پر پائی جاتی ہیں۔ اگر انبیائؑ کی ایک الگ جماعت ہے جو دنیا کے دوسرے لوگوں سے ممتاز ہے تو یقیناً ہمارا احمدؑ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اُسی جماعت کا ایک ممتاز فرد ہے۔ اگر زردشتؑ ایک نبی تھا۔ اگر بدھؑ اور کرشنؑ نبی تھے اگر حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیحؑ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی ہو کر دنیا میں آئے تو یقیناً بیتیناً احمدؑ بھی ایک نبی ہے کیونکہ جن علامتوں کے ذریعہ زردشتؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا نبی ہونا ہمیں معلوم ہوا وہ تمام علامتیں حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی فداہ ابی واُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہیں۔ آپنے اپنا ابتدائی زمانہ دیگر انبیائؑ کی طرح خلوت اور عبادت الٰہی میں بسر کیا۔ اور آپ اس عرصہ میں دنیا کے لوگوں سے الگ رہے۔ آپنے دیکھا کہ دنیا کسی طرح کے ظلمات میں پھنسی ہے۔ اور آپ کا دل یہ نظارہ دیکھکر غم وحزن سے بھر گیا۔ اور آپنے خدائے تعالیٰ کے آگے رو رو کر دعائیں کیں کہ حق کی روشنی دنیا پر پھر چمکے۔ ان خلوت کے ایام میں وحی الٰہی آپ پر نازل ہوئی اور خدائے تعالیٰ نے آپ سے اُسی طرح کلام کیا اور آپسے اُسی رنگ میں بولا جس طرح اور جس رنگ میں وہ گذشتہ نبیوں سے بولا اور اُن سے کلام کیا۔ خدائے تعالیٰ نے غیب کی عجیب در عجیب خبریں آپ پر ظاہر کیں اور جن باتوں کی آپ کو بذریعہ وحی الٰہی خبر دی گئی جب وہ سب کی سب اُسی طرح پوری ہوئیں تو آپ کو یقین ہوا کہ جس آواز کو آپنے سنا تھا وہ خدا کی آواز تھی اور جو کلام آپکے کانوں میں ڈالا گیا تھا وہ اُسی خدا کا کلام تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر توریت نازل کی اور جس نے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید جیسی بے نظیر کتاب اُتاری

ہر ایک نئے کلام کے بعد آپ کا یقین بڑھا اور اُس ذو العرش رب نے آپ پر اُسی طرح تجلّی کی جس طرح کہ اُس نے پہلے انبیاء پر اپنے تئیں ظاہر کیا تھا۔ آخر خدائے تعالیٰ نے آپ کو امر کیا کہ خلوت سے باہر نکل کر روئے زمین کی قوموں کے سامنے نبوت کرو جیسے کہ پہلے نبیوں نے نبوت کی۔ آپ نے خدائے تعالیٰ سے خبر پا کر اس امر کا اعلان کیا کہ مَیں وہ آخری زمانہ کا موعود ہوں جسکی مختلف ملکوں کے تمام عظیم الشان نبیوں نے خبر دی اور صرف دعویٰ ہی نہ کیا بلکہ خدائے تعالیٰ نے آپکے دعویٰ کی تائید میں بے شمار زبردست نشان دکھلائے۔ جب آپ بالکل تنہائی اور گمنامی کی زندگی ایک گمنام گاؤں میں بسر کر رہے تھے اُس وقت خدائے تعالیٰ کا کلام آپ پر نازل ہوا اور خدائے تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی کہ دنیا کے گوشوں تک مَیں تیرے نام کو عزت کے ساتھ شہرت دونگا۔ اور دُور دراز رستوں سے جوق در جوق لوگ تیرے پاس چلکر آئیں گے یہانتک کہ قریب ہے کہ وہ اپنی کثرت کی وجہ سے تجھے تھکا دیں۔ اُسکے دعویٰ کو سُنکر دنیا چونک اُٹھی خصوصًا مسلمان جو ایک عرصہ دراز سے یہ یقین کر چکے تھے کہ آیندہ کوئی ایسا شخص مسلمانوں میں سے پیدا نہیں ہوگا جسپر خدائے تعالیٰ وہی انعام نازل کرے جو اُس نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیئے سخت تیزی کے ساتھ ہر ایک طرف سے مخالفت کا جوش اُٹھا۔ مگر آپ استقامت سے اپنے کام میں مصروف رہے یہانتک کہ خدائے تعالیٰ کی نصرت نے آپ کو کامیابی کا تاج پہنایا۔ آپنے اپنے دعوے کے ثبوت میں کئی واقعات کی قبل از وقت خدائے تعالیٰ سے آگاہی پا کر خبر دی اور اُن واقعات نے پورا ہو کر اس بات کی شہادت دی کہ جو کلام آپکے مُنہ سے نکلتا ہے وہ آپ کی بناوٹ نہیں بلکہ وہ خدائے تعالیٰ کی وحی ہے جو آپ پر نازل ہوئی۔ کئی صدیوں کے بعد دنیا نے آپکے ذریعہ خدائے تعالیٰ کا تازہ کلام اپنے کانوں سے سنا۔ مَیں آپ کی پیشگوئیوں کی عظمت ظاہر کرنیکے لیئے دو تین مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا ہے کہ ایک یا دس یا سو یا ہزار لوگوں نے

نہیں بلکہ کُل دنیا کے لوگوں نے خدائے تعالیٰ کے اُس کلام کی سچائی کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے جو ۱۵۔ جنوری ۱۹۰۶ء میں آپ پر نازل ہوا۔ اُس تاریخ کو خدائے تعالیٰ کا زبردست کلام آپ پر اُترا اور اُس نے یہ عجیب وغریب خبر دی کہ عنقریب ایران کے شاہ کجکلاہ کے ایوان میں ایک زلزلہ آنیوالا ہے جو اُسکی جڑھوں کو ہلا دے گا۔ اُس الہام الٰہی کے الفاظ یہ ہیں "تزلزل در ایوان کسرے فتاد" جسکے معنے ہیں کہ کسرے شاہ ایران کے محل میں ایک ہل چل پڑنے والی ہے یہ الہام اُسوقت نازل ہوا جبکہ ایران کا شہنشاہ بڑے امن کے ساتھ اپنے آبائی تخت پر بیٹھکر ایران کی قدیم سلطنت پر حکمرانی کر رہا تھا اور اُس کبھی نہ بھولنے والے حادثہ کا نام ونشان بھی نہیں تھا جس نے تھوڑے دن ہوئے کہ اُسکے تخت کو ایسا ہلا دیا اور اُسکے ایوان میں ایسی ہل چل ڈالدی کہ شہنشاہ کو اُس کے تخت سے نیچے گرادیا اور بادشاہ مکرم کو اپنے محلوں سے بھاگنا پڑا۔ دیکھو یہ کیسی عظیم الشان پیشگوئی ہے اور کیسے چونکا دینے والے رنگ میں پوری ہوئی اور ایسی صفائی سے اس نے اپنے سچا ہونیکی گواہی پیش کی ہے کہ کسی شخص کو انکار کی کچھ بھی گنجائش نہیں رہی۔

اسی طرح بہت عرصہ قبل اسکے کہ ملک میں طاعون نمودار ہوا آپنے پیشگوئی فرمائی کہ ایک خوفناک وبا ملک میں ظاہر ہوگی اور اُسکے بعد آپنے پنجاب کے شہروں۔ قصبوں اور دیہات میں بذریعہ اشتہار لوگوں کو آنیوالی طاعون سے متنبہ کیا آپنے لکھا کہ مَیں نے فرشتوں کو پنجاب کے شہروں اور دیہات میں طاعون کے بدشکل پودے لگاتے ہوئے دیکھا ہے اور اس عذاب الٰہی سے بچنے کی ایک ہی راہ ہے اور وہ توبہ۔ زاری اور خدا کے حضور عاجزی کے ساتھ گڑگڑانا ہے۔ مگر بجائے اسکے کہ آپکے اس اعلان سے فائدہ اُٹھایا جاتا اُلٹا ہنسی اور ٹھٹھے سے کام لیا گیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ جس تیزی اور شدت کے ساتھ طاعون نے پنجاب کو تباہ کیا اس کی نظیر ملک ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں نہیں پائی جاتی۔

پھر آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ ایک "زلزلہ کا دھکا" آنیوالا ہے اور ساتھ ہی یہ الہام شائع کیا کہ عفت الدیار محلھا ومقامھا یعنی ایک ایسی آفت آنیوالی ہے جو مکانات کو زمین کے ساتھ ملا دیگی خواہ وہ مکانات عارضی رہائش کے ہوں یا مستقل رہائش کے۔ چنانچہ ان الہامات کے شائع ہونیکے بعد جلدی ہی ایک زلزلہ کا دھکا ملک پنجاب میں آیا جو ایسا سخت تھا کہ طرفۃ العین میں ایک سرسبز سرزمین کھنڈرات کا ویرانہ ہوگئی اور ان گرنیوالے مکانات نے بلند آواز کے ساتھ اُس الہام کے سچا ہونے کی گواہی دی جو قادیان سے تھوڑا عرصہ پہلے شائع کیا گیا تھا۔ مگر آپ نے پھر فرمایا کہ یہ زلزلہ کا دھکا تو صرف ایک پیش خیمہ ہے بہت سے خوفناک زلزلوں کے لیئے جو دنیا کے کسی ایک حصہ میں نہیں بلکہ مختلف حصوں میں عنقریب آنیوالے ہیں اور وہ زلزلے قیامت کا نمونہ ہونگے اور بعض اُنمیں ایسے شدید ہونگے کہ دنیا کی تاریخ میں اُن کی نظیر نہیں ملے گی چنانچہ ایسے زلزلے آئے اور اُنہوں نے اس کرۂ ارض کے بہتسے حصوں کو تہ و بالا کیا اور جیسا کہ اُس ندا کرنیوالے نے آسمانی وحی سے خبر پاکر ڈنکے کی چوٹ سے دنیا کے کونوں تک اس خبر کو پہنچایا تھا وہ ایسے شدید زلزلے تھے کہ دنیا پکار اُٹھی کہ واقعی یہ ایسے زلزلے ہیں کہ تاریخ عالم کے صفحوں میں ان زلزلوں کی نظیر نہیں پائی جاتی بلکہ یہ بھی تسلیم کیا کہ امید نہیں کہ پھر دنیا میں کبھی ایسے سخت زلزلے واقع ہوں۔ پس خدائے تعالیٰ کا کلام جیسے زور سے شائع کیا گیا تھا اُسی زور سے وہ پورا ہوا تا دنیا کو معلوم ہو کہ دنیا میں ایک نذیر آیا ہے اور یہ کہ آج وہ زمانہ ہے کہ خدا آسمان سے بول رہا ہے۔ الغرض احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید اور تصدیق میں خدائے تعالیٰ نے زبردست نشان دکھلائے اور ابھی ان نشانوں کا خاتمہ نہیں ہوا۔ ابھی دنیا بہتسے اور نشانات کا مشاہدہ کرے گی اور خدائے تعالیٰ بس نہیں کرے گا جب تک کہ وہ ساری باتیں پوری نہ ہولیں جو انبیاءؑ کے صحیفوں اور خود احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی میں قبل از وقت

بیان کی گئی ہیں۔

الغرض جو شخص ذرا بھی تدبر سے کام لے گا اُس کو اس امر کے تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہ ہوگا کہ حضرت مرزا **غلام احمدؑ** اُسی پاک گروہ میں سے ایک عظیم الشان فرد ہے جو انبیاءؑ کے نام سے ممتاز ہے اور چونکہ جن خیالات کا سردار پریتم سنگھ صاحب نے اظہار فرمایا ہے وہ اُن بیانات سے بہت مشابہ ہیں جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں میں پائے جاتے ہیں اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جس نبیؐ کو انہوں نے موجودہ زمانہ کا نبیؐ کر کے پکارا ہے اُس سے اُن کی مراد حضرت مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔ لیکن اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ انہوں نے حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ نہیں کیا پھر بھی اس بات میں کچھ شک نہیں کہ جو کچھ انہوں نے ایک سچے نبی کی شناخت کے متعلق لکھا ہے وہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایسا صادق آتا ہے کہ اگر وہ اپنے اصول پر خود کاربند ہوں تو اُنکو اس امر کے ماننے سے ہرگز چارہ نہ ہوگا کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام درحقیقت ایک سچے نبی ہیں۔ اور اُسی زمرہ میں سے ہیں جن کو انبیاءؑ اور رسل کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

مسٹر پریتم سنگھ صاحب کی ایک بات کسی قدر تصحیح کے لائق ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہر ایک الہامی کتاب مختص الزمان اور مختص المکان ہوتی ہے ہمیں اس امر کے ماننے سے انکار نہیں کہ گذشتہ زمانہ میں خداوند تعالیٰ ایسی الہامی کتابیں نازل کرتا رہا جو صرف ایک خاص ملک اور خاص زمانہ کے لئے تھیں اور وہ کتابیں کل دنیا کے لئے اور کل زمانوں کیلئے نازل نہیں ہوئی تھیں۔ مگر ہم اس بات کے ماننے کیلئے تیار نہیں کہ یہی طریق آئندہ بھی جاری رہے گا۔ گذشتہ زمانہ اور موجودہ زمانہ میں ایک عظیم الشان فرق ہے۔ پہلے دنیا کی حالت اس قسم کی تھی کہ ایک ملک کے لوگ دوسرے ممالک کے لوگوں سے بالکل الگ تھے اور

اُنہیں باہمی تعلقات اور آمد و رفت کے ذرائع یا تو بالکل معدوم تھے یا بہت
محدود تھے۔ مثلاً ہند کے لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ عرب میں کیا ہو رہا ہے اور
شام کے باشندوں کو چین کے حالات سے خبر نہ تھی۔ ہر ایک قوم اپنے اپنے
دائرہ میں محدود تھی۔ اسلیئے ایسے حالات کے ماتحت یہ ممکن نہ تھا کہ اُس زمانہ میں کل
دنیا کے لیئے ایک ہی نبی مبعوث ہوتا اور ایک ہی کتاب نازل ہوتی۔ اس لیئے
مختلف ممالک میں مختلف نبی پیدا ہوئے۔ اور جو تعلیم وہ لائے وہ اُنکی قوم کے
خاص حالات کے مطابق تھی۔ اُن نبیوں نے اُنہی بدیوں کو دُور کرنے کی کوشش
کی جو اُن کی قوم میں پائی جاتی تھیں اور اُنکے مناسب حال اُنکو تعلیم دی۔
اُنکی تعلیم اُنکی اپنی قوم کی حالت کے مطابق تھی اور اُسی قوم کی تربیت اُنکو منظور
تھی اسلیئے اُسی قوم کی استعداد اور حالت کے مطابق اُنہوں نے تعلیم دی مثلاً
ملک ہند میں جب حضرت بُدھ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اُسوقت ایک بڑی بدی
جو ہندوؤں میں پائی جاتی تھی وہ ذات پات کا فرق تھا ایک قوم اپنے تئیں
خدا کا برگزیدہ اور خدا کا نائب یقین کرتی تھی اور دوسری قوموں کو ناحق ذلیل
سمجھا جاتا تھا۔ اور طرح طرح کے حقوق سے اُنکو محروم رکھا جاتا تھا۔ اسلیئے جب حضرت
بُدھ علیہ السلام نبی ہو کر ملک ہند میں ظاہر ہوئے تو اُنہوں نے اس بات پر زور دیا
کہ نجات کسی خاص قوم کے لیئے مخصوص نہیں بلکہ سب انسان برابر ہیں اور ہر ایک
اسی طرح نجات اور رضائے الٰہی کو حاصل کر سکتا ہے جس طرح کہ دوسری قوموں
کے لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ نجات کے حاصل کرنے میں برہمن اور شودر میں کوئی
فرق نہیں۔ اسی طرح جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے تو اُنکی قوم فرعون
کی غلامی میں رہنے کی وجہ سے بہت سخت دل اور کمینہ ہو گئی تھی اور انصاف
اور عدل کے قواعد سے بالکل بے بہرہ تھی اسلیئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کی شریعت میں عدل اور انصاف پر بہت زور دیا گیا۔ لیکن جب حضرت
مسیح علیہ السلام کا وقت آیا تو اسوقت اُن میں انتقام کی صفت حد سے بڑھ گئی

تھی اسلیئے آپ نے رحم اور درگذر پر زور دیا غرض ہر ایک نبی کو چونکہ اپنی ہی قوم کی اصلاح منظور تھی اسلیئے اُس نے اسی قوم کی حالت کو مدّ نظر رکھکر تعلیم دی۔ جو بدی اُسکو اپنی قوم میں نظر آئی اُسی کی اصلاح پر اُسنے زور دیا اور اپنی تعلیم میں اپنی قوم کی خاص ضروریات کو خصوصیت کے ساتھ مدّ نظر رکھا۔ جیساکہ تربیت کے قواعد کا مقتضی ہے۔ اور جب اُس نبی کے بعد اُس قوم میں نئی بدیاں پیدا ہو گئیں جنکا علاج اُس نبی کی تعلیم میں نہیں پایا جاتا تھا تو خدائے تعالیٰ اُن نئی بدیوں کے دُور کرنے کے لیئے ایک نیا مصلح کھڑا کیا۔

مگر اُس زمانہ میں جب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے دنیا کے حالات بدل رہے تھے۔ اُسوقت وہ دیواریں جنھوں نے ایک ملک کے لوگوں کو دوسرے ممالک کے باشندوں سے علیحدہ کر رکھا تھا ٹوٹنی شروع ہو گئی تھیں اور قوموں کی باہمی اجنبیّت دُور ہونی شروع ہو گئی تھی اور آپسمیں اُنکے تعلقات اور آمد و رفت کے وسائل بڑھنے شروع ہو گئے تھے اور وہ زمانہ بالکل قریب آگیا تھا کہ کل دنیا ایک ملک کی طرح ہو جاوے۔ اُسوقت خدائے واحد نے جو کُل دنیا کا ایک ہی خدا ہے یہ چاہا کہ اب کل دنیا کے لیئے ایک ہی نبی مبعوث ہو اور ایک ہی کتاب نازل ہو تا جیسا خدا ایک ہے ایسا ہی کُل دنیا کے لیئے ایک ہی نبی ہو اور کُل بنی نوع انسان کے لیئے ایک ہی کتاب ہو۔ کیونکہ اب دنیا کی قومیں ایک ہو رہی تھیں اور اُن سب کی طرف ایک نبی بھیجنے اور ایک کتاب نازل کرنیکا وقت آگیا تھا تب خدائے تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ وآلہ وسلم کو کل دنیا کے لیئے ایک نبی بناکر بھیجا اور آپ کو ایک کامل کتاب عطا کی جس میں نوع انسان کی تمام ضروریات کے لیئے سامان جمع کیا گیا۔ اب کوئی بیماری نہیں جسکا علاج قرآن مجید میں نہ ہو اور کوئی بدی نہیں جسکی اصلاح کا سامان قرآن شریف میں مہیّا نہ ہو۔ یہ کتاب کُل بنی نوع انسان کے لیئے تھی اسلیئے اسکو تمام ہدایتوں کا جامع بنایا گیا تاکہ اسکے بعد کسی اور کتاب کی ضرورت نہ رہے۔ پس یہ کامل کتاب اب کُل

زمانوں کیلیئے ہدایت اور نور اور شفا ہے۔ اور وہ کامل نبی جسکو خدائے تعالےٰ خاتم النبیین کرکے پکارتا ہے کُل زمانوں کے لیئے اور کُل قوموں کے لیئے ایک ہی نبی ہے۔

اور یہ کامل نبی اور یہ کامل کتاب عین وقت پر ظاہر ہوئے۔ نہ صرف اُس وقت ایک ایسے زمانہ کا آغاز ہوگیا تھا جس میں دنیا کے مختلف ممالک کے لوگ ایک قوم بننے والے تھے بلکہ وہ زمانہ اپنی مذہبی اور اخلاقی ابتری کی وجہ سے ایک مصلح کے وجود کو طلب کر رہا تھا۔ اُس زمانہ کی تاریخ گواہی دیتی ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسی قوم اور کوئی ایسی بستی اور کوئی ایسا مذہب اور کوئی ایسا ملک نہ تھا جو بگڑ نہ چکا ہو۔ اُسوقت سب سے تازہ مذہب مسیحیوں کا مذہب تھا مگر آجکل کے مسیحی خود اس بات کا اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ اُسوقت اس مذہب میں بھی سخت بگاڑ اور نہایت درجہ کا فساد پڑ چکا تھا غرض اُسوقت دنیا کی حالت بزبان حال ایک عظیم الشان اور جلیل القدر مصلح کے وجود کیلیئے پکار رہی تھی۔ اُسوقت کی حالت کا خود قرآن کریم نقشہ کھینچتا ہے۔ وہ فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ* خشکی اور تری یعنی کُل قوموں میں فساد اور بگاڑ زور اور غلبہ میں ہے۔ پس اسوقت خدائے تعالیٰ کے قانون کے مطابق ایک بڑے نبی کی ضرورت تھی اور جیساکہ مَیں بیان کر چکا ہوں اُسوقت ایسا زمانہ آگیا تھا کہ کُل دنیا کیلیئے ایک ہی نبی ہو اور ایک ہی شریعت ہو اور ایک ہی کتاب ہو۔ پس اُسوقت خدائے تعالیٰ نے عرب کی سرزمین میں جو ہر ایک بدی کا مرکز تھی ایک نبی پیدا کیا اور اُسکو حکم ہوا کہ وہ لوگوں کو یہ پکار کر سناوے۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا** کہہ کہ اے انسانو! مَیں تم سب کی طرف خدائے تعالیٰ کی طرف سے رسول ہوکر آیا ہوں اور جیساکہ اس نبی (علیہ الف الف صلوٰۃ) نے کُل دنیا کے لیئے رسول ہونیکا اعلان کیا۔ ایسا ہی اُس کتاب نے یہ دعویٰ کیا کہ مَیں تمام گذشتہ دینوں کو جو اَب بگڑ چکے ہیں منسوخ کرنے

* روم - ** اعراف

کے لیئے اور کُل دنیا کے لیئے ایک ہی شریعت لیکر آئی ہوں چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ - خدا وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام پہلے دینوں پر غالب کرے۔

ناظرین! یہ غور کا مقام ہے کہ دنیا کے تمام نبیوں میں ایک ہی نبی ہے جس نے کُل دنیا کے لیئے رسول ہونے کا دعویٰ کیا اور دنیا کی تمام الہامی کتابوں میں ایک ہی کتاب قرآن مجید ہے جو کُل دنیا کیلیئے ایک کامل شریعت لانے اور دوسرے دینوں کو منسوخ کرنیکا دعویٰ کرتی ہے۔ اسکی وجہ صاف ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے نبیؑ اور پہلی کتابیں خاص قوموں اور خاص زمانوں کے لیئے تھیں اسی لیئے انہوں نے دوسری قوموں کو مخاطب نہیں کیا اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا کہ ہم کُل دنیا کے لیئے نازل ہوئے ہیں مگر چونکہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برخلاف گذشتہ انبیاءؑ کے کُل دنیا کے لیئے نبی ہو کر آئے تھے اسلیئے انکو حکم ہوا کہ وہ اپنا کُل دنیا کیلیئے رسول ہو کر آنا ظاہر کردیں۔ اور چونکہ قرآن مجید برخلاف پہلی کتابوں کے ایک ایسی شریعت لیکر آیا جو کُل زمانوں اور کُل قوموں کیلیئے ایک ہی کامل شریعت ہے اسلیئے قرآن شریف نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ پہلے دینوں کو منسوخ کرنے کیلیئے اور ایک کامل شریعت قائم کرنے کیلیئے آیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب سے آخری نبی حضرت مسیح علیہ السلام تھے مگر انہوں نے دوسری قوموں کو مخاطب نہیں کیا بلکہ جب دوسری قوموں میں سے کسی ایک نے آپ سے برکت حاصل کرنی چاہی تو اسکو جھڑک دیا اور کہا کہ میں صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلیئے آیا ہوں مجھے کسی دوسرے سے سروکار نہیں۔ دیکھو متی ۱۵ باب ۲۴ ورس۔ اور جب ایک غیر قوم کی عورت نے آپ سے برکت حاصل کرنے پر بہت اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ میں بچوں (یعنے بنی اسرائیل) کی روٹی کتوں (یعنے غیر اقوام) کے آگے ڈالوں۔ دیکھو متی باب ۱۵ - ورس ۲۶ - ایسا ہی جب حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے

حواریوں کو ملک میں پھر کر وعظ کرنے کا حکم دیا تو انکو یہ ہدایت دی کہ صرف اسرائیل کی بھیڑوں سے سروکار رکھیں۔ غیر قوموں سے دُور رہیں* مگر برخلاف حضرت مسیح علیہ السلام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی ہم نے تجھے کُل عالمین کے لیئے رحمت کرکے بھیجا ہے۔ اس وسعت کا حضرت مسیح علیہ السلام کی تنگی سے مقابلہ کرو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے تو قطعاً اس بات سے انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کے سوا کسی اور کو اپنے فیض سے بہرہ ور کریں بلکہ بنی اسرائیل کو تو اپنے بچوں سے مشابہت دی اور غیروں کو کُتے کرکے پکارا اسکے مقابل میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کُل عالمین کے لیئے رحمت ہیں اور ساری دنیا اور دنیا کی ساری آنیوالی نسلیں آپکے لیئے بچوں کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب اور زیادہ عزیز۔ کیونکہ آپ سب کے لیئے سراسر رحمت ہیں۔

اسی طرح انجیل جو آسمانی کتب میں قرآن مجید سے پہلے سب سے آخری کتاب ہے اپنے ناقص ہونے کی خود ہی گواہی دے رہی ہے۔ کیونکہ یوحنا کی انجیل باب ۱۶ ورس ۱۲ و ۱۳ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔ کہ میں نے ابھی تم سے بہت سی باتیں کہنی تھیں مگر تم اب اُنکی برداشت نہیں کرسکتے۔ مگر جب وہ جو سچائی کی روح ہے تمھارے پاس آئیگا تو وہ تمام سچائیوں کی طرف تمھاری رہنمائی کرے گا۔ کیونکہ وہ اپنے پاس سے کچھ نہیں کہے گا بلکہ جو کچھ وہ سُنیگا وہی بیان کریگا۔ اور وہ تمھیں بہت سی آنیوالی باتیں بتائیگا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس بیان سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ آپ کی تعلیم کامل نہ تھی اور بہت سی باتوں کو انہوں نے بیان نہیں کیا کیونکہ ان باتوں کے بیان کرنیکا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور انکی تعلیم میں اُنکے اپنے بیان کے مطابق تمام صداقتیں شامل نہ تھیں بلکہ آپنے فرمایا کہ میرے بعد ایک اور معلم آئیگا اور وہ معلم ساری صداقتوں کو بیان کریگا یعنی اُسکی

* دیکھو متی باب ۱۰ ورس ۵ و ۶

تعلیم کامل تعلیم ہوگی اور فرمایا کہ وہ اپنے پاس سے کچھ بیان نہیں کرے گا بلکہ وہی کہیگا جو کچھ وہ سُنے گا۔ جیساکہ قرآن شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا بلکہ جو کچھ وہ بولتا ہے وہ وحی الٰہی ہے جو اُسکی طرف بھیجی جاتی ہے یہ آیت حضرت مسیح علیہ السلام کے قول کے بالکل مطابق ہے۔

پادریصاحبان "سچائی کی روح" کے کچھ ہی معنے کریں مگر وہ اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس قول کے مطابق اُنکی تعلیم کامل نہ تھی اور انہوں نے بہت سی باتوں کو اسلیئے بیان نہ کیا کہ ابھی اُنکے بیان کرنیکا وقت نہیں آیا تھا۔ اور یہ بھی اُنہوں نے اقرار کیا کہ اُنکی تعلیم میں ساری صداقتیں شامل نہیں ہیں پس یہ بیانات ہمارے دعوے کے ثابت کرنیکے لیئے کافی ہیں کہ انجیل کامل کتاب نہ تھی بلکہ اُسکے بعد ابھی ایک اور کتاب کی ضرورت باقی تھی جو کامل تعلیم اپنے اندر رکھتی ہو۔

پادریصاحبان فرماتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا یہ وعدہ کسی نبی کی آمد سے پورا نہیں ہوا بلکہ اُنکی وفات کے بعد اُن کے حواریوں پر روح القدس نازل ہوئی جسکی شکل پادریصاحبان فاختہ یا کبوتر کی طرح بیان کرتے ہیں اور اُس نے مسیح کے بارہ ۱۲ شاگردوں کو کامل صداقتوں سے بھرپور کر دیا۔ ہم پادریصاحبان کے اس بیان کو بخوشی قبول کریں گے بشرطیکہ وہ کوئی اور ایسی مثال پیش کریں جب خدائے تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے کسی فاختہ یا کبوتر کو ہادی بنا کر زمین پر بھیجا ہو۔ جب سے خدائے تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا کیا وہ ہمیشہ انسانوں کی ہدایت کے لیئے انسانوں کو ہی نبی بنا کر مبعوث کرتا رہا اُس نے انسانوں کو تعلیم دینے کیلیئے کبھی کسی کبوتر کو نہیں بھیجا۔ خدائے تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا

نُوْحِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ اَہۡلِ الۡقُرٰی (یوسف) (ترجمہ) نہیں بھیجے ہم نے تجھسے پہلے مگر مرد جنکی طرف ہم وحی نازل کرتے تھے بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔ یعنی تجھسے پہلے جسقدر رسول آئے وہ انسان اور انسانوں میں سے مرد تھے اور ہم نے اُنکو کسی دوسرے عالم یا آسمانوں سے دنیا میں نہیں اُتارا بلکہ وہ دنیا کی بستیوں میں سے ہی منتخب کیئے گئے اور اُنپر وحی نازل ہوئی۔ قرآن شریف کے اس بیان کی ہر ایک شخص تصدیق کرے گا اور تاریخ اس امر کی شہادت دیتی ہے مگر پادری صاحبان ہیں جو کہتے ہیں کہ نہیں ایک دفعہ خدائے تعالیٰ نے کبوتر کو بھی انسانوں کی تعلیم کے لیئے مبعوث کیا تھا اور جو باتیں حضرت مسیح علیہ السلام نے بیان نہیں کی تھیں اُن کو اُس کبوتر نے بیان کیا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کا کچھ ذکر تو موجودہ اناجیل میں پایا جاتا ہے کیا پادری صاحبان نشان دے سکتے ہیں کہ جو تعلیم حضرت مسیحؑ نے بیان نہیں کی تھی اور جو روح القدس نے حواریوں کے سامنے بیان کی وہ کس کتاب یا صحیفہ میں درج ہے تا معلوم ہو کہ یہ وہ تعلیم تھی جسکو روح القدس نے حضرت مسیح علیہ السلام کے شاگردوں کے پاس بیان کرکے حضرت مسیحؑ کی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر وہ یہ بھی بتلائیں کہ کس طرح وہ نیا معلم جو کبوتر کی شکل میں بیان کیا جاتا ہے ایسے لوگوں کو تعلیم دینے کے قابل ہوا جنکو خود حضرت مسیح علیہ السلام تعلیم دے نہ سکے۔ کیا اُس میں حضرت مسیحؑ کی نسبت زیادہ طاقت اور قوت تھی کہ مسیحؑ تو اپنے کند ذہن شاگردوں کو وہ تعلیم نہ دے سکا مگر اُس نے آکر وہی تعلیم اُنہی لوگوں کو دے دی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ وہ آنیوالا معلم انسان ہونا چاہیئے تھا کیونکہ حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ وہ اپنے پاس سے کچھ بیان نہیں کریگا بلکہ جو کچھ وہ سُنے گا وہی بولے گا۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ جس نے حضرت مسیحؑ کے بعد آکر لوگوں کو کامل صداقتیں سکھانی تھیں اور جنکے سیکھنے کے لیئے حضرت مسیحؑ اپنے شاگردوں میں کافی استعداد نہیں دیکھتے تھے وہ انسان تھا نہ کوئی کبوتر

کیونکہ بولنا انسان ہی کا کام ہے کسی کبوتر یا چڑیا کی نسبت بولنے کا لفظ استعمال نہیں ہوسکتا۔ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان الفاظ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس معلم کے آنے کی انہوں نے خبر دی وہ وہی نبیؐ ہے جسکے آنیکی پیشگوئی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب استثنار باب ۱۸۔ آیت ۱۸ میں موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے کہ میں اُنکے یعنی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے ایک نبی تجھ سا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل اُنکے لیئے برپا کرونگا۔ اور میں اپنا کلام اُسکے مُنہ میں ڈالوں گا اور وہ اُن سے وہ تمام باتیں کہے گا جنکا میں اُسے حکم دونگا اور ایسا ہوگا کہ جوکوئی اُسکی بات کو نہیں سنے گا جو وہ میرے نام میں کہیگا تو میں اُس سے اس کا حساب لوں گا۔

اب اگر ہم حضرت مسیح علیہ السلام کی پیشگوئی کا کہ وہ اپنی نہ کہے گا لیکن جو کچھ وہ سُنے گا سو کہے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیشگوئی کے الفاظ سے کہ میں اپنا کلام اُس کے مُنہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ سب اُنسے کہے گا مقابلہ کریں تو ہم صاف اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ ہر دو نبیؐ ایک ہی شخص کی آمد کی خبر دے رہے ہیں کیونکہ دونوں نے جو کچھ اُس آنیوالے نبیؐ کی نسبت بیان کیا ہے وہ بالکل مطابق ہے اسلیئے دونو پیشگوئیوں کا مصداق ایک ہی شخص ہے اور وہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنکی نسبت قرآن مجید میں لکھا ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ یعنی یہ نبی اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا بلکہ جو کچھ وہ کہتا ہے وہ خدا کا کلام ہے جو اُس کی طرف وحی کیا جاتا ہے۔

الغرض یوحنا کی انجیل باب ۱۶۔ ورس ۱۲ و ۱۳ سے صاف طور پر یہ ظاہر ہورہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اُنکی تعلیم کامل نہیں اور بہت سی ایسی صداقتیں ہیں جو اُنہوں نے اسلیئے بیان نہیں کیں کہ ابھی اُنکے بیان کرنیکا وقت نہیں آیا تھا۔ اور یہ کہ اُنکے بعد ایک نبیؐ آئیگا جو کامل تعلیم لائے گا اور وہ اپنے پاس سے کچھ بیان نہیں کریگا بلکہ وہ وہی کہے گا جو وہ خدا سے سُنیگا۔ اس پیشگوئی

کے مطابق وہ نبی آیا اور جو کتاب وہ اپنے ساتھ لایا وہ انجیل کی طرح اپنے ناقص ہونیکا اقرار نہیں کرتی اور نہ اُس نے اپنے کامل یا ناقص ہونیکے متعلق سکوت اختیار کیا ہے بلکہ وہ باآواز بلند کہہ رہی ہے کہ میں کامل تعلیم لائی ہوں چنانچہ قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ فرمایا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا* یعنی آج مَیں نے تمہارے لیئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہے اور اتم طور پر اپنی نعمت تمہیں عطا کی ہے اور مَیں نے تمہارے لیئے اسلام کا دین پسند کیا ہے۔ جیساکہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں دنیا کے نبیوں میں صرف ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے جس نے یہ دعویٰ کیا کہ مَیں کُل دنیا کے لیئے اور کُل زمانوں کیلیئے رسول ہو کر آیا ہوں اور دنیا کی کتابوں میں سے صرف ایک قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جسنے برملا یہ اعلان کیا کہ میرے میں ساری تعلیمیں اپنے کمال تک پہنچ گئی ہیں۔ یہ اسلیئے ہے کہ دنیا میں کوئی اور نبی کُل دنیا کیلیئے کبھی مبعوث نہیں ہوا اور نہ کوئی اور کتاب کُل قوموں کے لیئے ہدایت نامہ بنکر نازل ہوئی اسلیئے کسی اور نے ایسا دعویٰ نہیں کیا۔

قرآن شریف میں ایک اور خصوصیت ہے جو دوسری کتب مقدسہ میں نہیں پائی جاتی۔ اور جس سے قرآن شریف کا خاتم الکتب ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ گذشتہ انبیاءؑ اور گذشتہ الہامی کتب کا تعلق صرف اپنی ہی قوم سے تھا اور دیگر ممالک سے اُنہیں کوئی سروکار نہ تھا اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کتابوں میں دوسرے ممالک کے انبیاء یا دوسرے ممالک کی کتب مقدسہ کا کوئی ذکر نہیں۔ یعنی اُن کتابوں میں یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ تم دوسرے ممالک کے انبیاءؑ پر بھی ایمان لاؤ اور اُن کتب مقدسہ کو بھی الہامی کتابیں یقین کرو جو غیر ممالک کے انبیاءؑ پر نازل ہوئیں مگر چونکہ قرآن مجید خاتم الکتب ہے اور اس نے سب سے بعد آکر کل پہلی کتابوں کی صحیح تعلیم کو اپنے اندر جمع کر کے اُنکو منسوخ کیا ہے اسلیئے ہم اس میں دوسرے ممالک کے انبیاءؑ اور غیر قوموں کی الہامی کتب کا ذکر پاتے

* مائدہ - ۱

ہیں۔ قرآن شریف بالصراحت یہ تعلیم دیتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کبھی نہ کبھی کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ برخلاف دوسری کتب کے۔ قرآن شریف اپنے پیروؤں کو یہ حکم دیتا ہے کہ وہ ان تمام انبیاءؑ پر ایمان لائیں جو دنیا کے مختلف حصوں میں مبعوث ہوئے۔ اور فرماتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (مومن ۸) یعنی ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے۔ اُن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تیرے پاس کیا ہے اور بعض کا ذکر نہیں کیا۔ پھر فرماتا ہے قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۶) یعنی کہو کہ ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور ایمان لائے ہیں اُس وحی پر جو ہماری طرف اُتاری گئی اور اُس وحی پر جو ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰقؑ اور یعقوبؑ پر اور اُسکی اولاد پر اُتاری گئی اور ہم ایمان لائے ہیں اُس کلام الٰہی پر جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دی گئی اور ہم ایمان لائے ہیں اُس وحی پر جو دنیا کے کُل نبیوں کو اُنکے رب کی طرف سے دی گئی۔ ہم اُن نبیوں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں۔ اس آیت کے رُو سے اور ایسی ہی بہت سی دیگر آیات کے رُو سے ایک مسلمان دنیا کے ہر ایک نبی پر ایمان لاتا ہے خواہ وہ نبی شام میں پیدا ہوا یا مصر میں یا ایران میں مبعوث ہوا یا ہند میں۔ ہم جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت کرتے ہیں ایسا ہی ہم حضرت زردشتؑ۔ حضرت کرشنؑ۔ حضرت کنفیوشسؑ اور دنیا کے دیگر انبیاءؑ کی تعظیم کرتے ہیں۔ ہمیں حکم ہے کہ دنیا کے کل نبیوں میں اس لحاظ سے کہ وہ خدا کے نبی ہیں کوئی فرق نہ کریں۔ ہم سب کو خدا کے الہام کا مورد یقین کرتے ہیں۔ مگر یہ تعلیم صرف قرآن شریف میں پائی جاتی ہے۔ وید کے اوراق کو ٹٹولو اُسمیں کہیں اس تعلیم کا

نام و نشان نہ پاؤ گے - ایسا ہی بائیبل کے صفحات کو اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ تمہیں اس تعلیم کا پتہ تمھیں کہیں نہیں ملیگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اُن کتابوں کو بیرونی دنیا سے ... ... کوئی سروکار نہ تھا مگر قرآن مجید چونکہ کل دنیا کے لیئے آیا۔ اسلیئے اس کے لیئے ضروری تھا کہ وہ گذشتہ انبیاءؑ کے بارے میں اپنی گواہی نہیں دی کہ دنیا میں اور ملکوں میں بھی نبی آئے اور خدا کا کلام نازل ہوا بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کیا کہ جو تعلیمیں متفرق طور پر دوسری کتابوں میں نازل کی گئی تھیں وہ سب قرآن شریف میں جمع کی گئی ہیں۔ اور بقول حضرت مسیح علیہ السلام تمام صداقتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔ اسلیئے اس جامع کتاب کے بعد اب کسی پہلی کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہی اور قرآن شریف نے دوسری قوموں کو پکارا ہے کہ تم سب اس تازہ وحی پر ایمان لاؤ جیسا یہ اپنے پیرووں کو یہ حکم دیتی ہے کہ تم دنیا کے کُل انبیاءؑ پر ایمان لاؤ ایسا ہی یہ دیگر انبیاءؑ کے پیرووں سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کو خاتم النبیین اور تمام نبیوں کے کمالات کا جامع مانیں اور قرآن شریف کو تمام سچی تعلیموں کو اپنے اندر اکٹھا کرنیوالا یقین کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت فرماتا ہے رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَہَّرَۃً فِیۡہَا کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ (بینہ) یعنی ایک رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پاک صحیفے پڑھتا ہے جنمیں تمام درست کتابیں شامل ہیں۔ پھر فرماتا ہے یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمۡ وَ یَہۡدِیَکُمۡ سُنَنَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ وَ یَتُوۡبَ عَلَیۡکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ؕ (نساء-۵) یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمھارے لیئے کھولکر بیان کرے اور تمھیں اُن لوگوں کی راہوں کی طرف ہدایت کرے جو تم سے پہلے گذرے ہیں اور تم پر رجوع برحمت کرے اور اللہ تعالیٰ جانتا اور حکمت والا ہے۔ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ جو ہدایت کی راہیں پہلی قوموں کو بتلائی گئی تھیں وہ سب قرآن شریف میں جمع کی گئی ہیں۔ قرآن شریف پہلی کتابوں کی سچی تعلیموں کا مصدق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے وَ ہٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ یعنی یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے اُتاری ہے۔ یہ سب برکتوں کی جامع ہے اور جو کلام الٰہی

دیتا اور اس سے غرض یہی گواہی

اس سے پہلے اُتر چکا ہے اُسکی یہ تصدیق کرتی ہے۔ پھر قرآن شریف اُن غلطیوں کے ازالہ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے جو مرورِ زمانہ کی وجہ سے دنیا کے مذاہب اور قوموں کے اعتقادات و اعمال میں داخل ہو گئی تھیں اور اُس سچّی راہ کے ظاہر کرنیکا مدّعی ہے جس سے لوگ دُور چلے گئے تھے۔ چنانچہ فرماتا ہے تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰی اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی خدا کی قسم البتہ تحقیق ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ پس شیطان نے انکے بُرے کاموں کو انکے لیئے خوبصورت کر کے دکھایا۔ پس وہی آج کے دن انکا دوست ہے اور انکے لیئے دردناک عذاب ہے۔ اور ہمنے تیرے پر یہ کتاب نہیں اُتاری مگر اسلیئے کہ جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں وہ تو کھولکر انکے واسطے بیان کردے اور یہ مومنوں کی قوم کے لیئے ہدایت اور رحمت ہے۔ (نحل - ۸) اس آیت سے پایا جاتا ہے۔ کہ اگرچہ مختلف قوموں میں رسول آئے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت وہ قومیں بُرے کاموں میں لگی ہوئی تھیں بلکہ انکی حالت یہانتک بگڑ گئی تھی کہ بُرے کام اُن کو بھلے نظر آتے تھے۔ اور وہ طرح طرح کے اختلافوں میں پڑ گئے تھے۔ اور قرآن شریف اسلیئے نازل ہوا کہ انکو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرے اور انکے اختلافوں کو دُور کرے۔ پھر خداوند تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران - ۲) یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی سچا دین ہے۔ پھر فرمایا وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (آل عمران ۹) یعنی جو کوئی اسلام کے سوائے کسی اور دین کی پیروی کریگا تو اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانیوالوں میں سے ہوگا۔ ان ہر دو آیات میں یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ اگرچہ پہلے

زمانے میں مختلف نبی اور مختلف اُمتیں تھیں مگر اب زمانے کی حالت بدلگئی ہے۔ اسلیئے
اب کُل قوموں پر واجب ہے کہ اس کامل مذہب کی پیروی کریں۔ اپنے پُرانے مذہبوں کو جن
میں طرح طرح کے اختلافات اور غلطیاں پیدا ہوگئی ہیں۔ چھوڑ کر اس تازہ وحی پر ایمان لائیں
اب کل دنیا کے لیئے ایک ہی مذہب ہوگا یعنی اسلام اور اس وقت کے بعد اگر کوئی اپنے
پُرانے مذہب پر رہیگا۔ تو اسکا مذہب قبول نہیں کیا جائیگا۔ اب بُدھ مذہب والوں کو
چاہیئے کہ اپنے غلط خیالات کو چھوڑ کر اسلام کی پیروی کریں۔ ایسا ہی ہندوؤں زردشتیوں۔
مسیحیوں اور موسوی لوگوں کو چاہیئے۔ کہ اس کتاب پر جسمیں ساری صداقتیں جمع کیگئی
ہیں اور سارے اختلافات کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ ایمان لائیں۔ کیونکہ انکے اپنے مذہب اب
مردہ ہوچکے ہیں۔ اور انمیں اسقدر جھوٹ مل گیا ہے۔ کہ حق اور باطل میں تمیز کرنا دشوار
ہوگیا ہے اب نجات کی ایک ہی راہ ہے اور وہ اسلام ہے۔

قرآن شریف کی ایک اور خصوصیت جو کہ اسکو تمام دوسری الہامی کتابوں سے ممتاز
کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اسکے متعلق خداوند تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ مَیں ہمیشہ اسکی
حفاظت کروں گا۔ چونکہ یہ کُل زمانوں کے لیئے کامل ہدایت نامہ ہوکر نازل ہوا تھا۔ اسلیئے
ضروری تھا۔ کہ اسکا اصل متن ہمیشہ کے لیئے خالص اور محفوظ رہے تاکہ ساری نسلیں
اسکی صحیح اور اصل عبارت کو پڑھ سکیں۔ اسپر کوئی ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا کہ یہ پُرانی
کی طرح گمنامی کے گوشے میں چھپ جائے کسی ہاتھ کو یہ اجازت نہیں ہونی چاہیئے تھی
کہ اسکے اصل متن کو گھٹائے یا بڑھائے جیسا کہ پہلی کتابوں کے ساتھ ہوا۔ اسپر کوئی
ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا کہ اسکے مختلف اور متضاد نسخے پیدا ہوجاتے اور یہ معلوم
کرنیکا کوئی ذریعہ نہ رہتا کہ انمیں اصل اور صحیح نسخہ کونسا ہے اسلام پر کوئی ایسا زمانہ
نہیں آنا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ مسیحیت پر آیا جبکہ مسلمانوں کی کونسل کو اس بات کا
فیصلہ کرنیکے لیئے جمع ہونا پڑتا کہ قرآن شریف کے مختلف نسخوں میں سے کونسا نسخہ
درحقیقت خدا کا کلام ہے اور کونسا جعلی ہے۔ تاکہ وہ بعض کو انتخاب کرتے اور
بعض کو وہ رد کرتے۔ جیسا کہ مسیحی کونسلوں نے بہت سی اناجیل میں سے صرف چار کو منتخب کیا

اور باقی کو رد کر دیا چونکہ قرآن شریف ہمیشہ کے لیئے ایک ہدایت نامہ تھا۔ اسلیئے یہ مناسب نہ تھا کہ مسلمانوں کو ایسا فیصلہ کرنیکی ضرورتیں پیش آتیں۔ ہمپر کوئی ایسا زمانہ نہیں آنا چاہیئے تھا کہ اصل عربی نسخہ ہم سے گم ہو جاتا اور صرف ترجمے ہی ترجمے ہمارے پاس رہ جاتے جیسا کہ مسیحیوں کے ساتھ ہوا جنکے پاس مسیحؑ کے صرف چند اقوال موجود ہیں اور وہ بھی ترجمہ کی صورت میں اور صرف ایک ہی فقرہ ہے جو اصل زبان میں ابتک موجود ہے یعنی ایلی ایلی لما سبقتانی۔ جسکے معنے ہیں اے میرے اللہ اے میرے اللہ تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ الغرض اگر قرآن شریف تمام زمانوں کیلیئے نازل ہوا تھا تو یہ ضروری تھا کہ وہ ان تمام افسوسناک مشکلات سے محفوظ رہتا جو پہلی کتابوں کو پیش آئے اور یہ ضروری تھا کہ ہر ایک زمانے کے لوگوں کے پاس خدا کا کلام ٹھیک اسی صورت میں موجود ہوتا جیسا کہ وہ خدا کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اسلیئے ہم دیکھتے ہیں کہ خود قرآن شریف میں خدائے تعالیٰ اس بات کا وعدہ فرماتا ہے کہ مَیں اسکو ہمیشہ ہر قسم کے نقصان سے محفوظ رکھوں گا۔ چنانچہ فرماتا ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ*۔ یعنی ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کرینگے۔ یہ الٰہی حفاظت کا وعدہ تمام کتب مقدسہ میں سے صرف قرآن شریف کے لیئے ہی مخصوص ہے۔ جسقدر پہلے الہامی کتابیں نازل ہوئیں انہیں سے کسی ایک کے متعلق بھی خداوند تعالیٰ نے ایسا وعدہ نہیں فرمایا۔ اسکی وجہ صاف ہے وہ کتابیں خداوند تعالیٰ نے اس لیئے نہیں بھیجی تھیں کہ وہ تمام زمانوں کے لیئے اور تمام آنیوالی نسلوں کے لیئے ہدایت نامہ کا کام دیں۔ اسلیئے انکو ہمیشہ تک محفوظ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن قرآن شریف کا یہ حال نہیں تھا یہ ایک کامل شریعت تھی تمام زمانوں کے لیئے اور تمام قوموں کے لیئے۔ اسلیئے یہ ضروری تھا کہ یہ ہمیشہ کیلیئے محفوظ رہے۔ سو خداوند تعالیٰ نے اسکی حفاظت کا خود ذمہ اُٹھایا۔ اور خدا کا یہ وعدہ عجیب طور سے پورا ہوا کُل دنیا قرآن شریف کے متن کی صحت اور حفاظت کی گواہ ہے اور جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے اب تک اسکو محفوظ رکھا ہے یقیناً آیندہ بھی اسکو محفوظ

* حجر-۱

رکھے گا۔ مسلمانوں کی کتاب ایسی محفوظ ہے کہ اگر اس کا ایک ایک نسخہ چن چن کر بھی تباہ کیا جائے یا جلا دیا جائے پھر بھی خدائے تعالیٰ کے کلام کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ یہ کاغذ نہیں جو اسکو محفوظ رکھتے ہیں۔ بلکہ اسکے حروف لاکھوں انسانوں کی دلوں کی تختیوں پر کُھدے ہوئے ہیں کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا جب ہزارہا ایسے لوگ موجود نہ ہوں جنکے سینوں میں قرآن شریف شروع سے لیکر آخر تک حرف بہ حرف محفوظ تھا اور قرآن شریف کے حافظ کسی ایک ملک میں محدود نہیں رہے بلکہ تمام اسلامی بلاد میں ہزاروں کی تعداد میں ہمیشہ موجود رہے ہیں۔ یہ ایک خصوصیت ہے جسپر قرآن شریف اور صرف قرآن شریف فخر کرسکتا ہے۔ اور یہ عجیب حفاظت جو قرآن شریف کو ہمیشہ سے حاصل ہے اور ہمیشہ حاصل رہے گی۔ اس بات کا ایک اور صریح ثبوت ہے کہ یہ کتاب تمام زمانوں کیلیئے اور تمام آنیوالی نسلوں کے لیئے ہے۔

اس امر کا ایک اور ثبوت کہ آج قرآن شریف ہی ایک کتاب ہے جسپر تمام قوموں کو کاربند ہونا چاہیئے اور قرآن شریف کے سوا اور کوئی کتاب ایسی نہیں جسپر چلنا خدا کے نزدیک انکا فرض ہو۔ اس بات میں پایا جاتا ہے کہ تمام دوسری الہامی کتابوں کی زبانیں اب مردہ ہوچکی ہیں اور قرآن شریف ہی ایک الہامی کتاب ہے جسکی زبان ایک زندہ زبان ہے۔ ویدوں کی زبان سنسکرت تھی وہ مرچکی ہے بائیبل کی زبان عبرانی تھی وہ بھی مُردہ زبانوں میں شامل ہوچکی ہے۔ زندوستا کی زبان بھی مُردہ زبان ہے غرض قرآن مجید کے سوا کوئی اور ایسی کتاب موجود نہیں جسکی نسبت الہامی ہونیکا دعوٰی کیا جاتا ہو۔ اور اسکی زبان زندہ زبان ہو۔ یہ فخر بھی تمام الہامی کتابوں میں صرف قرآن شریف کو ہی حاصل ہے۔ کہ اسکی زبان دوسری الہامی کتابوں کی زبانوں کی طرح مردہ زبان نہیں ہے بلکہ زندہ زبان ہے✤۔ خدائے تعالیٰ نے تمام دوسری الہامی کتابوں کی زبانوں کو مردہ کردیا تا یہ امر عقلمندوں کے نزدیک اس امر کا ایک نشان ہو کہ اب یہ کتابیں قابل عملدرآمد نہیں رہیں اور خدائے تعالیٰ

✤ عربی زبان کی نسبت یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ کبھی یہ زبان مُردہ زبانوں میں داخل ہوجائے گی کیونکہ یہ امر ہر ایک عقلمند کے نزدیک مسلم ہے کہ جبکہ قرآن مجید ایک زندہ جاوید کتاب ہے ایسا ہی اسکی زبان بھی زندہ جاوید رہے گی۔ مخالف بھی اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی وجہ سے عربی زبان بھی محفوظ ہوگئی ہے۔ منہ

نہیں چاہتا کہ لوگ ان کتابوں کو پڑھیں اور ان پر عمل کریں۔ بلکہ آج وہی ایک الہامی کتاب
قابل پیروی ہے جسکی زبان زندہ زبان ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ کا یہ منشاء ہوتا کہ لوگ
مثلاً وید پر یا ژند وستا پر عمل کریں تو وہ ہرگز انکو گمنامی کے تاریک گوشے میں نہ پھینکتا
اور انکی زبانوں کو موت کا مزہ نہ چکھاتا۔ یہ کتابیں اب مردہ کتابوں میں شامل ہو گئی ہیں
اور لوگوں پر کوئی زندہ اثر نہیں ڈال سکتیں۔ خدائے تعالیٰ نے اسلام کو زوال سے
محفوظ رکھنے کے لیئے ایک اور سامان بھی کیا ہے۔ صرف قرآن شریف کے الفاظ کا محفوظ
رہنا اسلام کو زوال سے بچا نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ باوجود کتاب کے موجود ہونیکے لوگ
مذہب سے غافل اور لاپرواہ ہو سکتے تھے اور آہستہ آہستہ قرآن شریف کی تعلیم کو بھلا کر اور
اُس کے احکام پر عمل نہ کر کے راہ راست سے دُور جا سکتے تھے اس لیئے خداوند تعالیٰ
نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً ایسے معلم کھڑے کرتا رہے گا جو اسلام کی صحیح تعلیم
ہمیشہ تازہ کرتے رہیں اور لوگوں میں روحانی زندگی از سر نو پھونک کر اُن کے ایمانوں کو
تازہ کرتے رہیں گے تا مرور زمانہ کی وجہ سے جو غفلت لوگوں میں پیدا ہو جاتی ہے اُسکا
علاج ہوتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک صدی کے سر پر خدائے
تعالیٰ ایک ایسے شخص کو مبعوث کرتا رہے گا جو اُس زمانہ میں دین کی تجدید کرے گا۔
خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں مندرجہ ذیل وعدہ دیتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا
اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى
لَهُمْ (نور-۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُن لوگوں سے جو تم میں ایمان لانیوالے اور
نیک عمل کرنیوالے ہیں کہ البتہ خلیفہ بنائیگا انکو زمین میں جس طرح کہ اُس نے خلیفہ بنایا
اُن لوگوں کو جو اُن سے پہلے تھے اور البتہ استحکام دے گا اُنکے لیئے اُنکے اُس دین کو
جو اُس نے اُن کے لیئے پسند کیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں خداوند تعالیٰ مسلمانوں سے
وعدہ کرتا ہے کہ جس طرح اُن سے پہلی اُمت یعنی بنی اسرائیل میں خدائے تعالیٰ نے
انبیاءؑ بھیجے جو حضرت موسیٰؑ کے خلیفے تھے اسی طرح وہ اس اُمت محمدیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلفاء بھیجے گا۔ ایک اور آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مثیل قرار دیا گیا ہے وہ آیت یہ ہے اِنَّا اَرْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا اَرْسَلْنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (مزمل) یعنی ہم نے تمہاری طرف ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا۔ اس آیت میں بانئے اسلام علیہ الف الف سلام کو موسوی شریعت کے بانی علیہ السلام سے مشابہت دی گئی ہے اور آیت استخلاف میں جو اوپر لکھی جا چکی ہے محمدی سلسلہ کو موسوی سلسلہ سے مشابہت دی ہے اور فرمایا ہے کہ جس طرح موسوی سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلفاء پیدا ہوتے رہے اسی طرح میرا وعدہ ہے کہ میں محمدی سلسلہ میں خلفاء مبعوث کروں گا۔ چنانچہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد حضرت یوشعؑ بن نون کھڑے کیئے گئے اسی طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ آپکے قائم مقام اور آپکے خلیفہ بنائے گئے اور جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آخری اور عظیم الشان خلیفہ حضرت مسیح علیہ السلام تھے اسی طرح خدائے تعالیٰ نے اُمت محمدیہ میں ایک عظیم الشان خاتم الخلفاءؑ کی خبر دی اور اُسکو وہی خطاب دیا جو موسوی سلسلہ کے آخری خلیفہ کا خطاب تھا تا موسوی سلسلہ اور محمدی سلسلہ کی باہمی مشابہت ظاہر ہو۔ اور اس خاتم الخلفاءؑ کی نسبت فرمایا کہ وہ اُمت محمدیہ میں سے مسلمانوں کا ایک امام ہوگا۔ جسکو شک ہو وہ صحیح بخاری میں اما مکم منکم پڑھ لے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی اپنے وقت میں اپنے نشانات کے ساتھ پوری ہو چکی ہے اور خدائے تعالیٰ نے اپنے قدیم وعدہ کے مطابق احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث کر کے اور اُسکی صداقت کے سارے نشانات کو پورا کر کے اپنی پیشگوئی کو سچا کیا۔ یہ وہی احمدؑ ہے جس کا ذکر اس مضمون کے اثنا میں اختصاراً کیا گیا ہے اور یہ سلسلہ خلفاء کا خداوند تعالیٰ نے اسلیئے قائم کیا ہے کہ مذہب اسلام میں زوال نہ آئے۔ ایسے خلیفے قیامت تک اسلام میں پیدا ہوتے رہیں گے اور جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے

بشارت دی کوئی صدی اسلامی مجدد کے وجود سے خالی نہیں جائیگی تا اس کامل کتاب کی تعلیم جو کُل آنیوالی نسلوں اور دنیا کی کُل قوموں کیلئے نازل کیگئی تھی اور جسکو دنیا کے کونوں تک پہنچانے کیلئے خدائے تعالیٰ نے کُل دنیا کو ایک ملک کے حکم میں کر دیا ہے ہمیشہ تازہ ہوتی رہے تا یہ مذہب زوال سے محفوظ رہے۔

اس بیان سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اب آئندہ کوئی نئی شریعت نازل نہ ہوگی اور کوئی ایسا نبی دنیا میں نہیں آئیگا جو قرآن شریف کی شریعت کو منسوخ کرنیکے لئے آئے۔ چونکہ پہلی مقامی شریعتوں کے لیئے منسوخ ہونا مقدر تھا اسلیئے خدائے تعالیٰ نے اُن الہامی کتابوں کو ہی یا تو گمنامی کے تاریک کوؤں میں ڈالدیا یا وہ کتابیں انسانی دست برد سے محرف مبدل ہوگئیں تاکہ یہ امور اُن کتابوں کے منسوخ ہونے کیلئے بطور الٰہی شاہد کے ہوں مگر چونکہ قرآن شریف ایک دائمی اور عالمگیر شریعت ہے اسلیئے خداوند تعالیٰ نے ابتدار سے ہی ایسے سامان کر دیئے کہ یہ کتاب ہمیشہ کیلئے محفوظ رہے۔ اسکے الفاظ کی حفاظت کے لیئے قرار بنا دیئے اور اسکی معنوی حفاظت کے لیئے خلفار مقرر کر دیئے تا یہ کتاب ہر طرح اور ہر رنگ میں محفوظ چلی آئے۔ اور اُسکی یہ دائمی حفاظت اس امر کے لیئے ایک الٰہی شہادت ہے کہ یہ کتاب انسان کی نسل کیلئے ایک دائمی شریعت لائی ہے۔ اب اسکے بعد کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا صاحب شریعت نبی نہیں آئے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ آیندہ خدائے تعالیٰ کسی انسان سے کبھی کلام بھی نہیں کرے گا۔ کیونکہ برگزیدوں سے کلام کرنا اُسکی ایک لازوال صفت ہے جو کبھی دُور نہیں ہو سکتی۔ کامل شریعت کے آنے سے یہ مراد نہیں کہ آیندہ کے لیئے الٰہی انعامات کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ بلکہ یہ دروازہ ہمیشہ کھلا ہے مگر یہ انعام اب صرف قرآن مجید کی سچی پیروی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع سے حاصل ہوتا ہے۔ اب اس انعام کے لینے کے لیئے ایک ہی دروازہ ہے اور وہ اسلام کا دروازہ ہے اب سوائے اس دروازہ کے اور

کسی راستے سے یہ انعام نہیں مل سکتا اور یہ امر بھی اس بات کی ایک الٰہی شہادت ہے کہ آج روئے زمین پر ایک ہی مذہب ہے جو خدائے تعالیٰ کی نظر میں مقبول ہے اور وہ اسلام کا مذہب ہے۔ اسلام میں ہمیشہ اس انعام کے حاصل کرنیوالے موجود رہے ہیں اور اس زمانہ میں بھی خدائے تعالیٰ نے ایک کامل انسان اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل غلام پیدا کیا جسکو اپنے مکالمات کے شرف اور نبوت کے انعامات سے مالا مال کرکے اس بات کا ثبوت دیا کہ آج اسلام ہی ایک زندہ مذہب ہے۔ ایسے لوگوں کا اسلام میں ہی پیدا ہونا اور دوسرے مذاہب کا ایسے مقدس اور ملہم نفوس سے خالی ہونا اس بات کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ آج اسلام کے سوا اور کوئی مذہب زندہ نہیں سب مذاہب مر چکے ہیں۔ سب ندیاں خشک ہو چکی ہیں اور اسلام ہی ایک مذہب ہے جسکے روحانی برکات جاری ہیں۔ اگر آج نبوت کے برکات کسی پاک انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں تو وہ قرآن شریف ہی کے ذریعہ سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہی حاصل ہو سکتے ہیں کیونکہ آپ خاتم النبیین یعنی انبیاء کے لیئے مُہر ہیں۔ اب کوئی ایسا نبی نہیں ہو سکتا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کی مُہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔ غرض نبوت کے برکات بند نہیں ہوئے بلکہ اب بھی ایسے ہی حاصل ہو سکتے ہیں جیسے کہ پہلے حاصل ہوتے تھے مگر اب کوئی صاحب شریعت نبی نہیں آسکتا کیونکہ شریعت قرآن مجید کے ذریعہ کامل ہو چکی ہے اور نہ اب کوئی ایسا نبی پیدا ہو سکتا ہے جو خاتم النبیین کی اتباع کا سرٹیفکیٹ اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔ پس سردار صاحب موصوف کا یہ کہنا درست نہیں کہ ہر ایک شریعت ایک زمانہ کے بعد بدل جاتی ہے بے شک پہلی شریعتیں ایک خاص زمانہ کے لیئے اور خاص قوموں کے لیئے تھیں مگر انہوں نے نہ کامل ہونے کا دعویٰ کیا اور نہ اُن شریعت کے لانیوالوں نے اپنے تئیں کُل دنیا کے لیئے رسول ظاہر کیا۔ اُن کا کام اپنی اپنی قوم کی وقتی اصلاح تھا اور اُن کتابوں نے محرف و مبدل ہو کر یا گمنامی کی تاریکی میں داخل ہو کر اور اُن زبانوں نے جن میں وہ نازل ہوئی تھیں موت کا مزہ چکھ کر اس بات کی خود ہی شہادت دے دی کہ اب دنیا کو اُنکی ضرورت

نہیں رہی کیونکہ اب کامل شریعت اور کُل دنیا کو نبیؐ اپنے وقت پر آچکے ہیں اور اب ہر ایک فیض اسی کامل نبیؐ کے ذریعہ حاصل کرنی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ ان مُردہ کتابوں کے حامی مدعی سست گواہ چست کا مصداق بنکر ان مُردہ کتابوں کو پھر دوبارہ زندہ کرنا چاہتے ہیں اور انکی نسبت ایسے ایسے دعاوی پیش کرتے ہیں جو خود ان کتابوں نے پیش نہیں کیئے۔ مگر قرآن شریف کا یہ حال نہیں۔ ہم اُس کی طرف سے خود کوئی دعوٰے نہیں گھڑتے بلکہ ہر ایک دعویٰ وہ خود دنیا کے آگے پیش کرتا اور کُل دنیا کو اپنے پر ایمان لانے کے لیئے خود دعوت دیتا ہے۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین

ریویو

رسالہ ترکیب بند صادق:- اس رسالہ میں لائق مصنف نے مختلف انگریزی فرانسیسی اور فارسی تاریخ کی کتابوں سے اہل عرب کو جمیع علوم و فنون کا سرچشمہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے اور جہانتک ہمنے اس رسالہ پر غور کیا ہے مصنف صاحب اپنے ارادے میں بہت کامیاب ہوئے ہیں۔ رسالہ مذکور عام فہم نظم میں مع حواشی مفصل بزبان اردو سلیس ہے۔

۵۰ صفحے کا رسالہ ہے قیمت ۴ر

رسالہ صمصام الحق:- اسمیں مصنف موصوف نے خلفاء کرامؓ کی خلافت کا ثبوت اہل تشیع کی معتبر کتب سے بالتفصیل نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دیا ہے۔ عبارت برجستہ اردو سلیس حوالجات مفصل مع ترجمہ صفحہ ۵۷

سیف اللہ القہار علیٰ رؤس الاشرار:- مصنف مذکور نے اس رسالہ میں شیعہ صاحبان کے باطل عقائد مثلاً تقیہ اور نجوم اور دیگر ایسے لچر عقائد کی مختصر طور پر مگر عمدہ پیرائے میں مہذبانہ تردید کی ہے قرآن کریم سے استدلال پکڑا ہے۔ ۲۰ صفحے کا رسالہ ہے۔

یہ ہر ۳ کتابیں سید محمد صادق حسین صاحب صادق مختار عدالت و ایڈیٹر اخبار اٹاوہ پنچ و رسالہ صبح صادق۔ اٹاوہ مصنف کتب مذکور بالا سے مل سکتی ہیں۔

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

مدرسہ تعلیم الاسلام - ۱۸ - ۱۹ جون کو جناب اسسٹنٹ انسپکٹر صاحب مدارس حلقہ لاہور نے سکول کا معائنہ کیا جس کا خلاصہ ناظرین کی آگاہی کیلئے درج کیا جاتا ہے۔ " میں نے ۱۸ و ۱۹ جون کو مدرسہ ہذا کا بیک ایک معائنہ کیا اور کام کو اکثر صورتوں میں قابل اطمینان طور پر رواں پایا۔ گذشتہ سالانہ معائنہ سے تعداد طلبار میں ۷۶ کی ترقی ہوئی ہے میرے پہلے روز کے معائنہ پر ۲۸۱ میں سے ۲۴۴ طلبار حاضر تھے۔ موجودہ عمارت مدرسہ و بورڈنگ کی روز افزوں تعداد کیلئے ناکافی ہو رہی ہے۔ بورڈنگ کی عمارت زیر تعمیر ہے اور مدرسہ کیلئے شاید دوسرے سال شروع کیجاویگی جو زمین مدرسہ اور بورڈنگ کے لیئے خریدی گئی ہے۔ وہ ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور موزون جگہ پر ہے۔ سامان مدرسہ کافی ہے۔ گذشتہ معائنہ کے بعد کچھ چیزیں ایزاد کیگئی ہیں۔ عملہ میں ۱۴ مدرسین ہیں جنمیں سے گیارہ سند یافتہ ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مینجر کا انتظام اچھا ہے جسمانی ورزش پر کافی توجہ ہوئی ہے۔ اور لڑکوں کی حرکات عموماً قواعد اور مارچنگ میں یکساں نہیں ضبط میرے معائنہ کے وقت اچھا تھا اور لڑکے اسکے پابند معلوم ہوتے تھے۔ سکول کے لگنے کا وقت بھی قابل اطمینان معلوم ہوا۔ خاتمہ پر مَیں خوشی سے اظہار کرتا ہوں کہ مدرسہ موجودہ ہیڈ ماسٹر مولوی صدرالدین صاحب بی اے بی ٹی کے ماتحت اچھی ترقی پر ہے۔ وہ ایک خلیق شریف آدمی ہیں اور ان کو اپنے ماتحتوں سے رضامندی کے ساتھ کام لینا خوب آتا ہے"۔

مدرسہ کی ایڈ میں سال رواں کے ابتدا سے بسبب عمدہ نتایج ہونیکے زیادتی ہوئی تھی یعنی دو سو روپے ماہوار کے قریب امداد ملنی منظور ہوئی تھی مگر فنڈ ڈسٹرکٹ بورڈ میں عدم گنجایش کے باعث اپریل گذشتہ سے بند ہوگئی تھی۔ جسپر ہائی سکول اور اسکی شاخوں کی ضروریات تعلیم کے اظہار اور اس حکم پر نظر ثانی کرانے کیلیئے ایک ڈیپوٹیشن بخدمت جناب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور گیا۔ اور ایسا ہی ایک میموریل بخدمت ڈائرکٹر صاحب بہادر سررشتہ تعلیم بھیجا گیا۔ جنکی مہربانی اور توجہ سے امداد کا ڈسٹرکٹ فنڈ سے ملنا بحال ہوگیا ہے۔ اور امید کی جاتی ہے کہ آیندہ کے لیئے صاحب ڈائرکٹر یہ امداد پراونشل

فنڈ سے دلا کر احمدی قوم کو ممنون فرما دیں گے۔

مولوی صدر الدین صاحب بی اے۔ بی ٹی ہیڈ ماسٹر مدرسہ کی سابق رخصت ختم ہو گئی تھی مگر صاحب ڈائرکٹر صیغہ تعلیم نے جو اس مدرسہ کی طرف ہمیشہ خاص توجہ فرما کر احمدی قوم کو مشکوری کا موقعہ دیتے رہے ہیں جناب مولوی صاحب موصوف کی رخصت میں توسیع منظور کی ہے۔ مجلس معتمدین صاحب ڈائرکٹر کی اس مہربانی کے لئے بہت شکر گذار ہے۔

گذشتہ ایام میں موضع سیکھواں میں پلیگ پڑی تھی جس سے کئی ایک طلبار مر گئے اس وجہ سے تعداد اسقدر کم رہ گئی تھی کہ اسکے لئے علیحدہ شاخ رکھنے کی ضرورت نہ تھی اسلئے یکم جون سے شاخ سیکھواں کو شاخ "تلونڈی کے ساتھ ملا دیا گیا ہے۔

۱۶۔جولائی سے ۳۱۔اگست تک ڈیڑھ ماہ کے لئے سکول بوجہ موسمی تعطیلات بند کیا گیا ہے تمام طلبار اور اساتذہ کو یکم ستمبر کو سکول میں حاضر ہو جانا چاہیئے۔ حسب دستور سابق طلبار کو سکول کے وصولی چندہ کیلئے رسیدات اور سندات مطبوعہ دی گئی ہیں۔ ایک رسید کتاب میں رہے گی دوسری چندہ دہندہ کو دیجاوے گی۔ سند پر صدر انجمن کی مہر۔ دستخط سکرٹری صدر انجمن۔ اور ہیڈ ماسٹر یا سپرنٹنڈنٹ مدرسہ احمدیہ ثبت کیئے ہیں۔ جماعت کو چاہیئے کہ اس موقع پر طلبار کی امداد کرے اور انکی حوصلہ افزائی کرکے انکو دینی کاموں میں مزید حصہ لینے کا شوق دلاویں۔ سکول کے ہندو طلبار نے بھی یہ سندات وغیرہ حاصل کی ہیں۔

تعمیر۔ اگرچہ برسات کا موسم اس دفعہ پہلے ہی شروع ہو گیا ہے اور تعمیر کا کام جس رفتار سے جاری تھا اس میں کسی قدر روک پڑ گئی ہے۔ مگر سکول۔ بورڈنگ اور مدرسہ احمدیہ کے ضروریات نے ایسا مجبور کیا ہے کہ کام بند نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس رفتار پر جاری رکھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ سکول کے موجودہ کمرے طلبار کی روزمرہ بڑھتی ہوئی تعداد کے لیئے بالکل ناکافی ہیں بڑی تنگی سے لڑکوں کو کمروں میں بٹھایا جاتا ہے جیسا کہ انسپکٹر صاحب نے اپنے معاینہ میں بھی ریمارک کیا ہے۔ ادھر مدرسہ احمدیہ اور بورڈنگ ہوس کے

لیئے بھی کمرے ناکافی ہیں۔ اسلیئے بہت ضروری ہے کہ جس طرح سے بھی ہوسکے موسمی تعطیلوں میں باہر کمرے طیار ہوجاویں اور طلبار کی واپسی پر کم از کم بورڈنگ ہوس باہر آجاوے تاکہ بورڈنگ کے موجودہ کمروں میں وہ جماعتیں جنمیں طلبار کی تعداد خدا کے فضل سے بڑھ رہی ہے اور چالیس چالیس تک لڑکے ہیں کُھلے کمروں میں بٹھائی جاسکیں۔ مگر یہ سب کام جماعت کی ہمت پر موقوف ہے۔ اگر چندہ تعمیر کی طرف کافی توجہ کی گئی جیسے کہ پہلے بذریعہ سرکلر لکھا گیا ہے تو امید ہے انشاراللہ تعالیٰ بہت سا حصہ کام کا جلد تیار ہو جاویگا جس سے طلبار کو موسمی تعطیلات سے واپسی پر آرام ہو جاوے اور ایک گونہ تکلیف رفع ہو جاویگی۔

تبلیغ۔ گذشتہ ایام میں شیخ غلام احمد صاحب اضلاع منٹگمری۔ ہوشیار پور۔ جالندھر اور گورداسپور کے متفرق مقامات میں وعظ کے لیئے گئے۔ اب انجمن سیالکوٹ کی درخواست پر شیخ صاحب کو سیالکوٹ بھیجا جانا تجویز ہوا ہے اور وہ عنقریب اس دورہ پر تشریف لے جانیوالے ہیں۔ احباب ضلع سیالکوٹ کو چاہیئے کہ ہر طرح سے انکی امداد کریں۔

انجمن احمدیہ سیالکوٹ۔ قواعد صدر انجمن احمدیہ قاعدہ نمبر ے کے ضمن ھ کے اغراض کے لیئے حسب منشار قواعد شاخہائے صدر انجمن احمدیہ کے قاعدہ نمبر ۷ انجمن احمدیہ سیالکوٹ کو مجلس معتمدین نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۹۔ جون میں قواعد کی پابندی اور باقاعدہ کارروائی کرنیکے باعث سرٹیفکٹ عطا فرمایا ہے۔ جسکی رو سے انجمن مذکور کو مجلس معتمدین کے لیئے بوقت ضرورت ممبر منتخب کرنیکا حق حاصل ہوگا افسوس ہے کہ سَو سے زیادہ انجمنوں میں سے صرف ایک انجمن کا کام ابتک اس قابل اطمینان حالت کو پہنچا ہے جو انجمنوں کے قائم کرنے میں مجلس معتمدین کا منشار تھا۔ امید ہے کہ دوسری بڑی بڑی انجمنیں ضرور اس طرف توجہ کریں گی۔

مساکین۔ علاوہ متفرق امداد کے ؏ ماہوار کے وظائف طلبار کو بیرونی کالجوں میں امسال مجلس معتمدین نے دینے منظور کیئے ہیں۔

زکوٰۃ۔ اس مد کی طرف میں اسوقت خصوصیت سے احباب کو توجہ دلاتا ہوں کیونکہ

یہ ایک خاص موقعہ ادائگی زکوٰۃ کا ہے۔ زکوٰۃ سے بہت سے ضروری کام اسوقت ہو رہے ہیں۔ کئی نومسلموں کی امداد اس سے ہوئی ہے۔ بہت سے لوگوں کو جو حاجتمند ہوتے ہیں زاد راہ دینے کی ضرورت پیش آتی ہے وہ بھی زکوٰۃ کی مد ابنار السبیل سے پوری ہوتی ہے اور متفرق امداد اہل حاجت کو دیجاتی ہے بلکہ بعض وقت مدرسہ احمدیہ کے لیئے اصل میں گنجائش نہ ہونیکی وجہ سے زکوٰۃ سے ہی بعض طلباء کو وظائف دینے پڑتے ہیں۔ غرضیکہ بہت سے ضروری کام زکوٰۃ کے روپے سے ہو رہے ہیں اسلیئے میں جملہ انجمنوں کو اور جملہ احباب کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ زکوٰۃ کا روپیہ جسقدر ہو سکے ارسال فرماکر ممنون فرمادیں۔

ایک جھوٹے بابی مدعی کی پردہ دری

یہ سُنت اللہ چلی آئی ہے کہ سچے نبیوں کے ساتھ ہی جھوٹے مدعی بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں تاکہ خلق خدا جھوٹے کی ہلاکت سے سچے نبی کی صداقت کو پہچان سکے اللہ تعالیٰ سچے نبیوں کی حمایت کرتا اور انکی تائید میں بڑے بڑے نشانات دکھاتا ہے جب تک وہ اپنے فرض منصبی کو پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچاتے دنیا سے رخصت نہیں ہوتے۔ بڑے زور شور اور سرگرمی سے انکی مخالفت کیجاتی ہے اور ان کے دشمن انکو تباہ کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتے لیکن وہ خدا جسکی طرف سے وہ مامور ہوتے ہیں اپنے زبردست ہاتھ سے انکی مدد کرتا ہے اور اسکا دردناک عذاب انکے دشمنوں کو ہلاک کر دیتا ہے انکے دیکھا دیکھی جھوٹے مدعی بھی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں مگر صرف اسلیئے کہ تا وہ اپنی عبرت انگیز ہلاکت سے سچے نبیوں کی صداقت کی شہادت دیں۔ جھوٹے مدعیوں کا ظہور لوگوں کو موقعہ دیتا ہے تا وہ جھوٹ اور سچ میں امتیاز کریں اور راستباز کو کاذب کی مدد سے پہچانیں مثلاً ان لوگوں نے جنھوں نے حضرت مسیح ناصری کو پایا اور دیکھا انھوں نے اور جھوٹے مسیح بھی دیکھے۔ اسی طرح

ہمارے نبی کریم صلعم کے زمانے میں بھی کم از کم تین جھوٹے مدعیان نبوت ظاہر ہوئے لیکن خدا نے جھوٹوں کو ہلاک کیا اور رسول کریم صلعم کو نمایاں فتح عطا فرمائی۔ یہ عجیب بات ہے کہ عرب کے جھوٹے مدعیوں نے ابتدائے دعویٰ میں کثیر التعداد مرید بنا لیئے بلکہ بہت سی قومیں یک لخت انکے دعویٰ کرتے ہی انکے پاس جوق در جوق آنے لگ گئی تھیں لیکن اسقدر بیشمار مریدوں کے ہوتے بھی اللہ تعالیٰ نے انکو سخت ذلیل کیا اور انکو شرمناک انجام دکھایا۔ برخلاف انکے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تن تنہا تھے آپکی اپنی قوم آپکے برخلاف ہو گئی اور آپکے پیرو جو بہت ہی قلیل التعداد اور وہ بھی غریب تھے سخت بیرحمی سے ستائے گئے اور طرح طرح کے دکھوں میں مبتلا کیئے گئے بعض دکھوں کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ انکو اپنے پیارے وطنوں اور عزیز و اقارب کا داغ جدائی سینوں پر لگا کر ہجرت اختیار کرنی پڑی۔ دشمنوں نے اسلام کو جڑھ سے اکھیڑنے میں انتہائی تک زور لگایا بلکہ انہوں نے رسول کریم صلعم پر خونی حملہ کرنے کی نیت سے ایک شب آپکے گھر کا محاصرہ کر لیا اگرچہ آپکے راستے میں اسقدر رکاوٹیں تھیں تاہم جبتک کہ آپ کو بے نظیر اور عالیشان کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ آپکو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف نہیں اٹھایا وہ تن تنہا واعظ اس دنیا سے رخصت نہ ہوا جبتک کہ تمام خطۂ عرب نے آپکو سچا نبی نہ مان لیا۔ لیکن وہ جو بڑی تعداد کے ساتھ آئے اور ظاہر بین کی نظر میں انکو کامیاب ہونیکا ایک موقعہ حاصل تھا خدا کے زبردست ہاتھ نے انکو سطح زمین سے بالکل مٹا دیا۔ یہ اسلیئے ہوا تا لوگ جھوٹے اور سچے نبیوں میں امتیاز کر سکیں اور جان لیں کہ رسول کریم صلعم کی وہ شاندار اور لاثانی کامیابی تعداد کی کثرت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ خدائے تعالیٰ کی تائید سے حاصل ہوئی۔ ایسا ہی حضرت مرزا غلام احمدؑ مسیح موعود و مہدی مسعودؑ بھی ایسی شہادتوں کے بغیر نہیں رہے چونکہ وہ اپنے مطاع حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تمام دنیا کے لیئے مامور ہو کر آئے تھے اس لیئے آپکی شہادتیں بھی ایک بر اعظم یا ایک ملک تک محدود نہیں رہیں بلکہ جیسے آپکے نشانات دور دراز بر اعظموں میں پھیلے گئے ویسے ہی آپکے گواہ دور کے ملکوں اور شہروں میں ظاہر ہوئے۔ میں یہاں

ان گواہوں کا ذکر نہیں کرونگا جو ہندوستان میں جھوٹے مدّعیوں کے لباس میں ظاہر ہوئے میں صرف ان دو کا ذکر کرونگا جو امریکہ میں پیدا ہوئے۔ ایک انہیں سے ڈاکٹر ڈوئی شکاگو کا رہنے والا تھا جس نے الیاس کا مثیل ہونیکا دعویٰ کیا۔ دنیا اس مفتری کے دردناک انجام سے بخوبی واقف ہے وہ اپنے شہر سے نکالا گیا اُسکے پیرو اور بیوی اور بیٹے اس سے برگشتہ ہوگئے اور وہ مفلوج اور آخر میں پاگل ہو کر مرگیا۔ اسکی موت صرف موجودہ نسل کے لئے نہیں بلکہ تمام آیندہ نسلوں کے لئے عبرت کا مقام ہے اس نے اپنے نمونہ سے یہ دکھایا کہ جھوٹے نبی ایسے ہوتے ہیں تا دنیا اسکے ذریعہ اس زمانے کے سچے مسیح کو پہچان سکے۔

حال کے ایک امریکن اخبار ایک اور نئے مدعی نبوت کی خبر دیتے ہیں اسکا نام ہنری کلیٹن ٹامسن ہے جو امریکہ کے بابی فرقہ کا ایک جھوٹا نبی ہے تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ اُس نے یہ ظاہر کیا کہ مَیں خدائے تعالیٰ کی سلطنت کا ایک خوشخبری دینے والا ہوں۔ اور میرا یہ کام ہے کہ موجودہ نسل کو تمام راستیوں کی حقیقت سے آگاہ کروں۔ اور مجھے عبدالبہا کی طرف سے جو بہائی فرقہ کا بانی ہے یہ اختیار دیا گیا ہے کہ مَیں ایک نئے فرقے کی بنا ڈالوں۔ اُس نے کہا میرے خدا کا نام ذان ذھوم ہے اور یہ کہ ذان ذھوم ہی تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا اور آخر میں اُس ذان ذھوم نامی خدا نے مجھے یعنی ٹامسن صاحب کو مبعوث کیا ہے۔ مجھے الٰہی پیغام ایسٹل نامی روح کے ذریعہ پہنچتے ہیں اور ایسٹل ملاء اعلیٰ کا ایک ممبر ہے۔ مگر اس مفتری کو یہ دعویٰ کئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ اُس کا افترا طشت از بام ہوگیا۔ وہ روح جسکا نام ایسٹل تھا ایک عورت کی شکل میں ایک اخبار کے ایڈیٹر کے دفتر میں ظاہر ہوئی اور اُس نے یہ ظاہر کیا کہ ذان ذھوم کا نام میرا ہی تجویز کردہ ہے اور ٹامسن صاحب کے الہامات میرے دماغ ہی کی ساخت ہیں۔ اس عورت کا نام مسز ایسٹل ایم ہیملے ہے۔ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ ٹامسن نبی کے الہامات کی تختیاں

میرے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔ مَیں اپنے باورچی خانہ میں کھانا پکاتے وقت اُنکو لکھا کرتی تھی۔ مَیں چند پرانی مشرقی کتابوں کو لیکر اُنہیں سے چند فقرے کچھ یہاں سے اور کچھ وہاں سے لیکر اُنکو جمع کر لیتی تھی۔ مَیں نے ٹامسن صاحب کو یہ بھی یقین دلا یا کہ ایک مشرق کے بزرگ مغل نے تیرے آنیکی خبر دی ہے اور یہ پیشگوئی کی ہے کہ تو دُنیا کے لیئے نجات دینے والا ہوگا۔ اور ٹامسن نے مجھ سے ایک دن کہا کہ اب مجھی یقین ہوگیا کہ جسکو بائیبل میں یہوواہ کہتے ہیں وہ اصل میں ذان ذہوم ہی ہے۔ مَیں نے بعد میں اُسکے دھوکہ کو دُور بھی کرنا چاہا اور اُس کے سامنے اس امر کا اقرار کیا کہ مینے تجھے دھوکہ دیا تھا مگر اُسکو میری بات پر یقین نہ آیا۔ ذان ذھوم کا نام مینے ایک بازار کی گاڑی پر ایک اشتہار کو پڑھکر تجویز کیا۔ ایک رات ٹامسن نبی میرے پاس اپنے چند پیروؤں کے ہمراہ آیا اور ہم نے وہ شام ذان ذہوم کی یاد میں گذاری۔ ہم نے کچھ پھل اور شراب میز پر اپنے سامنے رکھے مگر کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا تاکہ ہم نفس کُشی کی مشق کریں۔ ہم میں سے کسی نے اتفاقاً ٹامسن نبی پر کچھ شراب گرادیا۔ اسپر ٹامسن صاحب نے بڑے وثوق کے ساتھ فرمایا کہ یہ شراب کا گرنا اس امر کا نشان ہے کہ میرا خون گرایا جائے گا اور میری موت ایک شہید کی موت ہوگی۔

جب ٹامسن نبی کے بابی شاگردوں کو یہ کُل ماجرا جو مسز ایسٹل نے اخباروں کے ذریعہ شائع کیا ہے معلوم ہوا تو وہ بہت غضب میں آگئے اور ٹامسن نبی کے برخلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا مگر ٹامسن نبی نے اس جوش کو یہ کہکر فرو کر دیا کہ تم ایک لعنتی اور پلید نسل ہو۔

اب پادری صاحبان کیلیئے غور کا مقام ہے۔ جو جھوٹے نبی غیروں کی امداد سے الہامات بنا کر اُنکو بطور وحی الٰہی کے شائع کرتے ہیں اُنکی اسی طرح پردہ دری ہوتی ہے جس طرح کہ امریکہ کے بہائی فرقہ کے جھوٹے نبی مسٹر ٹامسن صاحب کی ہوئی ہے۔ کاش کہ پادری صاحبان کو عقل سلیم سے کچھ حصّہ حاصل ہوتا تا وہ ایسے نمونوں سے سبق حاصل کرتے۔

ریویو

اسلام کا گر - نجات کی حقیقت مؤلفہ شیخ رحیم بخش صاحب راجپوت نو مسلم واعظ اسلام - اس میں شیخ صاحب نے اپنی وہ مفید خط و کتابت جو انکو اور انکی اہلیہ مرحومہ کو مسیحی مذہب ترک کرنے کے وقت عیسائی مشنریوں سے پیش آئی بتفصیل درج کی ہے اور مشنری اعتقاد کا خوب قلع قمع کیا ہے۔ اس خط و کتابت سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ کسطرح پادری صاحبان خلق خدا کو اپنے دام تزویر میں پھنسانے کی کوشش کرتے ہیں قیمت ۱/ یرمیاہ نبی کی پیشگوئی شیخ صاحب موصوف نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اس پیشگوئی کا صادق آنا مدلل تقریر سے ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی عیسائیوں کے خیالی اور وہمی کفارے کا ابطال بھی کیا ہے قیمت ۲/ یہ دونوں کتابیں مؤلف سے حسب

اولی الامر - مؤلفہ قاضی غلام محی الدین اخگر ایڈیٹر العزیز بٹالہ مصنف نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مذہب اسلام کے رو سے حاکم وقت کی اطاعت فرض ہے حاکم و محکوم کے احکام کے بیان کے علاوہ سلطنت برطانیہ کی برکات کو نظم و نثر میں بیان کیا گیا ہے قیمت ۱/

پولٹیکل قاعدہ یا امن کی ابجد - مؤلفہ حکیم محمد حسین صاحب قریشی موجد مفرح عنبری حویلی کابلی مل لاہور اس میں مؤلف موصوف نے سی حرفی کی طرز پر مگر دلچسپ نثر میں اطاعت حکام وقت اور شورش سے بچنے کے متعلق مفید ہدایات دی ہیں اور بہت سی تعداد میں مفت تقسیم کرکے سلطنت برطانیہ کی ایک وفادارانہ خدمت کرادا کیا ہے۔

مذہب منصوری - مصنفہ محمد منصور علی صاحب - اس کتاب میں مصنف نے خدا تعالےٰ کی ہستی اور نبوت حضرت ختم المرسلین اور دیگر مسائل کے ثبوت میں بہت سی عقلی دلائل پیش کیے ہیں - قیمت ۸/ صفحہ ۱۲۴ پتہ ذیل سے مل سکتی ہے حکیم منصور علیخاں سرائے بوہرہ حیدرآباد دکن۔

الناظر - یہ رسالہ لکھنؤ سے ماہوار شائع ہوتا ہے اسمیں علمی اور تاریخی مضامین عمدہ پیرائے میں نکلتے ہیں - اردو لٹریچر کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے - کاغذ اور چھپائی عمدہ اور صاف ہے قیمت عہ سالانہ دفتر رسالہ الناظر فلاوز مز لکھنؤ سے ملتا ہے۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ اگست ۱۹۱۰ء — نمبر ۸

چندہ سالانہ

عوام سے ۔ طلباء سے

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اگست ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

مصدّقہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجرّبہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ مینے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد مینے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اس لیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم ۲؎ قسم دوم ۸؎ قسم سوم ۴؎ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اوّل ۵؎ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں قسم دوم ۳؎ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول سیلان منی دیابیطس و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے، بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ۸؎

لنگیاں اور کلاہ:۔ ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی ٹسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں ۱؎ سے ۲۵؎ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ ۲؎ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت ۱؎

المشتہر:۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور۔ (پنجاب)

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو۔ حصہ دوم

پادری ٹسڈل صاحب کا ججی کی کرسی پر رونق افروز ہونا

پادری صاحب اسلام کے ینابیع تلاش کرتے وقت ایک عجیب روش اختیار کرتے ہیں۔ انہوں نے اعتراضات کو اپنی طرف سے پیش نہیں کیا بلکہ بجائے معترض کی حیثیت اختیار کرنے کے ایک حکم کی پوزیشن کو اختیار کیا ہے اعتراض کرتے وقت وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ اسلام پر فلاں فلاں اعتراض کرتے ہیں پھر خود ایک جج کی حیثیت اختیار کرکے اس امر کی تحقیق شروع کرتے ہیں کہ یہ اعتراض کہاں تک صحیح ہے۔ یہ روش انہوں نے ایکدفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ ہر ایک موقعہ پر اختیار کی ہے اور اعتراض بیان کرنے کے بعد وہ بناوٹی تحقیقات کو ایسے الفاظ سے شروع کرتے ہیں جیسے کہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔ آپ صفحہ ۱۸۰ پر ایک اعتراض کو نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

چونکہ مناسب نیست کہ ایں قول معترضین را بدون دلیل مسلم بداریم اکنوں بائد ادلۂ آں ادعا را از ایشان بطلبیم۔ (ترجمہ) چونکہ یہ مناسب نہیں کہ معترضین کے اس اعتراض کو بغیر دلیل کے مان لیا جاوے اس لیئے اب ہمیں چاہیئے کہ اُن سے اس دعوے کے دلائل طلب کریں۔

دراصل پادریصاحب خود ہی معترض ہیں اور جن فرضی دلائل کا وہ خیالی معترضین سے مطالبہ کرتے ہیں وہ درحقیقت اُنکے اپنے دلائل ہیں جنکے جمع کرنے پر انہوں نے سالہا کی محنت کی

صرف کیا ہے اور جن کی وجہ سے ولیم میور صاحب نے اُنکی اسقدر مدح سرائی کی ہے۔ مگر پادریصاحب خود ہی معترض ہیں اور خود ہی حَکَم کی حیثیت اختیار کرتے ہیں اور اُنکی غرض ایسا کرنے سے یہ ہے کہ لوگوں پر اُنکی بات کا اثر ہو اور وہ یہ خیال کریں کہ پادریصاحب نے اس کتاب کے لکھنے میں پرلے درجہ کے انصاف اور تحقیق سے کام لیا ہے اور جب تک معترضین اسلام اپنے دعوے کے ثبوت میں قوی دلائل پیش نہیں کرتے پادری صاحب اُنکے اعتراض کو تسلیم نہیں کرسکتے اسی لیئے وہ ہر ایک اعتراض کے متعلق مخالفین اسلام سے دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں اور مخالفین اسلام کو صاف طور پر کہدیتے ہیں کہ جب تک تم اپنے دعوے کو دلائل قاطعہ سے مویّد نہ کروگے ہم تمھارے اعتراض کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ یہ ہے پادریصاحب کی چالاکی جو آپنے عوام الناس پر ناجائز اثر ڈالنے کیلیئے اختیار کی ہے اور آپکے اس قسم کے الفاظ کہ مناسب نیست کہ این قول معترضین را بدوں دلیل مسلم پداریم اور نیز الفاظ کہ اکنوں باید ادلّہ آں ادّعا را از ایشاں بطلبیم یہ صرف لوگوں کو دھوکہ دینے کیلیئے لکھے گئے ہیں۔ ولیم میور صاحب اس کتاب کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ اپنے طرز کی ”پہلی کتاب“ ہے اور یہ کہ جو شہادتیں اس میں جمع کی گئی ہیں وہ بالکل نئی ہیں اور نیز وہ پادریصاحب کی تحقیقات اور تفتیش اور عالمانہ انکشافات کی بڑے زور سے داد دیتے ہیں جس سے پایا جاتا ہے کہ جو فرضی شہادتیں اس کتاب میں جمع کی گئی ہیں وہ پادری صاحب کا اپنا کام ہے مگر پادری صاحب اس تحقیقات کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے بلکہ اسکو غیروں کی طرف سے بطور شہادت پیش کرتے ہیں اور اپنے لیئے صرف جج کا عہدہ پسند فرماتے ہیں تاکہ وہ معترضین اسلام اور اسلام کے درمیان جو جھگڑا ہے اُس میں ایک حَکَم کی حیثیت سے اپنا فیصلہ دیں اور لوگوں پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے کمال انصاف سے فریقین کے بیانات سُنکر فیصلہ کیا ہے۔ آپ صفحہ ۱۰۸ پر اس امر کی تحقیقات شروع کرتے وقت کہ اسلام کی تعلیم کا ایک بڑا حصّہ زردشتیوں اور ہندوؤں کی کتب مقدسہ سے اخذ کیا گیا ہے لکھتے ہیں ”درجواب ایں سوال مے گویند کہ باید بعضے از آیات قرآن و بعضے از احادیث را بیازمائیم و با آنچہ در کتب زردشتیاں و ہنود مندرج است مقابلہ کنیم۔ (ترجمہ) ہمارے

اس مطالبہ کے جواب میں کہ اس دعوے کے ثبوت میں دلائل اور شہادتیں پیش کی جائیں معترضین کہتے ہیں کہ قرآن کی بعض آیات اور بعض احادیث کی پڑتال کی جاوے اور جو کچھ زردشتیوں اور ہندوؤں کی کتب قدیمہ میں درج ہے اُسکے ساتھ مقابلہ کیا جاوے۔ (صفحہ ۱۸۰) اس قسم کے الفاظ کے ساتھ پادری صاحب اپنی تحقیقات کو شروع کرتے ہیں جس سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ایک معترض کے رنگ میں اس کتاب کو نہیں لکھتے بلکہ معترضین اسلام اور مذہب اسلام کے درمیان میں حَکَم کی حیثیت سے اپنا قول فیصل پیش کرتے ہیں۔ اسی طریق کو انہوں نے اوّل سے آخر تک ملحوظ رکھا ہے چنانچہ جب ایک اعتراض پر اپنی فرضی تحقیقات کو ختم کر چکتے ہیں تو اپنے بیان کو ایسے الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہیں جیسے کہ ذیل میں لکھے جاتے ہیں :۔ حاصل کلام اینکہ ادّعائے معترضینے کہ برآنند کہ انجیل و کتابہائے دیگر مسیحیان وخصوصاً بعضے صحیفہائے جعلی بدعتیان قدیم یکے از ینابیع تعالیم دین اسلام بودہ است ہرگز قابل انکار نمے باشد (ترجمہ) خلاصہ کلام یہ ہے کہ اُن معترضین کا دعویٰ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کا ایک چشمہ انجیل اور دوسری مسیحی کتب خصوصاً جعلی صحیفے ہیں ایسا مضبوط ہے کہ اُس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

لیکن اگرچہ پادری صاحب نے ججی کی کرسی کو اپنے لیے پسند کیا ہے مگر ججی کے فرائض کے ادا کرنے میں بہت کوتاہی کی ہے۔

آپ مسلمانوں اور مسیحی معترضین کے درمیان فیصلہ کرنیکے لیئے ججی کا عہدہ اختیار کرتے ہیں۔ امر زیر بحث یہ ہے کہ آیا آنحضرت صلی اللہ وسلم نے انسانی اور زمینی چشموں سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا ہے یا جو کچھ آپنے بیان فرمایا وہ خدائے تعالیٰ کی پاک وحی تھی۔ مسیحی معترضین کا یہ دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تعالیم کو مسیحیوں۔ یہودیوں۔ زرتشتیوں۔ صابیوں۔ اہل عرب۔ ہندوؤں وغیرہم سے حاصل کیا اور مسلمانوں کا بیان ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام ہے، جو زمین و آسمان کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ جس نے دنیا کی کل قوموں

کی طرف نبی مبعوث فرمائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا اور آپ کو ایک کتاب عطا فرمائی جو دنیا کی کل عمدہ تعالیم کی جامع ہونیکا دعویٰ کرتی ہے۔ یہ ہیں فریقین کے بیانات اور پادری ٹسڈال نے ان ہر دو فریق کے مابین امر متنازعہ فیہ کے فیصلہ کرنیکا کام خود ہی اپنے ذمہ لیا ہے آپنے اپنے تئیں بالکل غیر متعصب اور انصاف پسند جج ظاہر کیا ہے اور آپنے یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ آپ مخالفینِ اسلام کے کسی دعوے کو نہیں سنیں گے جبتک کہ وہ اپنے دعوی کے ساتھ یقینی شہادت پیش نہ کریں آپ کو حق ظاہر کرنیکی اسقدر تڑپ ہے کہ آپ صرف تراجم پر قناعت نہیں کرتے بلکہ وہ اپنے فیصلہ میں اصل کتابوں کے حوالے اُنکی پرانی زبانوں میں لفظ بلفظ درج کرتے ہیں۔ آپ ہر ایک شہادت کے وقت معترضین سے اصل کتاب کا حوالہ طلب کرتے ہیں۔ اور اُس حوالہ کو اصل عبارت میں درج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپنے اپنی کتاب میں بہت سے حوالجات مندرجہ ذیل پرانی زبانوں میں درج کیے ہیں۔

عبرانی۔ صفحات ۳۸- ۴۰ و ۵۲- ۵۵ و ۵۷ و ۶۴- ۷۴ و ۸۴- ۸۸ و ۹۲- ۹۳ و ۹۷ و ۹۸ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۲ و ۱۰۳ و ۱۰۴ و ۱۰۶ و ۱۰۹- ۱۱۰ و ۱۱۲ و ۱۱۸-

یونانی- ۱۰۵ و ۱۲۴- ۱۲۵ و ۱۲۶- ۱۳۱ و ۱۳۳- ۱۳۶ و ۱۳۹- ۱۴۲ و ۱۶۱- ۱۶۴ و ۱۶۸- ۱۷۳ و ۱۷۴ و ۱۷۵ و ۱۹۸- ۱۹۹-

لاطینی- ۱۴۹- ۱۵۰-

ارمنی- ۸۷ و ۱۵۷ و ۲۰۹- ۲۱۰-

پہلوی و زند- ۱۹۲- ۱۹۵ و ۱۹۷- ۱۹۸ و ۲۰۴ و ۲۰۵ و ۲۰۶- ۲۰۸ و ۲۱۱- ۲۱۴ و ۲۱۶- ۲۱۷ و ۲۱۹-

بابلی- ۸۹- ۹۰-

قبطی ۱۳۲ و ۱۵۵-

حبشی- صفحہ ۹۴-

قدیمی مصری زبان- ۱۶۵ و ۱۶۶ و ۱۶۷-

سنسکرت صفحہ ۹۱ و ۲۰۳-

یہ وہ زبانیں ہیں جن میں سے حسب زعم پادری ٹسڈال صاحب کے قرآن شریف کی تعلیم کو اخذ کیا گیا۔ ہر ایک زبان کے مقابل میں جن صفحات کے نمبر لکھے گئے ہیں وہ پادری صاحب کی کتاب ینابیع الاسلام کے صفحات ہیں۔ اِنپر ناظرین اُن عبارتوں کو دیکھیں گے جن میں سے پادری صاحب کے گمان فاسد کے بموجب مختلف اسلامی تعلیموں کو نکال نکال کر ایک نیا مذہب بنایا گیا۔ پادری صاحبان کے خیال کے بموجب یہ وہ سرچشمے ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو جمع کیا۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کے لئے پادری صاحب نے اصل عبارتوں کو اپنی کتاب میں درج کر دیا ہے تا ناظرین ان عبارتوں کے مضامین کا اسلام کی تعالیم سے مقابلہ کر کے یہ دیکھ لیں کہ دونوں میں کیسا تطابق ہے۔ پادری صاحب کبھی اپنے ناظرین کو اپنے ہمراہ لیکر انکو اُس سرزمین کی سیر کراتے ہیں جو دریائے نیل سے سیراب ہوتی ہے۔ اور وہاں کے قدیم مقبروں میں سے ایک پرانی کتاب کتاب الاموات نام نکالکر اُنکے آگے پیش کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کا ایک سرچشمہ مصر کی یہ پرانی کتاب ہے۔ اسکو پڑھو اور قرآن مجید کی تعلیم سے اس کا مقابلہ کرو۔ پھر پادری صاحب ہمیں اُن قدیمی کھنڈرات کی طرف لیجاتے ہیں جو دریائے دجلہ و فرات کے مابین واقع ہیں اور پرانے کتبوں پر اپنی اُنگلی رکھکر ہم سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ ان عبارتوں کو جو ان قدیمی پتھروں پر بابلی زبان میں کُھدی ہوئی ہیں پڑھو کیونکہ اسلامی تعلیم کا یہ بھی ایک سرچشمہ ہے۔ پھر آپ اسلام کے سرچشموں کی تلاش میں ایران میں سے گذر کر دریائے گنگا تک اپنے ناظرین کو لیجاتے ہیں اور سنسکرت کی پُرانی اور گمنام پستکوں کو کھولکر وہ اُنسے مخاطب ہو کر کہتے ہیں۔ ان تحریروں کو پڑھو کیونکہ یہ بھی اسلام کی تعلیم کا سرچشمہ ہیں۔ مگر تعجب یہ ہے کہ وہ دریائے گنگا تک آکر ٹھہر جاتے ہیں معلوم نہیں کہ وہ ہندوؤں کی اس مقدس ندی سے پار کیوں نہیں جاتے کیونکہ اگر وہ گنگا کے مقدس پانیوں کو عبور کر کے اور ہمالیہ کے پہاڑوں کو طے کر کے ملک تبت و چین میں بھی اسلام کے سرچشموں کی تلاش کرتے تو ضرور اُنکو کنفیوشس اور بُدھ کی تعلیم میں بہت سی ایسی باتیں مل جاتیں جو اسلام کی تعلیم کے عین مطابق ہوتیں اور جنکو وہ اپنے اصول کے مطابق اسلام کی تعلیم کا

سرچشمہ قرار دے سکتے۔

ناظرین! کیا آپ جانتے ہیں کہ پادری صاحب نے کیوں اس قدر محنت اور مشقت اُٹھا کر اس قدر مختلف زبانوں میں سے لمبی چوڑی عبارتوں کو اصل الفاظ میں نقل کر کے اپنی کتاب کو سیاہ کیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے سنسکرت۔ ایرانی۔ عبرانی۔ یونانی قبطی۔ قدیم مصری۔ بابلی۔ لاطینی حبشی۔ ارمنی وغیرہ مردہ زبانوں کی مردہ کتابوں کی ورق گردانی کر کے لمبی لمبی عبارتوں کو اصلی زبانوں اور اُن زبانوں کے اصلی حروف میں نقل کر کے ناظرین کے آگے پیش کیا ہے۔ ایسا کرنے سے پادری صاحب کی سوائے اسکے اور کوئی غرض نہیں کہ ناظرین ان مختلف زبانوں کے عجیب در عجیب نقوش کو دیکھکر یہ خیال کریں کہ پادری صاحب نے اسلام کے سرچشمے تلاش کرنے میں کمال تحقیق اور تدقیق سے کام لیا ہے انہوں نے ناظرین پر ان نقوش کے ذریعہ ناجائز اثر اور رُعب ڈالنا چاہا ہے مگر مَیں ناظرین کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ان لمبے لمبے حوالجات کو دیکھکر دھوکہ میں نہ آجائیں۔ پادری صاحب کی اس ساحرانہ کارروائی کی حقیقت انشاء اللہ تعالےٰ ابھی ناظرین پر ظاہر ہو جائے گی۔

تعجب ہے کہ جب پادری صاحب مقدس اناجیل کا بھی حوالہ دیتے ہیں تو وہ بھی یونانی حروف میں۔ پادری صاحب! کیا یسوع کی مادری زبان یونانی تھی۔ اگر اُنکی زبان یونانی نہیں تھی تو پھر کیا ایرانی۔ کیا یونانی ناظرین کیلئے دونوں برابر ہیں اور انجیل متی کے متعلق تو آپکا دعویٰ ہے کہ وہ عبرانی میں لکھی گئی تھی۔ پھر آپ کو چاہیئے تھا کہ متی کا حوالہ دیتے ہوئے اصل عبرانی عبارت نقل کرتے۔ اگر آپ فرمادیں کہ اصل عبرانی اب گم ہوگئی ہے تو پھر مَیں آپ سے پوچھتا ہوں کہ پھر یونانی عبارت کو کیوں نقل کیا۔ جب اصل موجود نہیں رہا اور یونانی اور فارسی دونوں تراجم ہیں تو پھر یونانی عبارت درج کرنے سے کیا فائدہ؟ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی غرض صرف ناظرین پر ناجائز رُعب ڈالنا ہے اور کچھ نہیں۔

پادری صاحب۔ اگر آپکے نزدیک اصل عبارتوں کا نقل کرنا ضروری ہے اور اصل عبارت پیش کرنے کے بغیر یقین کامل حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو پھر کیا پادری صاحبان کیلئے آپکے اصول کے رُو سے ماتم کا مقام نہیں کہ اُن کے پاس آج کوئی ایسی کتاب موجود نہیں

جس میں حضرت مسیح کے مُنہ کے کلمات انکی مادری زبان میں درج ہوں۔ پادری صاحب کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ آپنے سنسکرت اور پہلوی اور بابلی اور حبشی وغیرہ زبانوں کے حوالجات تو اصل زبان میں دیئے ہیں مگر جب اپنی باری آئی اور مسیح کے اقوال کو پیش کرنے کا موقعہ آیا تو پھر آپ اس امر سے عاجز رہ گئے کہ آپ اُن کے اقوال کو انکی اپنی زبان میں پیش کرتے۔ جب اپنے گھر کا یہ حال تھا تو پھر غیر زبانوں کے متعلق اسقدر مشقت اُٹھانیکی کیا ضرورت تھی؟ کیا پادری صاحب! آپ کو مسیح کے اقوال یونانی زبان میں پیش کرتے ہوئے شرم نہ آئی؟ کیا فارسی ترجمہ یا دیگر تراجم آپکے نزدیک غیر معتبر ہیں کہ مسیح کے اقوال پیش کرنیکے لئے آپنے یونانی حروف کو اختیار کیا۔ کیا آپ کی اس کارروائی سے ہم یہ نتیجہ نکالیں کہ اناجیل کے جسقدر تراجم ہیں وہ سب ناقابل اعتبار ہیں۔ صرف یونانی نسخے ہی اعتبار کے لائق ہیں۔

غرض مَیں ناظرین کو آگاہ کرتا ہوں کہ وہ پادری صاحب کے لمبے چوڑے حوالجات سے جلدی سے یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ انہوں نے بھی کے اُس فرض کو ادا کر دیا ہے جو انہوں نے خود بخود اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ پیشتر اسکے کہ ہم کسی نتیجہ پر پہنچیں ہمیں اس بات کو دیکھنا چاہیئے کہ آیا پادری صاحب نے اس سوال کے سب پہلوؤں پر غور کر لیا ہے۔ پادری صاحب کی غرض یہ تھی کہ وہ قرآن شریف کے منزل من اللہ ہونیکے دعوے کی تردید کریں اور اس غرض کو پورا کرنیکے لئے صرف یہی دکھانا کافی نہیں تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم دوسری کتب میں موجود ہے بلکہ یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی طور پر یا تو براہ راست اُن کتابوں میں سے ان تعالیم کو اخذ کیا یا ایسے لوگوں سے ان تعالیم کو حاصل کیا جو ان کتابوں سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ اگر مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کی تعالیم کو ایجاد کیا اور یہ کہ جو کچھ اس مقدس کتاب میں درج ہے وہ کسی پہلی کتاب میں نہیں پایا جاتا تو پھر پادری صاحب کا صرف یہ دکھلا دینا کافی ہوتا کہ یہ تعالیم پہلی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر مسلمانوں کا یہ اعتقاد نہیں کہ اسلام کی تعالیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایجاد ہیں بلکہ اُن کا ایمان ہے کہ یہ کتاب اُس خدا کا کلام ہے جو غیب السمٰوٰت والارض کا جاننے والا ہے اور جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس لئے اگر

پادری صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ کتاب خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں تو اُن کو صرف یہی نہیں دکھلانا چاہیئے کہ قرآن شریف کی تعالیم بعض دیگر کتب میں بھی متفرق طور پر پائی جاتی ہیں بلکہ یہ بھی قطعی اور یقینی شہادت کے ذریعہ ثابت کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقعہ ان تعالیم کو اُن کتابوں سے لیا یا ایسے لوگوں سے سیکھا جو ان کتابوں کے ماہر تھے۔ اگر پادری صاحب یہ دونوں امر قطعی اور یقینی شہادتیں پیش کر کے پورے طور پر ثابت کردیں تو پھر ہمیں اس امر کے قبول کرنے سے انکار نہ ہوگا کہ واقعی پادری صاحب اپنے کام میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ اسلیئے ناظرین کو چاہیئے کہ کتاب ینابیع الاسلام کی نسبت رائے لگاتے وقت ان دونوں امور کا لحاظ رکھیں اور یہ دیکھیں کہ آیا پادری صاحب نے فی الواقعہ ان ہر دو امور کو پورے طور پر ثابت کردیا ہے۔ صرف پادری صاحب کے یونانی۔ ایرانی وغیرہ حوالوں اور ان حوالجات کے عجیب غریب نقوش اور اشکال سے مرعوب ہو کر یہ نتیجہ نہ نکال لیں کہ پادری صاحب نے عالمانہ تحقیق سے ثابت کردیا ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ انسانی سرچشموں سے اخذ کیا گیا ہے۔ ناظرین پہلے یہ دیکھیں کہ جو حوالجات پادری صاحب نے پیش کیے ہیں آیا اُنمیں واقعی وہ تعلیم ہے جو قرآن مجید میں پائی جاتی ہے یا صرف سحر وا حبین الناس پر عمل کر کے پادری صاحب نے ان حوالجات سے اپنی کتاب کو لاد دیا ہے پھر اُس کے بعد یہ دیکھیں کہ آیا پادری صاحب نے یہ بھی قطعی شہادت کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختلف اور قدیم کتابوں اور کتبوں سے اپنی تعلیم کو اخذ کیا۔ یہ دو معیار ہیں جن سے ہم پادری صاحب کی کتاب ینابیع الاسلام کو پرکھیں گے اور اگر وہ ان ہر دو معیاروں کے رُو سے پوری اُتری تو پھر واقعی وہ اُس تعریف کی مستحق ہوگی جو پادری صاحبان نے کی ہے۔

کیا قرآن مجید کے مضامین پادری ٹسڈل کے حوالجات سے ملتے ہیں

جب ہم پادری صاحب کی کتاب کو پہلے معیار کے رو سے جانچتے ہیں تو ہم

نہایت حیرت سے کے ساتھ معلوم کرتے ہیں کہ پادری صاحب نے قرآن مجید کی تعالیم مضامین کا دوسری کتب میں کھوج لگاتے ہوئے ایمانداری کو بالکل بالائے طاق رکھدیا ہے۔ پادری صاحب کی کتاب اسلیئے لکھی گئی تھی تا یہ ثابت کیا جاوے کہ قرآن مجید نعوذ باللہ خدائے تعالےٰ کا کلام نہیں۔ اسلیئے اُسکو چاہیئے تھا کہ قرآن مجید کے بیانات و تعالیم سے باہر نہ جاتا۔ مگر اُس نے بجائے اسکے کہ اصل قرآن شریف کے مضامین کا دوسری کتابوں میں کھوج لگائے اُس نے تفسیروں اور قصص کی کتابوں کی طرف رجوع کیا ہے اور جو رطب و یابس قصے بعض تفسیروں میں پائے جاتے ہیں اُنکو لیکر یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ یہ بیانات فلاں فلاں سرچشمے سے لیئے گئے ہیں اور اس سے آخر میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ قرآن کریم خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یہ عجیب منطق ہے جو پادری صاحبان کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہے۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور یہ کہ خدائے تعالیٰ کا فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ یہ کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں کہ جو قصے تفسیروں میں پائے جاتے ہیں وہ بھی الہامی ہیں اور یہ کہ جو کچھ مفسروں نے لکھا وہ بھی وحی جبرئیل کے ذریعہ اُن مفسروں پر نازل ہوا۔ پس تفسیروں کے قصوں کا دوسری کتابوں میں کھوج لگانے سے یہ ہرگز کسی عقلمند کے نزدیک ثابت نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ مثلاً پادری صاحب صفحہ ۱۹۱ پر لکھتے ہیں۔ " بیضاوی و مفسرین دیگر نوشتہ اند کہ زن عمران دیرینہ سال و عاقر بود و روزے چوں پرندہ دید کہ بچہ ہائے خود را قوت مے دہد بہ نہایت آرزومند اولاد گشتہ از خدا مسئلت نمود کہ طفلے بوے عطا فرماید" (ترجمہ یعنی بیضاوی اور دوسرے مفسروں نے لکھا ہے کہ عمران کی بیوی نے جو بڑھیا اور بانجھ تھی ایک دن ایک پرندہ کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو چوگ دے رہا ہے۔ یہ دیکھکر اُس کا دل بھی للچایا اور خدائے تعالیٰ سے اُس نے دعا کی کہ اے خدا مجھے بھی ایک بچہ عطا فرما۔

اس کہانی کو نقل کرکے پادری صاحب لکھتے ہیں کہ معترضین کا قول ہے کہ یہ قصہ مسیحیوں کی کتابوں سے لیا گیا اور فرماتے ہیں چونکہ مناسب نیست کہ ایں قول ایشاں را بدوں دلائل کافی قبول کنیم مے باید آں ادلہ را کہ ایشاں پیش مے آرند بدقت تمام اصغا نمائیم یعنی

یہ مناسب نہیں کہ ہم معترضین کے قول کو بغیر کافی دلیل کے قبول کریں اسلئے یہ مناسب ہے کہ جو دلائل وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اُن کو بڑی توجہ سے سنیں۔ اسکے بعد پادری صاحب کتاب پروتو نجیلیون یعقوب صغیر میں سے ایک یونانی عبارت نقل فرماکر اُسکو فارسی میں اسطرح ترجمہ کرتے ہیں ”وحنا بسوئے آسمان نگریستہ آشیانہ گنجشکہا را در درخت غار دیدہ و در خود فریاد کردہ گفت، وائے برمن وائے برمن کیست کہ مرا زائید وائے برمن بچہ چیز مشابہت دارم من مثل پرندگان ہوا نیستم زیرا پرندگان ہوا ہم درحضور تو بار درہستند خداوندا“ یعنی حنا نے ایک درخت پر چڑیوں کا ایک آشیانہ دیکھا اور کہا کہ مجھ پر افسوس۔ وہ کون تھی جس نے مجھے جنا۔ میں تو ہوا کے پرندوں جیسی بھی نہیں کیونکہ اے خداوند ہوا کے پرندے بھی تیرے حضور بار ور ہیں مگر میں ہوں کہ بے ثمر ہوں۔

اس کہانی کو نقل کرکے پادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم خدا کا کلام نہیں بلکہ اسکے مضامین دوسری کتابوں میں سے اخذ کیئے گئے ہیں۔ پادری صاحب کی عقل پر افسوس۔ کیا جج ایسے ہی ہوتے ہیں؟

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ ہم معترضین کے اعتراض کو بغیر دلیل کے قبول نہیں کرینگے اور انکے پیش کردہ دلائل کو غور سے سُنکر اپنا فیصلہ دینگے مگر آپنے یہ نہیں سوچا کہ آیا یہ کہانی قرآن مجید میں بھی ہے یا نہیں۔ اگر یہ کہانی قرآن شریف میں نہیں تو پھر یونانی عبارتوں سے کتاب کو سیاہ کرنیسے کیا فائدہ۔ آپ اس یونانی کتاب کے باب اور فصل کا حوالہ دیتے ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ قرآن شریف کے کس رکوع اور کس پارہ میں یہ کہانی درج ہے؟

پھر پادری صاحب صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں ”ونیز جلال الدین برآنست کہ بعد از چند سال چوں مادر مریم کہ اسمش حنا بود دیرا بہ ہیکل رسانیدہ بکاہناں سپرد ایشاں اورا قبول کردہ زکریا را گماشتند تا ویرا نگاہدارد و او ویرا در اطاقے جا دادہ نگذاشت کہ ہیچکس دیگر بنزد وے داخل شود، ولکن فرشتہ ویرا پرورش نمودگہ

یعنی جلال الدین اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت مریمؑ کی ماں نے حضرت مریمؑ کو کاہنوں کے سپرد کیا اور کاہنوں نے حضرت زکریاؑ کے سپرد کیا تو حضرت زکریاؑ نے حضرت مریمؑ کو ایک ہجرہ میں بند کر دیا اور وہ کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ حضرت مریم کے پاس جائے اور اُس ہجرہ میں فرشتے اُسکی پرورش کرتے تھے۔ پادری صاحب جلال الدین کی اس کہانی کو نقل کر کے اُسی یونانی کتاب میں سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کرتے ہیں۔ "و مریم مثل کبوترے در ہیکل خداوند اقامت مے نمود و غذا از دست فرشتہ میگرفت۔ پھر ایک قبطی کتاب سیرۃ باکرہ میں سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں جسکا ترجمہ فارسی حسب ذیل ہے۔ "و در ہیکل مثل کبوتران پرورش مے یافت و غذا برائے وے از آسمان بوسیلہ فرشتگان خدا مے آوردند۔ و نیز اکثر اوقات میوہ ہا از درخت حیات برائے وے مے آوردند تا از انہا بشادمانی بخورد" اگرچہ پادری صاحب نے جلال الدین کی کہانی کا منبع دریافت کرنیکے لیئے بہت مشقت اُٹھائی ہے اور ایک نہیں بلکہ دو کتابوں میں سے اُس کا اصل پیش کیا ہے مگر افسوس کہ اُن کی ساری محنت بالکل رائگاں گئی کیونکہ اس کہانی کا ذکر قرآن شریف میں کسی جگہ نہیں پایا جاتا اور اسلیئے اس کہانی کا اصل دریافت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اس جگہ میں یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات مسلمان مفسروں نے قرآن شریف کے کلمات کو پھیر پھار کر سُنی سنائی کہانیوں پر چسپاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہی سلوک قرآن مجید کی ایک آیت سے کیا گیا جس میں حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ فتقبلها ربها بقبول حسن و انبتها نباتا حسنا و کفلها زکریا کلما دخل علیها زکریا المحراب وجد عندها رزقا۔ قال یمریم انی لک هذا۔ قالت هو من عند الله۔ ان الله یرزق من یشاء بغیر حساب۔

یعنی جب حضرت مریمؑ کی والدہ نے حضرت مریمؑ کو خدائے تعالیٰ کیلیئے نذر کیا تو خدائے تعالیٰ نے اُسے قبول کیا اور اُسکو اچھی طرح بڑھایا اور زکریاؑ کو اُسکا متکفل بنایا۔ جب حضرت زکریاؑ محراب میں داخل ہوتے تو اُسکے پاس کھانیکی چیزیں دیکھکر پوچھتے کہ اے مریم تجھے یہ کھانے کی چیزیں کہاں سے ملیں۔ تو وہ جواب دیتیں کہ اللہ تعالیٰ نے دیں۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (آل عمران) ان آیات میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ حضرت زکریاؑ نے حضرت

مریم کو جب وہ چھوٹی تھیں کسی کوٹھڑی میں بند کر رکھا تھا اور کوئی انسان وہاں جا نہیں سکتا تھا۔ اور حضرت مریم کبوتر کی طرح ہیکل میں رہتی اور فرشتوں کے ہاتھ سے کھانا کھاتی تھیں۔ اس آیت کے بعد کی آیت یہ ہے هنالك دعا زكريا ربه قال رب هب لي من لدنك ذرية طيبة انك سميع الدعا۔ یعنی حضرت مریم کا یہ جواب سنکر حضرت زکریا نے اپنے رب سے دعا کی اور کہا کہ اے میرے رب مجھے بھی اپنے پاس سے پاکیزہ ذریّۃ عطا کر۔ ان آیات کا مطلب بالکل صاف ہے کسی عجوبہ کے ایجاد کرنیکی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ عام طور پر رواج ہے کہ جب لوگ بچوں کے پاس کوئی چیز دیکھتے ہیں تو پیار کی وجہ سے اور یہ دیکھنے کیلئے کہ بچہ کیا جواب دیگا اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ چیز تجھے کس نے دی۔ اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بچہ کے پاس وہ چیز کسی خارق عادت طور پر پہنچی ہے۔ اسی طرح جب حضرت مریمؑ کے پاس جو ابھی بچہ تھیں اور جن کی نگرانی حضرت زکریاؑ کے سپرد تھی حضرت زکریاؑ کوئی کھانے کی چیز دیکھتے تو اُن سے پیار کرنیکی غرض سے دریافت کرتے کہ یہ چیز تجھے کہاں سے ملی۔ مگر چونکہ حضرت مریم کی فطرت نہایت پاکیزہ تھی اور آپ کی تربیت حضرت زکریاؑ جیسے پاک انسان کے ہاتھوں میں تھی اور آپ کی والدہ بھی ایک نیک عورت تھیں اسلیئے حضرت مریمؑ نے نہایت پاکیزہ جواب دیا کہ یہ رزق مجھے خدائے تعالیٰ نے دیا ہے۔ خدائے تعالیٰ جسکو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ اس جواب سے یہ نہیں پایا جاتا کہ وہ فرشتوں کے ہاتھ سے کبوتر کی طرح خوراک حاصل کرتی تھیں۔ ایسا جواب تو ہمارے بچے بھی بسا اوقات دیدیتے ہیں جنکی تربیت اچھی ہو اور جنکی فطرت پاک ہو۔ علاوہ ازیں ایسے لفظ تو قرآن مجید میں اور کئی مقامات پر آئے ہیں اور اُنکا مطلب یہ نہیں کہ براہ راست فرشتوں کے ذریعہ غیر معمولی طور پر رزق ملتا ہے۔ چنانچہ انہی مذکورہ بالا آیات سے چند آیتیں پہلے یہ آیت ہے۔ قل اللّٰهم مالك الملك تؤتي الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شيء قدير۔ تولج الليل في النهار وتولج النهار في الليل وتخرج الحي من الميت وتخرج الميت من الحي وترزق من تشاء بغير حساب۔ اس آیت کے آخری فقرہ کے معنے

ہیں کہ تو جسکو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے کیا اس فقرہ کے یہ معنے ہیں کہ جن کی نسبت چاہتا ہے اُنکو آسمان سے فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی چیزیں بھیجتا ہے۔ بلکہ کل دنیا کو جو رزق ملتا ہے اُس کا دینے والا خدائے تعالیٰ ہی ہے۔ اسی طرح حضرت مریم کو بھی دیا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ وَکَفَّلَهَا زَکَرِیَّا کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کا متکفل حضرت زکریاؑ کو بنایا یعنی اُنکی پرورش کی خدمت اُنکے سپرد کی۔ پھر سورۃ بقرہ رکوع ۲۶ میں خدائے تعالےٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ یعنی اللہ تعالےٰ جسکو چاہتا ہے بلاحساب رزق دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام والصلوٰۃ فرماتے ہیں ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی مجھے کھانیکو دیتا ہے اور وہی مجھے پانی پلاتا ہے۔ ان آیات میں رزق دینے اور کھانا کھلانے اور پانی پلانیکا کام خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے مگر اس کے یہ معنے نہیں کہ کسی خارق عادت طور پر فرشتوں کے ہاتھ خدائے تعالیٰ آسمان سے بنی بنائی چیزیں بھیجتا ہے۔ اسی طرح حضرت مریم کا فرمانا کہ خدائے تعالیٰ مجھے رزق دیتا ہے اور وہ جسکو چاہتا ہے بلاحساب رزق دیتا ہے یہ ظاہر نہیں کرتا کہ وہ کبوتروں کی طرح فرشتوں کے ہاتھ سے کھانیکی چیزیں حاصل کیا کرتی تھیں۔ جب حضرت زکریاؑ نے حضرت مریم سے یہ پاکیزہ جواب سُنا تو آپ کے دل میں بھی اس خواہش نے جوش مارا کہ کاش ایسی پاک اولاد جیسی یہ لڑکی ہے مجھے بھی خدائے تعالیٰ عطا فرمائے چنانچہ انہوں نے یہ دعا کی۔ غرض یہ آیات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کس طرح حضرت زکریاؑ کو اولاد کی خواہش پیدا ہوئی اور کونسی بات تھی جو اُنکی دعا کی محرک ہوئی۔ ان آیات میں کوئی ذکر فرشتوں کے ہاتھ سے کبوتر کی طرح کھانا حاصل کرنے کا نہیں۔ اور اس امر سے بھی تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ کیوں ہر وقت اُن کے پاس کھانے کی چیزیں موجود رہتی تھیں۔ وہ ایک چھوٹی سی لڑکی تھیں جو ہیکل کی نذر کی گئی تھیں۔ اسلیئے ضرور لوگ اُن سے طبعاً پیار کرتے ہونگے اور اُنکے لیئے طرح طرح کی کھانے کی چیزیں اور میوے لاتے ہونگے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فرشتے آسمان سے میوے لایا کرتے تھے۔

غرض پادری صاحب نے قرآن کو چھوڑ کر تفسیروں کی روایات پر بڑا زور دیا ہے اور اُنکے

ماخذ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر اُن کو یاد رہے کہ تفسیروں کے قصوں کے ماخذ دریافت کرنے سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ لیکن اگر پادری صاحب صرف تفسیروں پر ہی بس کرتے تب بھی خیر تھی مگر آپ نے تفسیروں سے بھی تجاوز کر کے مختلف کہانیوں اور قصوں کی کتابوں پر بھی ہاتھ مارا ہے اور اُن کہانیوں کے ماخذ دریافت کر کے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں ــ واہ! پادری صاحب شاباش آپ کی عقل پر۔ جج ہوں تو ایسے ہوں!۔ جن کتابوں میں سے انہوں نے قصے اور کہانیاں لی ہیں اُن کے نام یہ ہیں (۱) قصص الانبیاء (۲) عرائس المجالس (۳) روضۃ الاحباب (۴) التواریخ القدیمہ۔ ناظرین تعجب کرینگے کہ ان کتابوں کو خدائے تعالیٰ کے الہام سے کیا تعلق ہے اور ان کتابوں کے قصص کا پرانی کتابوں میں کھوج لگانے سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ ان کتابوں نے کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اُنکے مضامین بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ بلکہ ان میں کئی ایسی کہانیاں ہین جنکی قدر الف لیلہ کے قصوں سے زیادہ نہیں اور اسلام کے کسی فرقہ کے نزدیک یہ معتبر اور قابل عملدرآمد کتب میں شمار نہیں کیجاتیں پھر معلوم نہیں کہ پادری صاحب نے قرآن شریف کو چھوڑکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اقوال کو چھوڑکر جو مستند کتابوں میں پائے جاتے ہیں کیوں ان کتابوں کی طرف رجوع کیا۔ پھر طرفہ یہ کہ ان کتابوں میں سے بھی اسنے ایسے حصوں کو منتخب کیا ہے جو اکثر محض بیہودہ اور لچر ہیں۔ معلوم نہیں پادری صاحب نے کس عقل کے بھروسہ پر اپنے لیے جج کا عہدہ پسند فرمایا۔ کس مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ جو حکایات مذکورہ بالا کتب میں پائی جاتی ہیں وہ وحی جبرائیل کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتری تھیں۔ پادری صاحب! اگر آپ ان کتب کی حکایات کو یہودیوں۔ مسیحیوں۔ زرتشتیوں۔ ہندوؤں وغیرہم کی کتابوں میں سے نکالکر دکھا دیں تو اس سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوا تھا۔ پادری صاحب مجھے

بار بار آپکی عقلمندی پر اور آپ کی جج پر تعجب آتا ہے۔ اگر اتنی ہی سمجھ تھی تو خواہ مخواہ جج بنکر کیوں اپنی پردہ دری کرائی۔ اگر کوئی شخص پادری صاحب پر اور اُنکے مدّاح ولیم میور پر جس نے اُنکی تعریف میں اسقدر لمبا گیت گایا ہے حسن ظن کرکے یہ گمان کرے کہ شاید عرائس المجالس۔ قصص الانبیار۔ التواریخ القدیمہ وغیرہ میں سے پادری صاحب نے جو حکایات پیش کی ہیں وہ ایسی حکایات ہیں جو قرآن مجید میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ اگر وہی حکایات قرآن مجید میں بھی پائی جاتی ہیں تو پھر پادری صاحب کو کیا ضرورت پیش آئی کہ قرآن مجید جیسی کتاب کو چھوڑکر دوسری کتابوں کی طرف رجوع کیا۔ پھر اس بھلے مانس جج نے ان قصوں کی کتابوں میں سے ایک نہیں دو نہیں تین نہیں بلکہ ایک کثیر تعداد حکایات کی لیکر پرانی کتابوں میں اُن کا کھوج لگایا ہے اور اس طرح اپنی کتاب کے ورق کے ورق بے فائدہ سیاہ کردیئے ہیں۔ بے شک پادری صاحب نے بہت جفاکشی سے کام لیا ہے اور عبرانی یونانی وغیرہ کتابوں میں سے بہت سے طول طویل حوالجات اصل زبانوں میں نقل کئے ہیں مگر ہم اُن کی اس محنت کی کیا داد دیں اور اُنکی لمبی عبارتو کو کیا کریں جو اُنہوں نے اصل زبانوں میں ہمارے آگے پیش کی ہیں جب کہ وہ قصے ہی قرآن مجید میں نہیں پائے جاتے جنکا اُنہوں نے اسقدر محنت سے مردہ کتابوں اور مردہ زبانوں میں کھوج لگایا ہے۔ اور جبکہ کوئی عقلمند اُن بیہودہ اور لغو کہانیوں کو اسلام کی تعلیم کی جزو خیال نہیں کرتا۔ پادری صاحب نے اس کثرت سے ان کتابوں کی حکایات کو نقل کیا ہے کہ کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک شخص کے دل میں بلا اختیار یہ خیال گذرتا ہے کہ پادری صاحب نے قرآن شریف کے ماخذ دریافت کرنیکے لیئے نہیں بلکہ عرائس المجالس قصص الانبیار روضۃ الاحباب۔ اور التواریخ القدیمہ کے ماخذ دریافت کرنیکے لیئے اس کتاب کو تصنیف کیا ہے۔ چنانچہ صفحات ذیل انہی کتابوں کی حکایات اور اُنکے ماخذ دریافت کرنیکے لیئے کلیۃً وقف کردیئے گئے ہیں۔ صفحہ ۱ سے ۵۸ تک۔ ۹۰ سے ۹۵ تک ۱۰۷ سے ۱۱۲ تک ۱۵۶ سے ۱۵۸ تک اور ۲۰۶ سے ۲۱۵ تک۔ مَیں ذیل میں ان چہار کتب کی حکایات میں سے چند ایک بطور نمونہ کے یہاں نقل کرتا ہوں تا ناظرین کو معلوم ہو کہ وہ کس قسم

کی کہانیاں ہیں جنکو پادری صاحب نے نقل کیا ہے اور جنکا ماخذ دریافت کرنیکے بعد یہ پادری
جج اس عظیم الشان نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ کتاب قصص الانبیاء میں سے جن حکایات کو اس پادری
جج نے نقل کیا ہے اُنمیں سے چند حسب ذیل ہیں:۔

(۱) صفحہ ۱۰۷ پر پادری صاحب لوح محفوظ کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت کتاب
قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں "اما اگر استفسار کنیم کہ اہل اسلام دربارہ
آں لوح محفوظ چہ چیزرا از احادیث خود آموختہ اند جواب ایں سوال را در قصص الانبیاء
صفحہ ۴۳ میابیم وآں ایں است آنگاہ در زیر عرش دانۂ مروارید بیافرید واز آں
مروارید لوح محفوظ را بیافرید بلندی وے ہفت صد سالہ راہ وپہنای وے سہ صد
سالہ راہ گرداگرد وے ہمہ بیاقوت سرخ آراستہ شد بقدرت خدائے تعالیٰ
آنگاہ قلم را فرمان آمد کہ اکتب علمی فی خلقی وما ھو کائن الی یوم القیٰمۃ
...... واصل ایں حکایت در کتابہائے یہود یافت مے شود"۔ یعنی اگر ہم یہ
دریافت کریں کہ اہل اسلام نے لوح محفوظ کے متعلق اپنی احادیث سے کیا سیکھا ہے
تو اس کا جواب ہم قصص الانبیاء میں پاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے
عرش کے نیچے ایک مروارید کا دانہ پیدا کیا اور اُس مروارید سے لوح محفوظ کو پیدا کیا
اُسکی بلندی سات سو سال کی راہ ہے اور چوڑائی تین سو سال کی راہ ہے اور اس کا
گرداگرد یاقوت سُرخ سے آراستہ ہے ...... اس حکایت کا اصل یہود کی کتابوں
میں پایا جاتا ہے۔

اب اس کہانی کا پادری صاحب پرانی کتابوں میں سے کھوج لگانے کے بعد اس
نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی حالانکہ یہ کہانی
نہ قرآن مجید میں پائی جاتی ہے اور نہ صحیح احادیث میں۔ پھر باوجود اسکے پادری
صاحب یہ گمان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کی عمارت کو
منہدم کردیا ہے۔

(۲) پھر پادری صاحب اسی کتاب قصص الانبیاء میں سے ایک اور عجیب غریب کہانی نقل کرتے ہیں آپ صفحہ ۱۱۱ پر لکھتے ہیں "در قصص الانبیاء صفحہ ۵ گفتہ شدہ است کہ روزے عبداللہ ابن سلام از حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پرسید فراز زمین از چیست۔ گفت از کوہ قاف۔ گفت کوہ قاف از چیست۔ گفت از زمرد سبز و سبزئے آسمان از آنست۔ گفت صدقت یا رسول اللہ۔ گفت بالائے کوہ قاف چہ مقدار است گفت پانصد سالہ راہ راست۔ گفت گرداگرد وے چند است گفت دو ہزار سالہ راہ است۔ انتہیٰ" یعنی ایک دن عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ زمین کا بلند ترین مقام کونسا ہے۔ آپ نے جواب دیا کوہ قاف۔ جو سبز زمرد کا بنا ہوا ہے اور آسمان کی سبزی بھی اسی پہاڑ کی وجہ سے ہے۔ پانچسو سال کی راہ اُسکی اونچائی ہے اور اُس کا گرداگرد دو ہزار سال کی راہ ہے عبداللہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا اے اللہ کے رسول۔

اس کہانی کو نقل کرنے کے بعد پادری صاحب اس کا اصل ایک یہودیوں کی کتاب حگیگاہ نامی سے نکالتے ہیں مجھے اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ ساری کہانی محض ایک جھوٹ ہے جو صرف لوگوں کا دل بہلانے کے لئے گھڑی گئی ہے۔ اس کی بنا نہ کسی قرآنی آیت پر ہے اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کا پتہ ملتا ہے مگر پادری صاحب اسکو اسلام کی تعلیم کا ایک جزو عظیم ظاہر کر کے اسکو اپنی کتاب میں جگہ دیتے ہیں گویا اسلام کی سچائی کا مدار اسی کہانی پر ہے افسوس پادری صاحبان کے انصاف پر۔ وہ کیسی کیسی چالاکیوں سے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

(۳) پھر پادری صاحب اسلام کی ایک اور بڑی عظیم الشان تعلیم کا ذکر کرتے ہیں جسکا پتہ نہ قرآن شریف میں ملتا ہے اور نہ صحیح احادیث میں۔ آپ صفحہ ۲۰۶ پر لکھتے ہیں۔ "در قصص الانبیاء صفحہ ۹ چنیں مکتوبست۔ خدا تعالیٰ عزازیل را پیدا کرد عزازیل در سجین ہزار سال خدائے تعالیٰ را سجدہ کرد تا بر زمین دنیا آمد" یعنی قصص الانبیاء میں لکھا ہے کہ عزازیل نے زمین کے نیچے مقام سجین میں ہزار سال خدائے تعالیٰ کی عبادت کی پھر زمین پر آیا اور ہر ایک طبقہ طے کرنے کے بعد ہزار سال خدائے تعالیٰ کے آگے سجدہ

کرتا رہا۔

(۴) پھر آپ صفحہ ۲۱۰ و ۲۱۱ پر اُسی کتاب قصص الانبیاء میں سے ایک اور فرضی اسلامی تعلیم پیش کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔ "ونیز گفتہ شدہ است در احادیث کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) گفت خدا تعالیٰ آں نور را بچہار قسم گردانیدہ از یک قسم عرش را بیافرید و از یک قسم قلم را بیافرید و از یک قسم بہشت را بیافرید و از یک قسم مومنانرا بیافرید۔ ایں چہار قسم را باز چہار قسم کرد از قسم اوّل عزیز تر و مکرم ترمرا بیافرید کہ رسولم و از قسم دوم عقل را بیافرید و در سر مومناں نہاد و از قسم سوم شرم را بیافرید و در چشم مومناں نہاد و از قسم چہارم عشق را بیافرید و در دل مومناں نہاد (قصص الانبیاء صفحہ ۲)" یعنی احادیث میں لکھا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نور کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ سے عرش کو پیدا کیا دوسرے سے قلم کو۔ تیسرے سے بہشت کو۔ چوتھے سے مومنوں کو۔ اور ان چار حصوں کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک سے مجھے پیدا کیا۔ دوسرے سے عقل کو تیسرے سے حیا کو چوتھے سے عشق کو (قصص الانبیاء صفحہ ۲)

مجھے اس امر کے ظاہر کرنیکی ضرورت نہیں کہ یہ کہانی بھی پہلی کہانیوں کی طرح نہ قرآن شریف سے لی گئی ہے اور نہ صحیح احادیث میں اسکا کچھ نشان پایا جاتا ہے بلکہ یہ بھی اُن جھوٹی بناوٹوں میں سے ہے جو جاہلوں کے خوش کرنیکے لئے تراشی گئی ہیں۔

(۵) پھر پادری صاحب صفحہ ۲۰۸ و ۲۰۹ پر ایک اور دلچسپ قصہ کتاب قصص الانبیاء میں سے لیکر نقل کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں۔ "ہم از احادیث وہم از کتابہائے زردشتیاں پدید مے آید کہ طاؤس با عزازیل کہ اہرمن باشد نسبت داشتہ است و در قصص الانبیاء چنیں مذکور است کہ چوں عزازیل پیش در جنت نشستہ بود و میخواست داخل گردد۔ طاؤس از بہشت بر کنگرہ نشستہ بود دیکے را دید کہ اسمہائے اعظم میخواند طاؤس گفت تو کیستی گفت من فرشتہ ام از فرشتگان خدائے عزّوجل گفت اینجا چرا نشستہ گفت اَنْظُرُ الْجَنَّةَ میخواہم کہ در بہشت آئم طاؤس گفت مرا فرمان نیست کہ کسے را در بہشت گذارم تا آدمؑ در بہشت است گفت اگر مرا در بہشت راہ دہی چناں دعا آموزانم ہر کہ آں دعا را بخواند

وے را سہ چیز بود۔ یکے آنکہ پیر نشود دوم سرکش نباشد سوم آنکہ ہرگز او را از بہشت بیروں نکنند۔ ابلیس آں دعا را بخواند طاؤس نیز بخواند۔ از کنگرہ در بہشت پرید۔ ہر چہ از ابلیس شنیدہ بود باز گفت و بعد ازاں گفتہ شدہ است کہ چوں خدائے تعالیٰ حضرت آدم و حوّا و ابلیس را از بہشت بزمین انداخت طاؤس را نیز ہمراہ ایشاں اخراج نمود" یعنی احادیث اور نیز زردشتیوں کی کتابوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مور کو عزازیل سے تعلق ہے۔ قصص الانبیا میں لکھا ہے کہ عزازیل جنت میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ مور بہشت کے کنگرہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے عزازیل کو دیکھکر پوچھا تو کون ہے۔ اُس نے کہا میں فرشتہ ہوں اور جنت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ مور نے کہا مجھے حکم نہیں کہ میں کسی کو بہشت کے اندر جانیکی اجازت دوں عزازیل نے کہا اگر تو مجھے اندر جانے کی اجازت دے تو میں تجھے ایک ایسی دعا سکھاؤں جس کے پڑھنے سے تین باتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اوّل پڑھنے والا بوڑھا نہیں ہوتا۔ دوسرے وہ سرکش نہیں ہوتا۔ تیسرے وہ جنت سے خارج نہیں ہوتا جب حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا اور شیطان کو بہشت سے نکالا گیا تو مور بھی اُن کے ساتھ نکالا گیا۔

بے شک یہ بہت دلچسپ کہانی ہے مگر افسوس ہے کہ اس کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے نہ احادیث میں اور پادری صاحب نے زردشتی کتابوں میں اس کہانی کا کھوج لگاکر اور پُرانی زبانوں کے حوالوں سے اپنی کتاب کے اوراق سیاہ کرکے بے فائدہ اپنے وقت کو ضائع کیا ہے۔ یہ ہے نمونہ اُن کہانیوں کا جو پادری صاحب کتاب قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں آپ انہی کہانیوں کو اسلام کی عین تعلیم جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ظاہر کرکے ناظرین کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مذاہب کے پیروؤں سے مدد لیکر ایک نیا مذہب تجویز کیا ہے۔ پادری صاحب! آخر دھوکہ دینے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ کیا آپنے دنیا کے لوگوں کو ایسا جاہل اور نادان سمجھ لیا ہے کہ وہ آپکے دھوکہ میں آکر یہ سمجھ لیں گے کہ جو لچر کہانیاں آپ قصص الانبیاء میں سے نقل کر رہے ہیں وہ اسلام کی صحیح اور اصلی تعلیم ہے اور کیا یہ آپ خیال کرتے ہیں کہ ان قصوں کا پُرانی کتابوں سے کھوج نکالکر آپ یہ امر ثابت کرینگے کہ

قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور اسلام کا دین سچا دین نہیں۔ پادری صاحب! کیا مسیحی تعلیم کا یہی پھل ہے جو آپ نے ہمیں دکھایا ہے؟ کیا تمھارے ہاں یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ سفید جھوٹ بولکر خلقِ خدا کو گمراہ کرو؟ ہم تاریخ میں پڑھا کرتے تھے کہ پہلے زمانہ کے مسیحی لوگ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے ہر ایک ناجائز طریق کو اختیار کرنا جائز بلکہ موجبِ ثواب یقین کرتے تھے اور یہ کہ افترا اور جعلسازی سے مسیحی دین کو ترقی دینا انکے نزدیک کوئی معیوب امر نہ تھا۔ مگر اس زمانہ میں ہم نے آپکے ذریعہ اس امر کا مشاہدہ بھی کر لیا اور آپ نے اپنی کارروائی سے تاریخ کی تصدیق کی اور ثابت کر دیا کہ آپ اپنے بزرگوں کے صحیح معنوں میں قائم مقام ہیں اور یہ کہ اُن مسیحی بزرگوں کی ذرّیت اس روشنی کے زمانہ میں بھی مفقود نہیں ہوئی۔ آپ پر تو چنداں افسوس نہیں۔ اگر افسوس ہے تو سر ولیم میور کے سی ایس آئی۔ ڈی سی ایل۔ ایل ایل ڈی۔ پی ایچ ڈی پر ہے جنکو علاوہ دنیاوی عظمت اور مکرمت کے مورخیت کا بھی دعویٰ ہے مگر انہوں نے باوجود علم کے نہ صرف ان افتراؤں کو ترجمہ کر کے شائع کیا بلکہ پادری صاحب کو اپنی کامل خوشنودی کا پروانہ بھی عطا کیا۔ معلوم نہیں کہ اسلام کی عداوت اور بغض کیوں ان لوگوں کو ایسا اندھا کر دیتا ہے۔

کتاب قصص الانبیاء کے بعد اب میں پادری صاحب کے اُن حوالوں میں سے چند ایک بطور نمونہ کے یہاں درج کرتا ہوں جو انہوں نے کتاب عرائس المجالس میں سے نقل کئے ہیں اور جنکا پرانی کتابوں میں کھوج لگانے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اسلام سچا مذہب نہیں اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۱) آپ صفحہ ۷۹-۸۰ پر ایک لمبی کہانی عرائس المجالس میں سے نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ مَیں یہاں اُردو میں نقل کرتا ہوں۔ آپ لکھتے ہیں کہ "عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ جب فرشتوں نے حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانہ میں انسانوں کے بداعمال کو آسمان کی طرف چڑھتے ہوئے دیکھا تو انہوں نے خدائے تعالیٰ کی خدمت میں عرض کی کہ تُو نے ان انسانوں کو زمین پر حکومت کرنیکے لئے منتخب کیا ہے اور دیکھ یہ تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ اسپر خدائے تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب دیا کہ مَیں تمکو دنیا میں بھیجوں تو تم بھی وہی کام کرو جو انسان کر رہے ہیں۔ تم اپنے میں سے دو اور کلبی کی روایت کے موجب تین فرشتے

انتخاب کرو میں اُن کو زمین میں بھیجوں گا۔ قتادہ بیان کرتا ہے کہ ابھی اُن فرشتوں کو زمین پر اُترے پورے دو مہینے نہیں گذرے تھے کہ وہ پھسل گئے۔ کیونکہ ایک نہایت ہی خوبصورت عورت جو حضرت علیؓ کے قول کے بموجب ملک فارس کی شہزادی تھی شراب کا پیالہ لیئے ہوئے انکے سامنے آئی۔ انہوں نے شراب کو پیا اور بدمست ہوکر زنا کے بھی مرتکب ہوئے ایک شخص نے انکو دیکھا۔ انہوں نے اُسکو قتل کر دیا۔ اور کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک بُت کی بھی پرستش کی۔ اور خدائے تعالیٰ نے زہرہ کو جو پہلے عورت تھی ستارہ بنا دیا جو اب تک زہرہ کے نام سے مشہور ہے۔ پادری صاحب اس قصہ کو بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کرنیکے بعد فرماتے ہیں "الان اگر ہمیں حکایت را در طالمود بجوئیم آنرا در سہ موضع مے یابیم" یعنی اگر ہم اس کہانی کو یہودیوں کی کتاب طالمود میں تلاش کریں تو اسکو ہم تین جگہوں پر پاتے ہیں۔ پادری صاحب بے شک اسکو تین مقاموں سے نہیں بلکہ تین سے زیادہ مقاموں میں سے نکال کر دکھائیں۔ سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ اس کہانی کو قرآن شریف میں سے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح اقوال میں سے نکالکر دکھا سکتے ہیں۔ یا کیا پادری صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ہم قرآن شریف کو اسلیئے خدائے تعالیٰ کا کلام نہ مانیں کہ کتاب عرائس المجالس کے مصنف نے اس قصہ کو طالمود کے تین مقامات سے اخذ کیا ہے یا یہودیوں سے سُنا ہے۔ کیا ایسی شہادتوں ہی کی بنا پر پادری صاحب اپنی کتاب کے آغاز میں یہ دعوٰی کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن شریف کی تعالیم اور مضامین کا دوسری کتب میں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے اور یہ کہ انکے ایسا کرنے سے اسلام کی ساری عمارت منہدم ہو چکی ہے۔

(۲) پادری صاحب کی کہانی جو انہوں نے کوہ قاف کے متعلق قصص الانبیاء میں سے نقل کی ہے اسی کی تائید میں وہ عرائس المجالس کا حوالہ بھی پیش کرتے ہیں چنانچہ صفحہ ۱۱۱ پر لکھتے ہیں "واصل آنچہ در احادیث نسبت بکوہ قاف موہوم مندرج است در کتابہائے یہود یافت مے شود واگر آنچہ راکہ در عرائس المجالس و در قصص الانبیاء نوشتہ شدہ است باآنچہ یہود مے گویند مقابلہ کنیم ایں امر مدلل مے گردد و در عرائس المجالس چنیں مندرج است خلق اللہ تعالے جبلاً عظیماً من زبرجدۃ خضرۃ السماء منہ یقال لہ جبل قاف فاحاط بہا کلہا وھو الذی اقسم اللہ بہ فقال قٓ والقراٰن المجید"

یعنی جو کچھ احادیث میں کوہ قاف کی نسبت لکھا ہے اُسکا اصل یہود کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ عرائس المجالس اور قصص الانبیاء کے بیان کو یہودیوں کی کتابوں کے ساتھ مقابلہ کرنیسے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے۔ عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سبز زمرد کا ایک پہاڑ پیدا کیا اور آسمان کی سبزی بھی اسی پہاڑ کی وجہ سے ہے اُس نے کل دنیا کا احاطہ کیا ہوا ہے اسکا نام کوہ قاف ہے۔ اور خدائے تعالیٰ نے اسی پہاڑ کی قسم کھائی ہے۔ یہی قصہ پہلی قصص الانبیاء میں سے نقل ہو چکا ہے مگر عرائس المجالس کا مصنف قصص الانبیاء کے مؤلف سے ایک بات میں بڑھ گیا ہے کیونکہ اس نے اس پہاڑ کا نام قرآن شریف میں بھی نکالکر دکھا دیا ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر سورہ ق کے شروع میں حرف ق کوہ قاف کی طرف اشارہ کرتا ہے تو دوسری سورتوں کے ابتدا میں جو حروف مقطعات ہیں۔ وہ کن پہاڑوں کے نام ہیں اور وہ پہاڑ دنیا کے کس کس حصہ میں واقع ہیں۔ افسوس پادری صاحب پر کہ وہ ایسی لچر باتوں کو اسلام کی صحیح اور اصلی تعلیم ظاہر کرکے دنیا کے آگے پیش کرتے ہیں اور ان کہانیوں کو پرانی بوسیدہ کتابوں اور مردہ زبانوں میں سے نکالکر اپنے ناظرین کو یقین دلاتے ہیں کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔

(۳) پادری صاحب ایک اور کہانی عرائس المجالس میں سے نقل کرتے ہیں۔ آپ صفحہ ۲۰۶ پر لکھتے ہیں ”در عرائس المجالس صفحہ ۴۳ نوشتہ شدہ است کہ ابلیس تا ۳ ہزار سال نزد دروازہ جنّت ماند بامید ضرر رسانیدن بحضرت آدم و حوّا زیرا دلش از حسد پُر بود“ عرائس المجالس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے کی نیت سے ابلیس ۳ ہزار سال جنّت کے دروازہ پر ٹھہرا رہا۔ یہ کہانی نقل کرکے پادری صاحب ایک پرانی ایرانی کتاب میں پرانے حروف میں ایک حوالہ پیش کرکے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ کہانی ایرانی کتب میں سے لیگئی۔ میں صرف اس کے جواب میں اتنا ظاہر کر دینا ہی کافی سمجھتا ہوں کہ اگر یہ کہانی ایرانی کتب میں سے اخذ کیگئی ہے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کے مضامین یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعالیم ایرانی سرچشموں سے نکلی ہیں کیونکہ یہ کہانی نہ قرآن شریف میں ہے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال صحیحہ میں پائی جاتی ہے

(۴) پھر پادری صاحب ایک اور کہانی عرائس المجالس میں سے نقل کرتے ہیں اس امید پر کہ

اُس کہانی کا بیہودی منبع دریافت کرکے وہ اسلام کی عمارت کو منہدم کرینگے۔ آپ صفحہ ۹۷ پر عرائس المجالس کی بنا پر لکھتے ہیں کہ جب ملکہ سبا نے شاہی محل میں داخل ہوتے وقت شیشہ کو پانی سمجھا اور اپنی پنڈلیوں کو ننگا کیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی نظر اُس کی پنڈلیوں پر پڑی اور آپنے دیکھا کہ اُس کی پنڈلیاں نہایت ہی خوبصورت ہیں مگر اُنمیں ایک عیب تھا کہ اُنپر بہت بال اُگے ہوئے تھے۔

پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف کا بیان متعلق ملکہ سبا نامکمل ہے اور احادیث سے قرآن شریف کی تکمیل ہوتی ہے اور اسکے ثبوت میں وہ مندرجہ بالا کہانی عرائس المجالس سے نقل کرتا ہے۔ مگر مَیں افسوس کے ساتھ پھر ظاہر کرتا ہوں کہ یہ حکایت احادیث میں نہیں پائی جاتی یہ پادری صاحب کا محض افترا ہے۔

اب مَیں عرائس المجالس کے زیادہ حوالے یہاں نقل نہیں کروں گا۔ جو حوالے نقل کیئے جاچکے ہیں، وہ پادری صاحب کی تحقیقات کی حقیقت ظاہر کرنیکے لیئے کافی سے زیادہ ہیں۔ اب باقی دو کتابوں یعنی روضۃ الاحباب اور التواریخ القدیمہ میں سے جو حوالے پادری صاحب نے نقل کیئے ہیں اور جن کا پرانی کتابوں میں کھوج لگا کر اُنکے ذریعہ اسلام کی عمارت کو منہدم کرنا چاہا ہے اُنکو یہاں بطور نمونہ نقل کرتا ہوں۔ پہلے روضۃ الاحباب کے دو حوالے پیش کرتا ہوں۔

(۱) صفحہ ۱۳۶ پر مسیح کی ولادت کے حالات کے تذکرہ کے بعد جو بعض مسیحی کتابوں میں درج ہیں۔ پادری صاحب لکھتے ہیں۔ "واضح باد کہ ایں افسانہ اصل آں حکایتے است کہ در روضۃ الاحباب نسبت بولادت حضرت محمد و آں عجائبیکہ درآں وقت بوقوع پیوستہ باشد مندرج است" یعنی، روضۃ الاحباب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اسی افسانہ میں سے لیا گیا ہے۔ فرض کیا کہ روضۃ الاحباب میں جو حالات ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درج ہیں وہ اُن واقعات سے مشابہ ہیں جو بعض مسیحی صاحبان نے اپنے خداوند یسوع مسیح کے متعلق لکھے ہیں مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ اس امر سے یہ کسطرح ثابت ہوا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی وحی نازل نہیں ہوئی۔ کس نے کہا کہ جو واقعات ولادت روضۃ الاحباب کے مصنف نے لکھے ہیں وہ بذریعہ الہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے تھے۔ معلوم نہیں کہ پادری صاحب کے

عمر اییر ۸

دماغ کو کیا ہوگا۔ روضۃ الاحباب کے مصنف کی روایات متعلق ولادت سے یہ نتیجہ نکالنا ہے کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔

(۲) صفحہ ۲۱۰ پر پادری صاحب لکھتے ہیں " ودر روضۃ الاحباب مرقوم است کہ حضرت محمد گفت کہ چوں حضرت آدم آفریدہ شد خدا آں نور را بر پیشانی وے نہادہ گفت اے آدم ایں نورے کہ بر پیشانی تو نہادم نور نجیب ترین وبہترین فرزندانت ونور رئیس انبیاسے کہ فرستادہ خواہند شدمے باشد" یہ روایت روضۃ الاحباب میں لکھی ہوگی مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ روایت قرآن شریف میں یا احادیث کی مستند کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے یا نہ ؟۔

اب میں التواریخ القدیمہ کی ایک روایت بطور نمونہ درج کرتا ہوں جسکو پادری صاحب نے نقل کرکے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ قرآن مجید کے مضامین یہود وغیرہم سے حاصل کیئے گئے۔ وہ صفحہ ۲۱ پر لکھتے ہیں " در کتاب ابی الفدا کہ بہ التواریخ القدیمۃ من المختصر فی اخبار البشر مسمی است نوشتہ شدہ کان آزر ابو ابراھیم یصنع الاصنام ویعطیھا ابراھیم لیبیعھا فکان ابراھیم یقول من یشتری ما یضرہ ولا ینفعہ۔ یعنی ابراہیم کا باپ آزر بت بنا کر حضرت ابراہیمؑ کو دیا کرتا تھا کہ انکو جا کر بیچ آوٗ۔ پس ابراہیمؑ جا کر پکارتا۔ کون شخص خریدے گا اُس چیز کو جو اُسکو کوئی نفع نہیں پہنچائے گی بلکہ بجائے نفع کے نقصان کا موجب ہوگی۔ پادری صاحب اس کہانی کو یہودیوں کی کتابوں میں سے نکالکر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مضامین یہود سے سیکھے مگر قرآن شریف کو اوّل سے آخر تک پڑھ جاوٗ۔ آپ کو کوئی ایسی آیت نہیں ملیگی جس میں اس کہانی کا ذکر ہو۔ پھر معلوم نہیں پادری صاحب کس منطق کے زور سے اس کہانی کے ذریعہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف کے مضامین یہودیوں کی کتابوں میں سے لیئے گئے۔ کیا اُن میں اس قدر عقل نہیں کہ قرآن شریف اور کتاب التواریخ القدیمہ میں تمیز کرسکیں۔

پادری صاحب نے ایک عجیب چال اختیار کی ہے۔ اُنہوں نے قرآن شریف اور مستند حدیث کی کتابوں کو چھوڑکر چند ایسی کتابوں کو منتخب کیا ہے جن میں بہت سے

رطب و یابس قصّے درج ہیں اور جنہیں سے اکثر یہود و نصاریٰ وغیرہم سے سُن سنا کر لکھے گئے ہیں۔ اوّل وہ ان کتابوں کو ایسی کتابیں ظاہر کرتا ہے جو اسلام کی صحیح صحیح تعلیم کو پیش کرتی ہیں پھر انکے مضامین کا کھوج یہود۔ نصاریٰ۔ زردشتیوں کی کتابوں میں سے نکالکر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہود و غیرہم سے حاصل کی گئی ہے۔ اب پادری صاحب کی کتاب کی منزلت ان کتابوں کی منزلت پر موقوف ہے بلکہ اُن خاص حصوں کی حقیقت پر منحصر ہے جنکو اُسنے نقل کیا ہے اگر یہ کتابیں واقعی اسلام کی سچی تعلیم کو پیش کرتی ہیں اور جو کچھ ان میں لکھا گیا ہے وہ حرف بحرف بعینہٖ اسلام کی وہ تعلیم ہے جو وحی الٰہی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تو ایسی صورت میں ہم اس امر کے تسلیم کرنے کیلئے تیار ہیں کہ واقعی پادری صاحب کی کتاب ہر ایک تعریف کی مستحق ہے لیکن اگر ان کتابوں کی حکایات قرآن شریف کے مضامین اور احادیث صحیحہ کی تعلیم سے اخذ نہیں کی گئیں تو پھر اس بات کو ماننا پڑیگا کہ جسقدر محنت پادری صاحب نے ان کتابوں کی حکایات کے ماخذ دریافت کرنے میں خرچ کی ہے وہ بالکل رائگاں گئی ہے اور یہ کہ انہوں نے اپنے وقت کو ناحق ضائع کیا ہے اور جو حوالجات اُنہوں نے دنیا کی مردہ کتابوں میں سے اور مردہ زبانوں میں سے نکالکر جمع کیئے ہیں اُنکی قیمت ایک کوڑی کے برابر بھی نہیں مگر اس امر کے ثابت کرنے کے لیئے کہ ان کتابوں کی حکایتیں خصوصاً وہ جنکو پادری صاحب نے پیش کیا ہے قرآن شریف یا احادیث صحیحہ میں سے اخذ نہیں کی گئیں کسی لمبی بحث کی ضرورت نہیں۔ ناظرین اُنہی حکایات کو پڑھ لیں جنکو پادری صاحب نے نقل کیا ہے۔ خود وہ حکایات اس امر کی کافی شہادت ہیں کہ وہ اسلامی تعلیم کو پیش نہیں کرتیں۔

پادری صاحب اگر چند صدیاں پہلے دنیا میں آتے تو شاید وہ ایسی بیہودہ کہانیوں کو اسلام کی طرف منسوب کر کے دنیا کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو جاتے مگر اب زمانہ بدل گیا ہے۔ اب اسلام کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب کوئی پوشیدہ چیزیں نہیں رہیں کہ پادری صاحب ایسے بیہودہ قصوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کریں اور آپ کا راز افشانہ ہو اب تو مَیں یقین کرتا ہوں کہ خود یورپ میں بہت سے ایسے لوگ ہوں گے جو پادری صاحب کے بیہودہ قصوں کو جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیئے ہیں پڑھ کر یقین کرلیں گے کہ پادری صاحب نے نہایت فریب بازی سے کام لیا ہے۔ ہاں پادریوں میں اب

بھی بہت سے ایسے جاہل لوگ ضرور ہیں جنہیں یہ تمیز ابھی پیدا نہیں ہوئی۔ اور جو جہل مرکب کی بیماری میں اب تک مبتلا ہیں۔ ایسے لوگ ضرور پادری صاحب کی مدح کے گیت گائیں گے۔ غرض پادری صاحب کی ایسی ہی لچر کتاب ہے جیسے کہ وہ قصے لچر ہیں جن سے کہ پادری صاحب نے اپنی کتاب کو بھر دیا ہے اور پادری صاحب نے یہ محض فضول کام کیا ہے کہ پرانے پستکوں کی ورق گردانی کر کے بیہودہ حوالجات سے اپنی کتاب کو سیاہ کر دیا ہے۔ اب بجائے اسکے کہ ہم ان پرانی زبانوں کو پڑھکر اور پرانے حروف کا نظارہ کر کے پادری صاحب کی علمیت اور محنت کی داد دیں ہمیں پادری صاحب کی عقل پر سخت افسوس آتا ہے کہ انہوں نے کیوں ناحق اپنے وقت کو ضائع کیا۔

مَیں یہ نہیں کہتا کہ اسلام کی تعلیم کا کھوج پرانی کتابوں میں نہیں ملتا۔ ضرور ملتا ہے کیونکہ جیسا کہ مَیں پہلے مضمون میں لکھ چکا ہوں۔ قرآن شریف کے رو سے کل دنیا میں نبی پیدا ہوئے اور اسلام کی بہت سی تعلیموں کو ان انبیاء کی تعلیموں میں سے نکالنا ناممکن نہیں مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن شریف خدا کا کلام نہیں۔ پادری صاحب اگر سیدھی راہ پر چلتے تو وہ بہت سی اسلامی تعالیم کا کھوج پرانی کتابوں میں سے نکال سکتے تھے مگر انہوں نے اس راہ پر قدم نہیں مارا اور اگر مارا ہے تو بہت تھوڑا۔ اگر وہ پورے طور پر اس راہ پر قدم مارتے تو کچھ بھی ہم کہہ سکتے تھے کہ اُنکی محنت ضائع نہیں گئی کیونکہ اس راہ پر چلنے سے اگرچہ یہ ثابت نہیں ہوتا تھا کہ قرآن شریف خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں مگر یہ کہہ سکتے تھے کہ اُنہوں نے ایک تحقیقات کا کام کیا ہے۔ بلکہ اس صورت میں ہم اُن کے ایک حد تک ممنون بھی ہوتے کیونکہ اُنکی تحقیق سے قرآن شریف کے دعاوی کی تصدیق ہوتی۔ اور یہ ثابت ہوتا کہ قرآن شریف واقعی ایک ایسی کتاب ہے جس میں سب سچی تعلیمیں جمع کی گئی ہیں اسطرح اُنکی کتاب اگر ان کیلئے مفید نہ ہوتی تو کم از کم ہمارے لیئے ہی مفید ہوتی اور اسطرح اُنکی محنت ضائع نہ ہوتی۔ مگر موجودہ صورت میں اُنکی ساری مشقت محض اکارت گئی۔ کیونکہ اگر انہوں نے کچھ ثابت کیا ہے تو یہی ثابت کیا ہے کہ جو افسانے عرائس المجالس وغیرہ کتابوں میں لکھے ہیں اُن میں سے بعض یہودیوں۔ مسیحیوں وغیرہم سے لیئے گئے مگر اس تحقیق سے نہ مسیحیوں کو کچھ فائدہ ہوا نہ مسلمانوں کو کچھ نفع پہنچا۔ پس پادری صاحب کے اُن عجیب و غریب اشکال کے حروف

اور اُن نرالے نقوش کو دیکھکر افسوس آتا ہے کہ پادری صاحب نے کیوں بے فائدہ اس قدر مشقت اُٹھاکر اپنی زندگی کے ایک حصہ کو بالکل ضائع کر دیا اور ایک بالکل نکما کام کیا جس سے دشمن و دوست کسی کو بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا پادری صاحب نے جمی کا عہدہ تو اپنے لیئے منتخب کیا تھا مگر افسوس کہ جمی کا کوئی جوہر نہ دکھلایا۔

پادری صاحب کی راست گوئی

پادری صاحب کی اس کارروائی پر تو افسوس تھا ہی کہ انہوں نے عرائس المجالس وغیرہ کتابوں کے مضامین کو عین اسلامی تعلیم کے طور پر ظاہر کیا ہے مگر سب سے بڑھکر افسوس اُن کی ایک اور کارروائی پر آتا ہے جس کا انہوں نے اس کتاب میں ارتکاب کیا ہے۔ وہ کارروائی ایسی قابل شرم ہے کہ شریف انسان ایک لمحہ کے لیئے بھی ایسی کارروائی کا ارتکاب اپنے لیئے پسند نہیں کر سکتا مگر پادری صاحب کو اپنے مذہب کی حمایت اسقدر منظور ہے کہ انہوں نے ایسی قابل شرم کارروائی کا ارتکاب بھی اپنے لیئے گوارا کر لیا ہے۔ احادیث کا لفظ اسلامی لٹریچر میں ایک معروف لفظ ہے۔ علاوہ اسکے وہ مسلمانوں کے نزدیک ایک مقدس نام ہے۔ اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ کلمات طیبات ہیں جو ہر ایک مومن کیلیئے موجب حیات ہیں۔ ہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال پر بھی بعض اوقات یہ لفظ لگایا جاتا ہے مگر ایسی حدیث کو حدیث فعلی کہتے ہیں۔ آپکے یہ کلمات طیبات چند کتابوں میں جمع کیئے گئے ہیں جنکا ذکر خود پادری صاحب نے اپنے رسالہ کے ابتدا میں کیا ہے۔ چنانچہ آپ صفحہ ۷ پر لکھتے ہیں

"ارکان اربعہ دین حق (۱) اولاً قرآن مجید (۲) ثانیاً احادیث (۳) ثالثاً اجماع (۴) رابعاً قیاس مے باشد۔ و در بارۂ رکن سوم و چہارم لازم نیست کہ در اینجا چیزے بنویسیم چونکہ ہویدا است کہ آنہا ضد قرآن و احادیث نباید باشد زیرا فی الواقع بنیان دین اسلام قرآن و احادیث است۔ یعنی اسلام کے چار رکن ہیں اول قرآن مجید۔ دوم احادیث سوم اجماع۔ چہارم قیاس اجماع اور قیاس کے متعلق اس کتاب میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید اور احادیث کے برخلاف نہیں ہو سکتے۔ اس لیئے دراصل اسلام کی بنیاد قرآن مجید اور حدیث ہے۔ اسکے بعد پادری صاحب ان کتب احادیث

کی فہرست دیتے ہیں جو سُنّیوں کے نزدیک معتبر شمار کی جاتی ہیں اور نیز اُن کُتب احادیث کے نام لکھتے ہیں جو شیعوں کے نزدیک مسلّم ہیں۔ آپ لکھتے ہیں۔ ''معلوم است کہ برحسب تعلیم اہل شیعہ جمیع احادیث معتبرہ دراین پنج کتاب مندرج است یعنی (۱) در کافی تالیف ابوجعفر محمد (۲) در من لایستحضرہ الفقیہ تالیف شیخ علی (۳) در تہذیب شیخ ابوجعفر محمد (۴) در استبصار ہماں مؤلف و (۵) در نہج البلاغہ تالیف سید رضی و اما اہل سنہ بعوض آں صحف مزبورہ شش کتاب دیگر را منتخب ساختہ اند یعنی (۱) مؤطا (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح مسلم (۴) سنن ابوداؤد (۵) جامع ترمذی (۶) ابن ماجہ۔

اب پادری صاحب کے اس بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ اسلام میں احادیث کیسی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور قرآن مجید کے بعد جس چیز کا درجہ ہے وہ احادیث ہی ہیں۔ اس بیان سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ کیوں پادری صاحب نے اسلام کے سرچشمے تلاش کرتے وقت قرآن مجید کے ساتھ احادیث کو بھی ملایا ہے۔ قرآن مجید تو خدائے تعالیٰ کا کلام ہے اور احادیث خدائے تعالیٰ کے رسول کا کلام ہے اور چونکہ مسلمان قرآن شریف اور احادیث دونوں پر کاربند ہیں اسلئے پادری صاحب نے اپنے کام کی تکمیل اسی میں دیکھی ہے کہ نہ صرف قرآن شریف کے مضامین کا کھوج پہلی کتابوں میں لگائیں بلکہ احادیث کی تعلیم کا بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے پرانی کتابوں میں کھوج لگائیں۔ قرآن شریف کے سرچشمے تلاش کرتے وقت تو انہوں نے تفاسیر کو بھی لے لیا ہے گویا جو قصے مفسروں نے اپنی کتابوں میں درج کیے ہیں وہ بھی خدائے تعالیٰ کا ہی کلام ہیں جو وحی جبرئیل کے ذریعہ اُنپر نازل ہوئے۔ مگر جب احادیث کی باری آئی ہے تو انہوں نے ایک ایسی کارروائی کی ہے جسکو دیکھکر انسان کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ معلوم نہیں اُنکو ایسی کارروائی کے ارتکاب پر کس طرح جرأت ہوئی۔ ایک شریف انسان کا دل تو ایسی کارروائی کے خیال سے بھی کانپ جاتا ہے۔ ناظرین! پادری صاحب نے اپنی کتاب میں شروع سے لیکر آخر تک عمداً ایسی چیزوں کا نام احادیث رکھا ہے جو یقیناً احادیث نہیں ہیں اور جنکی نسبت خود اُسکو اور اُسکے عالی مرتبہ مترجم کو بخوبی معلوم

تھا کہ وہ احادیث نہیں۔ اُس نے خود اپنے دیباچہ میں ظاہر کیا ہے کہ احادیث سے کیا مراد ہے
ہیں اُسکی دیباچہ کی عبارت کو پہلے نقل کر چکا ہوں اور اُس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ احادیث
سے مراد وہ کلمات طیبات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے نکلے یا ایسے افعال جو آپنے
کئے اور یہ کہ قرآن شریف کے بعد دوسرا درجہ احادیث کو دیا جاتا ہے مگر باوجودیکہ اسکو اس بات کا
علم ہے پھر بھی وہ نہایت بے باکی سے ایسی کتابوں کا نام احادیث رکھتا ہے جنکو کوئی فرقہ
مسلمانوں کا احادیث کی کتابوں میں شامل نہیں کرتا اور جو کسی عقلمند آدمی کے نزدیک احادیث نہیں
کہلا سکتیں۔ مثلاً ملاحظہ ہو پادریصاحب کا مندرجہ ذیل بیان۔ آپ صفحہ ۵۲ پر لکھتے ہیں۔ الآن
چوں ایں حکایت را از روئے قرآن و احادیث مسلماناں خواندیم بائد بسوئے کتابہائے
یہود برجوع نمودہ مقابلہ کنیم۔ یعنی ہم اس حکایت کو قرآن مجید اور احادیث سے نقل کر چکے ہیں اب
ہم یہود کی کتابوں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں۔

اب اس عبارت میں پادری صاحب نے احادیث کا لفظ قرآن مجید کے بعد رکھکر یہ ظاہر کیا ہے
کہ یہاں احادیث سے وہی احادیث مراد ہیں جنکو مسلمان عام طور پر احادیث کہتے ہیں اور ہر ایک پڑھنے
والا یہی خیال کریگا کہ پادریصاحب نے اس حکایت کو پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے نقل
کیا ہے جو کتب مشہورہ احادیث میں پائے جاتے ہیں مگر جب پیچھے مڑ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پادریصاحب نے
عرائس المجالس۔ قصص الانبیاء۔ اور التواریخ القدیمہ کا نام احادیث رکھا ہے اور یہی کتب ہیں
جنکو پادری صاحب نے قرآن مجید کے بعد دوسرے درجہ پر رکھا ہے۔ حالانکہ کوئی مسلمان ان کتابوں کو احادیث
کی کتابوں میں شمار نہیں کرتا۔ مگر پادریصاحب کا افترا دیکھو کہ وہ ایسا ظاہر کرتا ہے کہ گویا مسلمان انکو
قرآن مجید سے دوم درجہ پر سمجھتے ہیں ان کتابوں کی قدر و منزلت اسلامی تعلیم کے لحاظ سے تو
ناظرین نے اُن حکایات سے سمجھ لی ہوگی جو پادری صاحب نے جابجا نقل کی ہیں۔ بعض روایات تو
ایسی بیہودہ ہیں کہ الف لیلہ کی کہانیاں بھی لغویت میں اُنکا مقابلہ نہیں کر سکتیں مگر افسوس پادریصاحب
کی راست گوئی پر جو ان سب ہزلیات کا نام احادیث رکھکر اُنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب
کرتے ہیں اور اس طرح ایک ایسے جرم کا ارتکاب کرتے ہیں جو مصنفین کی دنیا میں ناقابل معافی ہے
جو روائتیں پادریصاحب نے ان کتابوں سے نقل کی ہیں۔ ان میں سے بے شک چند ایک ایسی بھی

ہیں جنکو اُن کتابوں کے مصنفین نے بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ روایتیں خود اس بات کی شہادت دے رہی ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ مفتریات اور کذب ہیں مثلاً کوہ قاف کی کہانی کو دیکھو۔ کیا کوئی عقلمند انسان خواہ وہ کسی مذہب کا ہو یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ بیہودہ اور لغو کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو سکتی ہے۔ اُس شخص سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہو سکتا جو ایسی روایات کو احادیث کا نام دیکر اسلام پر نکتہ چینی کرے اُسکا صحیح احادیث اور معتبر روایات کو چھوڑ کر ایسی لغویات کی طرف رجوع کرنا اور اُنکی بنا پر اسلام اور بانی اسلام علیہ الف الف سلام پر اعتراض کرنا اس بات کا ایک روشن ثبوت ہے کہ اُسکی نیت فاسد ہے اور اُس کی غرض سوائے فریب دینے کے اور کچھ نہیں۔ ناظرین! اس پادری جج کو دیکھیے جو مسلمانوں اور مسیحیوں کے درمیان انصاف کرنے کیلئے بیٹھا ہے اور جو کوہ قاف جیسے لغو قصوں کو اسلام کی تعلیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مُنہ کی باتیں ظاہر کر کے اپنے مسیحیوں کے حق میں فیصلہ دیتا ہے۔ اگر اس جج کی نیت صاف ہوتی اور اُسکا دل شرارت سے پاک ہوتا تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتا کہ مسلمانوں کی مسلمہ کتب کو چھوڑ کر ایسے لغو قصوں پر اپنے فیصلہ کو مبنی کرتا۔ مگر صرف یہی نہیں کہ وہ ایسی کہانیوں کو احادیث کہتا ہے جو افترا کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کی گئی ہیں بلکہ وہ بہت سی ایسی روایات کو بھی احادیث ہی کہتا ہے جو نہ صرف اپنی لغویت میں بے نظیر ہیں بلکہ ان کتابوں میں اُن کو افترا کے طور پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کیا گیا۔ مَیں ایسی روایتوں کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی گئیں اور پھر بھی پادری صاحب اُنکو احادیث کا نام دیکر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال ہیں چند مثالیں یہاں درج کرتا ہوں تا پادری صاحب کی راست گوئی پورے طور پر ناظرین پر واضح ہو جاوے۔

(۱) آپ صفحہ ۹۰ و ۹۱ پر لکھتے ہیں۔ واضح باد کہ دریں قصہ قدیم بُت پرستان بابل ذکر صعود نمودن اشتر یعنی زہرہ یافتہ مے شود چنانکہ آں امر ہم در احادیث اہل اسلام و ہم دراں تفسیر یہود مندرج است۔

یہاں پادری صاحب بیان فرماتے ہیں کہ زہرہ کے آسمان پر چڑھنے اور ستارہ بننے کا ذکر احادیث میں پایا جاتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث میں زہرہ کے آسمان پر

چڑھنے کا ذکر نہیں۔ ہاں عرائس المجالس میں ذکر ہے اور پادری ٹسڈل کمال دیانت داری سے عرائس المجالس کی کہانی کو حدیث کہکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ اُنکا یہ اصول ہو کہ کوئی کہانی ہو اگر کسی مسلمان کی کتاب میں وہ پائی جائے تو وہ نہایت ہی پکی حدیث ہے خواہ اُس مسلمان مصنف نے کسی جگہ سے اُس کہانی کو لیا ہو۔

(۲) صفحہ ۴۴ پر پادری صاحب اپنی پیاری کتاب عرائس المجالس میں سے ایک حوالہ نقل کرتے ہیں جس میں یہ الفاظ لکھے ہیں "گفتہ اند کہ پدر وے بتہامے ساخت"۔ یعنی کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بُت بنایا کرتا تھا۔

اب گفتہ اند کے فقرہ سے صاف ظاہر ہو رہا ہو کہ یہ کہانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں سے نقل نہیں کی گئی بلکہ کسی اور منبع سے اخذ کی گئی ہے مگر پھر بھی پادری صاحب اس کہانی کو احادیث میں شامل کرتے ہیں اور یہودی کتابوں میں اسکا کھوج لگا کر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر اُدھر سے تعالیم اور مضامین جمع کرکے ایک نیا مذہب کھڑا کر لیا

(۳) پادریصاحب کی حدیث کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ آپ صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں "واما اگر استفسار کنیم کہ اہل اسلام دربارہ آں لوح محفوظ چہ چیز را از احادیث خود آموختہ اند جواب ایں سوال را در قصص الانبیاء صفحہ ۳ و ۴ مے یابیم و آں اینست آنگاہ در زیر عرش دانہ مروارید بیافرید و از آں مروارید لوح محفوظ را بیافرید بلندئے وے ہفت صد سالہ راہ و پہنائی وے سہ صد سالہ راہ الخ"

دیکھیئے پادریصاحب پہلا سوال کرتے ہیں کہ لوح محفوظ کی نسبت احادیث میں کیا لکھا ہی پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ اس کا جواب قصص الانبیاء کے صفحہ ۳ و ۴ میں ملیگا اور جو عبارت وہ قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں اُس میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو۔ اس سے ثابت ہوتا ہو کہ پادریصاحب کے نزدیک جو کچھ قصص الانبیاء میں لکھا ہو وہ حدیث ہی حدیث ہے واہ! پادریصاحب راستگوئی آپ پر ختم ہوگئی ہے۔

(۴) لیجیئے پادری صاحب کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے۔ پادری صاحب سورۂ نمل کی آیت و کشفت عن ساقیہا قال انہ صرح ممرد من قواریر کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ بیان بالکل نامکمل ہو اور اگر کسی نے اسکی تفصیل معلوم کرنی ہو تو وہ احادیث کو پڑھے۔ چنانچہ

آپ فرماتے ہیں "و چونکہ آنچہ قرآن در بارۂ صفت ساقہائے آں ملکہ گفتہ است ناکامل مے باشد پس ازاں سبب تکمیل آنرا ورا احادیث مے باید جست" (صفحہ ۴۷) اب ناظرین خیال فرمائیں گے کہ اسکے بعد پادری صاحب کسی معتبر حدیث کی کتاب مثلاً صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں سے کوئی حدیث نقل فرمائینگے مگر یہ کتابیں پادری صاحب کے نزدیک معتبر نہیں۔ ناظرین تعجب کے ساتھ دیکھیں گے کہ پادریصاحب اس کے بعد کسی حدیث کی کتاب کا ذکر نہیں فرماتے بلکہ آپ کتاب عرائس المجالس میں سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں اور چونکہ جو کچھ ان کتابوں میں لکھا ہے وہ پادریصاحب کے نزدیک بڑی پکی احادیث ہیں اسلیئے جب آپ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کے ناقص بیان کی احادیث سے تکمیل ہوتی ہے تو اُسوقت اُن کی مراد لفظ احادیث سے عرائس المجالس ہی ہے۔ اگر ناظرین معلوم کرنا چاہیں کہ وہ کونسی چیز ہے جسکو نہ بیان کرنے کی وجہ سے قرآن شریف کا بیان پادریصاحب کے بیان کے رُو سے نامکمل رہ گیا ہے تو میں وہ عبارت یہاں نقل کر دیتا ہوں۔ پادریصاحب فرماتے ہیں کہ آیت وکشفت عن ساقیہا اور آیت قال انہ صرح ممرد من قواریر کے درمیان مندرجہ ذیل عبارت ہونی چاہیئے۔ فنظر سلیمانؑ فاذا ھی احسن الناس ساقا و قدما الا انھا کانت شعراء الساقین فلما رای سلیمان ذلک صرف بصرہ عنھا و ناداھا انہ صرح ممرد من قواریر۔ یعنی جب ملکہ نے اپنی پنڈلیوں کو ننگا کیا تو حضرت سلیمانؑ نے دیکھا کہ اُسکی پنڈلیاں نہایت خوبصورت ہیں مگر اُنپر بڑے بڑے بال ہیں۔ یہ دیکھکر حضرت سلیمانؑ نے اپنی آنکھ پھیر لی اور فرمایا کہ یہ شیشوں کا پٹاؤ ہے پانی نہیں۔

پادری صاحب یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن شریف کے بیانات ناقص ہیں اور جبتک قصص الانبیاء اور عرائس المجالس میں سے کہانیاں اُٹھا کر اُس میں نہ رکھی جاویں قرآن شریف مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس طرح عرائس المجالس و قصص الانبیاء کی کہانیاں گویا قرآن مجید کا جزو ہیں اور جب ان کا ماخذ پرانی کتابوں میں سے پیش کیا جاوے تو ضرور ہے کہ اسلام کی عمارت منہدم ہو جاوے کیونکہ یہ کہانیاں قرآن شریف کا جزو ہیں اور اُن کے بغیر قرآن شریف غیر مکمل رہتا ہے۔

کتاب ینابیع الاسلام میں سے اور بھی بہت سے حوالے پیش کئے جا سکتے تھے جنسے ظاہر ہوتا ہے کہ پادری صاحب نے ہر ایک چیز کا نام جو عرائس المجالس یا قصص الانبیاء وغیرہ میں لکھی گئی ہے حدیث رکھا ہے۔ ساری مثالیں یہاں نقل نہیں کیجا سکتیں مگر میں ناظرین کی توجہ ینابیع کے مندرجہ ذیل صفحات کی طرف پھیرتا ہوں۔ اُن صفحوں کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ جو کچھ عرائس المجالس وقصص الانبیاء میں کہانیاں درج ہیں پادری صاحب نے کمال راستبازی سے اُن سب احادیث کے نام سے یاد فرمایا ہے وہ صفحات یہ ہیں ۴۱-۵۲ و ۴۷ و ۷۸ و ۹۱ و ۱۰۱ و ۱۰۷ و ۱۱۱ و ۱۵۶ و ۲۰۶ و ۲۰۸ و ۲۲۱- اب میں کل پادری صاحبان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ کبھی کسی اور پادری یا مسیحی نے اس سے بڑھ کر جھوٹ بولا ہے جو پادری ٹسڈل صاحب نے بولا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کذب بیانی ہو سکتی ہے کہ ایک چیز جو محض کہانی کے طور پر کسی مصنّف نے لکھی ہے اُسکو صرف اسوجہ سے حدیث کہا جائے کہ وہ مسلمان نے لکھی ہے اور پھر کیا اس سے بڑھ کر ابلہ فریبی ہو سکتی ہے کہ ایسی کہانیوں کا نام احادیث رکھنے کے بعد اور اُن کا کھوج پرانی کتابوں میں لگاکر ناظرین کو اس بات کا یقین دلانیکی کوشش کی جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کہانیوں کو یہودیوں یا اور لوگوں سے سیکھا اور یہ کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ میں پھر کہتا ہوں کہ خود پادریوں میں اگر تم ایسی کذب بیانی اور ایسی ابلہ فریبی کی مثال تلاش کروگے پھر بھی امید نہیں کہ اسکی نظیر مل سکے۔

پادری صاحبان اپنے سنہری اصول پر بڑا فخر کیا کرتے ہیں جسکا مطلب یہ ہے کہ دوسروں سے وہی سلوک کرو جو تم چاہتے ہو کہ دوسرے لوگ تم سے کریں۔ مگر یہ اصل پادری صاحبان نے صرف فخر کرنیکے لیئے اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔ اسپر عمل کرنے سے اُنکو کوئی سروکار نہیں۔ کم ازکم پادری ٹسڈل صاحب نے اپنی کتاب ینابیع میں اس تعلیم پر کچھ عمل کرنا گناہ سمجھا ہے۔ اسلام کی تعلیم کے سرچشمے ڈھونڈتے ہوئے آپ کا اوّل سے آخر تک یہ اصول رہا ہے کہ جو کچھ مسلمان افسانہ نویسوں نے لکھا ہے وہ عین حدیث ہے مگر جہاں کہیں بائبل کا ذکر آیا ہے یا مسیح کی تعلیم کا موقعہ آیا ہے تو اُس نے بار بار ناظرین کو متنبہ کیا ہے کہ خبردار یہودی مفسرین کی تفسیروں اور مسیحی مصنفوں کی تحریروں کو کہیں صحیح نہ سمجھ لینا۔ چنانچہ صفحہ ۲۸ پر وہ یہودیوں کی عہد عتیق کی تفسیروں کو موہومہ تفاسیر کے نام سے یاد کرتا ہے۔

صفحہ ۳۵ پر یہودیوں کے قصوں کو قصص باطلہ کہہ کر پکارتا ہے۔ صفحہ ۳۶ پر وہ افسانہائے باطل بیہود کا ذکر کرتا ہے۔ صفحہ ۷۵ پر وہ یہودیوں کے مشہور معروف مفسر یوناتان بن عزئیل کو مفسر نادان کا خطاب عطا کرتا ہے۔ ایسا ہی صفحہ ۷۷ پر ترگوم کتاب استر کے مشہور مصنف کو مفسر نادان کہتا ہے۔ صفحہ ۹۲ پر تمام یہودی مفسرین کو افسانہ دوست اور زود اعتقاد کا خطاب دیتا ہے۔ صفحہ ۹۳ پر انکو طالب عجائب کے نام سے یاد کرتا ہے۔ صفحہ ۹۶ پر گمانہائے باطل بیہود کا ذکر کرتا ہے۔ علاوہ اسکے وہ خاص مثالیں بھی پیش کرتا ہے جہاں یہودی مفسرین نے عہد عتیق کی تفسیر میں سخت غلطیاں کھائی ہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل عہد عتیق کی درسوں کے متعلق لکھتا ہے کہ یہودی مفسرین نے انکی تفسیر کرنے میں فاش غلطی کھائی ہے۔ وہ مقامات یہ ہیں پیدائش باب ۱ درس ۲۔ نیز باب ۶ درس ۴ و نیز باب ۱۱ درس ۲۸ و باب ۱۵ درس ۷ و باب ۲۶ درس ۱ خروج باب ۲۴ درس ۱۲۔ نیز باب ۳۲ درس ۱۹ و واعظ باب ۲ درس ۸۔ وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ یہودی مفسرین نے بہت سے قصے اور کہانیاں بائبل کے کئی مقامات کی تشریح اور توضیح اور تکمیل کی غرض سے درج کی ہیں اور وہ ناظرین کو آگاہ کرتا ہے کہ ایسی کہانیوں کو بالکل صحیح سمجھنا سخت غلطی ہے۔ مگر جب قرآن شریف کی تفسیروں کا ذکر آتا ہے تو اسکا خیال بالکل بدل جاتا ہے مسلمانوں کی تفسیروں میں پادریصاحب کے نزدیک جو جو قصے درج ہیں وہ سب قرآن شریف کے اجزاء ہیں اور ہر ایک کہانی جو کسی مسلمان مصنف نے لکھی ہے وہ بعینہٖ حدیث نبوی ہے۔ اس لیے پادری تسڈل مفسرین کی کہانیوں اور مسلمان مصنفین کے قصوں کو عین اسلام ظاہر کر کے انکا کھوج پرانی کتابوں میں لگاتا ہے اور اس طرح اپنے زعم میں اسلام کی عمارت کو مسمار کرتا ہے۔ میں پادریصاحب سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہودی مفسرین نے ایسی کہانیاں اپنی تفسیروں میں درج کر دی ہیں جو درحقیقت بائیبل کا جزو نہیں ہیں تو پھر کیا مسلمان مفسرین کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ بھی ایسی حکایات درج کرتے جنکو قرآن شریف سے کچھ تعلق نہ تھا؟ اگر پادری صاحب دیانتداری سے کام لیتے تو وہ ہرگز مفسرین کے قصوں کو قرآن شریف کا جزو ظاہر نہ کرتے اور اس طرح ان قصوں کا کھوج نکالکر خواہ مخواہ اپنے اور اپنے ناظرین کے وقت کا خون نہ کرتے۔

اپنی کتاب میں وہ بہت سی مسیحی کتب کا بھی ذکر کرتا ہے جنکو وہ جعلی قرار دیتا ہے مگر جب مسلمانوں کا ذکر آتا ہے تو ہر ایک کتاب جو کسی مسلمان نے لکھی خواہ وہ کیسی ہی بیہودہ ہو اسکو عین اسلام کی تعلیم قرار دیتا ہے بلکہ انکی ہر ایک بات کو حدیث کہہ کے پکارتا ہے۔ پادریصاحب بتلاؤ یہی انصاف ہے۔ کیا جج لوگ ایسی ہی کارروائیاں کیا کرتے ہیں؟ پادری صاحب خوب سمجھتے تھے کہ ان سے یہ سوال کیا جاویگا کہ انہوں نے تفسیروں کے قصوں کو کیوں قرآن مجید

کی جزو قرار دیا۔ اسلیئے آپ اسکی ایک دلیل بیان کرتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں کہ تفسیروں کے قصے قرآن مجید کے مضامین کی توضیح اور تکمیل کرتے ہیں اسلیئے قرآن مجید کے بنا ہیج تلاش کرتے وقت ان تفاسیر کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ یہودی مفسروں نے اپنی تفاسیر میں جو قصے درج کیے ہیں کیا اُن کی یہ غرض نہ تھی کہ ان قصوں کے ذریعہ بائبل کے مضامین کی توضیح اور تکمیل کی جاوے۔ پس اگر اسکے نزدیک یہودی مفسروں کے قصص کو بائبل کی جزو خیال کرنا غلطی ہے تو مسلمان مفسروں کے قصص کو قرآن مجید کی جزو قرار دینا وہ کیوں جائز خیال کرتا ہے؟

پادری صاحب پر یہ بھی سوال ہو سکتا تھا کہ کیوں انہوں نے احادیث کی مسلمہ کتب کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اسکی بھی آپ وجہ بیان کرنے سے نہیں چوکے۔ آپ فرماتے ہیں کہ چونکہ سنیوں کی مسلمہ کتب کو شیعہ لوگ قبول نہیں کرتے اور شیعہ کی مقبولہ کتب کو سنّی قبول نہیں کرتے اسلیئے میں نے ان دونوں قسم کی کتابوں سے اجتناب کیا ہے۔ یہ مستند کتابوں کا حوالہ نہ دینے کے لیئے عجیب بہانہ ہے۔ ایسا عذر بجائے اس کے کہ پادری صاحب کی نیک نیتی کو ظاہر کرے اُلٹا آپکی دیانتداری پر شبہ کرنیکا موقعہ دیتا ہے۔ اگر تمام احادیث اسلیئے ناقابل اعتبار ٹھہر جاتی ہیں کہ سُنّیوں کے مسلّم مجموعوں کو شیعہ لوگ قبول نہیں کرتے اور شیعہ کی کتابوں کو سُنّی صاحبان ردّ کرتے ہیں تو پھر کسی شخص کو اسلام یا بانیٔ اسلام علیہ الف الف سلام کی تاریخ لکھنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ ایسی تاریخ کا مصالح زیادہ تر انہی کتابوں سے ہی لیا جاتا ہے۔ ایک محقق صرف اس وجہ سے تمام روایات کو ترک نہیں کر دیگا کہ انکو ایک مخالف فرقہ کسی وجہ سے قبول نہیں کرتا۔ میں یہاں ولیم میور کی رائے کو نقل کرتا ہوں جو انہوں نے سُنّیوں اور شیعوں کی مسلمہ کتب احادیث کے متعلق اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دیباچہ میں لکھی ہے۔ آپ دیباچہ کے صفحہ ۲۹ پر سُنّیوں کی مسلمہ کتب کے مؤلفوں کی نسبت لکھتے ہیں ''اسمیں کچھ شک نہیں کہ ان احادیث کے جمع کرنیوالوں نے اس کام میں جو انہوں نے اختیار کیا نہایت دیانتداری اور اخلاص نیت سے کام کیا۔ اور یہ کہ انہوں نے نہایت نیک نیتی سے مروّجہ احادیث کو اکٹھا کیا اور جن راویوں کے ذریعہ اُن کو وہ احادیث پہنچیں اُنکی انہوں نے نہایت احتیاط سے چھان بین کی اور نہایت ہی احتیاط اور صحت کے ساتھ ان احادیث کو قلم بند کیا''۔ جب احادیث کے جمع کرنیوالوں نے اسقدر دیانتداری اور احتیاط سے احادیث کو جمع کیا تو ایسی صورت میں نہ صرف اسلام کے حق میں بلکہ خود ان احادیث کے جمع کرنیوالوں کے حق

میں سخت بے انصافی ہے کہ ان احادیث کو صرف اس وجہ سے ردّ کر دیا جاوے کہ ایک فرقہ مذہبی مخالفت کی وجہ سے انکو قبول نہیں کرتا۔ پھر میور ان کتب احادیث کا جو سنیوں کے نزدیک مسلّم ہیں شیعوں کی کتب سے مقابلہ کرتے ہوئے لکھتا ہے "سنیوں کی صحاح ستّہ سب کی سب عباسی خلفاء کے زمانہ میں لکھی گئیں اور انہیں جو سب سے پہلی ہیں وہ خلیفہ مامون کے عہد میں مرتب ہوئیں۔ شیعوں کی چار مسلّمہ کتابیں سنیوں کی صحاح ستّہ سے کچھ زمانہ بعد لکھی گئیں اور وہ سنیوں کی صحاح ستّہ کے مقابل میں ایسی کم اعتبار کے لائق ہیں کہ اُن کے ساتھ اِن کا مقابلہ کرنا بھی درست نہیں انکی بڑی غرض یہ تھی کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اور انکی اولاد کی امامت کو ثابت کیا جاوے" یہ ہے میور کی رائے شیعہ کی کتب احادیث کے متعلق۔ اور پادری ٹسڈل کا صرف اس وجہ سے صحاح ستّہ کو ردّ کرنا کہ شیعہ لوگ محض مذہبی مخالفت کی وجہ سے انکو قبول نہیں کرتے نہ صرف بے انصافی ہے بلکہ محققانہ طریق سے بہت بعید ہے مگر پادری صاحب کے مسلّم کتب احادیث کو ترک کرنیکی نسبت خواہ کچھ ہی خیال کیا جاوے انکے پاس کوئی وجہ نہیں تھی کہ احادیث کی مسلّمہ کتب کو چھوڑ کر عرائس المجالس۔ قصص الانبیاء۔ التواریخ القدیمہ وغیرہ جیسی کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ اور انکے قصوں اور کہانیوں کا نام احادیث رکھتے۔ اگر صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں کو اُس نے اسلیئے ردّ کر دیا کہ شیعہ انکو نہیں مانتے تو عرائس المجالس وغیرہ کتب کس قاعدہ کے رو سے قابل اعتبار بلکہ صحیح بخاری صحیح مسلم سے زیادہ معتبر ٹھہر گئیں ایک طرف تو آپ اسقدر محتاط ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں کہ صحاح ستّہ جیسی قابل اعتبار کتابوں کو اسوجہ سے ترک کرتے ہیں کہ شیعہ انکو نہیں مانتے دوسری طرف وہ بیہودہ قصوں اور کہانیوں کیطرف اپنی کتاب کے لیئے مصالح جمع کرنیکے لیئے جھکتے ہیں اور پھر اسپر طرّہ یہ کہ ان قصوں اور افسانوں کا نام احادیث رکھتے ہیں اور صرف ان کو احادیث ہی نہیں کہتے بلکہ انکو اعلیٰ پائے کی احادیث ظاہر کرتے ہیں جنکا درجہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اُسکے قول کے بموجب یہ ایسی کتابیں ہیں جو سنیوں اور شیعوں دونوں کے نزدیک مسلّم ہیں وہ ان کتابوں کو صرف احادیث کی کتابیں ہی نہیں کہتا بلکہ انکو ایسی احادیث کی کتابیں ظاہر کرتا ہے جو اسلام کے ہر ایک فرقہ کے نزدیک قابل تسلیم ہیں اور جنپر شیعہ سنّی سب کا اتفاق ہے کیا اس سے بڑھ کر کذب

کسی انسان کے وہم وگمان میں آسکتا ہے؟ ان پر اتفاق کرنا تو کجا اسلام کا کوئی فرقہ انکو احادیث کی کتابوں میں بھی شامل نہیں کرتا۔ اگر ہر ایک فرقہ کے نزدیک یہ کتابیں مسلّم تھیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر ایک فرقہ کے پاس الگ الگ کتابیں ہیں جنپر اُن کا عملدرآمد ہے اگر درحقیقت یہ ایسی ہی قابل وثوق کتابیں تھیں جیسا کہ پادری صاحب انکو ظاہر کرتے ہیں تو پھر چاہیئے تھا کہ میور بھی اپنی کتاب لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بہت سا مصالح انہی کتابوں میں سے اکٹھا کرتا۔ اور اُسکی کتاب میں بہت سی ایسی حکایتیں درج ہوتیں جیسی کہ طاؤس اور کوہ قاف اور لوح محفوظ کی کہانیاں جو پادری ٹسڈل نے اپنی کتاب میں کثرت سے درج کی ہیں اور جنکو وہ اسلام کی حقیقی اور صحیح اور متفق علیہ تعلیم کے طور پر پیش کرتا اور جنکا پرانی کتابوں میں کھوج لگا کر اسلام کی عمارت کو مسمار کر دینے کا دعویٰ کرتا ہے۔ پادری صاحب اپنی کتاب کے ابتدا میں بڑے زور کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب میں صرف ایسی احادیث نقل کرینگے جنپر سب فرقوں کا اتفاق ہو اور جو سنیوں اور شیعوں ہر دو کے نزدیک مسلّم اور معتبر ہوں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں "چونکہ حاجت ما باختصار است ایں را مصمم کردہ ایم کہ ہیچ عقیدہ و ہیچ تعلیم اہل اسلام را ذکر نہ کنیم خبر آنہا یکہ اصل و بنیاد آنہا در خود قرآن یافت مے شود و شرح آں نیز در آں احادیث مندرج است کہ میان جمیع مسلمان خواہ شیعہ باشند خواہ سنی رواج کلی دارد زیرا ارادہ ما ایں است کہ ایں کتاب برائے جمیع اہل اسلام عموماً فائدہ داشتہ باشد" (صفحہ ۹)

پادری صاحب نے جس ارادہ کا اظہار فرمایا ہے وہ بے شک عمدہ ہے مگر افسوس ہے کہ یہ ارادہ صرف دکھانیکے لیئے ہے۔ آپ اس جگہ دو اصول قائم کرتے ہیں اوّل یہ کہ وہ کسی ایسے عقیدہ اسلامی کا ذکر نہیں فرمائیں گے جس کا اصل قرآن شریف میں موجود نہ ہو۔ دوم یہ کہ وہ صرف ایسی احادیث نقل فرماویں گے جو اسلام کے ہر ایک فرقہ کے نزدیک مسلّم ہوں۔ بے شک یہ دونوں بہت عمدہ اصول ہیں مگر افسوس سے تو یہ کہ انہوں نے یہ اصول عمل کرنیکے لیئے نہیں بلکہ صرف اپنے کرتوتوں کو ڈھانپنے کے لیئے لکھے ہیں۔ یہ بات کہ وہ ان اصول پر کہاں تک کاربند رہے ہیں یہ اُن حوالجات سے ظاہر ہے جو میں پہلے اس مضمون کے اثنا میں درج کر چکا ہوں۔ وہ ایک خاصی تعداد کہانیوں اور افسانوں کی نقل کرنے میں جنکو وہ اسلام کی تعلیم کے طور پر پیش

کرتے ہیں۔ ان کہانیوں میں سے میں چند ایک بطور نمونہ کے نقل کرچکا ہوں اور ہر ایک شخص جسکو قرآن شریف کی تعلیم سے کچھ بھی واقفیت ہے وہ بآسانی دیکھ سکتا کہ ان افسانوں کو قرآن شریف کی تعلیم سے کچھ بھی تعلق نہیں اور انکا اصل قرآن شریف میں کہیں نہیں ملتا۔ مگر پادری صاحب ایک نرالے طرز سے ان افسانوں کا اصل قرآن شریف میں دریافت کرتے ہیں۔ دو مثالوں سے پادری صاحب کا یہ نرالا طرز واضح ہو جائیگا۔ صفحہ ۱۱۱ پر آپ کوہ قاف کی دو کہانیاں عرائس المجالس اور قصص الانبیاء میں سے نقل کرتے ہیں اور ان کہانیوں کو اسلام کی تعلیم ظاہر کرتے ہیں میں ان فسانوں کو پہلے نقل کرچکا ہوں۔ اب دیکھیئے کہ کسطرح ان کہانیوں کا اصل قرآن شریف میں سے نکالتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی پچاسویں سورۃ کے ابتداء میں جو حرف ق ہے اسمیں اسی کوہ قاف کی طرف اشارہ ہے۔ یہ ہے طریق پادری صاحب کا جس کے ذریعہ آپ افسانوں کا اصل قرآن مجید میں سے تلاش کر لیتے ہیں۔ مگر پچاسویں سورۃ کے علاوہ قرآن شریف اور بھی بہت سی سورتیں ہیں جو ایسی ہی حروف سے شروع ہوتی ہیں۔ مگر پادریصاحب نے یہ ظاہر نہیں فرمایا کہ وہ کن پہاڑوں۔ دریاؤں۔ جزیروں۔ جھیلوں یا سمندروں کے نام ہیں۔ اگر کوئی افسانہ نویس ایک بیہودہ اور بے اصل کہانی بیان کرے اور پھر یہ کہدے کہ قرآن شریف کے فلاں حرف کا اشارہ اسی افسانہ کی طرف ہے تو کیا اس سے ثابت ہو جاویگا کہ واقعی اس حرف میں اُسی بے بنیاد افسانہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر پادریصاحب اسی طریق سے اسلام کی فرضی تعالیم کا اصل قرآن شریف میں تلاش کرتے ہیں تو دنیا میں کوئی ایسی بیہودہ سے بیہودہ اور لغو سے لغو کہانی نہیں ہو سکتی جسکا اصل اسی طریق سے قرآن شریف میں مل نہ سکے۔ اور اس طریق پر چلکر اُن ساری کہانیوں کا اصل پرانے اور نئے عہد ناموں میں بھی دریافت ہو سکتا ہے جو یہودیوں اور مسیحیوں نے لکھی ہیں اور جنکو پادری صاحب جھوٹی قرار دے چکے ہیں۔ کبھی کسی معتبر مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ قرآن شریف کی بعض سورتوں کے ابتداء میں جو حروف مقطعات ہیں وہ پہاڑوں۔ دریاؤں۔ براعظموں۔ خلیجوں۔ آبناؤں اور خاکناؤں وغیرہ کے نام ہیں۔ قرآن شریف میں سے بے بنیاد قصوں کا اصل دریافت کرنیکا جو طریق پادری صاحب نے اختیار کیا ہے اسکی ایک اور مثال میں اُنکی کتاب ینابیع الاسلام میں سے پیش کرتا ہوں۔ آپ صفحہ ۷۵ پر

عرائس المجالس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ملکہ سبا کی پنڈلیوں پر بڑے بڑے بال تھے اور آپکے نزدیک اس کہانی کا اصل قرآن شریف کی آیت ہے وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا چونکہ اس آیت میں ساق کا لفظ آیا ہے اسلیئے ملکہ سبا کی ساق یعنی پنڈلی کے متعلق جو کہانی ہوگی اسکا اصل یہ آیت قرآنی ہے۔ یہ ہے پادریصاحب کا طریق قرآن شریف میں سے اصل نکالنے کا۔ ایسی اور مثالیں بھی پادریصاحب کی کتاب میں سے پیش کی جاسکتی ہیں مگر جن دو کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس طریق کو ظاہر کرنیکے لیئے کافی ہیں جو پادری صاحب نے قرآن شریف میں سے ہر ایک بات کا اصل نکالنے کیلیئے اختیار کیا ہے۔ پادریصاحب کیا خوبصورتی سے اپنی کتاب کے ابتدا میں ظاہر فرماتے ہیں کہ وہ کوئی ایسی بات پیش نہیں کرینگے جسکا اصل قرآن مجید میں پایا جاتا ہو۔ اس اعلان کو پڑھکر ہر ایک شخص یہ خیال کرتا ہے کہ پادریصاحب بڑے محقق ہیں مگر جب پادریصاحب کے طریق کو جو انہوں نے قرآنی اصل دریافت کرنیکے لیئے اختیار کیا ہے دیکھا جاوے تو ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ اعلان صرف دھوکہ دینے کیلیئے کیا ہے۔ ناظرین! آپنے بہت سی کتابیں پادریوں کی لکھی ہوئی پڑھی ہونگی مگر میں امید نہیں کرتا کہ آپنے کوئی ایسی تحریر دیکھی ہو جسمیں مسیحی مصنف نے تمہید میں ایسی خوبصورت اصول باندھے ہوں جیسے ہمارے پادریصاحب نے باندھے ہیں اور پھر کتاب کے اثنا میں انکا ایسا ناجائز استعمال کیا ہو۔ پادری صاحب کا طریق استدلال کیا ہی نرالا ہے۔ چونکہ ساق کا لفظ قرآن مجید میں ہے اسلیئے ہر ایک کہانی جو کسی شخص نے ملکہ کی ساق کے متعلق لکھی ہے وہ قرآن ہی کی کہانی سمجھنی چاہیئے اور اُسکا کھوج پرانی کتابوں میں نکالنے سے اسلام کی عمارت مسمار ہو جاتی ہے۔ پھر آپ فرماتے ہیں کہ جبتک یہ بیان نہ کیا جاوے کہ ملکہ کی پنڈلی پر بڑے بڑے بال تھے قرآن شریف کا بیان مکمل نہیں ہوتا۔ [illegible] پادریصاحب ابھی زندہ ہیں۔ کیا آپ مجھے بتلا سکتے ہیں کہ بالوں کا قصہ کسطرح قرآن مجید کے بیان کی تکمیل کرتا ہے۔ دراصل یہ پادریصاحب کی ساری چالبازیاں ہیں اور آپ کی غرض صرف یہ ہے کہ کسی طرح قرآن مجید کو اس کہانی کا ذمہ وار ٹھہرا کر اسکا کھوج پرانی کتابوں میں لگایا جاوے اور اسطرح یہ ثابت کیا جاوے کہ قرآن مجید کے مضامین دوسری کتابوں میں سے اخذ کیئے گئے ہیں۔

ناظرین دیکھ چکے ہیں کہ کسطرح پادریصاحب پہلے بیہودہ افسانوں کو اسلام کی تعلیم ظاہر کرتے ہیں اور پھر کس طریق سے اُس فرضی تعلیم کا اصل قرآن مجید میں سے نکالتے ہیں اب میں پادریصاحب کے دوسرے اصول کی طرف رجوع کرتا ہوں یعنی یہ اصول کہ وہ صرف ایسی احادیث پیش کرینگے جو سنیوں اور شیعوں ہر دو کے نزدیک مسلم ہوں۔ اسکے متعلق میں پہلے دکھا چکا ہوں کہ جن چیزوں کا نام اُس نے احادیث رکھا ہے سنیوں اور شیعوں کا اُنپر اتفاق ہونا تو کجا اُنکو احادیث کہنا ہی ایک افترا ہے۔ اکثر کہانیاں جو پادریصاحب نے نقل کی ہیں اور گو اُس نے احادیث کے نام سے یاد کیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

منسوب ہی نہیں کی گئیں اور جو ایک دو بظاہر منسوب کی گئی ہیں مثلاً کوہ قاف کا قصہ وہ سُنیّوں اور شیعوں ہر دو کے نزدیک مفتریات ہیں اور پادریصاحب کا یہ کہنا کہ وہ مسلمانوں کے کل فرقوں کے نزدیک مسلم ہیں محض افترا ہے۔

پادری صاحب کا یہ فرمانا کہ میں نے صحاح ستّہ وغیرہ کو اس لئے نہیں لیا کہ وہ شیعہ کے نزدیک معتبر نہیں محض بہانہ ہے۔ اگر آپ اس دعویٰ میں سچے ہیں تو آپنے بیضاوی جلال الدین کو کیوں نقل کیا ہے کیونکہ وہ بھی سنیوں کی تفسیریں ہیں۔ پادریصاحب نے یہ عذر صرف اسلیئے کیا ہے تا آپکو عرائس المجالس وغیرہ کتابوں کی طرف رجوع کرنیکے لئے بہانہ ہاتھ آجائے۔ کیونکہ جسقدر اُسکو ان کہانیوں کی کتابوں میں سے مصالح مل سکتا تھا وہ صحاح ستہ میں سے کہاں مل سکتا تھا۔ ان کہانیوں کی کتابوں میں بہت سے قصّے ایسے ہیں جو یہودیوں وغیرہ سے لئے گئے ہیں انکا آسانی سے کھوج لگ سکتا تھا۔ اس لیئے اُسنے ان کہانیوں کو صحاح ستہ پر ترجیح دی۔ باقی رہا یہ ثابت کرنا کہ یہ اسلام کی تعلیم میں شامل ہیں۔ پادریصاحب کے نزدیک یہ کام کوئی مشکل نہ تھا۔ اُنہوں نے ان کہانیوں کا نام احادیث رکھدیا اور دوسری چال یہ چلی کہ انکا اصل قرآن مجید میں نکالنے کیلیئے ایک لا طریق ایجاد کیا۔ مثلاً پادری صاحب کے نزدیک ہر ایک کہانی جو فسانہ گو وں نے خیالی کوہ قاف کے متعلق لکھی ہے وہ سب قرآن کی تعلیم ہے کیونکہ قرآن مجید کی پچاسویں سورہ کے شروع میں حرف ق ہے۔ پھر ہر ایک کہانی جو افسانہ گو وں نے لوح محفوظ کے متعلق لکھی ہے وہ قرآن مجید کی کہانی ہے کیونکہ قرآن شریف میں لوح محفوظ کا لفظ آیا ہے۔ ایسا ہی ہر ایک کہانی جو ملکہ سبا کے بدن کے بالوں کے متعلق لکھی گئی ہے وہ قرآنی تعلیم ہے کیونکہ قرآن مجید میں ساق کا لفظ آیا ہے اور جبتک ساق کے بالوں کا بیان نہ ہو قرآن شریف کا کلام ناقص رہتا ہے۔ ایسا ہی حضرت ابراہیم کا بازار میں بُت بیچنے کا قصّہ پادریصاحب کے نزدیک قرآنی قصہ ہے کیونکہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وعظ بُت پرستی کی برخلاف درج ہے۔ ایسا ہی ہر ایک واقعہ جو مفسرین نے لکھا ہے وہ قرآن مجید کی جزو ہے کیونکہ ایسے قصوں سے قرآن مجید کے بیانات کی تکمیل ہوتی ہے۔ جب اس طرح ہر ایک لغو کہانی اسلام اور قرآن مجید کی تعلیم ثابت ہوگئی تو پھر کیا رہا۔ اُنکا کھوج پرانی کتابوں میں سے نکالا اور لمبے چوڑے حوالے عجیب و غریب حروف میں نقل کردیئے اور آخر بڑی محققانہ لہجہ میں جج کی کرسی پر بیٹھکر یہ فیصلہ سُنادیا کہ جو کچھ مسیحی معترضین اسلام یا نبیؐ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں وہ سب کے سب لاجواب اور درست ہیں۔ چلو فیصلہ ہوا۔ مسیحی بھائیوں کو ڈگری مل گئی۔

اگر پادریصاحب واقعی یہ چاہتے تھے کہ وہ صرف ایسی ہی کتاب پیش کریں جو اسلام کے کل فرقوں کے نزدیک مسلم ہو اور اگر واقعی اُنکی نیت فریب بازی سے منزہ تھی تو اُنکے لیئے راہ بالکل صاف تھی۔ اُنکو چاہیئے تھا کہ نہ عرائس المجالس کیطرف رجوع کرتے نہ قصص الانبیاء کی طرف اور نہ تفسیر بیضاوی کا حوالہ دیتے اور نہ جلال الدین کا ذکر کرتے بلکہ صرف قرآن مجید

کی کتاب کو پرکھا جائیگا۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

لنگر خانہ:۔ لنگر خانہ کی آمد اخراجات کیلئے مکتفی نہ ہونیکے باعث یہ فنڈ قریباً ایک سال سے مقروض چلا آتا ہے۔ گذشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر رپورٹ پیش کرتے وقت اس امر کی طرف جب حاضرین جلسہ کو توجہ دلائی گئی تو احباب نے سچے مخلصانہ جوش سے اسی وقت اس قرضہ کی رقم کو پورا کرنیکی کوشش کی چنانچہ اسی جلسہ میں اور قبل اسکے کہ رپورٹ کا باقی ماندہ حصہ سنایا جاتا آٹھ سو روپیہ چندہ ہوا جس سے گذشتہ قرضہ قریباً سارے کا سارا اُتر گیا۔ مگر یہ عجیب اتفاق ہے کہ جو تحریک اس آٹھ سو روپیہ کے قرضہ کو ہلکا کرنیکا موجب ہوئی وہی لنگر خانہ کے بار کو پھر اسیقدر رقم کے ساتھ بڑھانیکا موجب بھی ٹھہری۔ جلسہ سالانہ کے متعلق اصول یہ ہونا چاہیئے کہ اس کے اخراجات الگ کے الگ پورے ہو جائیں اور لنگر خانہ پر انکا بوجھ نہ پڑے۔ چنانچہ گذشتہ سال قریباً اڑھائی ہزار روپے کا خرچ جلسہ سالانہ کے چندہ سے پورا ہو گیا تھا۔ مگر اس سال باوجودیکہ اخراجات گذشتہ سال سے قریباً سات سو روپیہ کم ہوئے یعنی کُل خرچ جلسہ سالانہ کا ۱۷۱۵ روپے ہوا مگر یہ رقم بھی جلسہ سالانہ کے چندہ سے پوری نہ ہو سکی۔ اور آمد بہ نسبت اخراجات کے ۷۲۱ روپے کم رہی اسلیئے یہ بوجھ پھر لنگر خانہ پر پڑا اور لنگر خانہ اسوقت پھر قریباً ایک ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہے۔ اخراجات جلسہ سالانہ کے پورا کرنیکے لیئے مجلس معتمدین دو سال گذشتہ سے یہ تحریک کرتی رہی ہے کہ ایک تو ہر ایک انجمن کچھ رقم بطور چندہ ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے دے اور دوسرے ہر ایک دوست جو جلسہ میں شامل ہو کم از کم ایک روپیہ ان اخراجات کے لیئے دے۔ چنانچہ اس سے پہلے جلسہ سالانہ پر ان دونوں ذریعوں سے معتدبہ آمد ہو کر کل اخراجات جلسہ پورے ہو گئے مگر اس سال گو تحریک پہلے کی طرح ہی کیگئی تھی مگر اس مد میں صرف وہی رقم آئی جو انجمنوں نے تھوڑی تھوڑی بطور چندہ بھیجی تھی اور دوسرے ذریعہ سے یعنی یہ کہ ہر ایک دوست جو جلسہ میں شامل ہو وہ ایک روپیہ کم از کم ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے ادا کرے بہت کم آمد ہوئی یا یوں کہنا چاہیئے کہ کچھ بھی آمد نہ ہوئی۔ دو اڑھائی ہزار آدمی کے مجمع میں اگر ایک روپیہ فی کس والی تجویز پر عملدرآمد ہوتا تو اخراجات جلسہ سالانہ کو پورا کرکے کچھ رقم بڑھ بھی رہتی مگر انجمنوں نے اور نہ ہی فرداً فرداً احباب نے اس طرف توجہ فرمائی۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ پھر لنگر خانہ کا فنڈ ایک ہزار روپے کا مقروض ہو گیا ہے مجلس معتمدین میں یہ سوال پیش ہو کر مجھے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ میں اس رقم کیلئے مذکورہ بالا تحریک کے ساتھ میں مجبور ہوں کہ چندہ تعمیر کیطرف پھر احباب کو توجہ دلاؤں۔

عمارت:۔ اسوقت جب میں یہ رپورٹ لکھ رہا ہوں بورڈنگ ہوس کو دو ونگ یعنی نصف عمارت چھتوں تک پہنچ چکی ہے اور گرڈر بھی آئے ہوئے موجود پڑے ہیں خدا نے چاہا تو ایک مہینہ تک اس حصہ پر چھت پڑ کر رہائش کے گذارہ کیلیئے کافی ہو جائیگا

اور اس کے بعد ایک ماہ تک اور تیسرا ونگ بھی اسطرح کی تکمیل کی حد کو پہنچ جاویگا۔ باقی چوتھائی بورڈنگ قریباً تیار کچھ پہلی پکی ہوئی اینٹ کا خاتمہ ہو جائیگا۔ چوتھا ونگ۔ برامدے۔ فرش۔ پلستر ٹیپ اناریاں یہ کام ابھی باقی ہوگا۔
دوسری طرف چاروں طرف سے یہ خوشخبری بھی آرہی ہے کہ بہت سے طلبا ء نئے آنیوالے ہیں اس خوشخبری کے ساتھ یہ فکر بھی ضروری ہو کہ چوتھا ونگ بلکہ دوسرا حصہ بورڈنگ کا بھی بہت جلد تیار ہو۔ شفاخانہ سپرنٹنڈنٹوں چپڑاسیوں کے کوارٹروں کے بغیر بھی گذارہ نہیں ہو سکتا۔ اسوقت تک قریباً چھ سات ہزار روپیہ ایسا بھی اس تعمیر میں خرچ ہو چکا ہے جو چندہ تعمیر بورڈنگ سے وصول ہو کر دوسرے کاموں پر خرچ ہونا چاہیئے۔ نئی عمارت کا فکر ابھی سے کر کے بھٹہ کا انتظام ابھی برسات کے اختتام پر شروع ہو جانا ضروری ہے اور مجلس معتمدین نے دسہزار روپیہ اس کام کیلئے منظور بھی کر لیا ہے۔ قریباً دو ہزار روپے کا خرچ ہر ماہ میں اُجرت مزدوری کا اور متفرق بھی ہے۔ یہ دوسری تحریک ہے جس کی طرف توجہ دلانا میرے ذمہ ہے۔ مگر ابھی ایک اور تحریک بھی باقی ہے۔

ایڈورڈ میموریل فنڈ:۔ ملک معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات پر دنیا کے ہر حصہ میں بادشاہ کی وفادار رعایا کے دلوں میں یہ تحریک پیدا ہوئی ہے کہ ہر جگہ آپ کی یادگاریں قائم کیجاویں۔ ہندوستان کے بھی ہر صوبہ میں یہ تحریک ہو چکی ہے۔ ہمارے بیدار مغز لفٹنٹ گورنر سر لوئیس ڈین نے اعلیٰ حکام گورنمنٹ و معزز رؤسائ و جاگیرداران اور والیان ریاستہائے اور عام رعایا کے وکلائے کے ایک عظیم الشان جلسہ میں جو ۳۰ جولائی کو لاہور میں ہوا یہ فیصلہ کیا ہے کہ ملک معظم کے صوبہ پنجاب کی رعایا اس یادگار کو مریضوں کے ساتھ ہمدردی کے رنگ میں جس میں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم ہمیشہ دلچسپی لیتے تھے قائم کرے اور اس غرض کیلئے لاہور میں میڈیکل کالج کی اور مردانہ اور زنانہ ہسپتال کی توسیع کیجاوے اور اسکے لئے چودہ لاکھ روپے چندہ کے جمع کرنے کا اعلان کیا ہے چنانچہ اسوقت ہر ایک ضلع میں یہ تحریک ہو رہی ہے اور گورنمنٹ کی وفادار رعایا ہر جگہ حسب مقدرت اس تحریک میں شمولیت کو اپنا فخر سمجھتی ہے۔ سلسلہ احمدیہ کے افراد اس گورنمنٹ کے نیچے رکھا جانیکو اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے سمجھتے ہیں۔ اور انکے مقدس امام نے ہمیشہ گورنمنٹ برطانیہ کے احسانات کی شکرگذاری کو بحکم من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ اپنا فخر سمجھا ہے۔ چنانچہ اسی شکرگذاری کے رنگ میں ہی ٹرانسوال کے جنگ کے مجروحین کے لئے اس سلسلہ کی اسوقت جبکہ ابھی یہ بہت کمزور حالت میں تھا پانچ سو روپیہ چندہ بھیجا گیا تھا۔ اب اس موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ کے خلیفہ حضرت مولوی نورالدین صاحب نے اس چندہ ایڈورڈ میموریل فنڈ میں جماعت کی شمولیت کو ضروری سمجھا ہے اور خود بھی ایک رقم دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ مگر آپنے ضروری سمجھا ہے اور مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ چندہ کل ایک جگہ

جمع ہو۔ چنانچہ ذیل کا رزولیوشن انجمن کے گذشتہ اجلاس میں پاس ہوا ہے جسکی طرف (اور یہ تیسری تحریک ہے) میں جملہ احباب کو توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں۔ "مجلس کی رائے میں یہ ضروری ہے کہ سلسلہ احمدیہ میں جسقدر احباب داخل ہیں وہ سب کے سب حسب استطاعت اس چندہ میں شامل ہوں جو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار میں کیا جا رہا ہے۔ اور جسکی تحریک ہندوستان کے ہر صوبہ میں ہو چکی ہے۔ مگر ساتھ ہی مجلس معتمدین اس ضرورت کو بھی محسوس کرتی ہے کہ جماعت کا چندہ ایک جگہ یعنی قادیان میں جمع ہو۔ اور چونکہ اس یادگار کی اصل منشا یہ ہے کہ ان نیک کاموں کو جن میں شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم خاص طور پر دلچسپی لیتے تھے جیسے غربا اور بیماروں کی ہمدردی یا اور رفاہ عام کے نیک کام۔ انہیں مستقل طور پر کسی نہ کسی رنگ میں ہر صوبہ میں قائم کیا جائے تاکہ یہ انکی نیکیوں کی یادگار ہمیشہ کے لئے دنیا میں قائم رہے۔ اور چونکہ ہماری صوبہ پنجاب کی گورنمنٹ نے بیماروں کے ساتھ ہمدردی کے کام کو شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی یادگار کا بہترین کام قرار دیکر میڈیکل کالج لاہور اور مردانہ و زنانہ ہسپتال کی توسیع کے رنگ میں اس یادگار کو قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ لہذا اس مثال کو مدنظر رکھکر مجلس نے یہ ضروری سمجھا ہے کہ علاوہ اس بڑی یادگار میں شامل ہونیکے مقام قادیان میں جو سلسلہ احمدیہ کا مرکزی مقام ہے شہنشاہ کی اس یادگار کو علیحدہ بھی خاص طور پر قائم کیا جاوے اور اس غرض کیلئے جیساکہ نہ صرف اس مقام کی بلکہ گرد و نواح کی بھی ضروریات اس امر کی مقتضی ہیں ایک شفاخانہ شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے نام پر قائم کیا جاوے۔ اور اسطرح پر بیماروں اور خصوصاً ان بیماروں کے ساتھ جو غریب ہیں جیساکہ دیہات کے اکثر لوگ ہوتے ہیں عملی طور پر ہمدردی دکھائی جاوے۔ لہذا مجلس اس بات کا اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ جہاں جہاں احمدیہ انجمنیں ہیں وہ سب اس چندہ کیلئے تحریک کریں اور حسب استطاعت سب ممبروں کو اس میں شامل ہونیکی ترغیب دیں اور جہاں انجمنیں نہیں وہاں کے سرکردہ احباب اسی قسم کی تحریکیں کریں۔ اور جہانتک جلدی ممکن ہو اس کام کو شروع کر دیں اس رقم کی جو اس جمع شدہ روپیہ میں سے پروونشل فنڈ میں بھیجی جاویگی اسوقت تک کوئی تعین نہیں کیجا سکتی جبتک کہ اسکا معتدبہ حصہ جمع نہ ہو جاوے۔ نیز سلسلہ احمدیہ کے جو ممبر اس یادگار کا چندہ اس اعلان سے پہلے اپنے اپنے مقامات کے مقامی جلسوں میں دے چکے ہیں وہ سب بھی اپنے اسمائے گرامی اور رقم چندہ سے جو وہ دے چکے ہیں اطلاع دیں تا مکمل فہرست میموریل فنڈ میں چندہ دینے والوں کی شائع کیجاوے۔

نیز فیصلہ ہوا کہ اس رزولیوشن کی ایک نقل بخدمت صاحب ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور اور ایک نقل بخدمت نواب لفٹنٹ گورنر پنجاب بھی بھیجی جاوے اور اسکا اعلان عام طور پر بذریعہ اخبارات بھی کیا جاوے"

اس تحریک کے مجلس میں پیش ہونے سے پہلے احتیاطاً بذریعہ سرکلر لیٹر سب انجمنوں کو یہ اطلاع بھیجدی گئی تھی

کہ مجلس میں ایسی تحریک پیش ہونیوالی ہے تاکہ سب احباب کو اطلاع ہوجاوے کہ سلسلہ احمدیہ کا چندہ ایڈورڈ میموریل فنڈ صدر انجمن احمدیہ کے خزانہ میں جمع ہو کر پھر مناسب طور پر پیش کیا جاویگا۔ یہ سنکر مجھے خوشی ہوئی ہے کہ گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام نے بھی اس تجویز کو کہ سلسلہ احمدیہ کا چندہ ایک جگہ اکٹھا ہو کر سلسلہ کیطرف سے پیش کیا جاوے پسند کیا ہے چنانچہ میر حامد شاہ صاحب کے خط سے معلوم ہوا کہ صاحب ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ نے اس سرکلر چٹھی کے پیش ہونے پر جسکا ذکر میں نے ابھی اوپر کیا ہے یہ ہدایت سکرٹری ایڈورڈ میموریل فنڈ کمیٹی کو کی کہ جسقدر چندہ احمدیوں کا اس فنڈ میں لکھا یا گیا ہے وہ سب رقم سلسلہ احمدیہ کے چندہ میں جمع ہونیکے لیئے دیدی جاوے امید ہے کہ جملہ حکام اس تجویز کو پسند فرماوینگے۔ مگر میں اس تحریک میں ایک اور امر کی طرف احباب کی توجہ دلانی چاہتا ہوں جسکا ذکر مذکورہ رزولیوشن مجلس معتمدین میں بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ مجلس معتمدین صرف اسی بات کو کافی نہیں سمجھتی کہ پرونشل فنڈ میں چندہ پیش کرے بلکہ سلسلہ کے مرکزی مقام میں وہ ایک علیحدہ یادگار بھی اپنی وسعت کے مطابق قائم کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ قادیان اسوقت ایک ایسا مقام ہے جہاں دنیا کی دور دور کے کونوں سے لوگ آتے ہیں بلکہ انگلستان اور امریکہ استریلیا وغیرہ سے بھی لوگ آتے ہیں۔ گردونواح کے دیہات میں کئی کئی میل تک اب قادیان کو وہ گاؤں نہیں سمجھا جاتا جو پہلے تھا بلکہ بہت سی اپنی ضروریات کے لیئے لوگ اسی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہائی سکول جسمیں تین سو تک تعداد طلبا پہنچی ہوئی ہے ایک دینی مدرسہ کئی اخبار میں رسالے کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ ان سب امور نے اس قصبہ کو اب ایک خاص وقعت دیدی ہے۔ اور چونکہ پہلے یہ ایک معمولی سا گاؤں تھا جسمیں نہ صرف کوئی شفاخانہ ہی نہ تھا بلکہ کوئی چھوٹا موٹا طبیب بھی نہ تھا اب ان تمام وجوہات مذکورہ بالا کے لحاظ سے اسجگہ ایک شفاخانہ کا قائم کیا جانا ازبس ضروری ہے۔ اور گو اسوقت ایک معمولی سی ڈسپنسری ہے جو ابتداءً سکول کے طالب علموں کی خاطر کھولی گئی تھی۔ مگر ان تمام ضروریات کے لیئے جنکا ذکر اوپر کیا گیا ہے ڈسپنسری اب کچھ کام نہیں دے سکتی اور وسیع پیمانہ پر شفاخانہ کا جاری ہونا اب از حد ضروری ہوگیا ہے اسلیئے مجلس معتمدین نے اس ضرورت کو محسوس کرکے یہ تجویز کی ہے کہ ہمارے احباب ایڈورڈ میموریل فنڈ میں اسقدر دل کھولکر چندہ دیں کہ علاوہ پرونشل فنڈ میں معتدبہ رقم بھیجنے کے شفاخانہ کی تجویز کی بھی تکمیل ہو سکے اور شہنشاہ کی یہ یادگار سلسلہ احمدیہ کے مرکزی مقام میں بھی قائم ہو جیسا کہ کل صوبہ کے مرکزی مقام میں قائم ہوگی۔

سو یہ تین تحریکیں مجھے ایک ہی وقت اور سب کو یکساں ضروری سمجھکر پیش کرنی پڑی ہیں۔ لنگرخانہ کے قرضہ کیلیئے تو اگر انجمنیں توجہ کریں تو مقامی ضروریات کے چندہ سے تھوڑی تھوڑی رقم دیکر معقول مدد بہم پہنچا سکتی ہیں۔ تعمیر کے چندہ کیلیئے میں پہلے تجویز عرض کرچکا ہوں اور اب صرف یاددہانی کی ضرورت ہے کہ سب احباب اس میں شامل ہوں تا کہ کچھ روپیہ

محمد علی

سکرٹری مجلس معتمدین صدر انجمن احمدیہ

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلّی کا بتایا ہمنے
ریویو آف ریلیجنز
یعنی
دنیا کے مذاہب پر نظر
نمبر ۹
بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۰ء
جلد ۹
چندہ سالانہ ۵
عوام سے عہ طلبا سے عہ
فہرست مضامین
ینابیع الاسلام پر ریویو ۔ حصہ سوم
۳۲۵ - ۳۵۸
ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان
۳۵۸ - ۳۶۰
ریویو ۳۶۰
قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرا کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعفِ نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیح حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزار ہا مریضانِ چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عا؍ قسم دوم عہ؍ قسم سوم عہ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اوّل صہ؍ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں قسم دوم سے ؍ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کرکے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و تپ مخیث فاسد بلغم و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول میلان منی دیابیطس و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ۸؍

لنگیاں اور کلاہ:- ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی ٹسری صافے سفید اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عا سے ۲۵ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ؍ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت عہ؍

المشتہر:- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور۔ (پنجاب)

نوٹ:- خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علےٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو۔ حصّہ سوم

کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی سرچشموں سے اپنی تعلیم کو جمع کیا؟

وقال الذین کفروا ان ھٰذا الا افك افتراہ واعانہ علیہ قوم اٰخرون فقد جاء و ظلما وزورا۔ وقالوا اساطیر الاولین اکتتبھا فھی تملی علیہ بکرۃ و اصیلا۔ قل انزلہ الذی یعلم السر فی السمٰوٰت والارض انہ کان غفورا رحیما۔ (الفرقان)

منکر کہتے ہیں کہ یہ ایک جھوٹ ہے جو اس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنالیا ہے اور اَور لوگوں نے اسکو اس قرآن کے بنانے میں مدد دی ہے۔ ایسا کہنے والے بے انصافی اور جھوٹ سے کام لیتے ہیں (اُن کا یہ دعویٰ بلاثبوت ہے) اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھ لی ہیں اور صبح شام یہ کہانیاں اس کو سنائی جاتی ہیں۔ تو کہہ کہ اس قرآن شریف کو اُس نے اتارا ہے جو آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہے۔ تحقیق وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

مَیں نے اس مضمون کے دوسرے حصّہ میں ناظرین کو اس امر کی طرف متوجہ کیا تھا کہ صرف قرآن مجید کے

مضامین کو بعض دوسری کتب کے مضامین سے مشابہ ثابت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں اور یہ کہ اگر پادری صاحبان یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن مجید خدائے تعالیٰ کا کلام نہیں۔ تو انہیں صرف اس پر ہی قناعت نہیں کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید کے مضامین کا کھوج دوسری کتابوں میں سے نکالیں بلکہ انکو یہ امر بھی قطعی اور یقینی طور پر ثابت کرنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی طور پر اُن کتابوں میں سے قرآنی مضامین کو حاصل کیا۔ لیکن اگر ہم پادری ٹسڈل کی کتاب کو اس نظر سے دیکھیں کہ اس نے کہاں تک یہ امر ثابت کیا ہے کہ واقعی اور یقینی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں۔ مسیحیوں زردشتیوں بابلیوں۔ قبطیوں۔ ہندوؤں اور ارمنی وغیرہ قوموں سے یا اُن کے نوشتوں سے اپنی تعالیم کو اخذ کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسے ثبوتوں سے پادری صاحب کی کتاب بالکل خالی ہے اور پادری صاحب ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکے کہ واقعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زمینی سرچشموں سے اپنی تعالیم کو حاصل کیا۔ بلکہ ان کی کتاب کے مطالعہ سے اُلٹا یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی منبع سے اپنی تعلیم کو حاصل نہیں کیا بلکہ جو کچھ آپ نے سکھایا وہ آپ نے خدائے تعالیٰ کی وحی سے سیکھا۔

سب سے پہلے میں اُن کتابوں یا مصنفین کی فہرست یہاں درج کرتا ہوں جن کا ذکر پادری صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور جن کو وہ اسلام کی تعالیم کے سرچشمے قرار دیتے ہیں۔ اور اس فہرست میں ہر ایک کتاب یا مصنف کے نام کے مقابل میں جو ہندسے لکھے گئے ہیں وہ کتاب ینابیع کے صفحات ہیں جن پر ان کتابوں یا مصنفین کا ذکر ہے

اول۔ یہودی کتب

کتاب	صفحہ	کتاب	صفحہ
(۱) ربی یہوداہ	۹۸	(۶) کتاب پیدائش	۱۱۲
(۲) ترگوم یروشلمی	۳۷	(۷) ترگوم ثانی کتاب استر	۵۹
(۳) پرقی ربی الیعزر	۳۹ و ۹۸	(۸) سلاطین کی پہلی کتاب	۷۵
(۴) مشناہ سنہدرین	۳۹ و ۱۰۳	(۹) کتاب دوم تواریخ	۷۵
(۵) مدراش رباہ	۴۱ و ۵۲	(۱۰) مدراش یلکوت	۸۳ و ۹۵

(۱۱) ترگوم یوناتان بن عزئیل ۳۷ و ۵۷ و ۹۳

(۱۲) ترگوم انقلوس ۹۳

(۱۳) کتاب خنوخ ۹۳

(۱۴) عبوداہ سارہ ۹۷

(۱۵) ھگیگاہ ۱۰۰ و ۱۰۳ و ۱۱۲

(۱۶) سوہر ۱۰۰

(۱۷) مدراش۔ یہود ۱۰۲

(۱۸) اوتیوت درِبّی عقیباہ ۱۰۳

(۱۹) روش ھشّناہ ۱۰۳

(۲۰) مشناہ براخوت ۱۰۴ و ۱۰۹

(۲۱) زبور ۱۰۴

(۲۲) استثنار ۱۰۹

(۲۳) ربّی شمعون ۱۰۹

(۲۴) کتاب خروج ۹۷ و ۱۱۰

(۲۵) اول سلاطین ۱۰۹

(۲۶) پرقی آبوت ۱۱۰

(۲۷) ایک کتاب یہودیوں کی جس کا نام بیان نہیں کیا گیا۔ ۹۹

(۲۸) راشی ۱۰۱

(۲۹) ایک اور یہودیوں کی کتاب جس کا نام بیان نہیں کیا گیا۔ ۱۱۸

(۳۰) گنتی کی کتاب ۱۱۷

دوم۔ مسیحی کتب

(۳۱) لاطینی کتاب مسمی بہ جلال الشہدار تصنیف گرگوریس طورسی ۱۱۴

(۳۲) متی کی انجیل ۱۰۵ و ۱۴۵ و ۱۷۴ و ۲۰۰

(۳۳) پولوس کا خط عبرانیوں کی طرف ۱۰۹

(۳۴) پروتو انجیلیون یعقوب صغیر ۱۲۴ و ۱۳۴ و ۱۳۶

(۳۵) نیاحۃ ابینا القدیس الشیخ النجار ۱۲۶ و ۱۳۰ و ۱۵۵

(۳۶) سیرۃ باکرہ بزبان قبطی ۱۳۲

(۳۷) کتاب قبطی مسمی بہ رحلت یوسف ۱۳۲

(۳۸) حکایت تولد مریم وطفولیت منجی ۱۳۶ و ۱۳۹

(۳۹) انجیل توماے اسرائیلی ۱۳۹

(۴۰) انجیل طفولیت ۱۴۲ و ۱۴۳

(۴۱) انجیل مرقس ۱۴۵ و ۱۵۹ و ۲۰۰

(۴۲) انجیل لوقا ۱۴۵ و ۱۷۳ و ۲۰۰

(۴۳) انجیل یوحنّا ۱۴۵ و ۲۰۰

(۴۴) اعمال ۱۴۵ و ۱۵۲

(۴۵) ایرینیوس ۱۴۹

(۴۶) مکاشفات ۱۵۳

(۴۷) کتاب قبطی مسمی بہ حکایت خفتن حضرت مریم ۱۵۵

(۴۸) نوشتجات شخص یونانی مسمی بہ مرتیون ۱۵۶

(۴۹) اوّل فرنتیبون ۱۷۴ و۱۵۹

(۵۰) وصیت نامہ ابراہیم ۱۶۰ و ۱۶۴ و ۱۶۷ و ۱۹۹

(۵۱) رؤیائے پولوس (یونانی) ۱۹۸ و ۲۰۰

سوم۔ زردشتی۔ سنسکرت اور متفرق کتابیں۔

(۵۲) ارتا ی ویراف نامک ۱۹۱ و ۱۹۲

(۵۳) زردشت نامہ ۱۹۶

(۵۴) اندر لوکا گمنم (سنسکرت) ۱۹۷

(۵۵) اوستا ۱۰۲ و ۱۹۷ و ۲۰۲ و ۲۰۵ و ۲۰۶

(۵۶) بُونَدہشینہ (پہلوی) ۲۰۶

(۵۷) ردّ بدعتہا تصنیف یزنیق (ارمنی) ۱۵۹/۲۰۹

(۵۸) مینو خرد (پہلوی) ۲۱۱

(۵۹) یشت (نہایت قدیم ایرانی کتاب) ۱۰۱ و ۲۱۱

(۶۰) دساتیر آسمانی ۲۱۵ و ۲۱۸ و ۲۱۹

(۶۱) دین کرت (قدیم ایرانی) ۲۱۷

(۶۲) مہابھارت ۹۱

(۶۳) کتاب الاموات (قدیم مصری) ۱۶۵

(۶۴) نامعلوم الاسم ارمنی مصنف ۸۷

(۶۵) قدیم بابلی کتبے جو کھنڈرات سے کھود کر نکالے گئے ہیں۔ ۸۹

(۶۶) یوسوبیس (قدیم یونانی مورخ) ۵۶

(۶۷) ملک شام کے قدیم بت پرست ۱۰۲

(۶۸) ایک نامعلوم الاسم سنسکرت کی کتاب ۹۷

(۶۹) ایک اور نامعلوم الاسم سنسکرت کی کتاب ۱۹۷

(۷۰) وَندیداد (قدیم ایرانی) ۱۹۷

(۷۱) منو دہند کا مشہور واضع قوانین) ۲۰۳

(۷۲) نَلوپاکھیانَم (سنسکرت) ۲۰۳

مندرجہ بالا نام اُن مختلف کتابوں اور مصنفوں کے نام ہیں جو پادری ٹسڈل کی تحقیقات کے رُو سے دینِ اسلام کے ینابیع یعنی سرچشمے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک کثیر تعداد کتابوں اور مصنفوں کی ہے مگر ناظرین یہ خیال نہ کریں کہ یہ فہرست مکمل ہے۔ پادری صاحب کے بیان کے رُو سے یہ ایک نہایت ہی نامکمل فہرست ہے۔ کیونکہ وہ ہر ایک عنوان کے نیچے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ سرچشمے صرف بطور نمونہ کے ذکر کیے گئے ہیں اور یہ کہ اگر تمام سرچشموں کا ذکر کیا جاوے تو کتاب کا حجم بہت ہی بڑا ہو جائے گا۔ مثلاً جب وہ زردشتی سرچشموں کا بیان کرتا ہے تو خاتمہ کے قریب لکھتا ہے اما چونکہ بیان مفصل جمیع آں امور یکہ اہل اسلام از زردشتیان اخذ کردہ اند زیادہ طول میکشید پس برائے اختصار معانی بذکر سہ چہار مطلب دیگر اکتفا میکنم (صفحہ ۲۱۷)

یعنی "اگر اُن تمام تعالیم کا ذکر کیا جاوے جو اسلام نے زردشتی مذہب سے حاصل کی ہیں تو مضمون بہت ہی طول پکڑ جائے گا اسلیئے مَیں صرف تین چار امور کا ذکر کر کے اسی پر اکتفا کرونگا"
اسی طرح وہ یہودی اور مسیحی سرچشموں کے متعلق بیان کرتا ہے کہ اُس نے صرف چند سرچشموں کو بطور نمونہ کے بیان کیا ہے۔ ان بیانات سے پایا جاتا ہے کہ اگر وہ تمام یہودی سرچشموں۔ تمام مسیحی منبعوں اور تمام زردشتی اور ہندی وغیرہ ینابیع کا ذکر کرتا تو ایسے ینابیع کی تعداد بہت بڑھ جاتی اور جو فہرست کتابوں کی اوپر دی گئی ہے اُس سے تعداد کتب بہت زیادہ ہو جاتی۔ مندرجہ بالا ۲۷ سرچشمے تو صرف بطور نمونہ کے دیئے گئے ہیں اگر کُل سرچشمے دیئے جاتے تو اُن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی۔ مگر کیا اچھا ہوتا اگر پادری صاحب صرف نمونوں پر اکتفا نہ کرتے بلکہ اسلام کی تعلیم کے سارے سرچشموں کی کمل فہرست دے دیتے مگر افسوس کہ انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اگر وہ کُل سرچشموں کی فہرست دیتے تو پھر یہ امر اور بھی زیادہ صفائی سے واضح ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی زمینی سرچشمے سے اپنی تعلیم کو اخذ نہیں کیا۔ موجودہ تعداد کتب بھی جن کا حوالہ پادری صاحب نے دیا ہے اس امر کے لیئے کافی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان سرچشموں سے ہرگز نہیں نکلی کیونکہ کوئی مسیحی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ یہ ۲۷ کتابیں جن میں سے اکثر گمنام ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی میں تھیں یا ان کتابوں کے عالم آپ کی خدمت میں دن رات موجود رہتے تھے یا ان سب کتابوں کے جاننے والے ملک عرب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں موجود تھے۔ جب ان ۲۷ کتابوں سے جو صرف بطور نمونہ کے دی گئی ہیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ان کتابوں میں سے ہرگز نہیں لی گئی تو پھر اگر پادری صاحب سارے ینابیع کا ذکر کرتے اور اُن سب کتابوں اور مصنفوں کا بیان کرتے جن سے اُن کے زعم کے بموجب اسلامی تعالیم اخذ کی گئیں تو یہ امر اور بھی وضاحت کے ساتھ ثابت ہو جاتا کہ یہ کتابیں اسلام کی تعلیم کا سرچشمہ نہیں۔ پادری صاحب کی موجودہ فہرست اور وہ مختلف گمنام کتابیں جن کا اُنہوں نے ذکر کیا ہے خود اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں میں سے کسی تعلیم کو اخذ نہیں کیا اور اگر پادری صاحب اپنے سارے

ذخیرہ کو کھولکر پیش کر دیتے اور اُن کتابوں کی مکمل فہرست دیدیتے جو اُن کے زعم فاسد میں اسلام کی تعالیم کے سرچشمے ہیں تو اور بھی وضاحت کے ساتھ اُن کے دعوی کا کذب خود ہی ثابت ہو جاتا۔ پس ہم افسوس کرتے ہیں کہ پادری صاحب نے کیوں مکمل فہرست کتب کی درج نہ کر دی۔

اس امر کے ثابت کرنیکے لیئے کہ پادری صاحبان ہرگز یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کُتب یا اُن کُتب کے عالموں سے اپنی تعالیم کو اخذ کیا مَیں چند مثالیں بطور نمونہ یہاں لکھتا ہوں۔

(۱) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ قرآن شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اَبّ کا نام جو آزر لکھا ہے وہ آپ نے مسیحیوں یا یہود سے نہیں سیکھا کیونکہ یہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام تارح بیان کرتے ہیں بلکہ آپنے یہ نام ایک یونانی مورخ یوسی بی اس کی کتاب سے حاصل کیا۔ اور اس سوال کا جواب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسطرح اس یونانی کتاب سے یہ نام حاصل کیا پادری صاحب یُوں دیتے ہیں "یکے از مورّخین یونانی کہ یوسی بی اس نام داشت وکتاب او بزبان سریانی ترجمہ شدہ او را آثر مے گوید کہ اشتباہ کلی است۔ اما چوں حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) در شام سفر کردہ بود ممکن است کہ در آنجا آں اسم را شنیدہ بخوبی بخاطر نداشتہ از آنجہت پدر ابراہیمؑ را آزر خواندہ است" (صفحہ ۵۶) یعنی یوسی بی اس کی کتاب سریانی میں ترجمہ ہو چکی تھی اور اس کتاب میں حضرت ابراہیم کے باپ کا نام آثر لکھا ہے جو آزر سے بہت مشابہ ہے۔ ممکن ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کا سفر کیا تو اُس وقت یہ نام سُن لیا ہو مگر اچھی طرح اُنکو یاد نہ رہا ہو اس لیئے آپنے بجائے آثر کے آزر کہدیا ہو۔ یہ ہے پادری صاحب کا قطعی ثبوت جس سے اُنکے زعم میں یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیروں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے۔ آپ لکھتے ہیں ممکن ہے کہ آپنے شام میں یہ نام سُن لیا ہو۔ پادری صاحب! کبھی ممکن ہے سے بھی کوئی امر قطعی طور پر ثابت ہوا کرتا ہے؟ کیا ایک جج کیلیئے یہ جائز ہے کہ کسی شخص کو صرف اس لیئے جیلخانہ میں

بھیجدے یا پھانسی چڑھا دے کہ ممکن ہے کہ اس نے کسی کا مال چرایا ہو یا کسی کو قتل کیا ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے دو مرتبہ شام کا سفر کیا۔ پہلی مرتبہ ۱۲ سال کی عمر میں اپنے چچا ابو طالب کے ہمراہ۔ دوسری مرتبہ ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا کچھ مال تجارت لیکر۔ دونوں مرتبہ آپ شہر بصری سے آگے نہیں گئے اور کوئی ایسی شہادت نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ آپ نے وہاں جاکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولدیت کے متعلق کسی یہودی یا مسیحی سے کچھ استفسار کیا ہو۔ بلکہ یہ بھی ثابت نہیں کہ آپ نے وہاں جاکر یہودی یا مسیحی مذہب یا کسی اور مذہب کے متعلق کوئی تحقیقات کی ہو۔ پہلی مرتبہ تو آپ کی عمر صرف ۱۲ سال کی تھی اور دوسری مرتبہ جب آپ حضرت خدیجہ رض کا مال لیکر گئے تو آپ صرف چند روز ٹھہرے اور مال تجارت کا تبادلہ کرکے واپس تشریف لے آئے۔

پادری صاحب نے یہ نہیں بتلایا کہ اگر آپ نے ملک شام میں جاکر کسی یہودی یا مسیحی عالم سے کوئی مذہبی گفتگو تحقیق کی غرض سے کی یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولدیت کے متعلق استفسار کیا تو کیا وجہ ہے کہ وہاں کے یہود یا مسیحی صاحبان نے تارح کا نام نہ بتلایا جو توریت میں موجود ہے بلکہ اُس کی بجائے وہ نام بنا دیا جو یوسی بی اس کی تاریخ میں لکھا ہے۔

مَیں اس جگہ یہ ظاہر کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف سے ظاہر ہوتا ہے کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام نہ تھا۔ کیونکہ جب آزر کے متعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کرنی چاہی تو خدائے تعالیٰ نے آپ کو روک دیا (سورہ توبہ رکوع ۱۴ اور سورہ ممتحنہ رکوع ۱) مگر آپ اپنے والد کیلئے آخر عمر تک دعا کرتے رہے چنانچہ آپ کی آخر عمر کی دعا قرآن شریف میں مذکور ہے جس میں آپ فرماتے ہیں رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (ابراہیم ۶) آزر کی نسبت قرآن مجید میں اَبْ کا لفظ آیا ہے اور والد صرف باپ کے لیئے خاص ہے کسی اور شخص پر نہیں لگ سکتا مگر اَبْ کا لفظ دوسروں پر لگ سکتا ہے۔ اس سے یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آزر آپکے والد کا نام نہ تھا۔

(ب) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ ہاروت اور ماروت کے نام یہودیوں مسیحیوں اور زردشتیوں کی کتابوں میں نہیں پائے جاتے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام قدیم ارمنی لوگوں سے سیکھے کیونکہ اُن کے ہاں دو دیوتے تھے جن کو وہ ہوروت اور موروت کہتے تھے۔ چنانچہ آپ صفحہ ۸۶ و ۸۷ پر لکھتے ہیں۔ "واما اگر استفسار نمودہ بپرسیم کہ آں دو اسم کہ در قرآن و احادیث مذکور است از کجا ماخوذ گشتہ ہویدا مے گردد کہ ہاروت و ماروت اسمائے دو بت قدیمی است کہ در قدیم الایام اہل ارمنستان آنہارا پرستش مے نمودند زیرا در تصنیفات مورخین ارامنہ ذکر ایں دو معبود یافت مے شود کہ بتلفظ ارمنی ہوروت و موروت نامیدہ اند" اسکے آگے ایک نامعلوم الاسم ارمنی مصنف کی کتاب کی عبارت اپنے بیان کی تصدیق کیلئے اصلی ارمنی حروف میں نقل کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پادری صاحب نے بہت مہربانی کی ہے کہ ایسی تحقیقات سے اپنی کتاب کو آراستہ اور ہمیں محظوظ کیا ہے اور ایک پرانی کتاب بھی اپنے دعوے کی تائید میں پیش کی ہے اور بڑی محنت سے اسکی اصل عبارت کو اصلی حروف میں درج کیا ہے مگر ایک امر میں آپ نے بہت کوتاہی کی ہے۔ یعنی آپنے یہ نہیں بتلایا کہ کس ذریعہ سے یہ ارمنی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قدیم ارمنی لوگوں سے سیکھے۔ اور کس طریق سے آپ کو معلوم ہوا کہ قدیم زمانے میں ارمنی قوم کے لوگ دو بتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو وہ ہوروت اور موروت کہتے تھے۔ غرض وہ یہ ثابت نہیں کرسکا کہ واقعی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام قدیم ارمنی کتابوں یا لوگوں سے حاصل کیئے اور جب تک وہ یہ نہ دکھلائے کہ فلاں ذریعہ سے یہ دو نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ پرانی کتابوں سے لمبی چوڑی عبارتوں کا نقل کرنا محض بے سود ہے۔ نیز وہ لکھتا ہے کہ ان دیوتوں کا نام کتب قدیمہ اہل ہنود میں بھی پایا جاتا ہے جہاں انکو مُرت کہا گیا ہے۔ مگر پادری صاحب کو یہ بتلانا چاہیئے کہ یہ سنسکرت لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسطرح سُن لیا؟

(ج) اسی طرح پادری صاحب بابل کے قدیمی کتبوں کو جو حال میں دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان کھنڈرات میں سے برآمد ہوئے ہیں اسلامی تعالیم کے سرچشموں میں شمار کرتے ہیں اور اُن کتبوں کی عبارتوں کو اصلی پرانے بابلی حروف میں نقل کرتے ہیں مگر سوائے اسکے کہ ان کتبوں کی عبارتیں پادری صاحب کی کتاب کے لیئے زینت کا کام دیں اور کوئی فایدہ اُنسے حاصل نہیں ہوتا کیونکہ یہ انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بابل کے قدیم کھنڈرات کو کھودکر اور وہاں کے کتبے پڑھوا کر اپنی تعلیم کے لیئے مصالح جمع کیا ہو۔ انسان پادری صاحب کی تحقیقات کو دیکھکر حیرت میں پڑجاتا ہے کہ پادری صاحب کی عقل کو کیا ہوگیا۔ اُنکو اتنا بھی سمجھ نہ آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ بابل کے کھنڈرات میں جو پرانے کتبے مدفون تھے اُن سے اپنی تعلیم اخذ کرتے۔ مگر پادری صاحب کو اس سے سروکار نہیں کہ وہ یہ دکھائیں کہ فلاں طریق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سرچشمے سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا۔ اُن کا کام صرف مشابہت دکھلا دینا ہے اور بس۔ خواہ وہ مشابہت کسی سنسکرت کی کتاب میں پائی جاوے یا زردشتی صحیفوں میں یا ارمنی تصانیف میں یا مصر کی مدفون کتب میں یا بابل کے کھنڈرات میں۔

(د) صفحہ ۱۰۲ پر پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ط میں جو لفظ مٰلِك ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلسطین کے قدیم بُت پرستوں سے حاصل کیا کیونکہ اُنکے ہاں ایک دیوتے کا نام مولک تھا۔ مگر پادری صاحب یہ بیان نہیں فرماتے کہ کب اور کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک کا نام جو مندرجہ بالا آیت میں پایا جاتا ہے فلسطین کے قدیم بُت پرستوں سے سیکھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک فلسطین میں کوئی ایسے بُت پرست نہ تھے جو کسی دیوتا مولک نامی کی پرستش کرتے ہوں۔ بلکہ پادری صاحب یہ بھی ثابت نہیں کرسکتے کہ واقعی ملک فلسطین کے بُت پرست کسی زمانہ میں مولک نامی کسی بُت کی پرستش کرتے تھے۔ کیونکہ اس امر کیلیئے کہ بُت پرستان مذکور کے ہاں مولک نامی کوئی بُت تھا کوئی بھی تاریخی شہادت نہیں۔ صرف بائیل کے بعض مقامات سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ اس نام کا کوئی بُت تھا کیونکہ

اُن مقامات میں یہ ذکر ہے کہ مولک نام ایک معبود کے لئے بنی اسرائیل نے اپنے بچے قربان کئے مگر اب محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ کسی دیوتے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ یہوواہ کا ہی نام ہے اور اُس کے معنے ہیں بادشاہ ۔ ملاحظہ ہو جیوئش انسائیکلوپیڈیا جلد ۸ صفحہ ۶۵۶ بلکہ اس مشہور کتاب کے فاضل مصنفین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ کیا وجہ تھی کہ بنی اسرائیل نے یہوواہ کے لئے اپنے بچے قربان کئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کتاب میکاہ باب ۶ ورس ۷ میں یہ فقرہ لکھا ہے ”کیا میں اپنے ظلم کے لئے اپنا اکلوتا بیٹا قربان کروں۔ کیا میں اپنی روح کے گناہ کیلئے اپنے بدن کا پھل دوں گا؟“ یہی ورس اس امر کا محرک ہوئی کہ بنی اسرائیل اپنے خداوند کے آگے اپنے اکلوتے بیٹے قربان کرنے لگ گئے۔ جب اسرائیل کی قوم پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تو انہوں نے محسوس کیا کہ اگر خداوند کی رضامندی حاصل ہو جاوے تو اُس کیلئے وہ ہر ایک قیمت ادا کرنے کیلئے تیار ہیں جب اُنہوں نے دیکھا کہ اُنکے پڑوسی اپنے دیوتاؤں کے آگے اپنے بچے قربان کرتے ہیں تو انہوں نے بھی خداوند کی رضا حاصل کرنے کیلئے مذکورہ بالا آیت کے سہارے پر اپنے بُت پرست پڑوسیوں کی تقلید کر کے اپنے خداوند کے آگے اپنے بیٹے قربان کئے مگر ساتھ ہی اسکے ہیکل میں اپنی معمولی عبادت کو حسب دستور سابق جاری رکھا۔ ملاحظہ ہو حزقیل باب ۲۳ ورس ۳۹ ۔ جیوئش اینسائیکلوپیڈیا کے مندرجہ بالا بیان سے واضح ہے کہ وہ کسی بُت کے آگے اپنے بیٹوں کی قربانی نہیں کرتے تھے بلکہ خداوند کے آگے ایسا کرتے تھے لیکن اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ اُسوقت فلسطین کے بُت پرستوں کے ہاں کوئی ایسا دیوتا تھا جو مولک کے نام سے مشہور تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے صدہا سال پیشتر ایسے دیوتے کی پرستش مفقود ہو چکی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملک فلسطین میں کوئی ایسا بُت پرست نہ تھا جو کسی دیوتے مولک نامی کی پرستش کرتا ہو۔ ملاحظہ ہو جیوئش اینسائیکلوپیڈیا جلد ۸ صفحہ ۶۵۷ ۔ لیکن اگر واقعات کے برخلاف ہم یہ بھی فرض کر لیں کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں ملک فلسطین میں کوئی ایسے بُت پرست تھے جو مولک نامی دیوتے کی پرستش کرتے تھے تو پادری صاحبان کوئی ایسا موقعہ ثابت نہیں کر سکتے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلسطین کے بُت پرستوں سے یہ نام سیکھا ہو

اور یہ خیال کرنا ہی محض بیہودہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بُت پرستی کا دشمن بت پرستوں کے خیالی اور جھوٹے معبودوں کو قرآن شریف میں ایسے طور پر داخل کرے جس سے بُت پرستوں کے خیال کی تائید ہو اور بُت پرستی کو تقویت پہنچے۔

(ھ) پادری ٹسڈل صفحہ ۱۹۷ پر لکھتا ہے کہ در کتب ہائے ہنود مرقوم است کہ در انجا رود ہائے جاوید رستنیہائے تر و تازہ را آب یاری مے نمائد یعنی ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اُسجگہ (یعنی بہشت میں) ابدی نہریں چلتی ہیں جو تر و تازہ روئیدگیوں کی آب پاشی کرتی ہیں۔ اُس کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید میں جو جنّات اور انہار کا ذکر ہے وہ سنسکرت کی کتابوں سے اخذ کیا گیا مگر مَیں پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کی اس تعلیم کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسطرح ہوا۔ شائد اُس کا یہ خیال ہو کہ ایرانیوں کی وساطت سے آپ کو اس تعلیم کا علم ہوا مگر وہ کسی ایرانی کتاب کا حوالہ نہیں دیتا جس سے ثابت ہو کہ ایرانیوں نے اس تعلیم کو ہندوؤں سے سیکھا اور اگر فرض بھی کر لیں کہ ایرانیوں نے یہ تعلیم ہندوؤں سے سیکھی مگر اس امر کے لیئے کوئی ثبوت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم ایرانیوں سے حاصل کی۔

(و) اسی طرح پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ **غلمان** کا ذکر جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہے یہ بھی ہندوؤں کی کتابوں کی تعلیم ہے اور اس کی تائید میں ایک نہیں بلکہ دو حوالے سنسکرت کی کتابوں میں سے نکال کر پیش کرتا ہے اور صرف ترجمہ پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اصل سنسکرت بولی میں اور سنسکرت حروف میں عبارتیں نقل کرتا ہے مگر اس امر کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرتا کہ فلاں طریق سے یہ تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندوؤں کی کتابوں میں سے اخذ کی۔

مندرجہ بالا چھٹہ مثالوں سے یہ امر واضح ہو جاویگا کہ پادری ٹسڈل کو اس امر سے کبھی کچھ غرض نہیں کہ وہ یہ ثابت کریں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں ذریعہ سے فلاں تعلیم حاصل کی۔ اُس کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے خیال میں قرآن مجید کے بعض مضامین یا فرضی اسلامی تعلیم کی غیر مذاہب کی کتابوں کے مضامین یا تعالیم سے کسی قدر مشابہت دکھا کر

خواہ وہ غیر مذاہب کی تعلیم گنگا کے کنارے پر ملے یا رود بار نیل کے ساحل پر یا بابل کے کھنڈرات میں یا کنعان کے بُت پرستوں کی خیالی تعلیم میں۔ غرض وہ اس امر میں بالکل ناکام رہا ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعالیم کو غیر لوگوں سے حاصل کیا۔ یا تو اُسکو یہ سمجھ ہی نہیں کہ ثبوت کس چیز کا نام ہے یا وہ عمداً عوام الناس کو دھوکہ دیتا ہے اور سنسکرت اور ارمنی اور پہلوی اور بابلی اور قبطی اور یونانی اور حبشی وغیرہ زبانوں کے حوالے نقل کر کے اپنی کتاب کو جہلا ء کی نظر میں ایک عالمانہ جامہ پہناتا ہے مگر اُسکو یہ امر معلوم ہونا چاہیئے کہ صرف سنسکرت کی عبارت اصل سنسکرت حروف میں نقل کرنے یا بابل کے کھنڈرات کے کتبوں کی عبارتوں کو ہُو بہُو درج کرنے سے یہ ثابت نہیں ہو جاتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقع سنسکرت کی کتابوں سے یا دجلہ و فرات کے کھنڈرات سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا۔

اگر میں اسی طرح پادری صاحب کی ہر ایک بات کو لیکر یہ دکھاتا جاؤں کہ پادری صاحب یہ ثابت نہیں کر سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی طور پر پادری صاحب کے پیش کردہ سرچشموں سے اپنی تعلیم کو حاصل کیا تو مجھے خوف ہے کہ ناظرین اُکتا جائینگے اسلیئے بجائے اسکے کہ پادری صاحب کی ایک ایک بات کو فرداً فرداً لیکر اُسپر علیحدہ علیحدہ بحث کیجاوے مَیں مناسب سمجھتا ہوں کہ پادری صاحب کے ایک قسم کے سرچشموں پر یکجائی طور پر گفتگو کی جاوے اسلیئے مَیں پہلے یہودی سرچشموں پر بحث کروں گا اُس کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ مسیحی اور زردشتی وغیرہ سرچشموں پر یکے بعد دیگرے یکجائی طور بحث کیجائے گی۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

یہودی سرچشمے

پادری صاحب کا بیان ہے کہ جو تیئیس کتابیں یہودیوں کی بطور نمونہ اوپر درج ہو چکی ہیں اور اُن کے علاوہ بہت سی اور کتابیں یہود کی جن کا ذکر پادری صاحب نے بخوف طوالت ترک کر دیا ہے ان کتابوں کے مضامین کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن یہود کے ذریعہ ہوا جو آپکے زمانہ میں ملک عرب میں آباد تھے۔ اس دعویٰ کو ثابت

کرنے کیلئے آپ مندرجہ ذیل امور کو پیش کرتے ہیں۔

اوّل۔ "وہر چند کہ اکثر ایشاں نتوانستند زبان عبرانی را بخوبی بفہمند امثل یہود سکنہ ایران درایں ایام بسیارے از قصہ ہا و حکایتہائے تلمود و اکثر فسانہائے باطل دیگر را از اجداد خود شنیدہ و بتواتر پذیرفتہ بودند و اکثر اوقات چوں توراۃ موسیٰ وسائر کتب ربّانی را ادراک نمے کردند پس آں روایتہائے بے بنیاد را بعوض تعلیمات الہامیٰ آں صحف سماویہ بر زبان خود جاری مے ساختند۔ (صفحہ ۳۲) یعنی عرب کے یہود اکثر عبرانی زبان کو سمجھ نہیں سکتے تھے لیکن آجکل کے ایران کے یہود کی طرح تالمود کے بہت سے قصوں اور باطل افسانوں کو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے سُنا ہوا تھا اور توراۃ اور دوسری الہامی کتابوں کو نہیں سمجھتے تھے اسلیئے اکثر اوقات انہی قصوں کو دُہرایا کرتے تھے۔

دوم۔ "چوں در دل خود تصمیم داد کہ قوم خویش را بسوئے دین ابراہیم خلیل برگرداند پس بغایت احتمال میرفت کہ بطرف اہل یہود مائل گردیدہ استفسار کند کہ آیا دین حضرت ابراہیم مشتمل برکدام عقائد و فرائض و رسوم مذہبی مے باشد (صفحہ ۳۳) یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مصمم ارادہ فرمایا تھا کہ اپنی قوم کو ابراہیم علیہ السلام کے دین کی طرف مائل کریں اس لیئے یہ نہایت ہی قرین قیاس امر ہے کہ انہوں نے یہود کی طرف رجوع کرکے یہ دریافت کیا ہو کہ دین ابراہیم میں کون کونسی باتیں شامل تھیں۔

سوم۔ صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر پادری ٹسڈل لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمّی اس لیئے نہیں کہا جاتا کہ "حضرت محمد بالکل بے سواد بودہ است" یعنی آپ بالکل لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے بلکہ "میتواں گفت کہ سبب آں لقب ایں بودہ است کہ او نہ از یہود بلکہ از اُمّتہا (کہ غیر یہود مے باشند) برپا شد۔ یعنی کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو اُمّی کا لقب اس لیئے دیا گیا کہ آپ اُمّتہا میں سے برپا ہوئے اور اُمّتہا کے معنے ہیں ایسی قومیں جو یہود میں سے نہیں۔" "ولکن فرضاً کہ ہیچ علمے نداشتہ باشد آیا ممکن نبودہ کہ از دیگراں استفسار نمودہ تعالیم اہل یہود را بیاموزد۔ البتہ

مے توانست خصوصاً ازایں جہت کہ بعضے از اصحابش مثل عبد اللہ ابن سلام و حبیب ابن ملک و ورقہ یا خود از اہل یہود بودند یا دین ایشانرا قبول کردہ بعد از مدتے بحضرت محمد گرویدند و شکے نیست کہ ایں اشخاص اگرچہ از تعلیمات صحیحہ عہد عتیق واقفیت کلی نداشتند اما اقلاً چیزے از روایات و قصص باطلہ ۔۔۔ میدانستند" یعنی اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے تو کیا اُن کے لیئے ممکن نہ تھا کہ دوسروں سے دریافت کر کے یہود کی تعلیم وغیرہ کو سیکھ لیتے خصوصاً جب آپکے بعض اصحاب مثلاً عبد اللہ بن سلام وغیرہ یا تو خود یہودیوں میں سے تھے یا یہودیوں کے مذہب میں رہ چکے تھے اور یہ لوگ اگرچہ بائیبل کی صحیح تعلیم سے پوری واقفیت نہیں رکھتے تھے مگر یہود کے جھوٹے قصے اور روایتیں کسیقدر تھوڑی بہت جانتے تھے۔

چہارم۔ پادری ٹسڈل کے خیال کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود پر بڑا اعتبار تھا اور جو کچھ آپ اُن لوگوں سے سنتے تھے اسکو وحی الٰہی یقین کرتے تھے "اما حیف است کہ ایشان وے را فریفتہ اند" (صفحہ ۹۸) مگر افسوس ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

یہ وہ ثبوت ہیں جن کی بنا پر پادری صاحب اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے اپنی تعالیم کے ایک بڑے حصہ کو حاصل کیا۔ لیکن پادری صاحب کے ان ثبوتوں سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس امر کو ہرگز ثابت نہیں کر سکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے قرآنی مضامین کا ایک بڑا حصہ سیکھا۔ اُسکی کتاب کو غور سے پڑھو تمہیں ایک بھی شہادت ایسی نہیں ملے گی جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم کو یہود سے سیکھا۔ جن باتوں کو وہ بطور ثبوت کے پیش کرتا ہے وہ خود دعوے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں۔

وہ کہتا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی علیہ وسلم اپنی اُمت کو ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر چلانا چاہتے تھے اس لیئے یہ غالب احتمال ہے کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہب دریافت کرنے کے لیئے یہود کی طرف رجوع کیا ہو اور اس خیال کی تائید میں لکھتا ہے "و ایں قیاس تقویت مے یابد ازیں مقدمہ کہ قرآن در اکثر مواضع صریحاً مے گوید کہ

دین ابراہیم راست و برحق بودہ است ونیز برحقیت مذہب یہود و بر صحت ومن جانب اللہ بودن کتب الہامیہ ایشاں شہادت مے دہد۔" (صفحہ ۳۳) یعنی اس قیاس کو اس امر سے قوت ملتی ہے کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے سچا ہونے کا ذکر ہے اور کئی مقامات میں قرآن شریف اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ یہود کا مذہب برحق ہے اور اُن کی کتابیں واقعی خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو آیات قرآنی ہیں اُن سے ہرگز وہ نتیجہ نہیں نکلتا جو پادری صاحب نکالنا چاہتے ہیں بلکہ اُن میں یہ صاف طور پر لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی مذہب رکھتے تھے اور نہ مسیحی مذہب کے پیرو تھے۔ قرآن مجید کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ ملت ابراہیمؑ کا تذکرہ قرآن شریف میں دو غرض سے کیا گیا ہے۔ بعض موقعوں پر ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کا ذکر بت پرستان عرب کے مقابل میں اُن کو اپنی غلطی پر متنبہ کرنے کی غرض سے کیا گیا ہے۔ مکّہ کے بُت پرست اس بات پر نازاں تھے کہ وہ ابراہیمی الاصل ہیں اور اُنکے مورث اعلیٰ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے تھے اور وہ مکّہ کی عظمت بھی اسی لیے کرتے تھے کہ یہ ابراہیمی طریق ہے اس لیئے اُنکو قرآن مجید میں بتلایا گیا کہ وہ ابراہیم جسکے طریق پر وہ چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بُت پرست نہ تھا بلکہ ایک خدائے تعالیٰ کی عبادت کرنیوالا تھا اسی لیئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وعظ اور مباحثات جو بُت پرستی کی تردید میں آپ کو کرنے پڑے اُنکا جابجا قرآن مجید میں ذکر ہے تا مکّہ کے بُت پرست اپنی غلطی پر آگاہ ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سچّے اور صحیح مذہب پر چلیں۔ اسی غرض سے اُن کو بتلایا گیا کہ ہمارا مذہب ابراہیمی مذہب ہے اور اگر تم بھی اُس کے قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ اسلام کو قبول کرو کیونکہ یہی ابراہیمی طریق ہے۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی طرف باربار توجہ دلانا بُت پرستان مکّہ پر و دیگر اہل عرب پر ایک حجت تھی۔ کُل اہل عرب کعبہ کی تحریم ابراہیم علیہ السلام کی سُنّت سمجھتے ہیں اسی لیئے اسپر کاربند تھے پس اُن کو بتلایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا

مذہب جس پر تم کاربند ہونے کے مدعی ہو وہ بت پرستی نہ تھا بلکہ اُس کا مذہب توحید کا مذہب تھا جو عین اسلام ہے۔

دوسری غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی طرف توجہ دلانیسے یہودیوں اور مسیحیوں کے غلط خیال کی تردید تھی جو کہتے تھے کہ نجات صرف مسیحی مذہب یا یہودی طریق میں ہے اور جو کوئی مسیحی یا یہودی نہ بنے وہ نجات یافتہ نہیں ہو سکتا چنانچہ قرآن شریف اُنکے قول نقل کرکے فرماتا ہے قَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ط یعنی یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہودی بنو یا مسیحی مذہب اختیار کرو تب ہی ہدایت یافتہ ہوگے اُنکو جواب دے کہ ہم ابراہیم کی ملت کے پیرو ہیں جو حنیف تھا یعنی سیدھی راہ پر چلنے والا یعنی اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تم ہدایت یافتہ کسطرح کہہ سکتے ہو کیونکہ وہ ان دونوں مذہبوں کے وجود سے پہلے گذر چکا ہے مگر باوجود اسکے تم دونوں قومیں اسکو ہدایت یافتہ تسلیم کرتی ہو۔ پس ہم اُسی طرح ہدایت یافتہ ہیں جسطرح کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تم دونوں قوموں کے مسلّمہ عقیدہ کے مطابق ہدایت یافتہ تھا۔ اس سے اگلی آیت میں بتلایا گیا ہے کہ اصلی ہدایت یہ نہیں کہ خدائے تعالیٰ کا فیضان یہودیوں اور نصاریٰ تک محدود کردیا جاوے اور ان ہر دو قوموں کے سوا باقی کل دنیا کو اس انعام سے محروم سمجھا جاوے بلکہ سیدھی راہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ہر ایک رسول پر ایمان لایا جاوے یہ نہیں جو رسول بنی اسرائیل میں پیدا ہوئے صرف اُن کو مانا جاوے اور اُن کے سوا خدائے تعالیٰ کے ہر ایک کلام کو ردّ کردیا جاوے اسلیئے ہمارا مذہب یہ ہے کہ ہم دنیا کے کل انبیاءؑ کو مانتے ہیں جسطرح ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی کو مانتے ہیں اسی طرح ہم قرآن مجید پر ایمان لائے ہیں پس سچی ہدایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی وحی کے ساتھ اس وحی پر بھی ایمان لایا جاوے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے۔ اس لیئے اگلی آیت میں اسلامی عقیدہ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرمایا قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم

و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ وعیسیٰ وما
اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین احد منھم ونحن لہ مسلمون
فان اٰمنوا بمثل ما اٰمنتم بہ فقد اھتدوا وان تولوا فانما ھم فی
شقاق فسیکفیکھم اللہ وھو السمیع العلیم (البقرہ ع ۱۶) - یعنی تم ان مسیحیوں اور
یہودیوں کو یہ جواب دو کہ ہمارا ایمان یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اُس وحی پر
ایمان لاتے ہیں جو ہماری طرف اُتاری گئی یعنی قرآن مجید پر اور اُس وحی پر ایمان لاتے ہیں جو
حضرت ابراہیمؑ - اسمٰعیلؑ - اسحٰقؑ - یعقوبؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد پر نازل ہوئی اور
اُس وحی پر جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کو دی گئی بلکہ ہم اُن تمام وحیوں پر ایمان لاتے
ہیں جو کُل نبیوں کو اُنکے رب کی طرف سے دی گئیں ہم دنیا کے نبیوں میں کسی میں فرق نہیں
کرتے (یعنی ہم تمھاری طرح نہیں کہ بعض نبیوں کی وحی کو قبول کریں اور بعض کی وحی کو
رد کریں) اور ہم خدائے تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں - (یہ ہمارا ایمان ہے) پس اگر یہ لوگ
(یہود و نصاریٰ) بھی ایسا ہی ایمان لائیں جیسا کہ تم ایمان لائے ہو تب یہ ہدایت یافتہ
ہونگے اور اگر وہ ایسے ایمان سے مُنہ پھیریں تو وہ خلاف کی راہ پر چلتے ہیں پس خود
خدائے تعالیٰ تجھے ان کی طرف سے کفایت کریگا (یعنی یہ تجھے نابود کرنا چاہیں گے تا
اس مذہب کی اشاعت کو روکدیں مگر خدا تیری طرف سے اُنکے ساتھ جنگ کریگا اور تجھے اُن کے
ضرر سے بچائیگا) وہ سننے والا اور جاننے والا ہے - غرض اہل کتاب کے مقابل میں حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے مذہب کی طرف جو توجہ دلائی گئی ہے وہ یہود و نصاریٰ کے خیال کی
تردید کے لیئے ہے چنانچہ اسی مضمون کی طرف مندرجہ ذیل آیت اشارہ کرتی ہے -
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ
کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰہُ - یعنی کیا تم کہتے ہو کہ
ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور حضرت یعقوبؑ کی اولاد یہودی تھے یا
نصرانی - کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ - اس آیت کریمہ میں بھی یہود و نصاریٰ
کے اس دعویٰ کی تردید کی گئی ہے کہ جب تک انسان یہودی یا مسیحی مذہب اختیار نہ کرے

وہ ہدایت یافتہ نہیں ہو سکتا۔ یہ انبیاء جن کا نام اس آیت شریفہ میں ہے یہ سب یہود و نصاریٰ ہر دو کے مسلمہ عقیدہ کے بموجب ہدایت یافتہ تھے مگر یہ توریت اور انجیل کے نزول سے پہلے گذر چکے تھے اس سے یہودیوں اور مسیحیوں کے اعتقاد کا باطل ہونا ثابت ہوا۔ اس سے خدائے تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ حقیقی اور سچی ہدایت یہ ہے کہ انسان خدائے تعالیٰ کی ہر ایک وحی پر ایمان لائے۔ یہ سچا مذہب ہے اور یہی اسلامی عقیدہ ہے اور ایک یا دو کتابوں کو لے کر بیٹھ رہنا اور ہر ایک دوسری الہامی کتاب کا انکار کرنا یہ ہدایت نہیں بلکہ ضلال ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اہل کتب کے مقابلہ میں کس غرض سے کیا گیا ہے یہ مندرجہ ذیل آیات سے اور بھی زیادہ واضح ہو جائے گا:۔ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ ھٰاَنْتُمْ ھٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ مَا کَانَ اِبْرَاھِیْمُ یَھُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (آل عمران۔ ۷) اے اہل کتاب۔ تم ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ میں کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ توریت اور انجیل اسکے بعد نازل ہوئیں۔ کیا تمھیں عقل نہیں۔ دیکھو تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے ایسی بات کے بارے میں جھگڑا کیا جس کا تمھیں علم ہے پس تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جسکا تمھیں علم نہیں۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ حنیف (سیدھا) اور مسلم (فرمانبردار) تھا۔ اس سے آگے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَوْلَی النَّاسِ بِاِبْرَاھِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَوْ یُضِلُّوْنَکُمْ وَمَا یُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ قریب (بہ نسبت یہود و نصاریٰ وغیرہم کے) وہ لوگ ہیں جو اُس کی پیروی کرتے ہیں اور یہ نبی اور وہ لوگ جو اس نبی پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔ اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش کہ گمراہ کر دیں تمھیں (یہ کہکر کہ ابراہیم یہودی مذہب تھا اسلیئے تم بھی

ہماری شریعت پر چلو) مگر وہ ایسا کرنے سے درحقیقت خود اپنے تئیں گمراہ کرتے ہیں لیکن انکو شعور نہیں۔ ان آیات سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ پادری صاحب کا یہ کہنا بالکل واہیات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب دریافت کرنے کیلئے یہودی شریعت کی طرف رجوع کیا۔ برخلاف اسکے قرآن شریف سے پایا جاتا ہے کہ یہود کہتے تھے کہ اگر تم ابراہیمی مذہب پر چلنے کا دعویٰ کرتے ہو تو آؤ ہماری شریعت پر چلو مگر انکو بتلایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی مذہب نہ تھا کیونکہ توریت اُس کے بعد نازل ہوئی۔ پھر کس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب دریافت کرنیکے لیئے توریت کو یہود سے سیکھا۔ یہی تو یہود کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جھگڑا تھا وہ کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے مذہب کے پیرو تھے اس لیئے تم بھی ہماری شریعت پر کاربندی اختیار کرو مگر انکو بتلایا گیا کہ ہم ابراہیمی ملت پر چلنے کے لیئے تمہاری کتاب کی طرف رجوع نہیں کر سکتے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں اس کتاب کا وجود نہ تھا اور خدائے تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ یہ لوگ ایسا کہکر تجھے دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ وہ تجھے دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ تُو کسی انسان کی تجویز پر عمل کرنیوالا انسان نہیں بلکہ تُو تو صرف وحی الٰہی پر چلنے والا ہے اس لیئے وہ ایسے دھوکوں سے صرف اپنے تئیں دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ وہ اس طرح اس حق کو جو تیرے پاس آیا ہے قبول کرنیسے محروم رہ جائیں گے۔ غرض اس خیال سے زیادہ بیہودہ کوئی خیال نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب دریافت کرنیکے لیئے یہود سے توریت کو سیکھا۔

پھر پادری صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودی مذہب کو ایک سچا مذہب اور توریت کو الہامی کتاب سمجھتے تھے اس لیئے احتمال ہے کہ اُنہوں نے ابراہیمی مذہب کی حقیقت دریافت کرنے کیلئے انکی طرف رجوع کیا ہو۔ مگر جو کتاب یہودی مذہب کے دراصل خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہونے اور توریت کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونیکا اعلان کرتی ہے وہ ساتھ ہی اس امر کا بھی اعلان کرتی ہے کہ وہ خود کامل کتاب ہے اور کوئی ایسی سچائی نہیں

جو اس سے باہر رہ گئی ہو۔ پھر ایسی صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا ضرورت تھی کہ وہ دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ پادری صاحب نے اُس شہادت کی حقیقت کو جو قرآن شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توریت کے بارہ میں دیتا ہے نہیں سمجھا۔ اگر قرآن شریف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی بیان کرتا ہے تو وہ اسی طرح دنیا کے کُل انبیاءؑ کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ظاہر کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی ایسی قوم نہیں جس میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہادی پیدا نہ ہوئے ہوں۔ پس اب کسی ایک نبی کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہی۔ اور جس طرح قرآن شریف حضرت موسیٰ کی شریعت کی نسبت شہادت دیتا ہے کہ وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھی ایسا ہی وہ دوسرے بڑے مذاہب کی نسبت بھی یہی شہادت دیتا ہے کہ وہ دراصل خدائے تعالیٰ کی طرف سے تھے۔ قرآن شریف نے محض ایک امر کا اظہار کیا ہے اور اُس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ جن مذاہب کے دراصل برحق ہونیکے متعلق قرآن مجید شہادت دیتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مذاہب کے پیروؤں سے تعلیم حاصل کی محض لغو اور بیہودہ ہے۔ مگر افسوس ہے کہ پادری صاحب صرف ایسے ہی توہمات کی بنا پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کا انسانی سرچشموں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

بجائے اس کے کہ پادری صاحب قرآن مجید کی آیات سے یہ نتیجہ نکالیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی حقائق دریافت کرنیکے لئے یہود کی طرف رجوع کیا قرآن شریف سے اُلٹا یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے یہود پر کسی طرح کا اعتبار نہیں کر سکتے تھے اور کسی ہدایت کے معلوم کرنیکے لئے یہود کی طرف رجوع نہیں کر سکتے تھے۔ میں قرآن مجید سے چند آیات بطور نمونہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہوئے خدائے تعالیٰ فرماتا ہے واٰتینٰھم بیّنٰت من الامر فما اختلفوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ان ربک یقضی بینھم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ثم جعلنٰک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا ولا تتبع اھواء الذین لا یعلمون۔ (جاثیہ ۲) یعنی ہم نے انکو کھلی کھلی باتیں دین کی عطا کیں۔ اور ان میں جو اب اختلاف پڑ گیا ہے

یہ اختلاف علم آنیکے بعد واقع ہوا۔ تیرا رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا۔ انکے بعد اب ہم نے تجھے ایک شریعت دی ہے پس تو اب اس شریعت کی پیروی کر جو ہم نے تجھے دی اور ان جاہل یہودیوں کی خواہشوں کی پیروی مت کر۔

(۲) الم تر الی الذین اوتوا نصیبًا من الکتٰب یشترون الضللة ویریدون ان تضلوا السبیل۔ واللہ اعلم باعدائکم۔ وکفیٰ باللہ ولیا وکفیٰ باللہ نصیرا۔ (نساء۔ ۷) کیا تو نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بہک جاؤ۔ (وہ تمہارے دشمن ہیں) اور خدائے تعالیٰ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے۔ مگر وہ تیرا کچھ بگاڑ نہیں سکتے کیونکہ تیرا کارساز اور تیرا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور وہ تیری مدد اور نصرت کے لیئے کافی ہے۔

(۳) قل یا اھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (مائدہ ۱۰) یعنی اہل کتب کو کہو کہ تم اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو اور جو لوگ تم سے پہلے خود بھی گمراہ ہوئے اور بہت سے اور لوگوں کو بھی گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھول گئے ان کے نقش قدم پر مت چلو۔

(۴) یحرّفون الکلم عن مواضعہ ونسوا حظًّا مما ذکروا بہ ولا تزال تطلع علیٰ خائنة منھم الا قلیلاً منھم فاعف عنھم واصفح ان اللہ یحب المحسنین۔ یعنی یہودی کلمات کو اُن کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں اور جو اُن کو تعلیم دی گئی تھی اُس کا ایک حصہ انہوں نے بھلا دیا ہے اور تو ہمیشہ ان کی خیانت پر مطلع ہوتا رہے گا سوائے چند کے پس تو ان سے درگذر کر اور انکو معاف کر اللہ تعالیٰ محسنوں سے محبت کرتا ہے۔

(۵) یآ اھل الکتٰب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتٰب ویعفوا عن کثیر۔ اے اہل کتاب۔ تمہارے پاس ہمارا رسول آیا ہے اور کتاب کے جن حصوں کو تم چھپاتے تھے اُن میں سے اکثر کو تم پر بیان کرتا ہے اور ایک

بڑے حصہ سے چشم پوشی کرتا ہے۔ (مائدہ۔ ۳)

مذکورہ بالا آیات کو پڑھکر کوئی عقلمند تسلیم نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان آیات سے واضح ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے جو اسلام کو بیخ و بُن سے اکھیڑ دینا چاہتے تھے۔ وہ خود سیدھے راستے سے بہک چکے تھے بلکہ اُن کے آباؤ اجداد بھی بہک چکے تھے۔ وہ اپنی تعلیم کا بڑا حصہ بھلا چکے تھے۔ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے وہ دیانت دار نہیں تھے بلکہ خائن تھے۔ وہ کتاب الٰہی کے بڑے حصہ کو چھپاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صریح حکم تھا کہ آپ کسی امر میں یہود کی اتباع نہ کریں بلکہ اس نئی شریعت پر چلیں جو آپ کو دی گئی۔ پھر بھی پادری صاحب کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی آیات سے یہ احتمال پایا جاتا ہے کہ آپ نے یہود کی طرف ضرور رجوع کیا ہوگا۔ اور اُن سے تعلیم حاصل کی ہوگی۔

علاوہ ازیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات کی طرح کوئی پوشیدہ نہیں۔ آپ کے دن رات کے واقعات مفصل موجود ہیں اور آپکی زندگی کے چھوٹے چھوٹے واقعات بھی نہایت بسط کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں۔ مگر اس امر کے لیئے ایک ذرہ بھر بھی شہادت موجود نہیں کہ آپ نے ابراہیمی مذہب کے معتقدات اور فرائض معلوم کرنیکے لیئے یہود ان عرب کی طرف رجوع کیا ہو اور اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو یہ امر ہرگز مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ باوجودیکہ آپ کے اندرونی اور بیرونی حالات تفصیل کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں اور آپ کے سارے تعلقات جو آپ کو یہود یا دیگر اہل مذاہب کے ساتھ تھے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں مگر کوئی امر ایسا بیان نہیں کیا گیا جس سے ظاہر ہو کہ آپ نے یہود سے کچھ تعلیم بھی حاصل کی تھی پس یہی امر اس دعویٰ کی تغلیط کے لیئے کافی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی مذہب کی حقیقت دریافت کرنیکے لیئے یہود کی طرف رجوع کیا۔ مگر پھر بھی پادری صاحب یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے اسلامی تعالیم کا یہودی سرچشموں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

پادری صاحب نے لفظ اُمّی کے متعلق جو تحقیقات لکھی ہے وہ بالکل نئی ہے۔ یہ لفظ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کیا گیا ہے اور پادری جی کے نزدیک اس کے معنے یہ نہیں کہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے بلکہ اس لفظ کے معنے ہیں ایسا آدمی جو یہود میں سے نہ ہو۔ عجیب تحقیقات ہے اور ایسی تحقیق کے لیے صرف پادری صاحب ہی اکیلے تعریف کے مستحق ہیں کیونکہ آپ سے پہلے کسی شخص کو یہ معنے نہیں سوجھے تھے۔ آپ ہی ان جدید معنوں کے موجد ہیں۔ آپ کے نزدیک یہ لفظ اُمّتھا سے نکلا ہے جس کے معنے آپ کی تحقیق کے بموجب ایسے لوگ ہیں جو یہودی نہیں۔ اوّل تو لفظ اُمّتھا کوئی عربی صیغہ نہیں۔ عربی لفظ اُمَم واحد اُمّت ہے اُمّتھا عربی جمع نہیں بلکہ فارسی جمع ہے اور ایک عربی لفظ کا اشتقاق بیان کرتے وقت پادری صاحب کو عربی لفظ دینا چاہیئے تھا نہ کہ فارسی۔ مگر شاید آپ میں اسقدر علمی تمیز نہ تھی کہ ایک فارسی جمع اور عربی جمع میں فرق کر سکتے۔ خیر یہ غلطی تو پادری صاحب کو معاف۔ مگر سب سے عجیب بات لفظ اُمّتھا کے معنی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ اسکے معنے ہیں ایسی قومیں جو یہودی نہیں۔ یہ معنے ایسے ہیں کہ نہ کسی لغت والے کو سوجھے ہیں اور نہ کسی اہل زبان نے اس لفظ کو ان معنوں میں استعمال کیا ہے[۴]۔ پادری ٹسڈل پہلا شخص ہے جس نے اس لفظ کی طرف یہ جدید معنے منسوب کیے ہیں اور یہ امر کہ کہاں سے پادری جی نے یہ معنے دریافت کیے یہ ایک ایسا ہی ناقابل حل عقدہ ہے جیسا کہ تثلیث کا مسئلہ ایک لاینحل راز ہے اُمّت کا لفظ قرآن مجید میں کئی مقامات پر آیا ہے اور ہر ایک جگہ اس کے معنے عام قوم کے ہیں۔ نہ کہ ایسی قوم جو یہود کے سوا ہو۔ مثلاً خدائے تعالےٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ یعنی کوئی ایسی قوم نہیں جس میں نذیر نہ آیا ہو کیا پادری صاحب کے نزدیک اس آیۃ کریمہ کے یہ معنے ہیں کہ یہود کے سوا اور کوئی ایسی قوم نہیں جس میں نذیر نہ آیا یعنی صرف یہود ہی ایک ایسی قوم ہے جس میں کوئی نذیر مبعوث نہیں ہوا باقی سب قوموں میں خدا کے مامور مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ کیا یہ معنے صریحاً غلط نہیں۔ مگر پادری جی کے معلومات اہل زبان سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ آپ کئی الفاظ کے متعلق لکھتے ہیں کہ اہل لغت عرب نے ان الفاظ کی تشریح میں سخت سراسیمگی ظاہر کی ہے مگر آپ ان الفاظ کو بڑے آسان مگر ایسے ہی نرالے طرز پر واضح کر دینے کا دعویٰ کرتے ہیں

[۴] اور نہ اصطلاحاً یہ لفظ ان معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ آپ نے لفظ اُمّی کی تشریح کی ہے۔ امید ہے کہ ان الفاظ میں سے بعض کا ذکر آگے آجائے گا۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لفظ اُمّی اُمّتھا سے مشتق ہے یہ ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کو عربی زبان کے قواعد سے ذرہ بھر بھی مس نہیں۔ اگر آپ کو عربی کے قواعد کا شمہ بھر بھی علم ہوتا تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اگر لفظ اُمّی اُمّت سے مشتق ہوتا تو وہ اُمّتی ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اُمّی۔ غرض نہ صرف لفظ اُمّتھا کے نرالے معنے جو پادری جی نے پیش کیئے ہیں اُنکی جہالت کی گواہی دے رہے ہیں بلکہ آپ کا لفظ اُمّی کو اُمّتھا سے مشتق کرنا بھی آپ کی نادانی کی ایک بیّن شہادت ہے۔ بہتر ہوتا کہ پادری جی ایسی علمی تحقیقات سے اپنی کتاب کو مزین نہ کرتے تا اُنکی نادانی مخفی رہتی شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے تا مرد سخن نگفتہ باشد عیب و ہنرش نہفتہ باشد۔

اگر یہ مان لیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ نہ تھے بلکہ آپ لکھنا پڑھنا اچھی طرح جانتے تھے تو کیا اس سے ثابت ہوجائے گا کہ آپ عبرانی بھی جانتے تھے اور یونانی میں بھی ماہر تھے اور ایرانی میں بھی آپ کو دسترس تھی اور سنسکرت کو آپ اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ معلوم نہیں پادری صاحب کی غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک خواندہ آدمی ثابت کرنے سے کیا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ ہر ایک خواندہ آدمی دنیا کی ہر ایک مُردہ زبان بھی جانتا ہو۔ صرف ایک خواندہ آدمی ثابت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حبشی اور ارمنی اور قدیمی مصری وغیرہ بولیاں بھی جانتے تھے۔

پادری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر فرض بھی کر لیا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناخواندہ تھے تو کیا اُن کے لیئے ممکن نہیں تھا کہ اپنے زمانہ کے یہود سے استفسار کرتے کہ ابراہیمی مذہب کیا تھا اور یہ کہ یہودی مذہب کی نسبت زبانی طور پر اُن سے تحقیقات کرتے۔

مگر پادری صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک امر کا ممکن ہونا اور چیز ہے اور فی الواقع اُس امر کا واقع ہونا اور چیز ہے۔ مثلاً پادری صاحب کے لیئے بالکل ممکن ہے کہ زہر کا پیالہ پی کر خودکشی کرلیں اور کئی مسیحی لوگ ایسا کرتے بھی ہیں مگر کیا ہم اس سے یہ نتیجہ

نکال لیں کہ پادری صاحب ضرور ایسا ہی کرینگے۔ صرف یہ کہنے سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے یہود سے تعلیم حاصل کرنا ممکن تھا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرور ایسا کیا۔ اگر پادری صاحب دنیا کو یہ منوانا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مذہب کا مصالح جمع کرنے کیلئے اور قرآن شریف کے لیئے مضامین اکٹھے کرنیکے لیئے یہودان عرب کی طرف رجوع کیا اور ان سے اس کام میں مدد لی تو آپ کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ فی الواقع آپ نے ایسا کیا۔ صرف یہ کہنے سے کہ آپکے لیئے ایسا کرنا ممکن تھا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے فی الواقع یہود سے مدد لی۔ بلکہ واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپنے نہ یہود سے نہ مسیحیوں سے اور نہ کسی اور قوم سے کسی قسم کی مدد لی۔ اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آپکے لیئے یہود سے مدد لینا ممکن تھا۔ آپ یہود کے لیئے ہادی اور نبی ہونیکا دعویٰ فرماتے تھے اور انکو اسلام کی طرف بلاتے تھے پھر کسطرح ممکن تھا کہ ایسا شخص خود یہود کی طرف امداد حاصل کرنیکے لیئے رجوع کرتا۔ پھر دیکھو کہ قرآن مجید یہود کی مذمت سے بھرا ہوا ہے یہ امر بھی اس بات کی ایک قوی دلیل ہے کہ آپنے یہود سے کسی قسم کی مدد نہیں لی۔ کیونکہ یہ کسطرح ہوسکتا تھا کہ ایک طرف تو آپ یہود کی اور ان کے بڑوں کی مذمت کریں اور انکے ملعون ہونیکا اعلان کریں دوسری طرف انہی کی طرف امداد حاصل کرنیکے لیئے رجوع کریں۔

پادری راڈویل قرآن مجید کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ”عرب کے یہود اور اپنے مسیحی مخبروں سے خفیہ طور پر تعلیم حاصل کی“۔ پادری صاحب کا یہ قول اس امر کی صریح شہادت ہے کہ پادری لوگوں کے پاس اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یا مسیحیوں سے تعلیم حاصل کی۔ کیونکہ یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب سے مخفی طور پر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے دوسرے لفظوں میں اس امر کا اقرار ہے کہ آپکے ایسا کرنے کے متعلق کوئی تاریخی ثبوت موجود نہیں۔ راڈویل کہتا ہے کہ ”چونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہودان عرب اور اپنے مسیحی مخبروں سے تعلیمات حاصل کرنے میں نہایت اخفاء سے کام لیا۔ اس لیئے وہ اس بات کے قابل ہوئے کہ مکہ کے جاہل بت پرستوں کے آگے بڑی دلیری سے اس بات کا اعلان

کریں کہ یہ باتیں خدا کی طرف سے مجھے الہام ہوئی ہیں"۔ راڈول کی اس عبارت سے صاف طور پر
واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں تھا
کہ آپ پوشیدہ طور پر اہل کتاب سے مدد لیتے ہیں۔ اسی لئے اُن کے سامنے آپ نے یہ دعویٰ کیا
کہ قرآن شریف کے مضامین میں نے کسی انسان سے حاصل نہیں کئے بلکہ خدائے تعالیٰ
کی طرف سے مجھ پر بذریعہ وحی نازل ہوئے ہیں۔ راڈول کے بیان سے یہ بھی معلوم ہوتا
ہے کہ نہ صرف آپ کے دشمنوں سے یہ امر مخفی تھا بلکہ آپ کے پیرو بھی نہیں جانتے تھے
کہ آپ یہودیوں یا مسیحیوں سے مدد لیکر قرآن مجید کے مضامین مرتب کرتے ہیں
کیونکہ اگر آپ کے کسی پیرو کو اس امر کا علم ہوتا کہ آپ غیروں سے مدد لیتے ہیں تو آپ ہرگز اس
بات کا بار بار اور پُر زور الفاظ میں اظہار نہ کرتے کہ قرآن شریف کی ہر ایک آیت اور اس پاک
کتاب کا ہر ایک لفظ اور ہر ایک تعلیم خاص خدائے تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوئی ہے
اور قرآن شریف میں ایسی آیتیں نہ ہوتیں جیسی کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور وَ
اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ
وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (نساء ۱۷) یعنی رحمٰن نے تجھے قرآن
سکھلایا ہے (سورہ رحمٰن) اور اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل کی اور خدا ہی نے
تجھے وہ باتیں سکھائی ہیں جن کا تجھے پہلے علم نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا تیرے پر بڑا فضل ہوا
ہے۔ کون عقلمند آدمی اس امر کو قبول کر سکتا ہے کہ ایک شخص دوسروں سے خفیہ طور پر
تعلیم حاصل کرے اور باہر آ کر اپنے دشمنوں اور دوستوں کے آگے یہ ظاہر کرے کہ جو کچھ
میں بیان کرتا ہوں وہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو مجھے پہلے
معلوم نہ تھیں اور خدائے تعالیٰ ہی نے یہ باتیں مجھے سکھائی ہیں۔ اور پھر سالہا سال گذر
جائیں اور یہ راز کسی پر نہ کھلے۔ باوجودیکہ ہزاروں آدمی دن رات اُسکے ہر ایک فعل کو بہ نظر غور
دیکھ رہے ہوں اور اُس کا کوئی فعل ایسا نہ ہو جو اُنکی نظر سے پوشیدہ ہو۔ اس بات کو کون
نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کو اس امر کا کامل یقین اور سچا ایمان تھا کہ
ہر ایک آیت جو آپ بیان فرماتے ہیں اُس کا لفظ لفظ خدائے ذی العرش کی طرف سے آپ پر

نازل ہوا ہے اور اس میں کسی انسان کی طرف سے کیا بلحاظ مضمون کے کیا بلحاظ عبارت
کے کسی طرح کی کوئی بھی ملونی نہیں۔ اور اُن میں سے جنکو آپ سے زیادہ گہرا تعلق تھا اور جو
آپ کے اندرونی و بیرونی حالات سے زیادہ آگاہی رکھتے تھے وہ آپ کی وحی کے منجانب اللہ
ہونے پر اور بھی زیادہ واثق یقین رکھتے تھے۔ اور اگر ان لوگوں کو اس امر کا کچھ شبہ بھی
ہوتا کہ آپ غیروں سے شائد کچھ پوشیدہ مدد لیتے ہیں تو اُن کے ایمان ایسے مستحکم نہ ہوتے
اور اُن کا یقین ایسا غیر متزلزل اور راسخ نہ ہوتا۔ اور یہ امر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
نہایت ہی گہرے تعلقات رکھنے والوں اور آپ کی اندرونی اور بیرونی زندگی کے واقف کاروں
کو اس امر کا کبھی شبہ بھی پیدا نہ ہوا کہ آپ شائد غیروں سے بھی مدد لیتے ہوں یہ امر اس
بات کا ایک یقینی اور قطعی نشان ہے کہ آپ نے کبھی کسی سے پوشیدہ طور پر امداد حاصل
نہیں کی۔ کیونکہ اگر آپ نے ایسا کیا ہوتا تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ ۲۳ سال کے دراز عرصہ میں
یہ امر آپ کے محرم راز اصحاب سے بالکل مخفی رہتا۔ صرف آپ کے حالات سے گہری واقفیت رکھنے
والے اصحاب ہی قرآن مجید کے ایک ایک حرف کو منجانب اللہ یقین نہیں کرتے تھے
بلکہ آپ کے ازواج مطہرات اور آپکی بیٹیاں بھی ایسے ہی یقین سے قرآن مجید کی ایک ایک
آیت کو خدائے تعالیٰ کے مُنہ کا کلام سمجھتی تھیں اور کوئی عقلمند آدمی اس امر کو مان نہیں سکتا
کہ آپ نے ایسے مخفی رنگ میں اہل کتاب سے مدد حاصل کی کہ سالہا سال میں نہ صرف آپ کے صحابہؓ
اس امر سے بیخبر رہے بلکہ آپکی ازواج مطہرات اور آپکی لڑکیاں بھی اس سے تا آخر دم
بالکل بے خبر رہیں۔ راڈول مترجم قرآن لکھتا ہے کہ "یہ مضمون ایسے اخفار کے پردوں
میں محجوب ہے کہ اس فاصلہ سے ہماری آنکھوں کے لیئے ان پردوں کو پھاڑ کر حقیقت تک
پہنچنا محال ہے" ضرور محال ہونا چاہیئے کیونکہ یہ راز تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے زمانہ میں کسی پر نہ کھلا اور جو لوگ آپکے پاس نہایت قریب رہتے تھے انکو بھی کبھی
یہ شبہ کرنیکا موقعہ نہ ملا کہ آپ کسی انسان سے پوشیدہ طور پر مدد لیتے ہیں بلکہ ہمیشہ بصیرۃ
کے ساتھ وہ سب کے سب ہی یقین کرتے تھے کہ جو کچھ آپ سناتے ہیں وہ حرف بحرف
خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ لیکن پادری ٹسڈل کی آنکھ کل دنیا کی آنکھوں سے زیادہ

تیز معلوم ہوتی ہے کیونکہ جس چیز کو راڈول صاحب لاینحل راز قرار دیتے ہیں اُسی چیز کے متعلق ٹسڈل صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اُسکو اظہر من الشمس کر دیا ہے در اصل جس چیز کا نام ریورنڈ راڈول ناقابل حل معمہ رکھتا ہے حقیقت میں اُس کا کوئی وجود نہیں ۔ یہ پادری صاحبان کی اپنی ایجاد ہے ۔ وہ پہلے قرآن شریف کے متعلق ایک بے بنیاد دعوے کرتے ہیں مگر جب اُس دعوے کے ثبوت کا وقت آتا ہے اور وہ ثبوت پیش کرنے سے عاجز رہ جاتے ہیں تو کہدیتے ہیں کہ بھائیو یہ ایک ناقابل حل معمہ ہے جسکو ہم اپنی دُور سے حل نہیں کر سکتے ۔ اگر انکی آنکھیں اتنی دُور سے اس بات کے ناقابل ہیں کہ وہ ان حجابوں کو چیر کر اصل چیز تک پہنچ سکیں تو سوال یہ ہے کہ پھر پادریصاحبان کو اس امر کا کسطرح علم ہوگیا کہ ان حجابوں کے پیچھے کوئی چیز بھی ہے ۔ وہ کونسی آنکھیں ہیں جن کے ذریعہ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ان حجابوں کے پیچھے فی الواقع کوئی چیز موجود ہے ۔ کیا انہوں نے اپنی آنکھوں کی مدد کے بغیر ایک ایسی چیز کو دیکھ لیا ہے جہانتک اُن کی آنکھوں کو رسائی نہیں ۔ کیا نابینا بھی کچھ دیکھ سکتے ہیں ؟ مسیح اپنے زمانہ کے فریسیوں کے متعلق کہتا ہے کہ انکی آنکھیں ہیں مگر وہ نہیں دیکھتے مگر مسیح کے پیرو عجیب مخلوق ہے کہ انکی آنکھیں نہیں پھر بھی یہ دیکھ سکتے ہیں ۔ غرض پادری راڈول کا یہ بیان کہ یہ مسئلہ اسقدر حجابوں کے نیچے چھپا ہوا ہے کہ ہماری آنکھوں کو وہاں تک رسائی نہیں ہو سکتی دوسرے لفظوں میں اس امر کا صریح اعتراف ہے کہ ہمارے پاس اس دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت موجود نہیں یعنی ہمارا دعویٰ صرف ایک خیالی دعویٰ ہے جس کی تائید میں ہم کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتے ۔ کیونکہ جہاں پادریصاحبان کی آنکھوں کو گذر نہیں مل سکتا وہاں پادریصاحبان کا کسطرح گذر ہوا ۔

میور اپنی کتاب لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں صفحہ ۱۰۰ پر لکھتا ہے " یہودیوں کی کتابوں اور قصوں کے ایک بڑے حصہ کا مفصل علم حاصل کرنا ۔ اپنے پہلے ذخیرہ کے ساتھ اُن کو جوڑنا اور قافیہ دار اور مانجھی ہوئی سورتوں میں اُنکو ڈھالنا ۔ یہ ایک ایسا کام تھا جس کے پورا کرنے کیلئے بے شک بہت بڑی محنت اور بہت لمبے

وقت کی ضرورت تھی ..... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ضرور آدھی رات کو بہت سے گھنٹے نیند سے چھین کر اس کام پر صرف کرتے ہونگے " اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طریق پر جو میور تجویز کرتا ہے قرآن مجید کی سورتوں کو اپنی طرف سے گھڑا کرتے تھے تو یہ امر آپکے حالات سے گہری واقفیت رکھنے والے صحابہؓ اور آپکی ازواج مطہرات اور آپکی بیٹیوں اور آپکے اقارب سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔ مگر کوئی مسیحی اس بات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ان سب لوگوں کو اس امر کا محکم یقین تھا کہ آپ اپنی طرف سے کوئی چیز نہیں گھڑتے بلکہ قرآن شریف کا ہر ایک لفظ اللہ تعالیٰ کے مُنہ کی باتیں ہیں آپ کا ہر ایک فعل جو آپ دن کے وقت کرتے یا رات کو کرتے۔ آپ کا سونا۔ آپ کا جاگنا۔ آپ کا اُٹھنا آپ کا بیٹھنا۔ آپ کا بولنا۔ آپکا خاموش رہنا آپ کی ہر ایک بات نہایت توجہ اور غور کی نظر سے دیکھی جاتی تھی۔ جس کو شک ہو وہ احادیث کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ تب اُسپر یہ امر واضح ہوجائے گا کہ آپ دن کو یا رات کو کوئی ایسا کام نہیں کرتے تھے جو آپکے صحابہؓ۔ آپکے ازواج مطہراتؓ۔ آپکے خدام۔ آپکے اقربا سے پوشیدہ ہو۔ اگر آپ .... یہودی کتب اور یہودی قوانین اور یہودی قصص کی تفصیلات جمع کرنے انکو ترتیب دینے اور اپنی تعلیم میں انکو پیوند کرنے اور لمبی اور مسجع عبارتوں میں انکو آراستہ کرتے ہیں ... گھنٹے کے گھنٹے خرچ کر دیتے تھے تو کیا وجہ ہے کہ آپ اسقدر وقت اس کام پر لگائیں اور اُس کا حال کسی متنفس کو معلوم نہ ہو اور دوست و دشمن۔ اپنے اور بیگانے۔ مرد اور عورتیں۔ اقربا اور اغیار سب کے سب اس امر سے بالکل بے خبر رہیں اور کسی کو یہ پتہ نہ لگے کہ آپ اپنے وقت کا ایک معتدبہ حصہ اس قسم کی تصنیف پر صرف کیا کرتے ہیں۔ آپکے دن رات کے افعال نہایت تفصیل اور بسط کے ساتھ ہم تک پہنچائے گئے ہیں مگر اس امر کی ذرہ بھی شہادت نہیں ملتی کہ آپ اپنے وقت کا ایک بڑا حصہ اس قسم کی تصنیف میں بھی خرچ کیا کرتے تھے۔ میور کی طرح راڈول بھی اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ " اس میں کچھ شک نہیں ہوسکتا کہ جمع کردہ مصالح کو اپنے خیالات کے ساتھ مطابق کرنا۔ اُسکو خوب تیار کی ہوئی سورتوں میں گھڑنا اور عام پبلک کے سامنے پڑھنے کے لیئے اُن کو تیار کرنا یہ ضرور ایسا کام تھا جس کے لیئے بہت سے وقت

بہت سے مطالعہ۔ اور بہت سے غور و فکر کی ضرورت تھی"۔ یہ بیانات خود اس امر کی شہادت ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا۔ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بے شک یہودیوں سے اس قدر تفصیل کے ساتھ قرآن مجید کیلئے مصالح جمع کرنے۔ اس مصالح کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے اور پھر انکو مقفی اور فصیح و بلیغ سورتوں میں ترتیب دینے کیلئے بڑی محنت اور بڑا وقت اور بہت سا غور و فکر صرف کرنیکی ضرورت تھی۔ مگر یہی امر کہ اس کام کے لیئے اسقدر محنت اور وقت صرف کرنیکی ضرورت تھی اس بات کی ایک بین دلیل ہے کہ آپنے ایسا نہیں کیا کیونکہ اگر آپ قرآن مجید کو راڈول اور میور کے مجوزہ طریق کے مطابق اپنی طرف سے گھڑتے تو یہ امر کسی طرح آپ کے اصحابؓ۔ آپکی ازواج مطہراتؓ اور آپکے خدام پر مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔

پادری صاحبان کے دعوے کا بطلان ایک اور طریق سے بھی بالکل عیاں ہو جاتا ہے اور وہ طریق یہ ہے کہ اُن مضامین کی طرف توجہ کیجاوے جو پادری صاحبان یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ دیکھا جاوے کہ یہ مضامین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے کس زمانہ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ذیل میں مَیں اُن مضامین کی ایک فہرست دیتا ہوں جو پادری ٹسڈال کے قول کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے یہود سے سیکھ کر قرآن مجید میں پیوند کر دیئے۔

(۱) واقعہ ہابیل و قابیل (مائدہ ۳۰۔ آیت ۳۵۔)
(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حالات۔
(۳) حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے حالات (نمل)
(۴) ہاروت و ماروت (بقرہ۔ آیت ۹۶)
(۵) سورہ اعراف کی آیت ۱۷۲
(۶) بچھڑے کی پرستش (طٰہٰ)
(۷) سورہ حجر آیت ۴۴ متعلق سات دروازوں بہشت کے
(۸) سورہ بنی اسرائیل آیت ۴۴ متعلق سبع سموات

(۹) سورہ زخرف آیت ۷۷ ذکر ملک الموت۔

(۱۰) سورہ اعراف آیت ۷۷ (مقام اعراف کا بیان)

(۱۱) سورہ حجر آیت ۱۷ و ۳۴ (رجم شیطان)

(۱۲) سورہ صٰفّٰت آیت ۷ (ایضاً)

(۱۳) سورہ ملک آیت ۵ (ایضاً)

(۱۴) سورۂ ہود آیت ۹ (عرش پانی پر)

(۱۵) یوسف اوّل سے آخر تک

(۱۶) حضرت داؤد علیہ السلام (سورہ انبیاء۔ نمل۔ سبا۔ ص)

(۱۷) طالوت (بقرہ)

(۱۸) الفاظ طاغوت۔ جنّات عدن۔ فرقان وغیرہ

(۱۹) سورہ قٓ آیت ۳۰۔ يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ۝

(۲۰) سورہ ہود آیت ۴۰ وَفَارَ التَّنُّوْرُ

(۲۱) مؤمنون آیت ۲۷ وَفَارَ التَّنُّوْرُ

(۲۲) بقرہ رکوع ۲۳۔ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔

(۲۳) انبیاء رکوع ۷ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ۔

(۲۴) سورہ بروج آیت ۲۱ و ۲۲ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝

(۲۵) سورہ قٓ آیت اوّل۔

مندرجہ بالا فہرست کے ساتھ میں مندرجہ ذیل مضامین جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں سے اضافہ کرتا ہوں جن کا پادری ٹسڈل نے ذکر نہیں کیا۔

(۲۶) پیدائش زمین و آسمان۔

(۲۷) حضرت نوح علیہ السلام۔

(۲۸) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
(۲۹) حضرت یعقوب علیہ السلام اور آپ کی اولاد
(۳۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام
(۳۱) حضرت ہارون علیہ السلام
(۳۲) حضرت اسحٰق علیہ السلام
(۳۳) حضرت ایوب علیہ السلام
(۳۴) حضرت یونس علیہ السلام
(۳۵) حضرت لوط علیہ السلام
(۳۶) حضرت آدم علیہ السلام

مذکورہ بالا مضامین پر میں مندرجہ ذیل آیات پروفیسر نول ڈیک کے مضمون میں سے بڑھاتا ہوں جو اینسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ میں مندرج ہے۔ پروفیسر موصوف کے نزدیک یہ آیات بھی یہود سے اخذ کی گئیں۔

(۳۷) سورہ فاتحہ۔ آیت اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ زبور ۲۷۔ ورس ۱۱ سے لی گئی۔
(۳۸) سورہ مائدہ رکوع ۵ کی آیت مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًاۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا مشناہ سنہدرین باب ۴ ورس ۸ سے اخذ کی گئی۔
(۳۹) سورۂ نساء رکوع ۷ کی آیت درباره تیمم کتاب مشناه براخوت سے نقل کی گئی۔

یہ ہے فہرست اُن مضامین اور آیات قرآنیہ کی جنکے متعلق پادری صاحبان کا دعویٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سیکھیں اور قرآن مجید میں درج کیں۔ اور مَیں نے پادری ٹسڈل کی کتاب کے علاوہ دوسری کتابوں کو بھی دیکھکر حتی الوسع اس فہرست کو مکمل کیا ہے۔ اور ناظرین میں سے جن صاحبان کو اس بات کا علم ہے کہ شہر مکہ میں کوئی یہودی یا یہودی المذہب شخص آباد نہیں تھا وہ یہ معلوم کرکے حیرت میں پڑ جائیں گے کہ مندرجہ بالا مضامین فرقانی اور آیات رحمانی میں سے اکثر ایسی ہیں جو مکہ ہی میں جہاں کوئی یہودی یا یہودی المذہب شخص

نہیں رہتا تھا نازل ہوئیں۔ مندرجہ بالا فہرست میں صرف نمبر ا و ۴ و ۱۷ و ۲۲ و ۲۸ و ۳۳ و ۳۹
صرف ۶ مضامین و آیات وہ ہیں جو مکہ سے ہجرت کرنیکے بعد نازل ہوئیں۔ باقی ۳۳ آیات
و مضامین سب کے سب مکی ہیں۔ نمبر ۱۸ کے الفاظ میں سے عدن اور فرقان مکی سورتوں میں
موجود ہیں مثلاً عدن کا لفظ سورہ رعد سورہ کہف۔ سورہ فاطر میں موجود ہے جو مکی سورتیں ہیں۔
لفظ فرقان سورہ انبیاء اور سورہ فرقان میں موجود ہے اور یہ دونوں سورتیں مکی ہیں۔ اور دوسری
سورۃ کا تو نام ہی فرقان ہے۔ تمام انبیاء کے حالات پوری تفصیل کے ساتھ مکی سورتوں میں
موجود ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا بیان سورہ انبیاء۔ شعراء۔ سباء۔ اور سورہ ص میں ہے
جو سب مکی سورتیں ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات سورہ انعام۔ اعراف۔ یونس۔ ہود۔
ابراہیم۔ بنی اسرائیل۔ کہف۔ مریم۔ طٰہٰ۔ انبیاء۔ فرقان۔ شعراء۔ نمل۔ قصص۔ عنکبوت۔
سجدہ۔ صافات۔ مومن۔ حم سجدہ۔ زخرف۔ دخان۔ احقاف۔ ذاریات۔ قمر۔ مزمل۔
عبس وغیرہا میں درج ہیں اور یہ سب مکی سورتیں ہیں اور ان میں سے بہت سی سورتوں میں
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام
کے حالات بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کے ساتھ مندرجہ بالا سورتوں میں سے بعض میں موجود
ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سورہ اعراف۔ یونس۔ ہود۔ انبیاء۔ مومنون۔ فرقان۔ شعراء۔ عنکبوت۔
صافات۔ سورہ نوح اور بہت سی دیگر مکی سورتوں میں درج ہے۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یوسفؑ
اور دیگر پسران یعقوب کا بیان سورہ یوسف میں مذکور ہے اور یہ سورہ بھی مکہ معظمہ میں نازل ہوئی
حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات کے لیئے دیکھو سورہ انبیاء اور سورہ ص اور یہ دونوں سورتیں مکہ میں
اُتریں۔ حضرت یونس علیہ السلام کے حالات کے لیئے دیکھو سورہ یونس۔ انبیاء۔ صٰفّٰت۔ اور سورہ ن جو
سب مکی سورتیں ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کے تذکرہ کیلیئے دیکھو سورہ اعراف۔ ہود۔ حجر۔ انبیاء۔ فرقان۔
شعراء۔ نمل۔ عنکبوت۔ صٰفّٰت وغیرہا اور یہ سب مکی سورتیں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کے حالات کیلیئے
دیکھو سورہ اعراف۔ حجر۔ بنی اسرائیل۔ مریم۔ طٰہٰ۔ اور سورہ ص اور یہ سب سورتیں مکی زمانہ کی ہیں۔
حضرت ابراہیم۔ حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق علیہم السلام کے حالات سورہ انعام۔ ہود۔ ابراہیم۔ حجر۔
نمل۔ مریم۔ انبیاء۔ شعراء۔ عنکبوت۔ صٰفّٰت۔ ص۔ زخرف۔ ذاریات۔ اور سورہ اعلیٰ میں موجود

ہیں یہ سب سورتیں مکہ معظمہ میں نازل ہوئیں۔ حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر سورہ صٰفٰت میں ہے جو مکی سورۃ ہے۔ زمین و آسمان کی پیدائش کے بیان کیلئے دیکھو سورہ نمل آیت ۳۔ سورہ ق آیت ۳۸ سورہ رعد آیت ۳ و ۴۔ سورہ فاطر آیت ۱ و ۲۔ سورہ حم سجدہ آیت ۸-۱۱ اور یہ سب مکی آیات ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ناظرین معلوم کر سکتے ہیں کہ قرآن شریف کے جو مضامین یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اُنہیں سے اکثر یا یوں کہو کہ وہ قریباً سب مکی سورتوں میں پائے جاتے ہیں حالانکہ مکہ معظمہ میں ایک ایسا شخص بھی موجود نہ تھا جو یہودی الاصل یا یہودی المذہب ہو۔ اگر مکہ میں نازل ہوئی ہوئی سورتیں ان مضامین سے بالکل خالی ہوتیں اور یہ مضامین صرف مدنی سورتوں میں پائے جاتے تب بھی پادری لوگوں کو یہ کہنے کی کچھ گنجائش ہوتی کہ یہ اس امر کی ایک شہادت ہے کہ یہ مضامین یہود سے سُنکر یا سیکھ کر لکھے گئے کیونکہ یہود مدینہ میں آباد تھے۔ ایسی صورت میں معترضین کہہ سکتے تھے کہ چونکہ مکہ میں کوئی یہودی آباد نہیں تھا اس لئے مکی سورتوں میں ان مضامین کا نام و نشان نہیں پایا جاتا اور چونکہ مدینہ اور اُس کے قرب جوار میں بہت سے یہود آباد تھے اس لئے اُن سے سیکھ کر یہ مضامین قرآن میں درج کر دیئے گئے۔ مگر پادری صاحبان کی بدقسمتی سے یہاں تو معاملہ بالکل برعکس نکلا۔ جس شہر میں کوئی یہودی آباد نہیں تھا بلکہ جس شہر کے اُس پاس بھی دُور دُور تک کسی یہودی کا پتہ نہیں ملتا تھا اُس شہر میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ اُن مضامین سے پُر ہیں جنکو یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے یہ امر اس بات کی یقینی دلیل ہے کہ پادری صاحبان کا دعویٰ کہ یہ مضامین یہود سے سیکھے گئے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔ (باقی آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ قادیان

ایڈورڈ میموریل فنڈ:- اس فنڈ کے متعلق میں پچھلے نمبر میں تحریک کر چکا ہوں ہز آنر نواب لفٹنٹ گورنر صاحب پنجاب نے مجلس معتمدین کی تجویز متعلق یادگار پر اظہار خوشنودی فرمایا ہے اور اب وقت ہے کہ بہت جلد ہمارے احباب اسکی طرف توجہ کریں۔ ۱۵- اکتوبر تک سب جگہ انجمنیں اس کے متعلق کارروائی کر کے اطلاع دیں۔ میں اس امر کا اظہار بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک سو روپیہ چندہ اس فنڈ میں خود دیکر اس کام کیلئے عملی طور پر جماعت کو توجہ دلائی ہے

چنانچہ یہ روپیہ ۹۔ ستمبر کو وصول ہو کر انجمن کے خزانہ میں جمع ہو چکا ہے۔

عید فنڈ :۔ غالباً یہ رسالہ عید سے دو ہفتے پہلے احباب کے ہاتھوں میں پہنچ جاویگا اور میں امید کرتا ہوں کہ ہر ایک مقامی انجمن کے کارکن عہدہ دار حسب معمول اس فنڈ کی طرف جملہ احباب کو متوجہ کر کے ممنون فرماویں گے۔ عید سے کچھ دن پہلے ہر ایک انجمن میں اس کے متعلق تحریک ہو جانی چاہیئے تاکہ نماز عید کے اجتماع کے موقعہ پر روپیہ فراہم ہو جاوے بلکہ اس سے بھی بہتر ہو کہ دو دو تین تین محصل انجمن کی طرف سے مقرر ہو کر عید سے پہلے سب احباب کے مکانوں پر جا کر تحریک کریں اور چندہ وصول کریں۔ تعلیم الاسلام سکول کو جو قبولیت اسوقت اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے دی ہے اس کا عملی شکریہ احمدی جماعت کی طرف سے کم سے کم اسقدر ضرور ہونا چاہیئے کہ وہ اپنی کوششوں میں جو اس مدرسہ کی ترقی کیلئے ضروری ہیں پہلے سے زیادہ جوش کے ساتھ قدم اُٹھاویں۔ تاکہ انکی کوششیں اور بھی بڑھکر اللہ تعالیٰ کے فضل کی جاذب ہوں۔

مختار عام :۔ قریباً دو سال سے شیخ عبد الرحمن صاحب قادیانی مختار عام صدر انجمن احمدیہ کا کام کرتے تھے اور اس کام کے لیئے وہ موزون بھی تھے مگر ایک تو اس وجہ سے کہ شیخ عبد الرحمن کی ضرورت دوسرے کام کے لیئے تھی جہاں سے باہر آنے جانیکے لیئے وقت نہیں نکل سکتا چنانچہ وہ محرر اول دفتر میگزین کی اسامی پر لگائے گئے ہیں اور دوسرے اس وجہ سے کہ سپرنٹنڈنٹ دفاتر کا عہدہ جس پر حال میں ہی منشی فقیر اللہ خاں صاحب کو لگایا گیا ہے مختار عام کے کام کیلئے زیادہ موزون ہے شیخ عبد الرحمن صاحب کی بجائے مجلس معتمدین نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۰۔ اگست ۱۹۱۰ء میں بروئے رزولیوشن نمبر ۱۳۳۶ منشی فقیر اللہ خاں صاحب کو مختار عام صدر انجمن احمدیہ مقرر کیا ہے۔ لہٰذا یہ چند الفاظ عام اطلاع کے لیئے لکھے جاتے ہیں کہ آیندہ مختار عام کا کام منشی فقیر اللہ خاں صاحب کریں گے۔

تعمیر بورڈنگ ہوس :۔ میں نہایت خوشی سے احباب کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ نئے بورڈنگ ہوس کی عظیم الشان عمارت کے دو ونگ پر سوائے ایک آدھ کمرہ کے

چھت پڑ گئی ہے۔ اب صرف لکڑی کا کام باقی ہے مگر افسوس ہے کہ احباب نے ابتک اسکے چندہ کی طرف پوری توجہ نہیں کی۔ انجمنوں کے کارکن احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ پورے جوش سے اس چندہ کی وصولی کا انتظام فرماویں۔ تاکہ اگر ممکن ہو تو جلسہ سالانہ سے پہلے پہلے یہ عمارت مکمل ہو جاوے اور پھر مدرسہ احمدیہ کے بورڈنگ ہوس اور شفاخانہ کی تعمیر کے لیئے قدم اُٹھایا جاوے۔

محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان - ۱۱ ستمبر ۱۹۱۰ء

ریویو

عربی بول چال:۔ مولنا مولوی محمد عبد الحیی صاحب عرب مؤلف لغات القرآن وغیرہ نے ایک ۸۰ صفحہ کا چھوٹی تقطیع کا رسالہ عربی زبان میں تالیف کیا ہے۔ مقابل میں اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ عربی میں بول چال کی مشق کرنیکے لیئے یہ رسالہ بہت مفید ہے۔ قیمت ۲؍ ملنے کا پتہ محمد عبد الحیی عرب۔ قادیان۔

بائیبل کا پرچار:۔ مؤلفہ شیخ رحیم بخش صاحب نومسلم واعظ اسلام قادیان یہ رسالہ مسیحی مذہب کی تردید میں لکھا گیا ہے صفحہ ۲۶۔ قیمت ۱؍ مؤلف سے مل سکتا ہے۔ شیخ صاحب کو مسیحی مذہب کی تردید اور اسلام کی تائید کا بہت جوش ہے۔

ذوالفقار علی:۔ مؤلفہ مولوی قاسم علی صاحب ایڈیٹر الحق دہلی یہ کتاب نو آریہ اسنہ دیو کی کتاب نعرہ حیدری کے جواب میں لکھی گئی ہے جسمیں علاوہ اور امور کے نو آریہ کے سفرنامہ کا ایک عجیب اور ناقابل جواب طریق سے جھوٹ ہونا دکھلایا گیا ہے۔ تعداد صفحہ ۹۶۔ قیمت ۳؍ مؤلف سے مل سکتی ہے۔

بیدر گزٹ:۔ یہ ۱۴ صفحہ کا اخبار مہینہ میں چار بار بیدر ریاست نظام سے شائع ہوتا ہے اسکا مقصد اصلاح ملک و بہبودی رعایا ہے۔ یہ ایک نہایت اچھے پایہ کا اخبار ہے جو بہت سرگرمی سے اپنے کام میں معروف ہے سالانہ قیمت عوام سے ۱۲؍ کم استطاعت احباب اور طلباء سے ۱۲؍ محبان ملک و قوم کیلیئے اسکا خریدنا منفعت کا موجب ہوگا۔

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے + لو تمہیں طورِ تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنے

دُنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء | نمبر ۱۰

عام قیمت ۲ روپیہ — سالانہ طلباء سے ایک روپیہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور ۲۰ - اکتوبر ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو - حصہ سوم

یہودی سرچشمے

سلسلہ کیلئے دیکھو گذشتہ نمبر

اور صرف یہی نہیں کہ مکہ میں کوئی شخص یہودی الاصل یا یہودی المذہب آباد نہیں تھا بلکہ اس امر کیلئے بھی کسی قسم کی کوئی شہادت موجود نہیں کہ مدینہ کے یہودی مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو یہودی علوم کی تعلیم دیتے تھے۔ میور اپنی کتاب کے باب پنجم کے خاتمہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ بعثت کے ۵ سال سے ۱۰ سال تک کے واقعات پر بحث کرنیکے بعد لکھتا ہے۔ "اس زمانہ کے قریب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہودیوں کے ساتھ یا ایسے لوگوں کے ساتھ جو یہودی علوم سے واقفیت رکھتے تھے تعلقات قائم کرنیکے لیئے ضرور ذرائع میسر آگئے ہونگے۔" میور کے اس قسم کے الفاظ سے ایک انسان خیال کریگا کہ اسکو اس قدر یقین ہے کہ اس زمانہ میں یعنی بعثت کے سال پانچ سے دس سال تک کے عرصہ میں ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی لوگوں یا یہودی علوم کے ماہروں سے تعلقات قائم کر لیئے تھے۔ اس لیئے ایسے یقینی علم کی بنا ضرور کسی قطعی ثبوت پر ہوگی ورنہ میور ایسے وثوق

سے اس قسم کی رائے کا اظہار نہ کرتا۔ مگر جب ہم میور کے اگلے فقرے کو پڑھتے ہیں تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں کے پاس یعنی پادریصاحبان کے پاس اس بات کا ذرہ بھی ثبوت موجود نہیں کہ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں یا یہودی علوم کے ماہروں کے ساتھ تعلقات قائم کر لیئے تھے۔ پادری صاحبان کے نامی مورخ میور صاحب کو اس بات کا کس طرح علم ہوا کہ اس زمانہ کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے تعلق قائم کر لیئے تھے؟ اس سوال کا جواب میور صاحب خود بیان کرتے ہیں اُنکے مندرجہ بالا فقرے کا دوسرا حصہ یہ ہے ''کیونکہ اسوقت اُنکے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے) قرآن میں کثرت سے ایسے حالات بیان ہونے شروع ہو گئے جو یہودیوں کی کتابوں اور قصوں سے لیئے گئے ہیں اور اکثر اوقات یہ حالات بڑی بسط کے ساتھ (قرآن مجید میں) بیان کیئے گئے ہیں'' یہ ہے وہ زبردست ثبوت جس کی بنا پر وہ یہ یقینی رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اسوقت آنحضرتؐ کے تعلقات یہودیوں کے ساتھ یا یہودی علوم کے واقفکاروں کے ساتھ ضرور قائم ہو گئے ہونگے۔ میور صاحب کے نزدیک چونکہ وہ سورتیں جو بعثت کے پانچویں سال سے دسویں سال تک نازل ہوئیں ایسے مضامین کثرت سے اپنے اندر رکھتی ہیں جو یہودی کتب کے مضامین سے مشابہ یا مطابق ہیں اسلیئے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ضرور اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات یہودیوں وغیرہم سے قائم ہو گئے ہونگے۔ مگر میور صاحب کے اس بیان سے یہ صاف طور پر عیاں ہے کہ اُنکے پاس واقعی طور پر کوئی ایسی شہادت موجود نہیں جس سے ثابت ہو کہ فی الواقع اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلقات یہودیوں کے ساتھ قائم ہو گئے تھے۔ صرف مشابہت مضامین سے وہ یہ نتیجہ نکال رہے ہیں۔ ناظرین اغور فرماویں پادریصاحبان کے ہاتھ ثبوت سے کیسے خالی ہیں۔ اگر میور صاحب کے ہاتھ میں ذرا بھی ثبوت موجود ہوتا تو وہ اس موقعہ پر ضرور اُس کا ذکر کرتے۔ اُنکا یہ کہنا کہ چونکہ اس زمانہ کے مضامین یہودی صحف کے مضامین سے مشابہ یا مطابق ہیں اس لیئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہود سے تعلقات قائم کرنے کیلیئے ذرائع میسر آ گئے ہونگے صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ میور صاحب کے ہاتھ میں کوئی شہادت اس بات کے ثابت کرنیکے لیئے موجود نہیں۔ صرف مشابہت

دیکھکر آنکھیں دوڑا رہے ہیں۔ وہ خود مورخ ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور اُنہوں نے اسلامی تاریخ
کا خصوصیت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات کے متعلق
بڑی بڑی کتابوں کو دیکھا ہے اگر کہیں بھی انکو اس امر کا پتہ لگتا کہ یہودی مدینہ شریف سے چلکر
مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جایا کرتے تھے اور خلوت میں یا جلوت میں
یہودی تاریخ اور یہودی شریعت اور عقائد اور مسائل کے متعلق وہ لوگ آپ سے گفتگو کیا کرتے
تھے تو ضرور میور صاحب اس واقعہ پر بڑی قوت کے ساتھ پنجہ مارتے اور اس واقعہ کو اپنے
دعوے کی تائید میں بطور شہادت کے پیش کرتے۔ مگر اُنکا بیان اس بات کی شہادت دے رہا ہے
کہ اُنکے پاس کوئی بھی ثبوت اس امر کا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودان مدینہ
آیا کرتے تھے اور اپنی تاریخ اور اپنی کتابیں اور اپنے عقائد وغیرہ آپ کو سکھایا کرتے تھے۔ صرف
یہ کہدینے سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودان عرب یا عالمان کتب یہود کے ساتھ
تعلقات قائم کرنے کے ذرائع میسر آگئے ہونگے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ واقعی تعلقات
قائم کرنیکے ذرائع میسر آگئے تھے۔ اگر اس بیان سے کچھ ثابت ہوتا ہے تو صرف یہی کہ پادری
صاحبان کے پاس کوئی بھی ثبوت اس بات کا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے
ذرائع میسر آگئے تھے۔ ناظرین کو یاد رکھنا چاہیئے کہ انہی مکی سورتوں کے مضامین کے
متعلق ہی میور اور راڈول صاحبان لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں سے
تعلیم حاصل کرنے اور اُس تعلیم کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے اور فصیح بلیغ سورتوں میں
اُن حاصل کردہ معلومات کو آراستہ کرنے میں بڑا وقت اور بڑی محنت اور بہت سا غور
و فکر خرچ کرنا پڑتا ہوگا۔ ان صاحبان کے پاس اس بات کا تو کوئی ثبوت نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو یہودان مدینہ سے تعلقات قائم کرنیکے لیئے ذرائع میسر آگئے تھے پھر بھی وہ بڑے
دعوے سے کہتے ہیں کہ ان تعلیمات کے حاصل کرنے اور انکو حفظ کرنے اور قرآنی سورتوں میں
ڈھالنے کیلیئے آپ کو بہت وقت خرچ کرنا پڑتا تھا۔ تحقیق اسی کا نام ہے۔ کوئی ثبوت ہاتھ
میں نہیں۔ کوئی شہادت ان لوگوں پاس نہیں جس سے ثابت ہو کہ آپ کو ایسے تعلقات
قائم کرنیکے ذرائع حاصل ہوگئے تھے اور نہ کوئی دلیل اس بات کے یقین کرنے کے لیئے

ان لوگوں کے پاس سے ہے کہ آپ اس کام پر بہت سا وقت خرچ کیا کرتے تھے۔ وہ کونسی کوٹھری تھی یا وہ کونسی وادی تھی جہاں آپ یہودی لوگوں یا یہودی علوم کے عالموں سے ملاقات کیا کرتے تھے اور گھنٹوں تک اُن کے پاس بیٹھکر یہودی تاریخ کی تفصیل اور یہودی مسائل کی کیفیت اُن سے سُنا کرتے تھے۔

ٹسڈل صاحب تین اشخاص کا نام لیتے ہیں جن کی نسبت وہ لکھتے ہیں کہ وہ یا تو خود یہودی تھے یا یہودی مذہب رکھتے تھے۔ وہ نام یہ ہیں۔ عبداللہ بن سلام۔ حبیب بن مالک اور ورقہ بن نوفل۔ ان تین اشخاص میں سے صرف تیسرا آدمی مکہ کا باشندہ تھا۔ مگر ٹسڈل صاحب کی بد قسمتی سے نہ تو وہ خود یہودی تھا اور نہ یہودی مذہب رکھتا تھا۔ ہاں اُس کی نسبت یہ لکھا ہے کہ اُس نے بُت پرستی چھوڑ کر مسیحی مذہب اختیار کر لیا تھا مگر پیشتر اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نبی ہونیکا اعلان فرمایا وہ اس عالم سے رحلت کر چکا تھا ہاں جب اُس نے اپنی زندگی میں یہ سُنا تھا کہ غار حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر خدائے تعالیٰ کا فرشتہ ظاہر ہوا ہے تو وہ اس بات پر ایمان لایا تھا کہ آپ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی ہو کر ظاہر ہونیوالے ہیں۔ مگر وہ اسکے بعد جلدی ہی فوت ہو گیا۔ اس لئے اگرچہ وہ اُن لوگوں میں سے ہے جو سب سے اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائے مگر اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے قول کے مطابق یہودی تاریخ اور یہودی مذہب کا منصل علم حاصل کیا۔ ہمارے پاس اس امر کیلئے ذرہ بھی شہادت موجود نہیں کہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ورقہ کے پاس یہودی علوم سیکھنے کے لئے اور یہودی تاریخ سے واقفیت حاصل کرنیکے لئے تشریف لے گئے ہوں۔ علاوہ ازیں میور تو کہتا ہے کہ آپ کی بعثت سے قریباً ۵ سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودی لوگوں یا یہودی علوم کے عالموں سے تعلقات قائم کرنیکا موقعہ حاصل ہوا ہوگا مگر ورقہ تو اس سے ایک دراز عرصہ پہلے فوت ہو چکا تھا اور پھر اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ورقہ یہودی تاریخ اور یہودی عقائد اور یہودی علوم سے ایسی ہی گہری واقفیت رکھتا تھا جیسی کہ قرآن مجید کے مضامین سے پائی جاتی ہے۔

علاوہ ازیں مکی سورتوں میں۔ بہت سے انبیاءؑ کے حالات ایسی باریک تفصیل کے ساتھ بیان کیئے گئے ہیں اور قرآن شریف کی بعض آیات ایسی لفظ بہ لفظ یہودی صحف سے تطابق رکھتی ہیں کہ انکی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ صرف زبانی بات چیت میں آنحضرتؐ نے ان تفصیلات اور ان فقرات کو سیکھ لیا۔ انبیاءؑ کے حالات کی تفصیلات کو مَیں یہاں درج نہیں کرسکتا مگر بعض اُن فقروں کو بطور نمونہ یہاں درج کرتا ہوں جو یہودی کتب کے فقرات سے ایسے مشابہ ہیں کہ انکی نسبت دو ہی صورتیں متصور ہوسکتی ہیں۔ یا تو وہ یہودی صحیفے اور اُن کے وہ خاص مقامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کتابیں کھولکر مکہ معظمہ میں پڑھے گئے۔ یا وہ فقرے بذریعہ وحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ زبانی گفتگو کے ذریعہ وہ فقرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔

(۱) پادری صاحب صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں۔ کہ قرآن مجید کی پچاسویں سورہ کے سر پہ جو حرف ق ہے وہ یہودیوں کی ایک کتاب سے لیا گیا۔ جس کا نام حگیگاہ ہے پیدائش باب اوّل ورس ۲ میں جو لفظ تُوھُو ہے کتاب حگیگاہ باب ۱۱۔ ورس ۱ میں اس لفظ کی تفسیر میں لکھا ہے "تُوھُو قاو سبزے است کہ تمام تمام جہاں را احاطہ مے کند کہ تاریکی ازاں جا درمے شود" پادری صاحب لکھتے ہیں کہ لفظ قاو کے معنے عبرانی میں خط یعنی لکیر کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے یہ فقرہ یہود سے سنا اور لفظ قاو کو نہ سمجھا اور چونکہ اُن کو یہ معلوم نہیں تھا کہ لفظ قاو کے معنے ہیں خط یا شاقول۔ انہوں نے گمان کیا کہ جس چیز نے تمام دنیا کو گھیرا ہوا ہے وہ ضرور اونچے پہاڑوں کا لمبا سلسلہ ہوگا۔ اس لیئے اُس پہاڑ کا نام پچاسویں سورہ کے سر پر رکھدیا گیا اور چونکہ وہ عبرانی خوب نہیں سمجھتے تھے اسلیئے بجائے قاو کے قاف لکھدیا۔ ہم تھوڑی دیر کے لیئے پادری صاحب کے جھوٹ کو سچ فرض کر لیتے ہیں۔ اور پھر اُس پر غور کرتے ہیں۔ ناظرین کو معلوم ہوگا کہ سورہ ق مکی سورۃ ہے۔ اگر فرض کر لیا جاوے کہ پادری صاحب نے جھوٹ نہیں بولا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی مدینہ سے مکہ میں اکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی کتابیں کھولکر پڑھا کرتے تھے اور ایک دفعہ انہوں نے کتاب حگیگاہ کا گیارہواں باب بھی آپ کو سُنایا تھا مگر چونکہ آپ عبرانی نہیں سمجھتے تھے

اس لیئے آپ نے غلطی سے قاؤ* کو قاف سمجھا اور وہ چیز جو دراصل ایک لکیر تھی اسے بلند پہاڑوں کا ایک لمبا سلسلہ سمجھ لیا اور چونکہ آپ کا یہ عقیدہ تھا کہ جو کچھ یہودیوں کی کتابوں میں لکھا ہے وہ سب خدا کا کلام ہے اس لیئے آپ نے اس پہاڑ کا نام اُٹھا کر ایک سورہ کے سر پر رکھ دیا۔ اس قصہ کی بیہودگی اور لغویت کو نظرانداز کر کے میں پادری صاحب سے پوچھتا ہوں کہ کیا اُن کے پاس اس امر کی کوئی شہادت ہے کہ مدینہ کے یہودی مکہ میں جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتابیں اصل عبرانی زبان میں پڑھ کر سُنایا کرتے تھے۔ پادری صاحب! یہودانِ مدینہ کا مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر مذہبی تذکرے کرنا ہی ثابت نہیں۔ آپ کو یہ کس طرح علم ہو گیا کہ وہ مکہ میں جا کر اپنی کتابیں بھی آپ کے سامنے کھولتے اور پڑھ کر سُناتے تھے۔ پادری صاحب تو یہ بھی ثابت نہیں کر سکتے کہ مدینہ کے یہودیوں کے پاس حگیگاہ کتاب موجود تھی اور اُنکو اُس کے مضامین کا علم تھا۔ ناظرین پادری صاحب کی اس بیہودہ رام کہانی کو دیکھیئے ایسے ہی ثبوتوں کی بنا پر آپ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے قرآن مجید کا زمینی سرچشموں سے نکلا ہوا ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

(۲) پادری صاحب صفحہ ۱۰۶ پر لکھتے ہیں کہ قرآن کی آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ زبور ۳۷ ورس ۱۱ سے اخذ کی گئی جہاں لکھا ہے "لیکن وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے"۔ اس آیت کریمہ کے متعلق بھی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو خدائے تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ آپ پر یہ آیت نازل ہوئی یا کسی یہودی عالم نے مکہ میں آکر ۳۷ زبور آپ کے سامنے پڑھا اور اُس زبور کو سُنکر آپ نے یہ آیت چُن لی۔ مگر مکہ میں آکر ۳۷ زبور کا پڑھکر سُنانا تو کجا پادری صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مکہ میں یہودیوں کا آنا اور مذہبی تذکرے کرنا بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ اس لیئے سوائے اسکے اور کوئی راہ نہیں کہ اس آیت کریمہ کو وحی الٰہی مانا جاوے۔

(۳) ینابیع کے صفحہ ۱۰۳ پر آپ لکھتے ہیں کہ قرآنی آیت و فار التنور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی کتاب روش ھشاناہ کے باب ۶ کی آیت ۲ اور کتاب سنھدرین

*نوٹ: پادری صاحب بتلائیں کہ یہودیوں نے لفظ قاؤ کا عربی میں ترجمہ کیوں نہ کیا تا یہ مغالطہ پیدا نہ ہوتا۔ منہ۔

فصل ۸، ۱ سے اخذ کی جہاں لکھا ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم آب جوش دار یعنی اُبلتے ہوئے پانی کے ذریعہ ہلاک کی گئی۔

(۴) پادری صاحب صفحہ ۱۰۳ پر لکھتے ہیں کہ قرآنی آیت یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَأْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ (سورہ ق) یعنی ہم اُس دن جہنم سے کہیں گے کیا تو پُر ہوگیا اور وہ جواب دیگا کہ کیا کچھ اور ہے اُوتیوت دِربّی عقیباہ سے لی گئی جہاں لکھا ہے کہ امیر جہنم ہر روز یہ آواز دے گا کہ مجھے غذا دو تا میں سیر ہو جاؤں۔

(۵) سورہ حجر کی آیت اِسْتَرَقَ السَّمْعَ پادری صاحب کے خیال میں کتاب حگیگاہ باب ۱۶ فصل اوّل سے لی گئی جہاں لکھا ہے کہ جن ہا از عقب پردہ مے شنوند یعنی جن پردہ سے پیچھے غیب کی خبریں آسمان پر جا کر سنتے ہیں (ینا بیع صفحہ ۱۰۳)

(۶) سورہ اعراف کی آیت وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ پادری صاحب کے گمان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدراش سے اخذ کی جہاں کتاب جامعہ باب ۷ آیت ۱۴ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جہنم اور جنت کے مابین ایک دیوار ہے۔ (ینابیع صفحہ ۱۰۲)

(۷) سورہ ہود کی آیت كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ پادری صاحب کے زعم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راشی نام یہودی مفسر سے اخذ کی جس نے کتاب پیدائش کی تفسیر میں لکھا ہے کہ کرسی جلال در ہوا قائم بود و بر روئے آبہا حرکت کرد (ینابیع صفحہ ۱۰۱)۔

(۸) داروغہ جہنم کا خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پادری جی کے خیال کے بموجب یہودیوں سے سیکھا جو ایک امیر جہنم کو مانتے ہیں (ینابیع صفحہ ۱۰۲)

(۹) سورۂ اعراف کی آیت وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پادری صاحب کے قول کے بموجب کتاب عبودہ ساراہ باب ۲ فصل ۲ سے اخذ کی جہاں لکھا ہے کہ پوشانیدم من بر شما کوہ را کہ گویا آں سرپوشے بود یعنی میں نے

تمہارے سروں پر پہاڑ کو سرپوش کی طرح کھڑا کر دیا۔ (ینابیع صفحہ ۹۷)

(۱۰) پروفیسر نول ڈیک کے قول کے بموجب آیت اھدنا الصراط المستقیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبور ۲۷ ورس ۱۱ سے اخذ کی جہاں لکھا ہے "اے خداوند مجھ کو اپنی راہ بتا اور میرے دشمنوں کے سبب مجھے اُس راہ پر جو برابر ہے چل"۔

مندرجہ بالا ساری آیات جن کا لفظی تطابق یہودی کتب کے فقرات کے ساتھ دکھایا گیا ہے سب مکی آیات ہیں۔ انکی نسبت پادری صاحبان کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ فقرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے سیکھے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا واقعات ایسے خیال کی تائید کرتے ہیں۔ کیا پادری صاحبان اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت پیش کر سکتے ہیں۔ ان سوالات کا جواب سوائے نفی کے نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان فقرات کو مذکورہ بالا کتب یہود سے صرف اُسی صورت میں لے سکتے تھے جب یہ کتابیں آپ کی رسائی میں ہوتیں۔ مگر کوئی مسیحی خواہ وہ کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو یہ کہنے کی جرأت نہ کرے گا کہ مکے کے شہر میں یہ کتابیں آپ کی رسائی میں تھیں۔ یہ صرف عام کہانیاں نہیں جو زبانی بول چال کے ذریعہ حاصل ہو سکتی تھیں۔ یہ ایسے فقرات ہیں جن میں سے اکثر یہودیوں کی کتابوں سے لفظ بہ لفظ ملتے ہیں۔ اور یہ فقرات صرف دو طریق سے ہی آپ ان یہودی کتب سے حاصل کر سکتے تھے یا تو خود آپ ان کتابوں کو پڑھتے یا کوئی یہودی عالم ان کتابوں کو آپ کے سامنے پڑھتا مثلاً قرآن مجید کی آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ کا زبور کی آیت "وے جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے" سے مقابلہ کرو۔ اب اس آیت کے متعلق مسیحی صاحبان کا یہ قول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت بذریعہ وحی نہیں نازل ہوئی بلکہ آپنے یہود سے سیکھی۔ خوب۔ ہم پادری صاحبان کے اس دعویٰ کو قبول کرنیکے لیئے بالکل تیار ہیں۔ صرف ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں کہ یہ آیت کس طرح آپنے یہود سے حاصل کی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود زبور کی کتاب اوّل

سے آخر تک یا اس کا ایک حصہ پڑھا اور اُس میں سے زبور ۳۷ کی آیت ۱۱ کو قرآن شریف میں درج کرنے کیلئے منتخب کرلیا یا کیا مسیحی صاحبان کو اس بات کا علم ہے کہ زبور کی کتاب کوئی یہودی عالم آپکے پاس مکہ معظمہ میں لے آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ کتاب آپکو سُنائی اور اُس میں سے آپنے باب ۳۷ کی آیت ۱۱ پسند فرمالی اور اس کو قرآن مجید میں داخل کردیا۔ کوئی مسیحی یہ ثابت نہیں کرسکتا کہ یہودی عالم آپکے پاس مکہ میں آکر زبور کی کتاب یا دیگر کتابیں جن کے نام اوپر درج ہوچکے ہیں سنایا کرتے تھے اور یہ کہ آپنے مذکورہ بالا آیات اُن کتابوں سے منتخب فرمالیں۔ جب عالم یہودیوں کا اپنی کتابیں لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا تو کجا۔ جاہل یہودیوں کا بھی مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اور مذہبی تذکرے کرنا مسیحی صاحبان ثابت نہیں کرسکتے۔ تو پھر یہ کسطرح خیال میں آسکتا ہے کہ بہت سے گمنام فقرے جو یہودیوں کی گمنام کتابوں کے اندر مُردوں کی طرح مدفون ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کتابوں میں سے وہ فقرے نکالکر قرآن مجید میں داخل کرلیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کتابوں سے فقروں کا حاصل کرنا تو الگ رہا کوئی مسیحی یہ بھی ثابت نہیں کرسکتا کہ یہ سب کتابیں خود یہودان مدینہ کے پاس موجود تھیں اور وہ ان کے مضامین سے پوری واقفیت رکھتے تھے۔ غرض پادری صاحب کا یہ دعویٰ کہ میں نے قرآنی مضامین کا یہودی کتب سے نکلا ہوا ہونا اظہر من الشمس کردیا ہے بالکل غلط ہے۔

پروفیسر نول ڈیک لکھتا ہے کہ مندرجہ بالا فقروں کے اخذ کرنے کے لیئے اُن کتابوں کا میسّر ہونا ضروری نہیں۔ معمولی گفتگو میں آسانی سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے فقروں کو اخذ کرسکتے تھے۔ پروفیسر صاحب کی قابلیت کا پورا لحاظ رکھتے ہوئے میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ (۱) آیا مندرجہ بالا فقرے اس قسم کے ہیں کہ وہ عام طور پر ہر ایک یہودی کی زبان پر جاری رہتے ہوں تاکہ یہ کہا جاسکے کہ عام گفتگو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یہ فقرات سن لیئے تھے (۲) کیا مکہ میں ایسے یہود آباد تھے جو اپنی کتابوں میں پوری دسترس رکھتے تھے کیونکہ یہ فقرات مکی سورتوں میں پائے جاتے ہیں۔

(۳) اگر مکہ میں موجود نہیں تھے تو کیا اس امر کا کوئی ثبوت ہے کہ مدینہ کے یہود کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد و رفت رکھتے تھے اور ایسی آمد و رفت رکھنے والے عالم یہودی تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اکثر اوقات مذہبی گفتگو میں مصروف رہتے تھے۔ (۴) کیا مدینہ کے یہود خود ان کتابوں میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ ہر ایک شخص جو ان فقرات پر نظر ڈالے گا وہ اس بات کا اقرار کرے گا کہ یہ ایسے فقرے نہیں جو سرسری بات چیت میں آسانی سے اخذ کیے جا سکیں۔ اور اسلامی تاریخ کا ہر ایک طالب علم اس بات کی گواہی دے گا کہ مکہ معظمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیرونی یہودیوں کی کثرت آمد و رفت اور کثرت سے یہودیوں کے ساتھ مذہبی گفتگو کا ہونا یہ ایسے امر ہیں جن کے ثبوت میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں غرض اُن مضامین میں سے جو یہودی سرچشموں کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اکثر مضامین کا مکی سورتوں میں ہونا مسیحی معترضین کے لیے ایک تیز کلہاڑا ہے جو اُنکے اعتراض کو بیخ و بن سے کاٹ دیتا ہے اور پھر ایسی آیات کا وجود جو اُنکی کتابوں کے گمنام فقروں سے لفظی تطابق رکھتی ہیں جبکہ لفظی تطابق کا کوئی زمینی ذریعہ موجود نہیں تھا یہ ایک ایسا امر ہے جو اُن کے زعم فاسد کو پاش پاش کر دیتا ہے اور اس بات کے لیے ایک زبردست شہادت ہے کہ یہ عالم الغیب خدا کا کلام ہے کسی انسان کی بناوٹ نہیں۔

آخر میں مَیں اُن چند مدنی مضامین کی طرف رجوع کرتا ہوں جو پادریوں کے زعم کے مطابق یہودی سرچشموں سے اخذ کیے گئے۔ مدنی مضامین کے متعلق بھی مسیحیوں کے اعتراض کی بیہودگی مندرجہ ذیل وجوہات سے ظاہر ہے۔

اوّل۔ جب مکہ معظمہ میں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی بھی موجود نہ تھا خدائے تعالیٰ ایسے مضامین کثرت سے اور پوری تفصیل کے ساتھ وحی کر سکتا تھا جنکا پتہ پادری صاحبان ہمیں یہودی کتب میں دیتے ہیں تو کیا وہی خدا مدینہ میں چند ایسے مضامین اور فقرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ وحی نازل

نہیں کرسکتا تھا۔ جب مسیحیوں کے ۹۳ پیش کردہ مضامین و آیات میں سے ۳۳ کے
متعلق یہ دکھایا جاچکا ہے کہ وہ بغیر یہودیوں کی مدد کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بذریعہ
وحی نازل ہوئے تو باقی ۶۰ کے متعلق یہودیوں کی امداد کی کیا ضرورت تھی۔

دوم۔ مدینہ میں جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دعویٰ میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔
جیسا کہ مکہ میں آپ نے یہ دعویٰ فرمایا کہ میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے نبی ہوں اور جو کچھ مجھ پر
نازل ہوتا ہے وہ خدائے تعالیٰ کی خاص وحی ہے اور پھر جیسا کہ آپ مکہ کے بت پرستوں کو
اسلام کی طرف بلاتے تھے اسی طرح آپ نے مدینہ کے یہود کو اس بات کی دعوت کی کہ وہ
آپ کی نبوت پر ایمان لاویں اور قرآن شریف کو خدائے تعالیٰ کا کلام مانیں تو پھر ایسی
صورت میں آپ کس طرح اُن کی شاگردی اختیار کرسکتے تھے۔ پادری ٹسڈل لکھتا ہے
کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود یہود کی کتابیں نہیں پڑھ سکتے تھے تو کیا آپ اُن سے
زبانی طور پر اُن کی مذہبی باتیں استفسار بھی نہیں کرسکتے تھے۔ میں اس سوال کے
جواب میں کہتا ہوں کہ ہاں آپ اُن سے زبانی بھی مذہبی باتیں استفسار نہیں کرسکتے
تھے کیونکہ یہ امر آپ کی شان سے بعید تھا۔ آپ اُنکے لئے معلم اور ہادی ہوکر گئے
تھے اور آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ میں کسی بات میں تمہارا محتاج نہیں کیونکہ ہر ایک ضروری بات
خدائے تعالیٰ خود مجھے سکھاتا ہے۔

سوم۔ مدینہ کے یہود آپکے دوست نہیں تھے بلکہ آپکے جانی دشمن تھے اُن کے دل حسد سے
بھرے ہوئے تھے۔ اُن میں سے بعض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گاہی گاہی
آتے تھے مگر قرآن شریف سے ظاہر ہے کہ وہ آکر بھی شرارتیں ہی کرتے تھے وہ فاسد نیت کے
ساتھ آتے اور بُغض کی آگ دل میں لیکر اُٹھتے۔ میور لکھتا ہے کہ مدینہ کے یہود آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہمیشہ تکلیف کا ذریعہ تھے اور آ آ کر آپ کا سوالات کے ذریعہ
امتحان کرتے تھے (دیکھو لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۱۷۹)۔ پھر ایسے لوگوں
کی نسبت کسطرح کہا جاسکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید کا مصالح جمع
کیا کرتے تھے۔

چہارم۔ مدنی سورتوں میں یہودانِ عرب اور یہودیوں کے بڑوں کی بدکرداریوں اور اُن کے اُن فعلوں کا کثرت سے ذکر ہے جن کی وجہ سے خدائے تعالیٰ کی لعنت اُن پر وارد ہوئی۔ پادری صاحبان بتلائیں کہ کیا مدینہ کے یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے بزرگوں کے بدافعال ہی آکر بیان کیا کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کا مصالح انہی یہودیوں سے حاصل کیا تھا اور آپ اُن کے ممنون تھے تو پھر کس طرح آپ اُنکی ایسی سخت مذمت کر سکتے تھے جیسی کہ مدنی آیات میں پائی جاتی ہے۔

پنجم۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے سیکھ کر مضامین جمع کیے تھے اور پھر اُنکو وحی الٰہی ظاہر کر کے اپنے شاگردوں میں شائع کیا تھا تو کیوں مدینہ کے یہود باوجود اپنی سخت عداوت اور بغض اور حسد کے خاموش رہے اور کیوں اُنہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ جس چیز کا نام یہ نبی وحی ظاہر کرتا ہے وہ اُس نے ہم ہی سے سیکھی ہے۔ حالانکہ وہ چاہتے تھے اور ہر وقت اس کوشش میں مصروف رہتے تھے کہ کسی طرح لوگ اس نبی کو قبول نہ کریں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ خاموش رہے اور اصل حقیقت کا افشا کر کے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ نہ کیا۔

ششم۔ اگر یہ کہا جاوے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عام یہودیوں سے یہ معلومات حاصل نہیں کیے تھے بلکہ جن دو تین یہودیوں نے اسلام قبول کیا تھا اُن سے یہ معلومات حاصل کیے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک نبی ہرگز اپنے شاگردوں سے اس قسم کی سازش نہیں کر سکتا کہ اُن سے خفیہ طور پر معلومات جمع کر کے پھر عام لوگوں میں اُن کو وحی الٰہی کہکر شائع کرے اور نہ ایسے شاگرد اُس نبی کو نبی مان سکتے ہیں۔ ضروری ہے کہ وہ ایسے نبی سے جلدی برگشتہ ہو جاویں اور اُس کا سارا راز افشا کر کے اُس کی جھوٹی دوکان کا خاتمہ کر دیں۔ غرض اس سے زیادہ کوئی خیال بیہودہ نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دو تین یہودی نومسلموں سے جو آپ پر ایمان لائے تھے اور جنہوں نے آپ کو نبی آخر زمان مانا تھا معلومات حاصل کر کے اُس کا نام وحی رکھا اور لوگوں میں اُس کو بطور وحی الٰہی کے شائع کیا۔ اُن یہودیوں کا آخر دم تک مومن رہنا اس بات کی شہادت ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے اس قسم کی کوئی امداد نہیں لی۔

ہفتم۔ علاوہ ازیں اُن مدنی مضامین میں جن کو یہودی پیشروں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے ایسے فقرات ہیں جو یہودی کتب سے لفظ بلفظ مطابقت رکھتے ہیں اور اُن کی نسبت دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو یہودیوں کی اصل کتابوں میں سے لفظ بہ لفظ نقل کیئے گئے ہوں یا بذریعہ وحی الٰہی آپ پر نازل ہوئے ہوں۔ مگر کوئی مسیحی ثابت نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کتابوں کو خود پڑھا یا کسی یہودی عالم نے آپکے سامنے وہ کتابیں پڑھکر سنائیں۔ اُن میں سے دو تین فقرے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

(ا) پادری صاحب صفحہ ۷۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ سورہ مائدہ کی آیت مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا مشناہ سنہدرین۔ باب ۴ آیت ۵ سے لفظ بلفظ نقل کی گئی ہے جہاں پیدائش باب ۴ ورس ۱۰ کی تفسیر میں لکھا ہے "بنابرایں انسان بہ تنہائی آفریدہ شد برائے آزمودن تو کہ ہر کہ ہلاک کرد یکنفسے از اسرائیل را کتاب بروئے حساب شرا مینماید کہ گویا ہمہ عالم را ہلاک کردہ باشد و ہر کہ یک نفسے از اسرائیل را زندہ کرد کتاب بروئے حساب شرا مے نماید کہ گویا ہمہ عالم را زندہ کردہ باشد۔ یعنی جس نے ایک اسرائیلی کو قتل کیا گویا اُس نے کل عالم کو قتل کیا اور جس نے ایک اسرائیلی کو زندہ کیا گویا اُس نے کل عالم کو زندہ کیا۔

(ب) صفحہ ۷۰ پر آپ لکھتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۸۳ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشناہ براخوت باب اوّل فصل دوم سے نقل کی جہاں لکھا ہے کہ شروع روز ہماندم است کہ دراں کسے مے تواند مابین نخ نیل رنگ و نخ سفید تمیز دہد یعنی دن اُس وقت شروع ہوتا ہے جب کہ نیلے اور سفید دھاگے میں

تمیز ہو سکے۔

(ج) سورہ نساء کی آیت تیمم بقول پروفیسر نول ڈیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب براخوت کے ۱۵ باب میں سے اخذ کی۔

اب اس قسم کی آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہود سے صرف دو صورت میں لے سکتے تھے۔ یا تو آپ نے خود ان کتابوں کو مطالعہ کیا ہوتا اور اُن میں سے یہ آیات انتخاب کر لی ہوتیں یا کسی یہودی عالم نے یہ کتابیں آپ کو پڑھ کر سنائی ہوتیں۔ مگر مسیحی صاحبان ان دونوں صورتوں میں سے ایک صورت بھی ثابت نہیں کر سکتے بلکہ پادری ٹسڈل صاحب تو فرماتے ہیں کہ یہودانِ عرب علم عبرانی سے بے بہرہ تھے جب یہ حال تھا تو اُن کو ان تفاسیر کے اندر دبی ہوئی آیات کا کس طرح علم ہو گیا۔ یہ کوئی کہانیاں نہیں جو اُن کے نوک زبان ہوں اور باتوں باتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے سیکھ لی ہوں۔ ان آیات کا شان نزول بھی پادریوں کے دعوے کے بطلان کو واضح کر رہا ہے۔ مثلاً آیت تیمم سفر میں نازل ہوئی۔ جبکہ حضرت عائشہؓ کا ہار ٹوٹ کر گر گیا اور جنگل میں جہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں کو قیام کرنا پڑا۔ اُس وقت لوگ حیران تھے کہ کیا کریں۔ بعض نے بلا وضو نماز بھی ادا کر لی۔ اُس وقت آیت تیمم نازل ہوئی۔

اب مَیں پادری صاحبان سے پوچھتا ہوں کہ وہاں جنگل میں کونسا یہودی آپ کے پاس تھا جس سے آپ نے یہ مسئلہ تیمم کا سیکھا۔ اگر کسی یہودی نے عام لوگوں کے سامنے یہ مسئلہ آپ کو سکھایا تھا تو چاہیئے تھا کہ آپ کے صحابہؓ کو بھی اس مسئلہ کا آیت تیمم کے نزول سے پہلے علم ہوتا مگر صحیح بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی صحابی کو اس آیت کے نزول سے پہلے اس مسئلہ کا علم نہ تھا اور یہ کہنا محض فضول گوئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت میں کسی یہودی عالم کو بلا کر یہ مسئلہ سیکھا تھا اور جب اب جنگل میں ناگہانی طور پر ایک ایسا موقعہ آیا تو اُس وقت آپ نے یہ ظاہر کیا کہ یہ مسئلہ مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوا ہے اور اب اسی وقت میرے پر خدائے تعالیٰ کا

کلام نازل ہوا ہے پہلے مجھے اس مسئلہ کا علم نہ تھا - جب اس آیت کا اعلان مدینہ میں ہوا تو کیوں اُس یہودی عالم نے یہ کہا کہ یہ مسئلہ تو میں نے سکھایا تھا - یہ تو لوگوں کو برگشتہ کرنے کا عمدہ موقعہ تھا - کیوں اس سے یہودی مخبروں نے فائدہ نہ اُٹھایا اگر وہ یہودی عالم کوئی شاگرد تھا تو وہ اس اعلان کے بعد کہ یہ آیت خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مسئلہ کا پہلے علم نہ تھا کیوں اسلام سے برگشتہ نہ ہوا - افسوس ان مسیحیوں پر جو اپنا اُلّو سیدھا کرنے کے لیے راستبازوں کو جعلساز ٹھہراتے ہیں - افسوس ان کی تحقیقات پر جس کی تائید میں انکو خواہ مخواہ بیگناہ لوگوں کو گنہگار کہنا پڑتا ہے - المرء یقیس علی نفسہ چونکہ اپنے لیئے یہ ہر ایک کارروائی جائز کر لیتے ہیں اس لیئے سمجھتے ہیں کہ دنیا میں ہر ایک شخص ایسا ہی کرتا ہے - ان کے اعتراض کے اس تحقیقی جواب کے بعد ہم ان کو ایک دوسرا جواب بھی دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ لعنت اللہ علی الکاذبین ؛

چوتھے حصے میں انشاء اللہ تعالیٰ مسیحی پیشگوئیوں پر بحث کی جائیگی -

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم -

اسلام کی اشاعت برّاعظم افریقہ میں -

دنیا کے مختلف حصص مثلاً امریکہ اور ایڈنبرا میں حال میں مسیحی لوگوں کی کئی ایک کانفرنسیں - اور کانگریسیں وغیرہ قائم ہوئی ہیں اور اُن کے اجلاسوں کی رپورٹوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی صاحبان نے اب یہ عزم کر لیا ہے کہ کُل دنیا کو اسی قرن میں مسیحی بنا دیں - اگر ناظرین کو اس امر میں کچھ شبہ ہو تو وہ ایک مشنری کانگریس کی مندرجہ ذیل کارروائی کو ملاحظہ فرما دیں جو شہر شکاگو کے اخبار ایگزیمینر مورخہ ۵ مئی سنہ ۱۹۱۰ء میں - سے یہاں نقل کی جاتی ہے - اُس روئداد کا عنوان یہ ہے -

"مشنری لوگ دنیا کو عیسائی بنانے کا ذکر کرتے ہیں -

ہندوستان - افریقہ - ٹرکی - اور ایران میں اپنی کارروائی کا بیان کرتے ہیں۔
ہر ایک مسیحی مشن کے لیڈر کل نسلِ انسان کے آگے صلیب پیش کرنے کے واسطے ایک عالمگیر جنگ کا نقشہ کھینچتے ہیں"

اس عنوان کے نیچے اخبار مذکورہ کا ایڈیٹر لکھتا ہے "چار ہزار سے زیادہ مسیحی سپاہی - پرجوش - سرگرم - مستقل مزاج لوگ جنہوں نے دنیا میں کچھ کام کیا ہے۔ جج - وکیل - تاجر ہر ایک پیشہ کے لوگ - پادریوں - واعظوں اور مشنریوں کے پہلو بہ پہلو - جنہوں نے اس سے پہلے بھی مسیحی جنگ میں ایک نامی حصہ لیا ہے - اور زیادہ جنگ کرنیکے لیئے بھی مستعد ہیں - اس قسم کے لوگ تھے جو مینز نیشنل مشنری کانگرس کے اجلاس میں موجود تھے - جو اسی قرن میں دنیا کو عیسائی بنانے پر تُلے ہوئے ہیں"

ایک کنوینشن میں جو شہر نیو یارک میں قائم ہوئی ایک تقریر کرنیوالے نے بیان کیا - "ہمارے لیئے یہ ایک خوشی کا مقام ہے کہ ہم ایک ایسے زمانہ میں رہتے اور کام کرتے ہیں جس میں ہمیں اس قدر فتوحات حاصل کرنے کا وسیع موقعہ حاصل ہے وسیع دنیا ہمارے آگے کھلی ہے - قوموں تک پہنچنے کے ذریعے ہمیں میسّر ہیں - دنیا کی قومیں ہمارا انتظار کر رہی ہیں" ایک اور تقریر کرنیوالے نے بیان کیا "عظیم الشان موقعوں کے لیئے عظیم الشان انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے - خدا کرے کہ کلیسیا کو اُسکے تبلیغ کے کام میں وہ عظیم الشان لیڈر میسّر آجاویں جن کے ذریعہ مذہبی دنیا کی اس آخری جنگ میں کلیسیا کو آخری فتح نصیب ہو" ایک اور مقرر نے اسی کنونشن یعنی سٹوڈنٹ والنٹیر مُوْومینٹ کنوینشن کے اجلاس میں بیان کیا کہ " اس کنونشن کی ایک ہی غایت اور اُسکا ایک ہی مقصد ہے اور وہ کُل دنیا کو اسی قرن میں عیسائی بنانا ہے"

مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہے کہ نہ صرف مسیحی مشنری بلکہ عام مسیحی لوگ ہر ایک درجہ اور ہر ایک فرقہ اور پیشہ کے اس بات پر تُلے ہوئے ہیں کہ کُل غیر مسیحی دنیا کو مسیحی بنایا جاوے اور وہ بھی اسی زمانہ میں - اُن کے نزدیک یہ آخری جنگ ہے اور

انہوں نے یہ مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ اس کشت وخون میں صلیب کے لیئے فتح حاصل کرنے کے واسطے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا جاوے۔ انہوں نے یہ بھی ٹھان لیا ہے کہ کُل دنیا میں یسوعی جھنڈا کھڑا کرنیکے لیئے باہمی تفرقوں کو بھی بالکل فراموش کردیا جاوے۔ ہر ایک فرقہ کے مسیحی ایک ہی جھنڈے کے نیچے لڑنے مرنے کو تیار کھڑے ہیں تاکہ یسوع کی فتح ہو اور دنیا کے ہرایک گوشہ میں صلیبی جھنڈا لہرائے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے مسیحی مشنری جمع ہوتے ہیں اور باہم ملکر مشورہ کرتے اور سوچتے ہیں کہ وہ کونسا بہترین طریق ہے جس سے کُل دنیا صلیبی جھنڈے کے نیچے اکٹھی کی جاوے۔ یہ اُن قدیمی پیشگوئیوں کا ظہور ہے جن میں یہ خبر دی گئی ہے کہ آخری زمانہ میں باطل اپنی ساری قوت اور زور کے ساتھ نکلے گا اور دنیا کو گمراہ کرنے کی کوشش کریگا اور وہ شیطان کی حق کے ساتھ آخری جنگ ہوگی مگر فتح حق کو حاصل ہوگی اور باطل نابود کیا جاوے گا۔

اگرچہ پادری صاحبان کُل دنیا کو اسی قرن میں مسیحی بنا دینے پر تُلے ہوئے ہیں مگر اُنکے اجلاسوں کی روئدادیں پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جتنا فکر اُن کو برّاعظم افریقہ کے متعلق ہے اتنا اور کسی براعظم کے متعلق نہیں چنانچہ مینز نیشنل مشنری کانگرس کے اجلاس میں ایک تقریر کرنیوالے نے بیان کیا کہ "خدائے تعالیٰ کی حکمت سے افریقہ ایک عجیب ترقی کررہا ہے۔ ۱۸۸۵ء کے عہدنامہ برلن کے رو سے یورپ کی طاقتوں نے اس برّاعظم کو آپسمیں بانٹنا شروع کیا اور اسکا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ آجکل برّاعظم عملاً یورپ کی طاقتوں کے قبضہ میں ہے صرف مشرق میں ملک حبشہ (ابی سی نی ایا) اور مغرب میں لائی بے ریا کا علاقہ اس سے باہر ہے۔ سلطنتہائے برطانیہ۔ جرمنی۔ فرانس۔ اٹلی۔ بلجیم۔ اور پرتگال اس برّاعظم پر بڑی بڑی سلطنتیں قائم کررہے ہیں جن کا رقبہ یورپ سے ۳ چند ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اب مسیحی کلیسیا کو اپنے آقا مسیح کے لیئے اس برّاعظم کے فتح کرنیکا ایک بے نظیر موقعہ میسّر آگیا ہے یورپ کی سلطنتیں سڑکیں اور

آمد و رفت کے ذرائع تیار کر رہی ہیں۔ جنہیں صلیب کی بشارت نسبتاً آسانی اور سلامتی کے ساتھ پہنچائی جا سکتی ہے۔ غیر ممالک کا اثر وہم پرست دیسی حکیم کی طاقت کو توڑ رہا ہے اور قانون اور انتظام نے مردم خواری اور باہمی جنگ و جدال کی جگہ لے لی ہے اور ایک مشنری کو اپنے کام کے پورا کرنے کیلئے عمدہ موقعہ حاصل ہو گیا ہے۔

بے شک ایک وجہ جس سے مسیحی صاحبان کو براعظم افریقہ کی طرف خاص توجہ پیدا ہو گئی ہے یہ ہے کہ اب قریباً کل براعظم افریقہ۔ یورپ کی مسیحی طاقتوں کے قبضہ میں آگیا ہے مگر ایک اور امر بھی ہے جسکی وجہ سے مسیحی لوگوں میں براعظم افریقہ کے متعلق اس قدر جوش پیدا ہو رہا ہے یہانتک کہ انہوں نے اب فیصلہ کر لیا ہے کہ اس براعظم کو اپنے خداوند مسیح کے لیئے فتح کرنیکے واسطے ہر ایک باہمی تفرقہ کو ترک کر دیا جاوے اور متحدہ کوششوں سے اس پر ایک ہی دفعہ چڑھائی کی جائے۔ اور وہ امر یہ ہے کہ اس برّاعظم میں مذہب اسلام روز بروز ایک حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے جسکی وجہ سے پادریوں کے دلوں میں ایک حسد کی آگ شعلہ زن ہے وہ اس امر کی برداشت نہیں کر سکتے کہ مذہب اسلام کو ترقی ہو خصوصاً ایسے ممالک میں جو مسیحی طاقتوں کے قبضہ میں ہیں۔ اسلیئے انہوں نے یہ عزم کر لیا ہے کہ افریقہ کی سرزمین پر اسلام کے برخلاف ایک صلیبی جنگ کی تیاری کی جاوے۔ اور انہوں نے یہ ارادہ ظاہر کیا ہے کہ وہ اس جنگ کو جاری رکھیں گے یہانتک کہ وہ برّاعظم افریقہ کو اپنے خداوند کے نام میں فتح کر لیں یا اسی کوشش میں اپنی جانیں قربان کر کے صلیب کے لیئے جان دینے والے کہلائیں۔

وہی مقرّر جسکی تقریر میں سے ایک اقتباس میں اوپر درج کر چکا ہوں بیان کرتا ہے
"آخری دھمکی ہمیں اسلامی افریقہ کی طرف سے ہے۔ اسلام کی برّاعظم افریقہ میں باقاعدہ اشاعت کی جا رہی ہے۔ واعظ بھی بھیجے جا رہے ہیں اور ہر ایک مسلمان تاجر خود ایک اسلامی واعظ ہے۔ واقعات کا مطالعہ کرنے سے یہ امر یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیروؤں نے گذشتہ پچاس سال

میں زیادہ لوگوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا ہے بہ نسبت اسکے کہ کل مسیحی مشنریوں نے ملکر لوگوں کو مسیحی مذہب میں داخل کیا ہے اب کلیسیا کے سامنے یہ ایک عظیم الشان سوال درپیش ہے کہ آیا یہ برّ اعظم ایک مسیحی برّ اعظم بنے گا یا اسلامی برّ اعظم؟ آیا اشاعت کے ان جوش و خروش کے ایام میں مسیحی مذہب اسلام کی طاقتوں کے آگے ہزیمت اُٹھائیگا جیساکہ اس نے ابتدائی زمانہ میں اسلام کے ہاتھ سے شکست کھائی تھی اور کیا ایک برّ اعظم کا برّ اعظم ہمیشہ کے لیئے ہمارے خداوند یسوع مسیح سے چھین لیا جاوے گا۔ کیا ہم یہ اُمید کر سکتے ہیں کہ ہم یسوع مسیح کے لیئے برّ اعظم افریقہ کو فتح کر سکیں گے۔ ان سوالات کا جواب یہ ہے کہ اگر کلیسیا اپنی فوجوں کی تعداد کو بہت نہ بڑھاویگی تو فتح اسلام ہی کے لیئے مقدر معلوم ہوتی ہے۔"

مندرجہ بالا بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ افریقہ میں اسلام کی روز افزوں اشاعت سے پادری صاحبان کو کیسا دھڑکا لگا ہوا ہے انہوں نے یہ پیشگوئی کے طور پر کہدیا ہے کہ جب تک امریکہ۔ برطانیہ۔ اور برّ اعظم یورپ کے کل کلیسیا اسلام کے برخلاف ایک عام صلیبی جنگ میں شامل نہ ہو جاوینگے اور مسیحی دنیا کے کل حصوں سے پادریوں کی فوجوں کی فوجیں روانہ کی جاویں گی کل برّ اعظم افریقہ مسلمان ہو جاوے گا۔ پچھلے دنوں میں جو شہر ایڈنبرا میں کل دنیا کے پادریوں کی ایک کانفرنس قائم ہوئی تھی اُس میں بھی اس امر کی طرف خاص توجہ کی گئی تھی اور اس معاملہ پر غور کرنے کیلیئے ایک کمشن بیٹھا تھا اُس کمشن نے جو رپورٹ پیش کی اُس میں انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ "برّ اعظم افریقہ کے کل حصوں میں دیسی قومیں مذہب اسلام میں برابر بڑی سرعت کے ساتھ جذب ہوتی جاتی ہیں۔ ہمارے پاس اس امر کی یقینی شہادت اُن مشنریوں کے ذریعہ پہنچی ہے جو دریائے نیل کے کناروں۔ مشرقی وسطی افریقہ جنوب مشرقی افریقہ۔ مغربی ساحل کے مختلف اضلاع۔ شمالی نائی جیریا۔ سوڈان اور کانگو کے مختلف حصوں اور خود جنوبی افریقہ میں کام کرتے ہیں اور انہیں سے ہر ایک نے اپنے اپنے علاقہ کے متعلق یہی شہادت دی ہے کہ اسلام بڑی

سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے۔" ایڈنبرا کی کانفرنس کے وائس پریسیڈنٹ ریورنڈ ڈاکٹر جارج رابسن نے بیان کیا کہ اس امر کی فوری ضرورت درپیش ہے۔ کہ افریقہ مین مشنریون کی فوج کو سہ چند کیا جاوے اور میڈیکل مشن اور مسیحی مدرسے جابجا قائم کئے جاوین کیونکہ افریقہ مسیحی بننے کی نسبت مسلمان زیادہ سرعت سے بن رہا ہے۔ مسلمان تاجر برابر جنوب کی طرف سے بڑھ رہے ہین اور ہر ایک مسلمان تاجر اپنے مذہب کا ایک واعظ ہے۔ اگر افریقہ کو یسوع مسیح کے نام پر فتح کرنا مقصود ہے تو سب سے پہلے جس امر کی ضرورت ہو وہ یہ ہے کہ ایک زبردست مشنری فوج برّاعظم افریقہ کے بیچون بیچ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلا دی جاوے تاکہ اسلام کی آگے بڑھنے والی رفتار کے راستہ مین ایک روک پڑ جاوے اور انجیل کو شمال کی طرف سوڈان کے اندر تک پہونچا دیا جاوے۔

مَیں یہاں ڈاکٹر کرل کم کے بیان کو بھی نقل کرتا ہوں۔ یہ وہی صاحب ہیں جن کے اسلام پر حملے کا جواب اس میگزین کے ایک پہلے نمبر مین دیا جا چکا ہے انہوں نے حال ہی مین دریائے نائیجر سے لے کر دریائے نیل تک ایک لمبا سفر صرف اس غرض سے کیا ہے تاکہ وسطی سوڈان مین اسلامی مسئلہ پر اور اسلام کی اشاعت پر غور کیا جاوے یہ سیاح اپنے سفر کے ختم کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ افریقہ میں اسلام پھیل رہا ہے۔ اگرچہ کوئی اسلامی سوسائٹی موجود نہین جس نے باقاعدہ طور پر اس کام کو اپنے ذمہ لیا ہوا ہو۔ مگر پھر بھی مسلمان تاجر اور واعظ سوڈان کے جنوبی حصون تک پہونچ رہے ہیں اور وہ اپنا اثر مغربی افریقہ۔ مشرقی افریقہ اور جنوبی افریقہ میں ڈال رہے ہیں اور ممکن ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہو کہ براعظم افریقہ سارے کا سارا مسلمان ہو جاوے اور اگر باقی رہیں تو صرف ساؤتھ افریقہ۔ برٹش ایسٹ افریقہ۔ یوگانڈا اور ابی سینیا عیسائی رہیں اور وہ بھی صرف برائے نام۔

ڈاکٹر کرل کم ایک تجویز بھی پیش کرتا ہے جس سے وہ امید کرتا ہے کہ افریقہ مین اسلام

کی اشاعت رک سکتی ہے۔ وہ کہتا ہے:" اگر وسطی سوڈان کے غیر مسیحی قبائل جن میں یوروپین لوگون کا بہت اثر ہے مسیحی مذہب قبول کرنے کے لئے ترغیب دئے جائیں تو پھر اسلام کی ترقی کے راستہ میں ایک زبردست سدراہ قائم ہو جائے گی" وہ یہ بھی ترغیب دیتا ہے کہ تجارت کے راستے بند کردئے جاوین۔

تعجب آتا ہے کہ مسیحی لوگ اسلام سے اس قدر کیوں خائف ہیں۔ کیا وہ اس کو ایک جھوٹا مذہب نہیں کہا کرتے کیا وہ اپنے مذہب کی نسبت یہ نہیں کہتے کہ کل دنیا میں ایک ہی سچا مذہب ہے اور وہ ہمارا مذہب ہے۔ پھر ان کو اس قدر خوف کیوں دامنگیر ہے کہ جھوٹ سچ پر غالب آ جائے گا۔ وہ کیوں ڈرتے ہیں کہ مسیحی مذہب ایک ایسے مذہب کے ہاتھ سے جس کو وہ جھوٹا مذہب کہا کرتے ہیں شکست کھا جائیگا۔ جب تک کہ کل دنیا کے مسیحی یک جان ہو کر اس کا مقابلہ نہ کریں اور جب تک اس کی ترقی کے روکنے کے لئے طرح طرح کے حیلے اختیار نہ کئے جاوین۔ کیا ہم مسیحی لوگوں سے بار بار یہ نہیں سنا کرتے تھے کہ اسلام میں خود کوئی طاقت نہیں اور یہ کہ وہ دنیا میں اپنے زور سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ نہائت خوشی کا مقام ہے۔ کہ دشمنانِ اسلام کے اعتراضوں کا جواب خدا تعالیٰ خود دیتا ہے۔ یہ جو بار بار اعتراض کرتے تھے کہ اسلام اپنے زور سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا۔ اب خود اس بات کے اقرار کرنے کے لئے مجبور ہوئے ہیں کہ اسلام بلا کسی تلوار کی مدد کے ایسے زور سے پھیل رہا ہے۔ کہ جب تک اس کے راہ میں طرح طرح کے پتھر نہ پھینکے جاویں اور جب تک پادریوں کی بڑی بڑی فوجوں کے ساتھ اس کا مقابلہ نہ کیا جاوے۔ قریب ہے کہ کل برّاعظم کا براعظم سارے کا سارا مسلمان ہو جاوے۔ اور پھر تعجب کی بات ہے۔ کہ اسلام یہ ترقی ایسے حالات کے ماتحت کر رہا ہے جو اس کے لئے مضر واقع ہیں۔ اور اگر چہ اس کے راستہ میں کئی قسم کے مشکلات ہیں جو اس کی ترقی کو روک رہے ہیں پھر بھی اپنی سچائی کے زور سے کل روکاوٹوں کو مغلوب کرتا ہوا ایسی ترقی کر رہا ہے کہ ایک دنیا اس ترقی کو دیکھ کر حیران ہے۔ افریقہ میں اسلام کے راستہ میں پہلی

روکاوٹ یہ ہے کہ جیسا ڈاکٹر کرل کم بیان کرتا ہے۔ کوئی ایسی اسلامی سوسائیٹی موجود نہیں جس نے براعظم افریقہ میں واعظ بھیج کر اشاعت اسلام کا کام اپنے ذمہ لیا ہُوا ہو۔

دوسری روکاوٹ جو افریقہ میں اسلام کی اشاعت کے لئے مزاحم ہو رہی ہے وہ سینکڑوں ہزاروں پادریوں کا وجود ہے۔ جو انھوں تک زور لگا رہے ہیں کہ کسی طرح اسلام پھیلنے نہ پائے اور افریقہ کا براعظم خداوند یسوع مسیح کے نام پر فتح ہو جاوے ایک کثیر تعداد ایسی مسیحی سوسائٹیوں کی ہے۔ جو مسیح کے نام پر ایک باقاعدہ صلیبی جنگ میں مصروف ہیں اور بہت سے ایسے نفس ہیں جنھوں نے اپنے تئیں اسی کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ مگر اسلام کی قوت دیکھو کہ باوجودیکہ اس کو کسی باقاعدہ سوسائیٹی کی امداد نہیں پھر بھی وہ ایسی حیرت انگیز ترقی کر رہا ہے کہ پادریوں کے کیمپ میں ایک ہل چل پڑ گئی ہے اور جو پادری صاحبان افریقہ میں کام کر رہے ہیں وہ اپنے ہموطن احباب کو یہ کہہ رہے ہیں کہ جب تک ہماری تعداد کو کم از کم سہ چند نہ کر دیا جاوے گا۔ یقیناً ہم اسلام کے ہاتھ سے سخت ہزیمت اٹھائیں گے اور یہ ملک یسوع مسیح کے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے نکل جاوے گا۔

ایک اور امر جو اسلام کے مقابل میں مسیحی مذہب کے لئے مفید ہے وہ یہ ہے کہ قریباً کل براعظم ملکی طور پر مسیحی سلطنتوں کے قبضہ میں ہے اور یہ ایک ایسا امر ہے جس سے قدرتاً مسیحی مذہب کو تقویت پہنچنی چاہیئے۔ چنانچہ ڈاکٹر کرل کم کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہو رہا ہے کہ یورپ کی طاقتیں ملکی طور پر بھی اپنا فائدہ اسی میں دیکھتی ہے کہ وہاں مسیحی مذہب کی اشاعت ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر مذکور لکھتا ہے۔

"فرانس اور برطانیہ کے حکام جو وسط افریقہ میں ہیں وہ اب اُس خطرناک مشکل کو محسوس کرنے لگ گئے ہیں جس کا ان کو اسلام کی اشاعت کی وجہ سے سامنا کرنا پڑا ہے اور ایسے لوگ اب بہت کم نظر آتے ہیں جو مسیحی سلطنتوں سے تعلق رکھنے کے باوجود یہ رائے رکھتے ہوں کہ افریقہ کے باشندوں کے لئے اسلام کا مذہب سب سے زیادہ موزوں ہے

ایک اور فائدہ جو مسیحی مذہب کی اشاعت کے لئے مفید ہے اور جو مسلمانوں کو حاصل نہیں وہ یہ ہے کہ مسیحی قومیں مادی اور دنیاوی اُمور میں بہت ترقی کرگئی ہے اور مسلمانوں کو وہ ظاہری ترقی حاصل نہیں۔ اگرچہ یہ ظاہری ترقی مسیحی مذہب کی صداقت کے لئے کوئی دلیل نہیں اور اس دنیوی جاہ و جلال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مسیحی مذہب ایک سچا مذہب ہے۔ مگر پھر بھی افریقہ کی سادہ قوموں کی نظر میں یہ امر بھی مسیحی مذہب کی سچائی کی ایک دلیل ہو سکتا ہے۔ یا کم از کم یہ ظاہری شان و شوکت مسیحی مذہب میں داخل ہونے کے لئے ایک کشش کا کام دے سکتی ہے۔ اس بات کی تائید میں میں خود ایک پادری کا بیان پیش کرتا ہوں۔ جس نے مینز نیشنل مشنری کانگریس کے اجلاس میں اپنے چودہ سال کے کارہائے نمایاں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ایک دفعہ افریقہ کے دیسی باشندوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کی ترغیب سے مجھے بھوکا رکھکر مار دینے کی کوشش کی۔ میں اپنی بندوق لے کر نکلا اور ایک گینڈے کو قتل کیا۔ میری یہ کارروائی دیکھ کر وہ اس قدر میری طرف مائل ہو گئے کہ اونھوں نے روٹیوں کے ساتھ مجھے لاد دیا۔ میں نے اُسی جگہ ایک مشن قائم کیا۔ اور لوگ صرف اس وجہ سے میرے ساتھ ہو گئے کہ میں نے ایک ایسا کام کیا تھا جو اون کے مذہبی پیشرو نہیں کر سکتے تھے۔" ایسے لوگ جو مسیحی پادری کے مذہب کو اپنے مذہب پر صرف اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ مسیح مذہب کے پادری بندوق کے ساتھ گینڈے کا شکار کر سکتے اور ان کے گورو ایسا نہیں کر سکتے۔ وہ طبعاً اسلام کے مقابل میں بھی مسیحی مذہب کو ترجیح دیں گے۔ کیونکہ مسیحی کہلانے والے لوگ ہوا میں پرندوں کی طرح اُڑ سکتے ہیں اور بغیر تار کے پیغام بھیج سکتے اور اسلام کے پیرو ایسے کام نہیں کر سکتے۔ غرض مسیحی قوموں کی ترقی مادّی اُمور میں افریقہ کے دیسی باشندوں کی نظر میں ایسا امر ہے جس سے اسلام کے مقابل میں مسیحی مذہب کی اشاعت کو بہت امداد ملتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلام کے راستہ میں ملک افریقہ میں کئی قسم کے مشکلات ہیں اور مسیحی مذہب کو ظاہری طور پر ایسے بہت سے فوائد حاصل ہیں جو اسلام کو

حاصل نہیں پھر اسلام کی طاقت ایک غضب کی طاقت ہے۔ جو ان سب مشکلات کے ہوتے ہوئے اپنے زبردست حریف کو جس کو بہت سے ظاہری فوائد حاصل ہیں روز بروز شکست دے رہی ہے۔ کیا اب بھی پادری صاحبان اس بات سے انکار کریں گے کہ اسلام میں ذاتی طور پر ایک زبردست طاقت اور قوت موجود ہے جس کی وجہ سے اس نے گذشتہ زمانہ میں بھی لوگوں کے دلوں کو فتح کیا۔ اور اب بھی فتح کر رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی پادری صاحبان اپنے اس اعتراض کو دُہرایا کرینگے۔ کہ اسلام اپنی سچائی کے زور سے نہیں بلکہ تلوار کی قوت سے پھیلا۔ کیا اب بھی وہ اسلام کی زبردست طاقت کا اقرار نہیں کریں گے۔ جب آج اسلام ایسے مخالف اُمور کے باوجود ایسی سُرعت کے ساتھ ترقی کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ تو کیا اس سے پہلے زمانوں میں جبکہ اس کی اشاعت کو روکنے والی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ خود بخود ترقی نہین کر سکتا تھا۔ جب آج اس ضعف کے زمانہ میں بغیر کسی شمشیر کی امداد کے اسلام ترقی کر رہا ہے تو پہلے زمانوں میں جو اسلام کی قوت اور جوانی کا زمانہ تھا اس کو کس تلوار کی ضرورت تھی؟ جب آج یہ کل کلیسیا کی متحدہ کوششوں کے باوجود روز بروز محض خداتعالیٰ کے فضل سے اور اپنی صداقت کے زور سے ترقی کر رہا ہے۔ تو پہلے زمانہ میں کیوں یہ بغیر کسی تلوار کی مدد کے ترقی نہین کر سکتا تھا آج افریقہ میں پادری صاحبان اسلام کا دو دھاری تلوار کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں وہ صرف اسی کوشش مین نہیں کہ افریقہ کے دیسی باشندوں کو اپنے دام میں پھنسائیں بلکہ وہ اسلام کی ترقی کی راہ میں بھی ہر ایک قسم کی روکاوٹین ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں مگر ان کی یہ تمام کوششیں اسلام کی پُر زور طاقت کے آگے ہیچ ہیں۔ افریقہ میں اسلام کی اشاعت مسیحی صاحبان کے لئے ایک سبق ہے اور اگر پادری صاحبان کچھ بصیرت سے کام لیتے۔ تو وہ موجودہ زمانہ مین اسلام کی اس ترقی کو دیکھ کر کبھی اپنی زبان پر یہ اعتراض نہ لاتے کہ اسلام اپنے زور سے نہین بلکہ تلوار سے پھیلا۔ اوھنوں نے اب اپنے گھر میں

خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ کہ ایک ہی میدان میں دو مذہب کام کر رہے ہیں۔ ایک کو تو ہر طرح کے فوائد حاصل ہیں اور دوسرا یعنی اسلام اس ملک میں ایک یتیم بچہ کی طرح ہے۔ مگر پھر بھی پادری صاحبان اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔ اور چلا چلا کر اپنی قوم سے امداد کی اپیلیں کر رہے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ ایسا نظارہ دیکھکر پادری صاحبان اپنی زبانوں کو ایسے اعتراض کے بیان سے روک لیتے۔ مگر پادریوں کی ہٹ بھی عجیب ہٹ ہے۔ کہ باوجودیکہ انہوں نے اپنے گھر میں اور ایسے ملک میں جہاں مسیحی حکومت ہے اسلام کو بغیر کسی باقاعدہ انتظام اشاعت کے اور باوجود پادریوں کی مخالفانہ کوششوں کے اپنی صداقت کے زور سے پھیلتا ہوا دیکھ لیا ہے۔ پھر بھی وہ یہی کہے جا رہے ہیں۔ کہ اسلام میں بلا تلوار کی مدد کے پھیلنے کی قابلیت نہیں۔ غرض افریقہ میں اسلام کی اشاعت پادریوں کے اعتراض کا ایک ایسا عملی جواب ہے۔ جس کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے۔

پادریوں کے جو بیانات اوپر نقل ہو چکے ہیں۔ اُن سے یہ بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ اسلام کے ساتھ پادری صاحبان ناجائز سلوک کرنا بھی جائز رکھتے ہیں۔ بیشک پادری صاحبان کو پورا حق حاصل ہے۔ کہ وہ اپنے مذہب کی افریقہ کے جنگلوں اور صحراؤں میں منادی کریں۔ مگر اُن کو کوئی حق حاصل نہیں۔ کہ وہ دوسرے مذاہب کی راہ میں روڑے ڈالیں۔ انصاف اس امر کا مقتضی ہے۔ کہ ہر ایک مذہب کو اپنے تئیں پھیلانے کا پورا موقعہ دیا جاوے۔ اور کوئی ایسی کارروائی نہ کی جاوے۔ جس سے دوسرے مذہب کی اشاعت میں روک پیدا ہو۔ مگر بجائے اس کے کہ پادری صاحبان اسلام سے انصاف کا سلوک کریں۔ وہ اس کوشش میں ہیں۔ کہ اسلام کو اشاعت کا موقعہ نہ دیا جاوے اور دیسی باشندوں تک اس کو رسائی نہ ملے۔ ان کا یہ خوف اور اُن کی یہ کوشش کہ اسلام کو افریقہ کے براعظم سے دور رکھا جاوے۔ اور ایسی تجویز کی جاوے۔ کہ افریقہ کے باشندوں کو وعظ سنانے والے صرف مسیحی لوگ ہی ہوں۔ اور مسلمانوں کو ان لوگوں تک رسائی نہ ملے۔ یہ امور صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں۔ کہ پادری صاحبان کو اپنے مذہب کی کمزوری اور اسلام کی زبردست قوت کا خوب علم ہے۔ اسی لئے وہ ایسے ناجائز حیل اور تدابیر سے کام لینے کی فکر میں ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ایک مساوات کے میدان میں جہاں اسلام کو بھی اپنے تئیں پھیلانے کا ایسا ہی موقعہ حاصل ہو جیسا کہ مسیحی مذہب کو حاصل ہے۔ مسیحی مذہب اسلام کے آگے ضرور شکست کھائے گا۔ اس لئے وہ چاہتے ہیں۔ کہ میدان صرف ہمارے لئے ہی خالی ہو۔ اور

مسلمانوں کو وہاں جانے کا موقعہ بھی نہ دیا جاوے۔ ناظرین پادری صاحبان کے مندرجہ ذیل بیانات پر غور فرماویں
ایڈنبرا کی کانفرنس کے والیس پریزیڈنٹ نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ "اگر افریقہ کو یسوع مسیح کے لئے فتح
کرنا مقصود ہو۔ تو سب سے پہلا کام جو ہمیں کرنا چاہئے۔ وہ یہ ہے کہ افریقہ کے بیچوں بیچ ایک سرے سے لیکر
دوسرے سرے تک پادریوں کی ایک زبردست فوج پھیلا دی جائے۔ تاکہ اسلام کی آگے بڑھنے والی رفتار
رُک جاوے۔ اور انجیل کو شمال کی طرف سوڈان کے اندر تک پہنچا دیا جاوے"۔ ڈاکٹر کرل کم لکھتا ہے۔ کہ
"اگر وسطی سوڈان کے غیر مسیحی قبائل کو جن میں یورپین قوموں کا اثر بہت بڑھا ہوا ہے۔ مسیحی مذہب میں
داخل کرنے کی ترغیب دی جاسکے۔ تو اسلام کے برخلاف ایک زبردست سدّراہ قائم ہو جائیگی"۔ ان دونو
بیانات سے واضح ہو رہا ہے۔ کہ مسیحی صاحبان کی رائے میں افریقہ یسوع مسیح کے نام پر کبھی فتح نہیں ہو سکتا
جب تک اسلام کی اشاعت کے آگے زبردست رکاوٹیں نہ ڈالی جاویں۔ وہ افریقہ کو صرف اُسی صورت میں
فتح کرنے کی امید کرتے ہیں۔ جب اسلام کے مذہب کو اندر گھسنے کا موقع نہ دیا جاوے۔ اسلام کی موجودگی میں
وہ یقین رکھتے ہیں کہ عیسائیت کے لئے یہ ضروری ہے کہ شکست کھائے۔ اور اُن کے خیال میں مسیحی مذہب کے
لئے ایک ہی راہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اسلام کو افریقہ میں سے خارج کر دیا جاوے۔ ڈاکٹر کرل کم یہ بھی مشورہ دیتا ہے
کہ جن قوموں میں یورپین رسوخ قائم ہو چکا ہے۔ اُن کی طرف پہلے توجہ کی جاوے۔ اور عیسائیت کے پھیلانے
میں اُس ظاہری رسوخ اور جاہ و جلال سے فائدہ اٹھایا جاوے۔ یہ سب تجویزیں مسیحی مذہب کے لئے بطور مددگار
کے ہیں۔ تاکہ جو کمی اس مذہب کی ذاتی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ یورپین قوموں کے رسوخ کے ذریعہ سے اُس کی
تلافی کی جاوے۔ پادری صاحبان کو شرم کرنی چاہئے۔ ایک طرف تو اسقدر فوج در فوج مسیحی واعظ بھیجے جاتے
ہیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ ملک میں حکومت مسیحی طاقتوں کی ہے۔ یورپ۔ امریکہ میں کثرت سے
سوسائٹیاں قائم ہیں۔ جو اس کام کو باقاعدہ چلاتی ہیں۔ مسیحی مذہب کے پھیلانے کے لئے مدرسے قائم کئے جاتے
ہیں۔ ہسپتال کھولے جاتے ہیں۔ ہر ایک طرح کی ترغیب دی جاتی ہے۔ اور اس کے مقابل میں ان باتوں
میں سے ایک بات بھی اسلام کو حاصل نہیں۔ پھر بھی پادری لوگ اسلام کے مقابل میں اپنے عجز کا اقرار
کر رہے ہیں۔ اور باوجود اسقدر ذرائع کے پھر بھی ناجائز ذریعوں کے استعمال سے دریغ نہیں کرتے۔ کبھی یہ
تجویز کی جاتی ہے کہ اسلام کے افریقہ میں داخل ہونے کے راستے بند کر دیئے جاویں۔ کیونکہ اسلام کے ہوتے ہوئے
مسیحی مذہب کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی یہ تجویز کی جاتی ہے کہ مسیحی مذہب کی اشاعت کے لئے یورپین قوموں

سکے رسوخ اور ظاہری شان وشوکت کو کام میں لایا جاوے۔ اور پھر ان باتوں کے باوجود یہ کہتے جاتے ہیں کہ اسلام کا مذہب ایک جھوٹا مذہب ہے جس کی بنا ایک افترا پر ہے۔ اور یہ کہ دُنیا میں صرف مسیحی مذہب ہی سچا مذہب ہے۔ پادری صاحبان سچ بتلاؤ۔ سچے مذہب کے یہی لچھن ہوتے ہیں۔ کہ باوجود اسقدر سہاروں اور امدادوں کے پھر بھی اس کی اشاعت کے لئے ناجائز ذریعوں کے استعمال کی ضرورت پڑے۔

غرض افریقہ کے برّاعظم پر آج اسلام اور مسیحی مذہب کے مابین ایک مقابلہ ہو رہا ہے۔ مسیحی مذہب کو ہر ایک ظاہری سامان حاصل ہے۔ مگر اسلام کو ان سامانوں میں سے ایک سامان بھی حاصل نہیں۔ بلکہ کئی ایک مشکلات سدّراہ ہو رہے ہیں۔ مگر پھر بھی ہم امید کرتے ہیں کہ باوجود ان رکاوٹوں کے اور باوجود حریف کے ساز وسامان کے وہ اپنے حریف کو شکست دیگا بشرطیکہ پادری صاحبان ناجائز وسائل کو استعمال کرکے اس کی اشاعت کو روک نہ دیں۔ اور اس کو افریقہ کے باشندوں تک پہنچنے کا موقعہ دیں۔ صرف خوف یہ ہے کہ پادری صاحبان ناجائز سدّراہیں اسلام کے راستہ میں ڈال کر اسکو افریقہ سے خارج کرنے کی کوشش کریں گے۔ اور ہماری یہ رائے گذشتہ تجربہ پر مبنی ہے۔ کیونکہ جب کبھی پہلے مسیحی مذہب اور اسلام میں باہم مقابلہ ہوا ہے۔ تو ہمیشہ اسلام ہی غالب رہا ہے اور عیسائیت نے ہمیشہ اسلام کے ہاتھوں سے ہزیمت اُٹھائی ہے۔ چنانچہ مسیحی تقریر کرنے والوں نے خود اس امر کی شہادت دی ہے۔ چنانچہ بشپ جوزف سی ہارٹ زیل نے گذشتہ دسمبر کو سٹوڈنٹ والنٹیر موومنٹ کے اجلاس میں بیان کیا کہ "مسیح سے چھ سو سال بعد مسیحی مذہب نے شمالی افریقہ میں جو اُس وقت کلیسیا کا مرکز اور قلعہ تھا اسلام کے ہاتھوں سے ہزیمت اُٹھائی۔ اور آج اس شمالی افریقہ کے علاقہ میں ۹۱ فی صدی لوگ اسلام کے پیرو ہیں۔ آج کل دُنیا کے مسلمانوں کا ½ حصہ افریقہ میں آباد ہے۔" اس بیان میں اس بات کا بھی اقرار پایا جاتا ہے کہ شمالی افریقہ میں اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔ وہ مقابلہ جس میں مسیحی مذہب نے اسلام کے ہاتھ سے ہزیمت اُٹھائی۔ وہ بقول بشپ صاحب اسلام اور عیسائیت میں مقابلہ تھا۔ وہ اسلام کی تلوار اور عیسائیت میں مقابلہ نہیں تھا اور عیسائیت نے شمالی افریقہ میں اسلام کی تلوار سے شکست نہیں کھائی بلکہ خود اسلام کے ہاتھ سے شکست کھائی۔

ایک اور مسیحی مقرر نے مقام ایڈنبرا کی ورلڈز مشنری کانفرنس کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ایک اور شکست کا ذکر کیا جو مسیحی مذہب نے اسلام کے ہاتھ سے دُنیا کے ایک اور حصہ میں کھائی۔ اس

سوال کے جواب میں "کہ کیا کلیسیا کو یک دفعہ ایسے ملکوں میں آگے بڑھنا چاہئے جو ابھی تک مسیحی طاقتوں کے قبضہ میں نہیں آئیں" ڈاکٹر ایس ایم ذومیر نے نہائت پرجوش الفاظ میں بیان کیا کہ "ہاں ضرور آگے بڑھنا چاہئے۔ افریقہ میں سات کروڑ اور ایشیاء میں سات کروڑ ۲۰ لاکھ ایسے لوگ ہیں جن کے کانوں میں ابھی انجیل کی آواز نہیں پہنچی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ایشیا کا قلب (یعنی وسطی حصہ) خداوند مسیح کا پیرو تھا اور آج وہی حصہ اسلام کا پیرو ہے۔ خداوند خدا ہمیں ان ممالک میں بلا رہا ہے اور اب ہمارا فرض ہے کہ وہاں جائیں۔"

اب ہم مشرق سے مغرب کی طرف جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ایشیا اور افریقہ میں تو مسیحی مذہب نے اسلام کے ہاتھ سے شکست اٹھائی۔ مگر مسیحی یورپ کے نہائت مغربی حصہ میں جہاں مسیحی مذہب کا مقابلہ اسلام سے ہوا۔ وہاں اس مذہب نے اسلام کے سامنے کہاں تک ثبات قدم دکھایا۔ پریچنگ آف اسلام کا مصنف اپنی کتاب کے اُس باب کو جس میں ملک ہسپانیہ میں اسلام کی اشاعت کا ذکر ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ شروع کرتا ہے "۷۱۱ء میں فاتح مسلمانوں نے ملک ہسپانیہ میں اسلام کو داخل کیا اور ۲ فروری ۱۵۰۲ء میں (مسلمانوں کے نکلنے کے بعد) شاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ آئے زابیلہ نے ایک فرمان جاری کر کے کل مملکت میں اسلامی فرائض کی بجا آوری کو روک دیا۔ ان دو تاریخوں کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں نے یورپ کی تاریخ میں ایک نہائت روشن صفحہ تحریر کیا"۔ اس زمانہ میں کس حد تک مسیحی مذہب کی جگہ اسلام نے لیلی۔ یہ امر ایک خط سے معلوم ہو سکتا ہے جو ۱۳۱۱ء میں لکھا گیا جس میں لکھا ہے کہ ایک شہر غرناطہ میں اس سال ۲ لاکھ مسلمان تھے جن میں سے صرف ۵۰۲ فاتحین کی اولاد تھے اور باقی سب ایسے لوگ تھے جنہوں نے مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام کو قبول کیا تھا" (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۲۴) اسی کتاب کا مسیحی مصنف لکھتا ہے کہ "اسلام اہل ہسپانیہ کے دلوں میں نہائت ہی گہری جڑیں پکڑ گیا چنانچہ جب سنہ ۱۶۱۰ء میں مورسکو لوگوں (سپین کے اصلی باشندے جنہوں نے مسیحی مذہب ترک کر کے اسلام اختیار کر لیا تھا) کے آخری بقیہ کو ملک سے خارج کیا گیا۔ تو یہ بچارے اس وقت بھی اسلام پر سچے دل سے قائم تھے۔ اگرچہ ایک سو سال سے زیادہ عرصہ انہیں اس بات پر مجبور کیا گیا تھا کہ وہ ظاہری طور پر مسیحی مذہب کی پیروی کریں۔ اور اُس وقت جو آخری حصہ ان لوگوں کا ملک سے خارج کیا گیا تھا۔ اُن کی تعداد جو سب سے کم بیان کی گئی ہے۔ ۶ لاکھ ہے۔ ان لوگوں کے نکالا جانے سے ملک کو سخت صدمہ پہنچا۔ شہر کے شہر اور گاؤں کے گاؤں بالکل خالی ہو گئے۔ اور گھروں کے گھر اجڑ

اور کوئی نہ تھا۔ جو اُن کو دوبارہ آباد کریگا۔ اس امر کے ظاہر کرنے کے لئے کہ سپین کے لوگ جنہوں نے مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام اختیار کیا۔ وہ مسلمانوں کی سلطنت تباہ ہونے کے بعد بھی کیسی وفاداری سے اسلام پر قائم رہے۔ میں ایک حوالہ مشہور تاریخی کتاب ہسٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ میں سے بھی یہاں درج کرتا ہوں۔ اس میں لکھا ہے "کہ شاہ فرڈی ننڈ کا ہرگز منشا نہ تھا۔ کہ جو اُس نے معاہدہ کیا تھا اس کی شرطوں پر کاربند رہے ۱۴۹۹ء میں اس نے دلیری سے اپنے مُنہ پر سے بناوٹی پردہ اُتار دیا اور یہ حکم دیا کہ ہر ایک مسلمان جو بپتسمہ لینے سے انکار کرے۔ اس کو ملک میں سے نکال دیا جاوے۔ کل سلطنت غرناطہ میں اس کی اس بدعہدی پر ایک شور برپا ہوا۔ مگر کون سُنتا تھا۔ اگرچہ لوگ ظاہری طور پر گرجے میں جاتے تھے۔ مگر جب گھروں میں آتے تو خدا تعالیٰ سے معافی مانگتے اور ایک علاقہ کے مسلمانوں نے کھُلے طور پر اس حکم کی پابندی سے انکار کیا اور مقابلہ کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔" ناظرین! یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے مسیحی مذہب کو ترک کر کے اسلام قبول کیا تھا۔ آج ان کو مجبور کیا جاتا ہے۔ کہ پھر اپنے آبائی مذہب میں واپس آجاویں مگر وہ جلاوطن ہونا اور اپنے مال و اسباب کو ترک کرنا بلکہ جان تک دیدینا پسند کرتے ہیں۔ مگر اسلام کو ترک کر کے اپنے قدیمی مذہب کی طرف واپس آجانا اُن کو منظور نہیں ہے۔ اسلام کی کشش۔ اور یہ ہے اسلام کی صداقت کہ اب مرنا قبول ہے۔ مگر واپس اپنے آبائی مذہب کی طرف جانا منظور نہیں۔ اور پادری صاحبان کو یہ بھی

نمبر ۱۰ ریویو آف ریلیجنز ۳۸۹

مسیحی درویش مرد و عورتیں آرام سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اور ان کے علاوہ کئی نئی خانقاہیں بھی تیار کی گئیں۔ مسیحی درویش اپنے فرقہ کا لباس پہن کر آزادی سے باہر پھر سکتے تھے اور مسیحی علماء کو اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنے خاص نشانات کو چھپائیں۔ بلکہ مسیحی لوگ مسیحی رہ کر بڑے بڑے معزز عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے۔ اور خود دربار شاہی میں اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے تھے۔"

جب اسلامی سلطنت کے زوال کے بعد مسلمانوں پر مسیحی صاحبان کی طرف سے سخت سے سخت بے رحمیاں کی گئیں۔ اور آخر ایک مسلمان بھی اس ملک میں باقی نہ رہا۔ اُس وقت جن یورپین مسلمانوں کو اُن کے وطن سے نکالا گیا۔ اُن میں سے ایک شخص جو سپین کا باشندہ تھا۔ اپنے ہموطن مسیحیوں کو مخاطب کر کے ایک خط لکھتا ہے۔ جس کو ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے۔ وہ نہائت ہی غیرت بھرے الفاظ میں لکھتا ہے۔ کہ "کیا کبھی ہمارے مسلمان بزرگوں نے سپین میں سے باوجود طاقت کے مسیحی مذہب کی بیخکنی کرنے کی کوشش کی۔ کیا انہوں نے تمہارے آباؤ اجداد کو پوری مذہبی آزادی نہیں دے رکھی تھی؟ کیا یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم نہیں۔ کہ جس قوم کو مسلمان فتح کریں۔ اُن سے ایک معمولی سالانہ رقم بطور جزیہ کے وصول کرنے کے سوا اور کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ اُن سے نہ کریں اور اُن کو اجازت دیں کہ وہ اپنے مذہب کے پیرو رہیں۔ خواہ وہ مذہب کیسا ہی بیہودہ کیوں نہ ہو۔ یا جس مذہب کو چاہیں اختیار کریں اگر کبھی کسی مسلمان نے کسی مسیحی کو جبراً مسلمان کیا۔ تو ایسی مثالیں بہت ہی کم پائی جاتی ہیں۔ اور اس قابل نہیں کہ ان کا ذکر بھی کیا جاوے۔ ایسے فعل کے مرتکب صرف ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ جن کو خدا تعالیٰ کا کوئی خوف نہیں۔ اور ایسا کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی صریح خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور اسلام کے اصول کو توڑتے ہیں۔ یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان کو مسلمان کا معزز خطاب دیا جاوے تم ہم مسلمانوں میں کوئی خونی مثال پیش نہیں کر سکتے جیسی تمہاری انکوئیزیشن (مسیحی محکمہ مذہب میں اختلاف کرنے والوں کا خون پینے کے لئے)۔ اس میں شک نہیں۔ کہ مسلمانوں کے بازو ہمیشہ ایسے لوگوں کو قبول کرنے کے لئے کھلے ہیں جو اُن کا مذہب قبول کرنا چاہیں مگر اُن کا قرآن مجید اُن کو اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو اُن کی مرضی کے برخلاف اسلام میں داخل ہونے کے لئے مجبور کریں" (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۲۳)

مسلمان فاتحین نے ایسی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ کہ یہی امر مسیحی لوگوں کے نزدیک ایک جرم قرار پا گیا۔ چنانچہ جب ۱۶۰۲ء میں ویلینشیا کے آرچ بشپ نے ہسپانیہ کے مسلمان باشندوں کے قصوروں کی

ایک فہرست شاہ فلپ سوم کے سامنے پیش کرنے کے لئے تیار کی۔ تو اُن میں جو جو کفر کی باتیں اُن کی طرف منسوب کیں۔ اُن میں ایک یہ تھی کہ "یہ لوگ کسی چیز کو ایسا پسند نہیں کرتے جیسا کہ تمام مذہبی امور میں ہر ایک شخص کو بالکل آزاد سمجھنا اور ترک اور تمام دوسرے مسلمان اپنی رعایا کو مذہبی امور میں بالکل آزاد رکھتے ہیں" (پریچنگ آف اسلام صفحہ ۱۲۴) ناظرین غور فرماویں۔ کہ مسلمانوں کا مذہبی آزادی دینا ہی مسیحی صاحبان کی آنکھوں میں ایک جرم ٹھہرا اور وہ اس قابل سمجھے گئے کہ ملک سے خارج کئے جاویں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے فاضل مصنف ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کے ماتحت مذہبی آزادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "گر آٹھویں صدی کا ایک پادری مورخ اس بات کا تو واویلا کرتا ہے۔ کہ ہسپانیہ کی سلطنت ایک غیر قوم کے قبضہ میں آگئی۔ مگر اس بات کا ذکر بھی نہیں کرتا کہ وہ غیر قوم ایک غیر مذہب کی پیرو ہے اور اس کی یہ خاموشی عربوں کی عالیشان مذہبی آزادی کے لئے ایک فصیح شہادت ہے۔"

الغرض جس جگہ اسلام اور مسیحی مذہب میں باہم مقابلہ ہوا ہے۔ ہمیشہ مسیحی مذہب نے ہی ہزیمت اُٹھائی ہے۔ اور اس سے ہم نتیجہ نکالتے ہیں کہ افریقہ میں بھی اسلام ہی انشاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوگا۔ بشرطیکہ پادری صاحبان ناجائز طریقوں سے اس کی رفتار کو نہ روکیں اور اس کی رفتار کے آگے طرح طرح کے پتھر پھینک کر اس کی اشاعت میں مزاحم نہ ہوں۔" (باقی آیندہ انشاء اللہ تعالیٰ)

ریویو

ویدکے ظہور میں فتور۔ یہ ۳۲ صفحہ کا رسالہ منشی محمد ظہیر الدین صاحب نے جو پہلے الحکم کے دفتر میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کا بھی کام کرتے رہے ہیں۔ اور جن کے مضامین سے ناظرین میں سے اکثر لوگ آگاہ ہوں گے۔ تالیف کیا ہے اس رسالہ میں وید کے متعلق آریہ صاحبوں کے دعاوی کی حقیقت کو کھولا گیا ہے۔ قرآن مجید کے بے مثل ہونے کے دعویٰ پر بحث کی گئی ہے اور آریوں کے وید جدید کی قلعی کھولی گئی ہے۔ قیمت ۱۰؍ ملنے کا پتہ مولوی محمد الدین صاحب حکیم۔ گوجرانوالہ۔ دروازہ دیسہ سنگھ

الصنعت۔ اس نام کا رسالہ حال میں انجمن موئید الصنعت لاہور کی طرف سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس کے بڑے اغراض یہ ہیں۔ ملک میں مختلف صنائع کو رواج دینا۔ تجارت کے متعلق مفید مشورے اور قیمتی مضامین مشہور قدیمی صناعوں اور موجدوں کی سوانح درج کرنا۔ اس میں زیادہ تر مندرجہ ذیل مضامین پر بحث ہوتی ہے

تعلیم - اصلاح تمدن - ڈرائینگ - نجاری - آہنگری - انجینئرنگ - تجارت - تاریخ - متفرقات - یہ مضمون اہل تجربہ اصحاب سے لکھائے جاتے ہیں - ہر ایک نمبر میں علاوہ چھوٹے چھوٹے نقشوں کے ایک اعلیٰ درجہ کا نقشہ علیحدہ لگایا جاتا ہے - امید ہے کہ اہل صنعت کے لئے یہ رسالہ بہت مفید ہوگا قیمت سالانہ عوام سے عہ درخواستیں بنام جنرل سکرٹری انجمن مویدالصنعت لاہور جانی چاہئیں -

تحفۃ العرب - تالیف جناب مولوی محمد عبدالحی الحویزی حال نزیل قادیان - یہ ۴۴ صفحہ کا عربی رسالہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعوی کی تائید میں لکھا گیا ہے - اور حضرت مسیح ناصری علیٰ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر سیر کُن بحث کی گئی ہے - قرآنی آیات - احادیث - تفاسیر کتب لغت اور سلف کی شہادت کو کثرت سے پیش کیا گیا ہے - آخر میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اپنی کلام کو درج کیا گیا ہے - اور آپ کے چند قصائد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں درج کئے گئے ہیں - رسالہ خوشخط و کاغذ عمدہ ہے - قیمت ۳ر ہے - اگر یہ رسالہ عرب و مصر و روم وغیرہ ممالک میں کثرت سے شائع کیا جاوے - تو امید ہے - کہ نہائت مفید ثابت ہوگا

سومنگلا - تالیف شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور قادیان - یہ ایک مذہبی ناول ہے - جو ۱۸×۲۲ کے ۷۶ صفحہ پر ختم ہوتا ہے - اس میں تناسخ کی بہت دلچسپ اور عام فہم پیرایہ میں تردید کی گئی ہے - اور روح اور مادہ کی ازلیت کا ابطال کیا گیا ہے - رسالہ بہت دلچسپ اور قابل دید ہے - قیمت صرف ۲ر

اطلاع

رپورٹ سالانہ جلسہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ۱۹۰۹ء چھپکر شائع ہو چکی ہے - اور مختلف انجمنوں کو اس کی مناسب تعداد بھیجی جاچکی ہے - اگر کسی صاحب کو کچھ اور زائد کاپیاں درکار ہوں - تو دفتر

میگزین

سے بلاقیمت منگوالیں - والسلام

مینجر میگزین

براہین احمدیہ چار جلد

حضرت مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی لاجواب۔ بے نظیر پُر معارف تصنیف جس کا حجم قریباً ۶۰۰ صفحہ تقطیع کلاں۔ کاغذ عمدہ ہے۔ اور جس میں قرآن شریف کی صداقت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بڑے زبردست دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت کر کے عیسائیوں۔ آریوں۔ برہموؤں اور دہریوں کو ان دلائل کے توڑنے اور جواب لکھنے پر مبلغ دس ہزار روپیہ انعام دینے کا بخط جلی ۱۸۸۰ء سے اعلان ہے۔ مگر آجتک اس انعام کا کوئی دعویدار نہیں ہو سکا۔ ان دنوں کتاب مذکور کی ۲۰۰ کاپیاں میاں معراج الدین صاحب عمر نے بمد اعانت صدر انجمن احمدیہ قادیان کو بغرض اشاعت کتاب عطا کی ہیں۔ کتاب کی قیمت مبلغ ۵؍ تھی۔ مگر چونکہ صدر انجمن احمدیہ کو مد اعانت میں بغرض اشاعت ملی ہے۔ لہٰذا انجمن موصوف نے کتاب موصوف کی قیمت محض سہولت اشاعت کو مد نظر رکھکر اب صرف دو روپے کر دی ہے۔ جو کہ کتاب کی اصل لاگت سے بھی کم ہے۔ لہذا عام طور سے اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ احباب اس موقعہ کو ہاتھ سے نہ دیں۔ خریداری کتاب کے واسطے منیجر بک ڈپو قادیان کے نام پر درخواستیں آنی چاہئیں

اظہار حق

یہ کتاب سکھ مذہب میں تبلیغ کی غرض سے حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی گرہ سے اخراجات طبع دیکر شایع کرائی ہے۔ قیمت برائے نام ہے۔ ۵؍

(منیجر بک ڈپو قادیان)

اطلاع ضروری

خریداران تفسیر القرآن کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ رسالہ بوجہ عدیم الفرصتی

ایڈیٹر صاحب ابھی تک شائع نہیں ہو سکا۔

منیجر

باہتمام منیجر میگزین مطبع میگزین قادیان دارالامان میں طبع ہوا

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر ۱۱ بابت ماہ نومبر ۱۹۱۰ء جلد ۹

فی قیمت ۸/ سالانہ طلبا سے ایک روپیہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ نومبر ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسی اسباب پیدا ہوگئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو تو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کیلئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اس کے اصل ہونیکے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپکی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق فرمائی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہی ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کے لیئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہی قیمت سرمہ اوّل قسم عا؍ قسم دوم عہ؍ قسم سوم عہ؍ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اول ہے؍ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں۔ قسم دوم ہے؍۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع مرع مشتہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم مقتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول سیلان منی و یبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے۔ بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں قیمت فی تولہ ۸؍

لنگیاں اور کلاہ:۔ ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی لسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری کی پشاوری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عه؍ سے ۲۵ عہ؍ تک تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ؍ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت ا؍

المشتہر:۔ احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب)

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں نمبر خریداری ضرور لکھا کریں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

اسلام کی اشاعت برّاعظم افریقہ میں ۲

سلسلہ کیلئے ملاحظہ ہو گذشتہ نمبر

چونکہ اس بات کا اقرار کہ افریقہ میں مسیحی مذہب اسلام کے ہاتھ سے شکست کھاتا جاتا ہے مسیحی مذہب کے لیئے ایک قابل شرم بات تھی اس لیئے مشنری کانفرنسوں میں جہاں تقریر کرنیوالوں نے مسیحی مذہب کے مقابل میں اسلام کی کامیابی کا اعتراف کیا ہے وہاں اپنے مذہب پر سے بدنامی کا داغ دھونے کیلیئے طرح طرح کے اسباب بھی بیان کیئے ہیں جن کی وجہ سے اسلام کو فتح اور مسیحی مذہب کو شکست ہو رہی ہے۔ افریقہ میں اسلام کی کامیابی کی ایک وجہ جو ایک مشنری نے بیان کی یہ ہے کہ اسلام کی اشاعت کے لیئے باقاعدہ سوسائٹیاں موجود ہیں جو مشنری بھیجکر افریقہ میں مذہب اسلام کو پھیلاتی ہیں۔ مگر ڈاکٹر کرل کُم اس امر کا انکار کرتا ہے۔ میں اُس کے بیان کو پہلے نقل کر چکا ہوں وہ لکھتا ہے کہ "اگرچہ کوئی ایسی اسلامی مشنری سوسائٹی قائم نہیں جس نے باقاعدہ طور پر افریقہ میں اسلام کی اشاعت کا کام اپنے ذمہ لیا ہوا ہو مگر پھر بھی مسلمان تاجر اور واعظ سوڈان کے جنوبی حصّوں تک پہنچ رہے ہیں" لیکن اگر ہم مان بھی لیں کہ کوئی ایسی اسلامی سوسائٹی ہے جو افریقہ میں اپنے واعظ اشاعت اسلام کے لیئے بھیجتی ہے تو پادری

صاحبان کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر کوئی سوسائٹی موجود بھی ہے تو اُس کی بے شمار مالدار مسیحی سوسائٹیوں کے مقابل میں کوئی حقیقت نہیں۔ جو رات دن مسیحی مذہب کی اشاعت میں مصروف ہیں۔

پھر پادری صاحبان بار بار ہمیں یہ سناتے ہیں کہ افریقہ میں اسلام مسلمان تاجروں کے ذریعہ پھیل رہا ہے۔ مگر کیا ایسا کہنے سے مسیحی مذہب کی بریّت ہو جاتی ہے۔ اور بدنامی کا داغ اُس کے چہرے سے مٹ جاتا ہے۔ کیا مسلمان تاجروں اور سیاحوں کی نسبت مسیحی تاجر اور سیاح تعداد میں کئی درجے زیادہ نہیں؟۔ پھر اگر مسلمان تاجر غیر ممالک میں جاکر اسلام کو پھیلاتے ہیں تو مسیحی تاجر اور مسیحی سیاح کیوں اپنے مذہب کو نہیں پھیلاتے؟ دنیا کے کل حصّوں میں اس قدر عیسائی لوگ پھیلے ہوئے ہیں کہ اگر وہ مسلمان تاجروں اور سیاحوں کی طرح غیر قوموں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کا کام اپنے ذمہ لیں تو وہ اُن تنخواہ دار پادریوں کی نسبت جو بائیبل کو بغل میں دبائے ہوئے گاؤں گاؤں میں پھرتے ہیں بہت زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ اگر وہ بے شمار عیسائی جو غیر ممالک میں تجارت یا دیگر اغراض کے لیئے جاتے ہیں مسلمان تاجروں اور سیاحوں کے نمونہ پر چلیں تو پھر تنخواہ دار پادریوں کی ضرورت ہی نہیں رہے گی مگر غور طلب سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ جب مسلمان تاجر غیر ممالک میں جاتے ہیں تو وہ اُن ممالک میں اسلام کا اثر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور غیر قوموں میں اپنے مذہب کی اشاعت کرنے میں مصروف رہتے ہیں مگر مسیحی تاجر اور مسیحی سیاح وغیرہم غیر ممالک میں جاکر اپنے مذہب کا وعظ نہیں کرتے۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی سچائی کا یقین ہے حالانکہ اکثر مسیحی صاحبان کو خود اپنے مذہب کی سچائی پر کوئی ایمان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب اوّل الذکر غیر ممالک میں جاتے ہیں تو اپنے مذہب کی روشنائی اپنے ساتھ لیجاتے ہیں اور غیر ملکوں کے لوگوں کو اسلام کے نور سے منور کرتے ہیں مگر عیسائی تاجر تو خود اس بضاعت سے تہیدست ہیں۔ وہ غیروں کو کیا دیں یہ صرف تنخواہ دار پادریوں ہی کا کام ہے کہ وہ بطور ڈیوٹی کے لوگوں کے آگے

صلیب اُٹھائے پھرتے ہیں - یہ صرف تنخواہ دار پادری کی کوشش ہی ہے جو مسیحی مذہب کے لئے سہارے کا کام کر رہی ہے اور پادری کو بجائے خود اپنی تنخواہ کا سہارا ہے۔ اگر تنخواہ نہ ہوتی تو غیر ممالک میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے والے مسیحی بہت کم نظر آتے اور اگر یہ پادریوں کی جماعت نہ ہوتی تو مسیحی مذہب کا حال ناگفتہ بہ ہوتا۔ غرض یہ امر کہ مسلمان تاجر اور سیّاح جہاں جاتے ہیں اسلام کی تبلیغ میں واعظانِ اسلام کا کام کرتے ہیں مگر مسیحی تاجر اور سیّاح وغیرہم اپنے مذہب کے متعلق ایسا نہیں کرتے یہ امر خود اسلام کی خوبی اور مسیحی مذہب کے بود اپن پر دلالت کرتا ہے اور اس امر کو پیش کرتے وقت پادری صاحبان کو بجائے خوش ہونیکے شرمندہ ہونا چاہیئے۔

مسیحی تاجر وغیرہ بجائے اسکے کہ مسلمان تاجروں اور سیّاحوں کی طرح اپنے مذہب کو کچھ فائدہ پہنچائیں اُلٹا نقصان پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ سٹوڈنٹس کانونش کے اجلاس میں برطانیہ کے سفیر مسٹر جیمز برائیس نے بیان کیا کہ " بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایسے لوگوں نے جو مسیحی کہلاتے ہیں غیر قوموں کو لوٹا ہے۔ دھوکہ دیکر اُن کی زمینیں اُن سے لے لی ہیں۔ اُن کی کانوں کو خالی کر دیا ہے اُن سے بلا اُجرت محنت کا کام لیا ہے۔ شراب کے ذریعہ اُن کو تباہ کیا ہے اُن سے سختی۔ حقارت اور بعض اوقات سفاکی کے ساتھ برتاؤ کیا ہے۔ ایسے لٹیرے نئے ممالک میں بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں اور جو کچھ مسیحی مذہب اصولی طور پر تعلیم دیتا ہے اُنکے چال چلن اسکے برخلاف ہیں اور عیسائیت کے اثر کو زائل کرنے والے ہیں "

مسیحی مذہب کا خود اپنے ملک میں لوگوں کی زندگیوں پر کیسا اثر ہے اسکا ذکر کرتے ہوئے سفیر مذکور نے بیان کیا کہ " اُس نقصان کے علاوہ جو مسیحی اقوام کے لوگ بیرونی ممالک میں مسیحی مذہب کو پہنچا رہے ہیں سب سے بڑی رکاوٹ جو غیر ممالک میں انجیل کی اشاعت کو روک رہی ہے وہ خود مسیحی ملکوں میں انجیل کا کمزور اثر ہے "

افریقہ میں اس سرعت سے اسلام کے پھیلنے کی ایک اور وجہ جو مسیحی تقریر کرنے والوں نے بیان کی وہ یہ ہے کہ " اسلام کثرت ازواج کی اجازت دیتا ہے اور گناہ

کرنے کے لیئے لوگوں کو دلیر کرتا ہے" افسوس ہے کہ مسیحی مشنری عام جلسوں میں ایسے خلاف واقعہ امور کے بیان کرنے میں ایسے دلیر ہوں۔ میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ کیا افریقہ کے باشندے بغیر اسلام قبول کرنے کے ایک سے زیادہ بیویاں نہیں رکھ سکتے اور وہ کونسی چیز ہے جو اُن کو گناہوں کے ارتکاب کے لیئے اسلام میں داخل ہونے پر مجبور کرتی ہے۔ کیا وہ اسلام سے باہر رہ کر ہر طرح کے معاصی کا ارتکاب نہیں کر سکتے؟ پھر اگر اسلام میں داخل ہونیکے لیئے جو امر انکے لیئے محرک ہوتا ہے وہ کثرت ازدواج ہی ہے تو مسیحی صاحبان خود کثرت ازدواج کی اجازت دیکر تجربہ کرلیں۔ اور ایسا تجربہ کرنے میں اُنکا کچھ خرج نہیں۔ مسیح نے کہیں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت نہیں کی۔ اور از روئے عہدنامہ عتیق کثرت ازدواج نہ صرف جائز بلکہ انبیاء علیہم السلام کی سُنّت ہے اگر یورپ اور امریکہ کے مسیحی اپنے تئیں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی نسبت زیادہ ترقی یافتہ خیال کرتے ہیں اور اس لیئے جو بات ان انبیاء علیہم السلام کے لیئے نہ صرف جائز تھی بلکہ جسپر انہوں نے خود عمل کیا اُس کو یورپ اور امریکہ کے مسیحی ترقی یافتہ ہونے کے سبب اپنی ذات کے لیئے حرام خیال کرتے ہیں۔ تو کم از کم افریقہ کے حبشی عہد عتیق کے انبیاءؑ سے زیادہ مہذب نہیں اور جو بات حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے عظیم الشان انسان کے لیئے جائز تھی اُس کو اگر مسیحی صاحبان اپنے افریقہ کے چیلوں کے لیئے جائز ٹھہرادیں تو اُس میں اُنکا کچھ بھی حرج نہیں بلکہ سراسر فائدہ ہی فائدہ ہے کیونکہ انکے قول کے بموجب ایسی جائز اجازت کے بعد وہ جوق درجوق مسیحی مذہب میں داخل ہونا شروع کردینگے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسلام بدکاری کو ترقی دیتا ہے اور اس لالچ سے افریقہ کے لوگ آسانی سے اسلام قبول کرلیتے ہیں۔ اسکے جواب میں میں کہتا ہوں کہ حضرت مسیحؑ کے قول کے بموجب درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اور اس امر کے دیکھنے کے لیئے کہ اسلام اور مسیحی مذہب دونوں میں سے کونسا مذہب بدکاری پر لوگوں کو دلیر کرتا ہے ہمیں صرف اتنی ہی ضرورت ہے کہ اسلامی ملکوں اور مسیحی ملکوں کی عملی حالت پر ایک نظر دوڑائیں۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں کہ مسیحی ممالک میں

فسق و فجور ایک دریا کی طرح موجزن ہے حالانکہ اسلامی ممالک کی حالت مسیحی ممالک کی نسبت بدرجہا بہتر ہے۔ اور صرف اسی پر بس نہیں مسیحی ممالک صرف خود ہی بدکاری کے مرکز نہیں بلکہ انہوں نے اپنا بد اثر ایک خطرناک متعدی بیماری کی طرح غیر ممالک میں بھی پہنچا دیا ہے۔ مثال کے طور پر میں افریقہ کو پیش کرتا ہوں جس کے باشندوں کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مسیحی مذہب پر اسلام کو اس لیئے ترجیح دیتے ہیں کہ اسلام بدکاری کو ترقی دیتا ہے۔ ذیل میں میں افریقہ کے ایک دیسی مگر تعلیم یافتہ رئیس کی شہادت پیش کرتا ہوں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ کی مہذب قوموں نے کس قسم کی تہذیب برّاعظم افریقہ میں داخل کی ہے۔ علاقہ سیرالیون کے راجہ میبو مولوساقوی نے جو انگریزوں کے ماتحت ہے ۱۹۰۵ء میں رسالہ سینچری میگزین میں ایک مضمون بھیجا جس میں وہ اُن بدکرداریوں کا ذکر کرتا ہے جو مسیحی یورپ کے ذریعہ افریقہ میں پہنچی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ اُن دیسی باشندوں میں جو وسط ملک میں رہتے ہیں اور اُن میں جو ساحل کے قریب رہنے کی وجہ سے یورپ کے مسیحیوں کے زیر اثر ہیں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جہاں جہاں مسیحی لوگ گئے ہیں وہاں شراب خواری اور زناکاری کی مہلک بدیوں کا بہت رواج ہو گیا ہے۔ کثرت ازدواج اگرچہ یورپ کے قانون اور اخلاقی تعلیم کے رو سے جائز نہیں مگر جس کثرت سے افریقہ کے دیسی باشندے اسپر عمل کرتے ہیں اُسی کثرت سے یورپ کے مسیحی صاحبان اُسپر کاربند ہیں۔ اس ملک میں یہ نظارہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ایک ایک یوروپین تاجر کے پاس دو سے لیکر پانچ تک بلکہ اس سے بھی زیادہ بیویاں ہوتی ہیں۔ ایک اور بدرسم جو یورپ کے لوگوں نے ساحل پر جاری کر رکھی ہے وہ یہ ہے کہ ایک کاکیشین کی بیویاں اُس کے تمام دوستوں کے لیئے بھی جو اُس کی ملاقات کے لیئے آتے ہیں بیویوں کا ہی کام دیتی ہیں۔ جب ان عورتوں کا مالک جو برائے نام اُن کا خاوند کہلاتا ہے واپس یورپ کو چلا جاتا ہے تو اُن کا کوئی خبرگیراں نہیں رہتا اور وہ جہاں جاتی ہیں اپنا بُرا سبق دیس میں پھیلاتی ہیں۔ مَیں نے یہ خود حساب کر کے معلوم کیا ہے کہ میری ریاست میں جسقدر اسباب باہر سے آتا ہے اُس میں سے نصف

حصہ شراب ہوتا ہے اور شراب بھی نہایت ہی خراب قسم کا۔ دیسیوں کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا ہے کہ ہر ایک چیز جو یورپ سے آتی ہے اور جس کو گورے لوگ استعمال کرتے ہیں۔ وہ ضرور اچھی ہی ہوتی ہے اور تہذیب کا ایک نشان ہوتی ہے۔ اس لیئے یہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ایسے آدمی جن کے پاس کافی شراب خریدنے کے لیئے روپیہ نہیں ہوتا وہ اپنے سر اور موچھوں پر عطر کی طرح شراب کا ایک قطرہ مل دیتے ہیں تاکہ لوگ شراب کی بُو سونگھ کر انکو مہذب آدمیوں میں شمار کریں۔ یہ زہر نہایت تیزی سے اپنا کام کر رہی ہے اور چند ہی دنوں میں یہ اسقدر زور پر ہو جائے گی کہ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ لیکن ہمارا خون اہل یورپ کے سر پر ہوگا اور چلّا چلّا کر آسمان سے اپنا بدلہ مانگے گا۔"

رئیس موصوف کے مندرجہ بالا بیان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر افریقہ کے باشندے ایسے مذہب کو پسند کرتے ہیں جس کے پیرو زیادہ بدکار ہیں تو انہیں مسیحی مذہب کو دوسرے مذاہب پر ترجیح دینی چاہیئے۔

آؤ اب ہم افریقہ سے رخصت ہو کر دنیا کے ایک اور حصّے کی طرف سفر کریں اور دیکھیں کہ مسیحی مشنریوں اور مسیحی تاجروں نے دنیا کے اُس حصّہ کو کس قدر نفع پہنچایا ہے۔ اب میں ایک بڑے جلیل القدر انگریز یعنی مسٹر جے اے فرُوڈ کی شہادت کو پیش کروں گا۔ وہ اپنی مشہور تصنیف اوشی آنا میں جزیرہ نیوزیلنڈ کی بہادر قوم یعنی قوم مے آری کی تباہی پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ماتم کرتا ہے:۔

"شراب نے ان لوگوں کو جسمانی طور پر بھی تباہ کر دیا ہے اور اخلاقی طور پر بھی اُن کا ستیاناس کر دیا ہے۔ وہ اس زہر سے محبت کرتے ہیں اور شکر گذاری کے ساتھ پادریوں کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ 'پادری اچھے لوگ ہیں۔ کیونکہ وہ تین اعلیٰ درجہ کی چیزیں اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ اوّل بارود۔ دوم شراب۔ سوم تمباکو۔" (صفحہ ۲۲۳)

مسٹر فرُوڈ صاحب ایک دلچسپ حکایت بیان کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پادری صاحبان غیر ممالک میں جا کر کس قسم کا نمونہ لوگوں کے آگے پیش کرتے ہیں

اور اُن کا اپنا عمل اُنکی تعلیم سے کہانتک مطابق ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " ایک پادری اور قوم ماری کا ایک رئیس باہم گہرے دوست تھے۔ اُس رئیس کا نام میرے خیال میں ٹکوئی تھا۔ اس میں کئی خوبیاں تھیں۔ وہ بہادر تھا۔ وہ وفادار تھا وہ دیانت دار تھا مگر شراب پینے کا سخت عادی تھا۔ کئی دفعہ پادری نے ملاقات کے وقت اُس کو شراب کے نشہ سے بدمست پایا۔ اور آخر کار اُسکو بطور نصیحت کے کہنے لگا ٹکوئی! تم اچھے آدمی ہو۔ مَیں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تم شراب کو مت پیا کرو۔ ٹکوئی اگر تم ایسا کرو گے۔ تم اپنا مال۔ اپنا چال چلن۔ اپنی صحت۔ اور آخر کار اپنی زندگی کھو بیٹھو گے۔ نہیں۔ ٹکوئی۔ ان سب سے بدتر بات یہ ہے کہ آخر کار تم اپنی غیر فانی روح کو بھی کھو دو گے۔ ٹکوئی خاموش ہو کر پادری کی بات کو سنتا رہا۔ پادری چلا گیا۔ کئی دن کئی ہفتے۔ اور کئی مہینے گذر گئے۔ اور پادری نے اُس رئیس کو پھر نہ دیکھا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ رئیس پادری سے کہیں دُور نہیں تھا صرف مناسب موقعہ کا انتظار کر رہا تھا۔ قریباً ایک سال بعد ایک طوفانی رات کو پادری جو اپنے دَورہ پر گیا ہوا تھا بھیگا ہوا اور کانپتا ہوا اپنے مکان پر واپس آیا۔ آگ خوب بھڑک رہی تھی۔ کمرہ گرم تھا۔ پادری نے خشک کپڑے پہنے۔ کھانا کھایا۔ اور آرام محسوس کرنے لگا۔ اُس کو خیال آیا کہ ایسا نہ ہو زکام لگ جائے آؤ سونے سے پہلے ایک گلاس وِسکی شراب کا (جو آپ کے باورچی خانہ میں ہر وقت موجود رہتا تھا) پی لیں۔ اُس کا ملازم جھٹ شراب کی دیگچی لایا۔ وِسکی کی بوتل نکالی گئی۔ اور کچھ شکر اور لیموں اور پادری صاحب شراب کا پیالہ مُنہ کو لگانے ہی لگے تھے کہ دروازہ کُھلا اور ایک منقش چہرہ نے اندر جھانکا۔ چہرے کے بعد باقی جسم بھی اندر داخل ہوا اور پادری صاحب کیا دیکھتے ہیں کہ (بدقسمتی سے) وہی ٹکوئی دروازہ میں کھڑے ہیں۔ ٹکوئی نے پادری کو مخاطب کر کے کہا "چھوٹے باپ! تم شراب کو مت پیو۔ چھوٹے باپ! اگر تم شراب پیو گے تو تم اپنا مال۔ اپنا چال چلن۔ اور اپنی صحت کھو بیٹھو گے اور شاید تم اپنی جان بھی کھو بیٹھو گے۔ نہیں چھوٹے باپ تم اپنی .... مگر ایسا نہیں ہوگا۔ تمھاری غیر فانی روح میری روح سے زیادہ

قیمتی ہے۔ شراب تمہاری نسبت مجھے کم نقصان پہنچائے گا۔ تمہاری غیر فانی روح کو بچانے کے لیئے میں خود اس پیالہ کو پی لوں گا۔"

غرض مسیحی صاحبان کا یہ فرمانا بالکل بے جا ہے کہ افریقہ کے باشندے اسلام کو اس لیئے قبول کرتے ہیں کہ وہ بدی کو ترقی دیتا ہے۔ اگر یہی سبب ہوتا تو وہ مسیحی مذہب کو اسلام پر ضرور ترجیح دیتے۔ تعجب آتا ہے کہ کس طرح عام جلسوں میں پادری صاحبان ایسی کذب بیانی پر جرأت کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ولایت کے عوام کالانعام ایسی دھوکہ کی باتوں کو سُنکر صرف یہی نتیجہ نکالیں گے کہ پادری صاحبان میں نہایت ہی سیاہ قسم کی خلاف بیانی کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ پادری صاحبان کو چاہیئے کہ پہلے اپنی اصلاح کریں۔ اُس کے بعد اپنے ہم مذہب تاجروں کی جو وسکی اور رَم کی بوتلیں لیکر غیر ممالک میں سایہ کی طرح پادریوں کے پیچھے پیچھے پھرتے ہیں اس کے بعد اُن کو اختیار ہے کہ غیر ممالک کے باشندوں کی طرف رجوع کریں۔

مسٹر فروڈ صاحب پادریوں کو ایک نصیحت بھی کرتے ہیں۔ کیا پادری صاحبان ایسے جلیل القدر خیر خواہ کی نصیحت پر کان دھریں گے؟ وہ نہایت خیر خواہی اور درد دل سے لکھتے ہیں کہ "اگر رومن کیتھولک اور پراٹسٹنٹ مشنری مسلمانوں سے شراب کی ممانعت کرنا اور عملاً اُس کو روکنا سیکھ سکیں تو اس نہایت ہی عجیب قوم یعنی قوم مآری میں سے جو لوگ ابھی باقی ہیں وہ تباہی سے بچ سکتے ہیں۔" میں کہتا ہوں کہ اگر پادری صاحبان مسٹر فروڈ صاحب کی نصیحت پر عمل کر کے مسلمانوں سے یہ سبق سیکھ لیں تو نہ صرف قوم مآری ہلاکت سے بچ جائے گی بلکہ ایک دنیا جو آج مسیحی صاحبان کی مہربانی سے شراب خوری کی آفت میں گرفتار ہے اس بلا سے نجات پاجائے گی۔

واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین

ینابیع الاسلام پر ریویو - حصّہ ۴

مسیحی سرچشمے

ریورنڈ ٹسڈل نے اکیس (۲۱) مسیحی کتابوں کا ذکر کیا ہے جن کو وہ اسلامی تعالیم کے سرچشمے قرار دیتا ہے مگر اُس کے نزدیک ان کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی مسیحی کتابیں ہیں جو اسلامی تعالیم کا ماخذ ہیں وہ لکھتا ہے کہ بسیارے از مسیحیاں ساکن جزیرۃ العرب نہ فقط نادان بلکہ مرتکب بدعتہائے متنوعہ گردیدہ بودند یعنی عرب کے اکثر عیسائی صرف نادان ہی نہ تھے بلکہ طرح طرح کی بدعتوں میں بھی مبتلا تھے پھر لکھتا ہے آن بدعتیان از انجیل و از صحایف حواریین چنداں اطلاع نداشتند و از آن سبب بعضے کتابہائے جعلی پر افسانۂ باطل میاں خود شاں انتشار دادہ آنہا را مے خواندند و آن حکایتہا را کہ در آنہا مندرج بود بر زبانہائے خویش میراندند یعنی مسیحیوں کے بدعتی فرقے جو عرب میں آباد تھے انجیل اور حواریوں کے صحیفوں سے چنداں واقفیت نہیں رکھتے تھے اس لئے باطل اور جعلی کتابیں اُن میں کثرت سے رائج تھیں اور وہ کتابوں کو پڑھتے تھے اور جو حکایات اُن کتابوں میں درج تھیں بیان کیا کرتے تھے۔

پھر پادری صاحب اس سوال کے جواب میں کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن بدعتیوں سے علم حاصل کیا اور کس طرح آپ کو بدعتیوں کی باطل کتابوں کے مضامین سے آگاہی حاصل ہوئی بیان کرتے ہیں قول معترضین این است کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چوں از انجیل واقفیت کامل نداشت و با ابنائے جنس مذکور مراودۃ و معاشرت میداشت گماں برد کہ ہرچہ از زبان ایشان شنید در انجیل و یا در رسالہ ہائے حواریین مندرج است یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو انجیل سے پوری واقفیت نہیں تھی آپ کا میل جول ہمیشہ بدعتی مسیحیوں کے ساتھ رہتا تھا اور جو کچھ آپ نے ان بدعتیوں سے سُنا آپ نے خیال کیا کہ یہی انجیل اور حواریوں کے

صحیفوں کے مضامین ہیں پس اسطرح آپنے انکی باتوں کو انجیل اور حواریوں کی تعلیم سمجھ کر قرآن شریف میں داخل کر دیا اور اُس کا نام وحی الٰہی رکھا۔ یہ ہیں پادری صاحب کی شہادات جو آپنے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کی ہیں پادری صاحب کے بیان سے مندرجہ ذیل باتیں بطور نتیجہ کے پیدا ہوتی ہیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے مسیحیان عرب بدعتی فرقوں سے تعلق رکھتے تھے (۲) اناجیل اور صحف حوارین سے بے خبر تھے مگر بدعتی فرقوں کی کتب سے خوب واقفیت رکھتے تھے (۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مسیحیوں کے درمیان ہر وقت رہتے تھے اور باہمی ملاقات اور میل ملاپ کا سلسلہ جاری رہتا تھا (۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدعتی مسیحیوں پر پورا اعتماد تھا آپ جو کچھ اُن کی زبان سے سُنتے تھے اُسے انجیل اور صحف حوارین کی عبارت یقین کرتے تھے اور اُسے وحی الٰہی ظاہر کر کے قرآن مجید میں داخل کر دیتے تھے (۵) مسیحی مذہب کا جو بیان قرآن مجید میں پایا جاتا ہے وہ بدعتی فرقوں کے عین مطابق ہے۔ یہ ہیں وہ نتائج جو پادری ٹسڈل کے بیان سے پیدا ہوتے ہیں اگر ان کی بنا واقعات پر ہو تو کسی شخص کو پادری صاحب کے ساتھ اتفاق کرنے سے انکار نہ ہوگا مگر اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ پادری صاحب کے یہ بیانات بالکل خلاف واقعہ ہیں تو پھر پادری صاحب کا سارا دعویٰ باطل ہو جائے گا اس لیئے ہم سب سے پہلے پادری صاحب کے ان بیانات کی صحت کی پڑتال کریں گے۔

پادری ٹسڈل کے برخلاف تین جلیل القدر مسیحیوں کی گواہی

پادری صاحب کے بیانات کی بیخکنی کے لیئے اس سے زیادہ کوئی بہتر طریق نہ ہوگا کہ خود مسیحی مصنفین کے بیانات کو نقل کر دیا جاوے جو ہر ایک امر میں پادری صاحب کے بیانات کی تردید کرتے ہیں پہلا مسیحی مصنف جس کو میں پادری صاحب کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے بلاتا ہوں وہ جے۔ ایم راڈویل ایم اے۔ ریکٹر آف سنٹ ایتھلبرگ و مترجم قرآن مجید ہے۔ پادری صاحب نے صرف دو بڑے بڑے بدعتیوں کا نام لیا ہے جن کی تحریریں اُن کے

خیال میں عرب کے مسیحیوں میں کثرت سے رائج تھیں اور اس لیئے اُن کے مضامین قرآن مجید میں داخل ہو گئے یہ مرقیوں اور بسیلیدس ہیں جو ایک بدعتی فرقہ ناسٹک نامی کے دو عظیم الشان امام ہیں ملاحظہ ہو ینابیع الاسلام صفحہ ۱۴۹ و ۱۵۷۔ پس پادری صاحب کے نزدیک مسیحیوں کے جن بدعتی فرقوں کا بڑا اثر قرآنی مضامین و تعالیم پر ہوا وہ ناسٹک مذہب کے فرقے تھے اب دیکھتے ہیں کہ راڈویل صاحب اس بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں وہ قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں "یہ خیال کیا جاتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسیحی مذہب کے متعلق اپنے بہت سے خیالات کو ناسٹک فرقہ سے حاصل کیا لیکن ایسا خیال کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ فرقہ اُس زمانہ میں عرب میں کثرت سے پھیلا ہوا تھا مگر اس کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں بلکہ ہمارے پاس کوئی ایسی تاریخی سند بھی موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ اس فرقہ کے اصول کبھی کسی زمانہ میں ملک عرب میں سکھائے گئے یا اس فرقہ کا کوئی پیرو ملک عرب میں کبھی گذرا ہے برخلاف اس کے یہ ایک یقینی امر ہے کہ پانچویں صدی مسیحی کے وسط کے قریب۔ بسیلیدین۔ وے لین ٹی نی اَن اور دوسرے ناسٹک فرقے یا تو بالکل معدوم ہو چکے تھے یا عام مسیحیوں میں جذب ہو گئے تھے اور ملک مصر سے چھٹی صدی سے پہلے معدوم ہو گئے تھے" دوسرا مسیحی مصنف جس کو میں پادری ٹسڈل کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے پیش کرتا ہوں سر ولیم میور ہے وہ اپنی کتاب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتا ہے کہ "ناسٹک مذہب چھٹی صدی سے پہلے مصر سے نابود ہو چکا تھا اور اس امر کے لیئے ہمارے پاس کوئی شہادت نہیں کہ یہ مذہب کبھی ملک عرب میں داخل ہوا" مگر پادری ٹسڈل کے خیال کے مطابق ناسٹک مذہب کے مشہور لیڈروں بسیلیدس اور مرقیوں کے پیرو نہ صرف کثرت سے عرب میں پائے جاتے تھے بلکہ وہ بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب میں رہتے تھے اور ہر وقت باہمی ملاقات اور میل جول کا سلسلہ جاری رہتا تھا پادری صاحب بعض اُن اناجیل کا بھی ذکر کرتے ہیں جو اناجیل اربعہ کے علاوہ ہیں اور جن کو مسیحیوں کی اصطلاح میں

اپوکرفا کہتے ہیں پادری صاحب ان اناجیل کو بھی اسلام کے ینابیع میں شامل کرتے ہیں اور اُن کے نزدیک اگرچہ عرب کے مسیحی لوگ اناجیل اربعہ سے واقفیت نہیں رکھتے تھے مگر ان کتابوں میں پوری مہارت رکھتے تھے اور قرآن شریف کے مضامین پادری صاحب کے نزدیک اپوکرفا سے پوری مطابقت رکھتے ہیں اس کے متعلق سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "بعض نے قرآنی مضامین کا کھوج اناجیل اپوکرفا میں لگانے کی کوشش کی ہے جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسائی میں تھیں مگر اگرچہ قرآن کی بعض تفاصیل ان اناجیل کے مشابہ ہیں مگر عام طور پر کوئی مطابقت نہیں پائی جاتی۔ اور اگر یہ کتابیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رسائی میں ہوتیں تو ضرور تھا کہ قرآن مجید کے بہت سے مضامین ان کتابوں میں سے لیئے جاتے بعض کا خیال ہے کہ نسلاً بعد نسلاً مسیحی مذہب کے جو عقائد اور حالات اور تاریخی واقعات روایت کے طور پر ملک عرب کے مسیحیوں میں چلے آتے تھے قرآن مجید کے مضامین اُن سے اخذ کیئے گئے مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر یہی روایتی واقعات قرآنی مضامین کا منبع ہوتے تو یہ اس غرض کے لیئے بالکل ناکافی تھے ہمارے پاس کوئی ثبوت اس بات کا موجود نہیں کہ مکّہ میں یا مدینہ میں اسقدر روایتی حالات مسیحی مذہب کے متعلق موجود تھے کہ اُن سے اُس قسم کے بیانات پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ مرتب ہو سکتے جیسے کہ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں جو اناجیل اربعہ اور دیگر اناجیل کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت اور تفصیلی مطابقت رکھتے ہیں (لائف آف محمدؐ ۱۴۹-۱۵۰) صفحہ ۱۱۹ پر ولیم میور لکھتا ہے "درحقیقت اگر ہم ایک یا دو مہموں کو مستثنے کر دیں جو دُور دراز مسیحی قبیلوں کی طرف بھیجی گئیں تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی ساری زندگی میں مسیح کے پیروؤں سے کوئی میل جول کرنے کا موقعہ نہیں ملا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کس قدر مسیحی ملک عرب میں آباد تھے اُنکے متعلق ولیم میور لکھتا ہے "پانچ صدی کی جدوجہد کے بعد ایسے لوگ جنہوں نے

مسیحی مذہب قبول کیا صرف کہیں کہیں ملتے تھے یعنی نجران میں بنی حارث - یمامہ میں بنی حنیفہ - اور تیما میں بعض بنی طے - انکے علاوہ اور کوئی مسیحی مذہب کے پیرو ملک عرب میں موجود نہیں تھے (دیباچہ لائیف آف محمدؐ ۸۴) اب میں پادری صاحب کے برخلاف شہادت دینے کے لیئے ایک تیسرے صاحب کو پیش کرتا ہوں اور وہ پروفیسر نول ڈیک ہے پادری صاحب کے خیال کے بموجب اگرچہ عرب کے مسیحی اناجیل اربعہ اور صحف حوارین سے چنداں آگاہی نہیں رکھتے تھے مگر دیگر اناجیل جو پادری صاحب کے نزدیک جعلی اور پُر افسانہ باطل ہیں اور کتب مرتدین اُن کے پاس موجود تھیں اُن کو خود پڑھتے تھے اور اُن کے مضامین وہ اکثر لوگوں کو سنایا کرتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ آں بدعتیاں از انجیل و از صحائف حواریین چنداں اطلاع نداشتند واز آں سبب بعضے کتابہائے جعلی پُر افسانہ باطل میاں خود شاں انتشار دادہ آنہارا مے خواندند و آں حکایتہا راکہ در آنہا مندرج بود بر زبانہائے خویش مے راندند - اور یہ کتابیں عبرانی - یونانی - سریانی وغیرہ زبانوں میں تھیں کیونکہ اُس وقت تک کوئی کتاب پادری صاحبان کے مسلمہ عقیدہ کے بموجب عربی میں ترجمہ نہیں ہوئی تھی پس پادری صاحب کے خیال کے بموجب عرب کے مسیحی یعنی بنی حارث و بنی حنیفہ - اور بنی طے ان زبانوں میں مہارت رکھتے تھے اور عبرانی - یونانی - سریانی وغیرہ مسیحی کتب کو پڑھ سکتے تھے مگر پروفیسر مذکور اس سے انکار کرتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "عرب کے مسیحی قریباً کچھ بھی نہیں جانتے تھے" ملاحظہ ہو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا - جلد سولہ صفحہ ۶۰۰ اب پادری صاحب کے برخلاف تین گواہ کھڑے ہیں جو ہر ایک امر میں پادری صاحب کے برخلاف بیان دیتے ہیں پادری صاحب تو فرماتے ہیں کہ عرب کے مسیحی مرقیون اور بسیلیدس اور دیگر مرتدین کی تعالیم سے پوری واقفیت رکھتے تھے اور اگرچہ اناجیل اربعہ سے انکو چنداں تعلق نہ تھا مگر دیگر اناجیل سے جن کو اپوکرفا کہتے ہیں اُن کو پوری واقفیت حاصل تھی مگر مذکورہ بالا صاحبان بیان کرتے ہیں کہ مرقیون اور بسیلیدس اور دیگر ناستکی بدعتیوں کی تعالیم کو عرب میں کبھی دخل حاصل نہیں ہوا اور یہ کہ اناجیل اپوکرفا یا دوسری اناجیل تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی رسائی نہیں ملی - اور یہ کہ عرب کے مسیحی اناجیل

اپوکرفا تو کجا قریباً کچھ بھی نہیں جانتے تھے پادری صاحب یہ نہیں کہتے کہ عرب کے عیسائی مسیحی عقائد اور تاریخی حالات کو روایتی طور پر جانتے تھے بلکہ اُن کا بیان ہے کہ اناجیل اپوکرفا اُن کے پاس موجود تھیں بلکہ کثرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ لوگ خود اُن کتابوں کو پڑھ سکتے تھے اور براہِ راست بلا واسطہ ان کے مضامین سے آگاہی حاصل کر سکتے تھے ملاحظہ ہو ینابیع صفحہ ۱۱۳۔ افسوس ہے کہ ایک مقدس پادری کہلا کر ایسی باتیں مُنہ پر لانے کی جرأت کرے جن کا کچھ بھی ثبوت اُس کے پاس نہیں اور جنکو وہ خود خلاف واقعہ سمجھتا ہے مگر پادری صاحب صرف اسی پر بس نہیں کرتے آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ اناجیل اپوکرفا پڑھنے والے مسیحی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن لوگوں سے ہر وقت میل ملاپ اور نشست و برخاست رکھتے تھے چنانچہ پادری صاحب فرماتے ہیں حضرت محمدؐ با ابنائے جنس مذکور مراودۃ و معاشرت میداشت۔ یہ کیسی صریح کذب بیانی ہے اور امید نہیں کہ پادری ٹسڈل کے سوا کوئی اور پادری اس قسم کی خلاف بیانی پر جرأت کر سکے۔ مَیں پہلے میور کے قول کو نقل کر چکا ہوں جس نے لکھا ہے کہ ملک عرب میں صرف تین جگہ تھوڑے تھوڑے عیسائی آباد تھے نجران میں بنی حارث۔ یمامہ میں بنی حنیفہ اور تیما میں چند بنی طے۔ اس کے سوا کوئی قوم مسیحیوں کی کسی جگہ آباد نہیں تھی اور میور نے یہ بھی لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی زندگی میں مسیحؑ کے پیروؤں سے کوئی میل جول کرنیکا موقعہ نہیں ملا۔ اس میں شک نہیں کہ یا تو پادری صاحب بالکل نادان اور اسلامی تاریخ کے علم سے بالکل بے بہرہ ہیں یا عمداً خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں افسوس ہے کہ ایسا شخص یہ دعویٰ کرے کہ مَیں نے قرآنی مضامین کا زمینی سرچشموں سے ماخوذ ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔

پادری ٹسڈل کی علمیت

پادری صاحب قدم قدم پر اگر عمداً خلاف بیانی کا نہیں تو کم از کم اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں اپنی تحقیقات کے اثنا میں وہ چند قبطی تحریروں کا ذکر کرتے ہیں جنکو وہ اسلام کے سرچشموں میں شمار کرتے ہیں اور جس طریق سے وہ ان

کتابوں کے مضامین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتی ہیں اُس کو پڑھ کر بلا اختیار پادری صاحب کی علمیت پر تعجب آتا ہے۔ ان کتابوں میں سے ایک کا نام انجیل طفولیت ہے اس انجیل میں سے ایک عبارت نقل کرنے کے بعد وہ لکھتا ہے کہ "بے شک وشبہ حضرت محمدؐ ایں حکایت را از آں کتاب جعلی اخذ نمودہ واگر شخصے بپرسد کہ آں امر بچہ طور ممکن بودہ در جوابش مے تواں گفت کہ ایں کتاب از قبطی بعربی ترجمہ شدہ است وچوں ماریہ قبطیہ در میان کنیز کہائے حضرت محمدؐ بود ایں فسانہ را از آں زن نادان شنیدہ گمان برد کہ ایں داستان در انجیل اصلی حقیقی مرقوم است پس از آں سبب آنرا قدرے تبدیل دادہ داخل قرآن گردانید۔ یعنی اس میں کچھ شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے اس حکایت کو انجیل طفولیت سے (جو پادری صاحب کے نزدیک جعلی کتاب ہے) اخذ کیا۔ اور اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے کس طرح ممکن تھا کہ آپ اس مضمون کو انجیل طفولیت مسیحؑ سے حاصل کرتے تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اب یہ انجیل عربی میں ہے مگر اصل میں قبطی زبان میں تھی اور چونکہ حضرت ماریہ رضؓ بھی قبطی قوم میں سے تھی جو مصر سے شاہ مقوقس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجی تھی اس لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واقعہ حضرت ماریہؓ سے سن لیا اور یہ خیال کرکے کہ یہ بیان اصل انجیل میں ہے اسکو کسی قدر تغیر دیکر قرآن مجید میں داخل کر دیا۔ ایک جاہل مسیحی پادری صاحب کی اس تحقیقات کو پڑھکر اُنکی قابلیت کی ضرور داد دیگا اور بلاشک وشبہ وہ یہ خیال کریگا کہ پادری صاحب نے بڑا کمال کیا ہے کیسی صفائی سے ایک قرآنی مضمون کا ایک مسیحی کتاب میں سے کھوج نکالا ہے اور پھر کیسے تاریخی واقعہ سے اس مضمون کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنا ثابت کرکے دکھا دیا ہے مگر ہر ایک ایسا شخص جس کو اسلامی تاریخ کا کچھ علم ہے وہ پادری صاحب کی اس تحقیقات پر ہنسے گا۔ اوّل تو اس بات کا ہی کوئی ثبوت پادری صاحب کے پاس موجود نہیں کہ حضرت ماریہ رضؓ جب اپنے وطن ملک مصر میں رہتی تھیں تو انہوں نے انجیل طفولیت کو پڑھا تھا اور وہ اس انجیل کے اس مضمون سے آگاہی رکھتی تھیں اور پھر جب وہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے پاس آئیں تو انہوں نے انجیل مذکورہ کی اصل عبارت ہو بہو سنا دی جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل انجیل کی عبارت سمجھکر ایک خفیف تغیر کے ساتھ قرآن مجید میں داخل کردیا مگر ہم یہ سب کچھ محض پادری صاحب کی خاطر مان بھی لیتے ہیں لیکن اس کے متعلق ایک خاص مشکل ہے جس کا حل کرنا پادری صاحب کے لئے محال ہے اور وہ مشکل یہ ہے کہ مضمون زیر بحث جس کی نسبت پادری صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت ماریہؓ کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انجیل طفولیت سے اخذ کیا یعنی آیت قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا سورۂ مریم میں واقع ہے اور یہ سورہ مکی زمانہ کی سورہ ہے اور مکہ میں بھی بہت ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی کیونکہ جب بعثت کے سال ۵ یا ۶ میں مکہ کے بعض مسلمان قریش کی تعدیوں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف بھاگ گئے اور پھر اس کے بعد قریش نے اپنے آدمی نجاشی شاہ حبشہ کے پاس اس غرض سے بھیجے کہ پناہ گزین مسلمانوں کو انکے حوالے کردے تو اسوقت حبشہ کے مسلمان بادشاہی دربار میں طلب کئے گئے اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے ایک فصیح تقریر میں قریش کے مظالم کا ذکر کرکے اور اپنی مذہبی تعلیم کا نقشہ کھینچکر اس سے حفاظت طلب کی اُس وقت قریش کے سفیروں نے اُس عیسائی بادشاہ کو یہ کہکر بھڑکانا چاہا کہ انکا نبی حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت ہتک آمیز الفاظ کہتا ہے تو اُسوقت اس الزام کے جواب میں حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے یہی سورہ مریم بلکہ یہی آیات زیر بحث دربار شاہی میں پڑھکر سنائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورۃ ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہو چکی تھی یعنی ہجری سن سے کم از کم سات سال قبل مگر حضرت ماریہؓ جنکی نسبت پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیات اُن سے سیکھیں مدینہ میں ہجرت کے ساتویں سال میں آپ کے پاس آئیں یعنی آیت مذکورہ کے نزول سے قریباً چودہ سال بعد۔ اب پادری صاحب فرماویں کہ یہ کسطرح ممکن ہوا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آنے سے چودہ سال پہلے یہ آیات آپکو سکھادیں یہ ایک مشکل ہے جس کا حل کرنا پادری صاحب کیلئے کیا اُن کے فاضل مترجم سرولیم میور کے لیئے بھی محال ہے ناظرین! یہ ہے نمونہ پادری صاحب کی اعلیٰ تحقیقات کا۔ ایسا ہی پادری صاحب کی اعلیٰ تحقیق کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو میں ایک پہلے مضمون میں مصریوں کی ایک پرانی کتاب مسمی بہ کتاب الاموات کا ذکر کرچکا ہوں پادری صاحب کے نزدیک یہ کتاب بھی قرآن مجید کی تعالیم کا ایک سرچشمہ ہے اور وہ ایک نہایت ہی پیچ در پیچ راہ سے اس کتاب کے مضامین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں وہ لکھتے کہ اس کتاب میں ایک تعلیم ہے اعمال کے تولا جانے کے متعلق یہ تعلیم اس کتاب سے اخذ کرکے مسیحیوں نے اپنی کتاب وصیت نامہ ابراہیمؑ میں داخل کردی پھر ماریہ قبطی نے وصیت نامہ ابراہیمؑ کو پڑھکر اس تعلیم سے آگاہی حاصل کی اور جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں پہنچی تو اُس نے یہی تعلیم آپ کو سکھادی آپنے خیال کیا کہ جو کچھ یہ بیان کرتی ہے یہ عین انجیل کی تعلیم ہے اس لیئے آپنے اس کو قرآن مجید میں داخل کردیا اور یہ ظاہر کیا کہ یہ تعلیم بذریعہ وحی مجھ پر نازل ہوئی ہے پادری صاحب کی خاطر ہم اس جگہ بھی اُن کا ہر ایک دعویٰ بلا دلیل صحیح ماننے کے لیئے تیار تھے ہم اس بات کے ماننے کیلیئے بھی تیار تھے کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا ایک عالمہ فاضلہ عورت تھیں جو اپنے مذہب کی کتب سے گہری واقفیت رکھتی تھیں اور یہ کہ انہوں نے وصیت نامہ ابراہیمؑ کو اچھی طرح پڑھا ہوا تھا اور ہم پادری صاحب کی خاطر یہ بھی فرض کیئے لیتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی ہر ایک بات کو انجیل کی تعلیم یقین کرتے تھے مگر مشکل تو یہ ہے کہ پادری صاحب کی بدقسمتی سے جن دو آیات قرآنی کا انہوں نے ذکر کیا ہے وہ دونوں مکی ہیں حالانکہ حضرت ماریہؓ ہجرت کے ساتویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں اور وہ دو آیات یہ ہیں۔

(۱) فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ۝ (سورۂ قارعہ) (۲) اللَّهُ الَّذِي أَنزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ (شوریٰ)

دو باتوں میں سے ایک بات تو ضرور ہے یا تو پادری صاحب بوجہ نادانی ایسی آیات کو جو

سالہا سال پہلے نازل ہو چکی تھیں ایسے لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جو آیات کے نزول سے کئی سال بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے یا پادری صاحب صرف عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں مگر بہر حال اُنکی کارروائی ہر ایک عقلمند کے نزدیک قابل نفرت ہے اگر انکو اتنا بھی علم نہ تھا کہ حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کس زمانہ میں اور کس شہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ کہ سورۃ القارعہ اور الشوریٰ مکی سورتیں ہیں یا مدنی تو انہوں نے کس علم کے بھروسہ پر اس تحقیقات کو اپنے ذمہ لیا۔ اور اگر اُن کو ان امور کا علم تھا مگر صرف عوام الناس کو دھوکہ دینے کی غرض سے ایسا لکھا ہے تو اُن کی کارروائی اور بھی زیادہ قابل شرم ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحب نے جتنا وقت قرآنی تعالیم کے سرچشمے دریافت کرنے کے لئے خرچ کیا ہے اتنا اپنی بائبل کے پڑھنے پر خرچ نہیں کیا۔ قرآن مجید نے جو تعلیم وزن اعمال کے متعلق دی ہے اُسپر پادری صاحب اعتراض کرتے ہیں کہ یہ غلط تعلیم ہے کیونکہ اس کا اصل ہماری کتاب مقدس میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ اصل میں یہ مصر کے قدیم بُت پرستوں کی تعلیم ہے جو اُن کی کتاب کتاب الاموات میں پائی جاتی ہے اور حضرت ماریہؓ قبطی کے ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی۔ افسوس۔ پادری صاحب اسلامی تاریخ سے تو بے خبر تھے ہی۔ کاش کہ اپنی ہی کتاب مقدس کی آپ کو کچھ خبر ہوتی۔ بیچارے پادری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ تعلیم جس کو وہ بُت پرستوں کی تعلیم قرار دیتا ہے خود پادری جی کی کتاب مقدس میں پائی جاتی ہے کیونکہ ۱۔سموئیل باب ۲ ورس ۳ میں لکھا ہے "غرور سے بہت باتیں نہ کہو اور بڑا بول تمھارے مُنہ سے نہ نکلے کیونکہ خداوند دانش کا خدا ہے اور اعمال اُسکے آگے تولے جاتے ہیں" اب پادری صاحب میں کچھ انصاف کا حصہ ہے تو جیساکہ انہوں نے یہ ظاہر کیا ہے کہ وزن اعمال کے متعلق قرآنی تعلیم مصر کے قدیم بُت پرستوں سے لی گئی ایسا ہی اب اُسکو اس بات کا بھی اقرار کرنا چاہیئے کہ کتاب مقدس میں جو اعمال کے تولا جانے کا ذکر ہے وہ بھی دراصل مصر کے قدیمی بُت پرستوں کی تعلیم ہے جو اُنکی کتاب کتاب الاموات میں ہے

چرائی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو کوئی ذریعہ ایسا نہیں تھا جس سے وہ
اس تعلیم کو کتاب الاموات سے حاصل کر سکتے۔ مگر کتب مقدس کے روحانی
مصنفوں کے پاس تو قدیم مصریوں سے اس تعلیم کا سرقہ کرنے کے لیئے کئی آسان
ذریعے موجود تھے پھر کیوں یہ خیال نہ کیا جاوے کہ کتاب مقدس میں جو اعمال کے
تولا جانے کا ذکر ہے وہ مصر کے بت پرستوں سے چرایا گیا مگر پادری صاحب اپنی کتاب
مقدس کے لیئے تو ہرگز گوارا نہ فرمائیں گے کہ اس کی تعلیم غیروں سے چرائی گئی بلکہ
یہ کہیں گے کہ جو کچھ کتاب مقدس میں ہے وہ خداوند خدا کا کلام ہے مگر جب قرآن مجید
میں وہی تعلیم دی گئی تو اس کی نسبت فرماتے ہیں کہ یہ مصریوں سے حاصل کیگئی
سچ کہو پادری صاحب یہی انصاف ہے!! پادری صاحب نے اسلامی ینابیع کی تلاش میں
اپنی اور پرائی سب کتابوں کی ورق گردانی کی ہے اور تالمود کو بھی عبور کیا ہے مگر
تعجب ہے کہ انکو تالمود کا مندرجہ ذیل فقرہ کیوں نظر نہ آیا۔ "جب گناہ اور نیک اعمال انصاف
کے ترازو میں ایک دوسرے کے مقابل میں رکھے جاتے ہیں تو خدائے تعالیٰ اس کو رحم
کی طرف جھکا دیتا ہے ملاحظہ ہو پیکتا باب ۲۶- ۱۶۷ الف۔ غرض اعمال کے
تولا جانے کا ذکر خود بائبل میں اور یہودیوں کی دوسری کتابوں میں موجود ہے مگر
پادری صاحب کو اپنے گھر کی بھی خبر نہیں اور دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں پادری
صاحب صفحہ ۱۶۴ پر صریح الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس تعلیم کا نام و نشان بھی کتاب
مقدس میں نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ کتاب ۱۔سموئیل باب ۲ ورس ۳ میں بالصراحت
اس کا ذکر موجود ہے اور تالمود میں یہود کا یہی عقیدہ بیان کیا گیا ہے پس کیا ایسا
شخص جسکو نہ کتاب مقدس کی تعلیم کی کچھ خبر ہے اور نہ یہود کے معتقدات سے اسکو
کچھ آگاہی ہے نہ اسلام کی تاریخ سے کچھ واقفیت رکھتا ہے اور نہ مکی اور مدنی سورتوں
میں تمیز کر سکتا ہے کیا ایسا نادان پادری یہ حق رکھتا ہے کہ اسلامی تعلیم کے سرچشموں
کے متعلق کسی رائے کا اظہار کرے۔ خدائے تعالیٰ نے جو تعلیم اعمال کے موازنہ کے
متعلق قرآن مجید میں .... دی ہے وہ کوئی نئی تعلیم نہیں یہی تعلیم گذشتہ انبیاء کو

سے دی اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور جس طرح خدائے تعالیٰ یہ تعلیم گذشتہ
مرسلین کو سکھا سکتا تھا اسی طرح وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سکھا سکتا تھا
پادری صاحب کا یہ کہنا محض لغو ہے کہ آپ نے یہ تعلیم حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا سے
سیکھی۔ حضرت ماریہؓ کے پہنچنے سے کئی سال پہلے آپ اس تعلیم کو شہر مکہ میں شائع
کر چکے تھے۔

پادری ٹسڈل کی تحقیقات کی حقیقت

پادری صاحب کی کتاب واقعی ایک عجیب کتاب ہے مگر اُن معنوں میں نہیں جن میں میور اُس کو عجیب کتاب کہتا ہے۔

پادری صاحب کا طرز بالکل نرالا ہے جو خود اُنکی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جب
اُنکو کوئی امر ثابت کرنا منظور ہوتا ہے تو اُن کو یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ اُس کے ثابت
کرنیکے لیئے صحیح واقعات کی تلاش کریں کیونکہ اُن کے پاس ایک جادو کی قلم ہے جسمیں
یہ خاصیت ہے کہ وہ خود واقعات کو ایجاد کر سکتی ہے وہ اس امر کے محتاج نہیں کہ ایک
دعویٰ کو ثابت کرنیکے لیئے معمولی تاریخ کی طرف توجہ کریں۔ کیونکہ وہ یہ طاقت رکھتے
ہیں کہ خود ایک نئی تاریخ کو پیدا کرلیں۔ وہ معدوم امور کو عدم سے وجود میں لانے کی
استعداد رکھتے ہیں اس لیئے ہر ایک بات کے ثابت کرنے کیلیئے وہ خود اپنے ڈھب کے
واقعات پیدا کر سکتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کا زمینی سرچشموں سے ماخوذ ہونا ثابت کرنیکے لیئے
انہوں نے اپنی اسی قوت سے کام لیا ہے مثلاً انکو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ قرآن
شریف کی بعض تعالیم اور اُس کے بعض مضامین مسیحی سرچشموں سے ماخوذ ہیں اس
بات کے ثابت کرنے کے لیئے انہوں نے یہ ضروری سمجھا کہ بعض مسیحی کتب اور بعض
مسیحی عقائد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی میں پہنچائے اس لیئے وہ بغیر کسی تاریخی
ثبوت کے صرف اپنی زبان کی سند پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ سب کتابیں اور عقائد عرب کے
مسیحیوں میں پوری طرح رائج تھے اور عرب کے مسیحی ان کتابوں کو اچھی طرح پڑھ سکتے
تھے اور وہ مشہور بدعتیوں مرقیون اور بسیلیدیس کے معتقدات سے پوری واقفیت

رکھتے تھے بلکہ خود اُن کے پیرو تھے اس کے علاوہ یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے اور ہر وقت آپ کے آگے پیچھے پھرتے تھے - پھر ان سب باتوں سے بڑھکر آپ کو ان مسیحی ہمنشینوں پر پورا اعتماد تھا اور ہر ایک حکایت اور ہر ایک مسئلہ جو آپ ان مسیحی دوستوں سے سنتے تھے اُس کو عین الہام الٰہی یقین کرتے تھے جو حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا - اور اس لئے اُسکو بلا تامل قرآن مجید میں داخل فرماکر یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ کلام بذریعہ وحی میرے پر نازل ہوا ہے - یہ ہے پادری صاحب کے دلائل کا خلاصہ - مگر یہ سب ایسے امور ہیں جو سب پادری صاحب کے خیال کی ایجاد ہیں - ان کا وجود نہ زمین پر پایا جاتا ہے نہ آسمان پر - اگر یہ امور کہیں پائے جاتے ہیں - تو صرف پادری صاحب کی خود تراشیدہ خیالی تاریخ میں یہ بیان سراسر بے بنیاد ہے کہ جن کتابوں کا نام پادری صاحب نے لیا ہے اور دیگر بہت سی کتابیں جن کا ذکر انہوں نے بخوف طوالت ترک کر دیا ہے یہ سب کتابیں عرب کے مسیحیوں کے پاس موجود تھیں یا کبھی انہوں نے اُن کتابوں کا نام بھی سُنا تھا - پھر پادری صاحب کا دوسرا جھوٹ یہ ہے کہ عرب کے مسیحی ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے اور آپ کا اُن کے ساتھ ہمیشہ میل جول رہتا تھا - مَیں اوپر ولیم میور کا قول نقل کر چکا ہوں جو صریح الفاظ میں اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ ساری زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیحیوں سے میل جول کرنے کا کبھی موقعہ نہیں ملا - سوائے ایک دُو دُور دراز کی مہموں کے اور ایک دُو سفارتوں کے - پھر سب سے بڑا جھوٹ جو پادری صاحب نے بولا ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن عرب کے بدعتی مسیحیوں پر پورا اعتماد تھا اور جو کچھ آپ اُن سے سُنتے تھے اُسکو وحی الٰہی یقین کرتے تھے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی - اور اس لیئے اُس کو قرآن مجید میں داخل کر لیتے تھے اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے مسیحیوں سے روزانہ میل ملاپ رکھتے تھے اور یہ لوگ کثرت سے مکہ معظمہ میں آباد تھے پھر بھی کوئی عقلمند

ایک لمحہ کے لیئے یہ بات تسلیم نہیں کریگا کہ آپ کو ان جاہل اور بدعتی مسیحیوں پر اس قدر اعتماد تھا کہ جو کچھ آپ اُن کی زبان سے سُنتے تھے اسکو وحی الٰہی یقین کر کے قرآن شریف میں داخل کر لیتے تھے یہ ایک ایسا بیہودہ خیال ہے کہ ہر ایک عقلمند آدمی اس خیال پر ہنسیگا۔ خصوصاً جبکہ ایسا خیال ایک ایسے شخص کی نسبت کیا جاوے جسکی تعلیم یہ تھی۔ کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ یعنی اگر ایک شخص جو بات سنے اُسے لوگوں کے پاس بیان کرے تو یہی بات اُس کے جھوٹا ہونے کیلیئے کافی ہے اس تعلیم میں آپ اپنے پیروؤں کو اس سے روکتے ہیں کہ وہ ہر ایک سُنی سنائی بات لوگوں کے پاس بیان کرتے پھریں۔ کیونکہ ایسی سُنی ہوئی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور اکثر ان میں سے جھوٹی نکلتی ہیں اور جو شخص ہر ایک سُنی ہوئی بات کو سچا سمجھ کر لوگوں کے پاس بیان کرتا ہے یہی امر اُس کو جھوٹا بنانے کے لیئے کافی ہے کیا ایسے شخص کی نسبت جو اس قسم کی تعلیم دیتا ہے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے جو کچھ عرب کے جاہل مسیحیوں سے سُنا اُس کو خدا کا کلام سمجھ لیا۔ پھر جب ہم غور کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانہ کے مسیحیوں کو کس نظر سے دیکھتے تھے تو اس خیال کی لغویت اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا۔ کہ سورۂ فاتحہ کے آخر میں جو لفظ ضَآلِّین ہے اس سے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ نصاریٰ۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اُس زمانہ کے مسیحیوں کو ضالین یعنی سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے یقین کرتے تھے پھر ایسی صورت میں آپ اُن پر کس طرح اعتماد کر سکتے تھے اور کس طرح اُن کے منہ کی باتوں کو خدا کا وہ کلام یقین کر سکتے تھے۔ جو انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوا۔ نیز ملاحظہ ہوں مندرجہ ذیل آیات قرآنی۔ جن سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ آپ مسیحیوں کو کس آنکھ سے دیکھتے تھے۔ ان آیات کے مطالعہ سے صاف طور پر ثابت ہو جائیگا کہ آپ کسی صورت میں اُن کی طرف کسی قسم کی رہنمائی کے لیئے رجوع نہیں کر سکتے تھے (۱) وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصَٰرَىٰٓ أَخَذْنَا مِيثَٰقَهُمْ

فَنَسُوْا حَظًّا كَثِيْرًا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ..... يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۵ یعنی اُن لوگوں سے جو اپنے تئیں نصاریٰ کہتے ہیں ہم نے عہد لیا مگر جو تعلیم اُنکو دی گئی تھی اُس کا ایک بڑا حصّہ وہ بُھلا چکے ہیں .... اے اہل کتاب اب ہمارا رسول تمہارے پاس آیا ہے اور کتاب کے جن حصّوں کو تم چھپایا کرتے تھے اُن میں سے ایک حصّہ کو وہ بیان کرتا ہے اور ایک حصہ سے درگذر کرتا ہے (مائدہ - ۳) (۲) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْ إِسْرَائِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ .... لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ وَ مَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ..... قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيْلِ۔ (مائدہ - ۱۰) وہ لوگ منکر ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے بنی اسرائیل کو یہ تعلیم دی تھی کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ..... وہ لوگ منکر ہیں جو کہتے ہیں کہ تین میں سے تیسرا اللہ ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں .... تو اہل کتاب کو کہہ کہ تم اپنے دین میں غلو نہ کرو اور تم اس قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی اور بہتوں کو گمراہ کیا اور خود سیدھی راہ سے بھول گئے (۳) فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ (مائدہ - ۷) پس ان (نصاریٰ) میں اُس وحی کے ساتھ فیصلہ کر جو اللہ تعالیٰ نے اُتاری ہے اور جو حق تیرے پاس آیا ہے اُس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی مت کر (۴) وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۵ اور اگر بعد اس کے کہ تیرے پاس علم پہنچ چکا ہے تو اُن (اہل کتاب) کی خواہشوں کی پیروی کرے تو تیرے لیئے اللہ تعالیٰ سے

بچانیوالا اور حامی کوئی نہ ہوگا (رعد - ۵) (۵) فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ - پس ہلاکت ہے اُن لوگوں کے لیئے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے - (بقرہ - ۹) مندرجہ بالا آیات سے پادری صاحب کے اس بیان کی پورے طور پر تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے زمانہ کے مسیحیوں پر اس قدر اعتماد تھا کہ آپ اُنکی ہر ایک بات کو وحی الٰہی سمجھ کر قرآن مجید میں داخل کرلیتے تھے پادری صاحب کا خیال ایک اور وجہ سے بھی باطل ثابت ہوتا ہے یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ یہودی اور مسیحی دونوں قومیں اسلام کی مخالف تھیں اگر پادری صاحب کا یہ کہنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود اور نصاریٰ سے تعلیم حاصل کر کے اُس کو قرآن مجید میں داخل کر دیا اور پھر اُس کی نسبت یہ ظاہر کیا کہ یہ باتیں میں نے کسی انسان سے نہیں سیکھیں بلکہ یہ وحی الٰہی ہے جو بذریعہ جبرائیل مجھ پر نازل ہوئی - تو پھر کیا وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ باوجود مذہبی مخالفت کے خاموش بیٹھے رہے اور انہوں نے یہ ظاہر نہ کیا کہ جن باتوں کو یہ نبی وحی الٰہی ظاہر کرتا ہے یہ باتیں اس نے ہم سے سیکھ کر قرآن مجید میں داخل کرلی ہیں غرض یہود و نصاریٰ کا خاموش رہنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نزول وحی کی تردید نہ کرنا اس بات کا زبردست ثبوت ہے کہ آپ نے اُن لوگوں سے کسی قسم کی مدد حاصل نہیں کی تھی ورنہ کبھی ممکن نہ تھا کہ یہ لوگ باوجود مخالفت کے خاموش بیٹھے رہتے مسیحی صاحبان اکثر مندرجہ ذیل آیت کو اپنے اس دعوے کے ثبوت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن شریف کے شائع کرنے میں غیر مذاہب کے پیرووں سے امداد حاصل کی پیش کرتے ہیں - وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ (نحل - ۱۴) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ (مشرکین مکہ) کہتے ہیں کہ اُس کو ایک شخص تعلیم دیتا ہے مسیحی صاحبان کہتے ہیں کہ چونکہ قریش مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ شبہ کیا تھا کہ وہ مخفی طور پر ایک شخص سے مدد

لیتے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انکے پاس کوئی ثبوت تھا جسکی بنا پر اُنہوں نے ایسا شبہ ظاہر کیا۔ اوّل تو یہ آیت کسی ایسی امداد کا ذکر نہیں کرتی جیسی کہ پادری صاحبان بیان کرتے ہیں کیونکہ پادری صاحبان کا تو یہ دعوی ہے کہ قرآن شریف کے مضامین جمع کرنے میں دوسرے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کی مگر اس آیت میں کسی ایسی امداد کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس جگہ مشرکین مکّہ کا جو قول نقل کیا گیا ہے اُسکا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبارت آرائی میں ایک اور شخص سے امداد لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ بات ساتھ کی آیت سے واضح ہو جاتی ہے جس میں لکھا ہے لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ لیکن اگر مان بھی لیا جاوے کہ اس آیت کریمہ میں اُسی قسم کی امداد کا ذکر ہے جس کو پادری لوگ بیان کرتے ہیں پھر بھی آیت پادری صاحبان کیلئے بجائے مفید مطلب ہونیکے مضر اور نقصان رساں ہے کیونکہ پادری صاحبان کی تشریح کے مطابق اس سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسیحیوں یا یہودیوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی ظاہری میل جول نہ تھا بُت پرستانِ مکّہ نے یہ الزام نہیں لگایا کہ آپ قرآنی مضامین اُن یہود اور نصاریٰ سے حاصل کرتے ہیں جو مکّہ میں آکر آپ کی ملاقات کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود یا نصاریٰ کی کوئی آمد رفت نہ تھی۔ ثانیاً۔ اس آیت کریمہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ الزام لگانے والے نہ یہود تھے اور نہ نصاریٰ یعنی کسی یہودی یا نصرانی نے یہ نہیں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنسے قرآنی مضامین سیکھے ہیں۔ یہ الزام لگانے والے مکّہ کے بُت پرست تھے کیونکہ یہ قول مکّہ والوں کا ہے اور اگر یہودی یا مسیحی لوگوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین سیکھے ہوتے تو وہ کبھی خاموش نہ رہتے کیونکہ جیسے مکّہ کے قریش اسلام کے مخالف تھے ایسا ہی یہود اور نصاریٰ اسلام کے مخالف تھے۔ ثالثاً۔ یہ آیت قرآنی صاف طور پر ظاہر کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت ہی گہری

واقفیت رکھنے والے اصحاب بھی اس بات سے بے خبر تھے کہ آپ کسی یہودی یا مسیحی سے مخفی طور پر مدد لیتے ہیں۔ آپ نے برملا اس آیت میں اور ایسی ہی اور بہت سی آیات میں اس امر سے انکار کیا ہے کہ آپ قرآن کے بارہ میں کسی متنفس سے کوئی امداد لیتے ہیں اگر یہ الزام درست ہوتا اور اگر آپ کے بعض اتباع کو اس بات کا علم ہوتا کہ آپ کسی غیر شخص سے کسی قسم کی امداد حاصل کرتے ہیں تو آپ کبھی اس زور کے ساتھ بار بار یہ اعلان نہ کرتے کہ آپ کسی یہودی یا مسیحی یا کسی اور شخص سے کسی قسم کی امداد نہیں لیتے پھر یہی نہیں کہ آپ نے اپنی زبان سے انکار کیا بلکہ جن الفاظ میں یہ انکار پایا جاتا ہے انکو بھی آپ نے وحی الٰہی ہی ظاہر کیا پس اگر آپ نے کسی شخص سے مخفی یا ظاہر طور پر امداد حاصل کی ہوتی اور آپ کے اتباع کو اس کا علم ہوتا تو وہ کبھی قرآن مجید کو خدائے تعالیٰ کا کلام یقین نہیں کر سکتے تھے مگر وہ آخر دم تک قرآن شریف کے ایک ایک لفظ کو خدائے تعالیٰ کا کلام یقین کرتے رہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکو کبھی بھی شبہ نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی یہودی یا مسیحی سے مخفی طور پر امداد لیتے ہیں لیکن اگر آپ کسی سے امداد لیتے تو یہ امر کسی طرح آپ کے صحابہؓ سے مخفی نہیں رہ سکتا تھا۔ رابعاً۔ میور لکھتا ہے۔ کہ آیت مذکورہ میں جس بشر کا ذکر ہے وہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ تھے لیکن حضرت صہیب رضؓ کے حالات پر جب نظر کیجاوے۔ تو اس خیال کا بطلان عیاں ہوجاتا ہے میور خود اس کا حال مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم) کا ایک اور شاگرد جس کو آپ نے سابق الروم کا خطاب دیا وہ صہیب رضؓ تھا۔ اس کا اصل وطن موصل یا اس کے قریب کسی گاؤں میں تھا اس کا باپ یا چچا ایک ایرانی حاکم تھا۔ رومیوں کی ایک جماعت نے اس ملک پر چھاپا مارا۔ اور اس لڑکے کو پکڑ کر ملک شام میں لے گئے۔ اس کے بعد بدوؤں کی ایک جماعت نے اسکو خرید ا اور مکہ میں آکر بیچ دیا۔ مکہ کے جس رئیس نے اس کو خریدا۔ اس نے بعد ازاں اس کو آزاد کر دیا۔ صہیبؓ نے شہر مکہ میں تجارت شروع کر دی جس سے وہ

بہت بڑا مالدار آدمی ہوگیا۔ لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا۔ اور اس کا سابق آقا بھی جو اس کی ہمیشہ حمایت و حفاظت کیا کرتا تھا۔ مرگیا۔ تو اس کو قریش مکہ نے طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ اور جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف بھاگنا شروع کیا اس وقت قریش نے کوشش کی کہ صہیب کو روک لیا جاوے۔ مگر اس نے اپنا سارا مال دے کر اپنی رہائی حاصل کرنی چاہی۔ چونکہ وہ بڑا مالدار تھا اس کی دولت کو دیکھکر قریش لالچ میں آگئے۔ اور انہوں نے اس کا سارا مال اس سے لیکر اُسکو آزاد کردیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا کہ صہیبؓ نے اپنی ساری دولت دیکر رہائی حاصل کی ہے تو آپ نے فرمایا۔ ربح صہیب ربح صہیب یعنی صہیب نے اس تبادلہ سے بڑا نفع حاصل کیا ہے۔ (لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے یہ واقعہ اس غرض سے لکھا ہے کہ ناظرین کو معلوم ہو کہ اس شخص کا جس پر مخفی امداد دینے کا شک کیا گیا ہے۔ کیسا قوی ایمان تھا۔ کیا ایسے قوی الایمان انسان کی نسبت یہ گمان ہوسکتا ہے۔ کہ وہ مخفی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو امداد دیا کرتا تھا اور جب آپ نے بذریعہ ایک آیت قرآنی اس قسم کی امداد سے انکار کیا۔ تو وہ پھر بھی مومن کا مومن ہی رہا۔ افسوس ہے پادری صاحبان کی سمجھ پر! پادری ٹسڈل کو یہ کہتے ہوئے سُن کر افسوس آتا ہے کہ چونکہ مکہ کے کُفار نے مخفی امداد کا شبہ کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور کوئی شبہ کرنیکی وجہ ان کے پاس موجود تھی پادری صاحبان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ صرف یہی ایک الزام نہیں تھا۔ جو آپ کے دشمن آپ کی طرف منسوب کرتے تھے وہ تو آپ کو ساحر بھی کہتے تھے کاہن بھی کہتے تھے مجنون بھی کہتے تھے مگر کوئی سمجھدار مسیحی یہ نہیں کہے گا۔ کہ ان کے یہ سب الزام درست تھے اور انہوں نے یہ الزامات بلا وجہ نہیں لگائے تھے۔ اگر دشمن کی بات کو پادری ٹسڈل صاحب اس قدر وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ان کے الزامات پر بڑے بڑے نتائج کی بناڈالتے ہیں۔ تو کیوں یہی قاعدہ اپنے گھر میں استعمال کرکے نہیں دیکھ لیتے تا ان پر اس قاعدے کا حسن و قبح بخوبی

واضح ہو جاوے حضرت مسیح علیہ السلام کے بھی ان کے ہم قوم وہم وطن یہودی دشمن تھے اور ان یہودیوں نے بھی حضرت مسیح علیہ السلام پر کچھ الزام لگائے مثلاً وہ الزام جو حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے متعلق ہے کیا اب ہم پادری ٹسڈل صاحب کے قاعدے پر چلکر یہ کہیں کہ چونکہ شریر یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایسے الزام لگائے اس لیئے ان الزاموں کی ضرور کوئی اصلیت ہوگی۔ غرض یہ نہایت ہی ناپاک قاعدہ ہے کہ دشمن کے الزامات کو بطور حجت کے پیش کیا جاوے۔

مَیں یہاں ایک معزز مسیحی رسالہ کلکتہ ریویو میں سے ایک مسیحی کہانی نقل کرتا ہوں اس رسالہ کے اپریل سنہ ۱۹۰۲ء کے پرچہ میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شامی مسیحی اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ اور یہی وہ فرشتہ تھا۔ جو آپ کو الہام کیا کرتا تھا۔ اور جب آپ کو اس کی امداد کی ضرورت نہ رہی تو اس کو مخفی طور پر قتل کر دیا تا وہ راز کو افشا نہ کر دے۔ مجھے اس کہانی کی تردید کی ضرورت نہیں۔ مَیں نے یہ کہانی صرف بطور نمونہ کے درج کی ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ کس قسم کے جھوٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شائع کیئے جاتے ہیں۔

احمد کی پیشگوئی پادری ٹسڈل ...... صرف ایسی ہی کہانیاں بیان نہیں کرتا جن کا کوئی تاریخی ثبوت اس کے پاس نہیں بلکہ وہ ایسی باتیں بھی بیان کرتا ہے جس سے اس کے ہوش وحواس کے متعلق بھی پڑھنے والے کو شک پیدا ہو جاتا ہے۔ جن آیاتِ قرآنی کا اس نے کھوج لگانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے وَاِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصف) پادری صاحب کہتے ہیں کہ احمد کا لفظ یوحنا کی یونانی انجیل سے لیا گیا ہے اور غلط فہمی سے فارقلیط کا ترجمہ احمد کیا گیا چنانچہ پادری صاحب لکھتے ہیں "در اصل آں اشتباہ است کہ در قرآن یافت مے شود ایں است کہ اہل عرب معنی ایں لفظ (یعنی فارقلیط) را ندانستہ

گمان بردند کہ ترجمۂ آں احمد مے باشد اگرچہ ہر آئینہ معنئ آں لفظ یونانی تسلی دہندہ است امالفظ دیگر در زبان یونانی ہست کہ در سمع اجنبیاں صدائش از صدائے پاراقلیطوس چنداں تفاوتے ندارد۔ یعنی پیری قلیطوس کہ معنئ آں لفظ بہ نہایت نامدار ویا بسیار ستودہ مے باشد و مے تواں گفت کہ شخصے از اہل عرب کہ زبان یونانی بخوبی ندانست ازاں سبب اشتباہ کردہ گمان برد کہ معنی پاراقلیطوس (یا فارقلیط) احمد است۔ یہ اشتباہ جو قرآن مجید میں پایا جاتا ہے اس کا اصل یہ ہے کہ اہل عرب کو چونکہ لفظ فارقلیط کے صحیح معنے معلوم نہ تھے۔ انہوں نے غلطی سے یہ گمان کیا۔ کہ اس کے معنے احمد ہیں۔ حالانکہ اسکے صحیح معنے تسلی دینے والا ہیں۔ ہاں یونانی میں ایک اور لفظ ہے جسکی آواز ایک اجنبی کے کان میں پاراقلیطوس (فارقلیط) کی آواز سے مشابہ ہے یعنی پری قلیطوس جسکے معنے ہیں نامدار یا بہت تعریف کیا گیا۔ اور کہا جاسکتا ہے۔ کہ اہل عرب میں سے کسی شخص نے جو یونانی سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ اس مشابہت کی وجہ سے گمان کیا۔ کہ لفظ پاراقلیطوس (فارقلیط) کے معنے احمد ہیں۔

اس طرح پادری صاحب کے خیال کے بموجب لفظ احمد جو قرآن شریف میں ہے یہ یونانی لفظ پاراقلیطوس کا غلط ترجمہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس یونانی لفظ کا کس طرح علم ہوا۔ اس سوال کا جواب پادری صاحب یہ دیتے ہیں کہ اہل عرب معنے ایں لفظ پاراقلیطوس (فارقلیط) را ندانستہ گمان بردند کہ ترجمہ آں احمد مے باشد۔ یعنی یونانی میں دو لفظ ہیں۔ جن کی آواز ملتی جلتی ہے۔ ایک کے معنے تسلی دینے والا اور دوسرے کے معنے نہایت تعریف کیا گیا یعنی احمد ہیں۔ چونکہ اہل عرب یونانی زبان اچھی طرح نہیں جانتے تھے اس لیئے انہوں نے غلطی سے پاراقلیطوس (فارقلیط) کے معنی احمد سمجھ لیئے حالانکہ پیری قلیطوس کے معنے احمد کے ہیں بے شک اگر ایسا ہوا تو اس سے پایا جاتا ہے کہ اہل عرب یونانی کو پوری طرح نہیں سمجھتے تھے۔ اس لیئے ایک لفظ کے معنے وہ سمجھ لیئے

جو دوسرے ہم آواز لفظ کے معنے تھے۔ مگر اس سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ وہ اس زبان سے بالکل بے خبر بھی نہ تھے۔ اُن کو یونانی زبان کا اس قدر علم تھا۔ کہ اگرچہ وہ پاراقلیٹوس کے معنے اتفاقاً نہیں جانتے تھے مگر انکو اس کے ہم آواز لفظ پیری قلیطوس کے معنے ضرور آتے تھے اسی لیئے تو انکو غلطی لگی۔ غلطی لگنے کے لیئے بھی تو کسی قدر علم کی ضرورت تھی۔ اور جن کو یونانی زبان کا اس قدر علم تھا۔ کہ وہ پیری قلیطوس جیسے مشکل لفظ کے معنی جانتے تھے اور انکو معلوم تھا۔ کہ اس لفظ کے معنے احمدؐ ہیں۔ وہ لوگ یقیناً یونانی زبان میں خاصی مہارت رکھتے ہونگے۔ اگرچہ وہ اس زبان میں کامل مہارت نہ رکھتے ہوں اور یہ یونانی دان عرب ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو بھی ہونگے۔ تب ہی تو انہوں نے آپ کو یہ بتلایا کہ لوقا کی یونانی انجیل میں آپ کی آمد کی پیشگوئی ہے اور اس میں ایک فارقلیط یعنی احمدؐ کے آنے کی خبر دی گئی ہے۔ اور آپکے یہ پیرو ضرور مکہ کے رہنے والے تھے۔ کیونکہ یہ مکی آیت ہے۔ تعجب ہے۔ کہ خود عرب کے مسیحی تو ایسے جاہل ہوں۔ کہ اناجیل اربعہ سے قریباً بے خبر ہوں۔ اور مکہ کے مسلمان یونانی زبان میں بھی خاصی مہارت رکھتے ہوں۔ اور لوقا کی یونانی انجیل سے بھی آگاہی رکھتے ہوں مگر ناظرین پادری صاحب کی اس تحقیق سے تعجب نہ کریں۔ ایک یونانی کیا۔ آپ تو کئی زبانوں میں لکھی ہوئی ایک کثیر تعداد کتابوں کا نام لیتے ہیں۔ جو آپ کے نزدیک اسلام کے سرچشموں میں داخل ہیں۔ اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں تھیں۔ جن کا ذکر وہ بخوف طوالت چھوڑ گئے ہیں۔ جو انکے نزدیک اسلام کے ینابیع میں شامل ہیں۔ اگر پادری صاحب کی تحقیق کی پیروی کی جائے۔ تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ یہ سب کتابیں جو دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں مکہ میں موجود تھیں۔ کیونکہ جن تعالیم کا وہ ان کتابوں میں کھوج لگاتے ہیں۔ وہ اکثر مکی تعالیم ہیں۔ گویا مکہ میں ایک عظیم الشان لائبریری تھی جس میں لاطینی۔ یونانی۔ عبرانی۔ قدیم مصری۔ حبشی ارمنی۔ بابلی۔ قدیم ایرانی۔ سنسکرت وغیرہ زبانوں کے قلمی نسخوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا اور ایک وہاں میوزیم بھی تھا۔ جہاں بابل کے قدیمی کتبے بھی رکھے ہوئے تھے

اور ایک باقاعدہ محکمہ تھا جہاں ان مختلف زبانوں کے ماہر ان کتابوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے عربی میں ترجمہ کرتے رہتے تھے ....

.... اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مختلف مذاہب اور مختلف زبانوں کی کتابوں میں سے انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کی جس کا نام قرآن مجید ہے اس صورت کے سوا اور کوئی صورت ایسی خیال میں نہیں آسکتی کہ آپ نے ان کثیر التعداد کتابوں سے جنکا ذکر پادری صاحب کرتے ہیں۔ اور جو دنیا کی مختلف مردہ زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں قرآنی مضامین اخذ کیئے ہوں۔

پادری ٹسڈل کی اختلاف بیانی

تعجب ہے کہ پادری صاحب ایک طرف تو عرب کے عیسائیوں کو عہد نامہ جدید کی کتابوں سے محض جاہل اور لاعلم بتلاتے ہیں اور دوسری طرف آپکی تحقیقات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عہد نامہ جدید سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیمات کو پادری صاحب نے نئے عہد نامہ کی عبارات میں تلاش کیا ہے اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عبارتیں جن کا پادری صاحب نے حوالہ دیا ہے واقعی عرب کے عیسائیوں ہی سے سیکھی تھیں تو اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ عرب کے عیسائی عہد نامہ جدید کے مضامین سے بخوبی آگاہی رکھتے تھے۔

اس بات کو واضح کرنے کیلئے ذیل میں ہم وہ عبارتیں بھی نقل کر دیتے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بزعم پادری صاحب عہد نامہ جدید سے اخذ کیا۔ من جملہ ان کے ایک حوالہ مصنف نے مکاشفات باب ۱۹ ورس ۷ سے ۹ کا دیا ہے جو حسب ذیل ہے "آؤ ہم خوشی و خورمی کریں اور اس کو عزت دیویں اس لیئے کہ برّے کا بیاہ آپہنچا اور اس کی دلھن نے آپ کو سنوارا ہے" یہ عبارت ہے جس کی بنا پر معزز مصنف کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی کی کہ

آخری دنوں میں مسیحؑ چالیس سال تک زمین پر رہے گا اور شادی کرے گا۔

دوسرا حوالہ پادری جی نے اس عبارت کا دیا ہے "اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو (متی ۱۹-۲۴)

اور تیسرا حوالہ پادری صاحب نے قرنتیوں کی طرف پولوس کے پہلے خط سے دیا ہے

اب اگر یہ درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا اور اس قسم کی دیگر عبارات مسیحی صحیفوں سے اخذ کیں تو اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلانیوالے عیسائی بھی اِن کتابوں سے اچھی طرح واقفیت رکھتے تھے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ عرب کے مسیحی ان کتابوں سے ایسی گہری واقفیت نہیں رکھتے تھے کہ اس قسم کے فقرے اُن کو نوک زبان یاد ہوتے یا کتابوں کو کھولکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھکر سناتے۔ اور اس امر کو مسیحی پادری بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن تعلیمات کو اُن سے نہیں سیکھا۔

مسیحؑ کی آمد ثانی

اُن تعلیمات میں سے ایک مسیحؑ کی آمد ثانی کے متعلق پیشین گوئی بھی ہے جو کہ بقول پادری صاحب کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں سے سیکھی لیکن انہیں یہ ایک صریحًا دھوکا لگا ہوا ہے۔ کیونکہ اس پیشین گوئی کے اندر۔۔۔۔ بہت سی ایسی شہادتیں موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی مسیحیوں سے اخذ نہیں کی گئی بلکہ بذریعہ وحی الٰہی شائع کی گئی۔ پہلی شہادت تو پیشین گوئی کے وہ الفاظ ہیں جن میں لکھا ہے کہ مسیحؑ ثانی صلیبی مذہب کے غلبے کے زمانے میں مبعوث ہوگا اور اس کا پہلا اور اہم کام یہ ہوگا کہ وہ صلیب کو توڑے (یکسر الصلیب) یہی ایک بات کافی طور سے ظاہر کرتی ہے کہ پیشین گوئی عیسائیوں سے نہیں لی گئی۔

دوسری اندرونی شہادت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحؑ ثانی کی نسبت **اماماً منکم** فرمایا یعنی وہ ایک امام ہوگا جو تم ہی میں سے ہوگا۔ (دیکھو صحیح بخاری) اس قسم کی پیشگوئی یقینًا ایک عیسائی نہیں کرسکتا کہ مسیحؑ ثانی مسلمانوں میں سے مبعوث ہوگا اور صلیبی مذہب کو پاش پاش کردیگا۔ سوئم یہ کہ مسیحؑ ثانی کی آمد کے

متعلق نہ صرف یہی پیشین گویاں ہیں جو کہ مسیحی صاحبان کے مذاق کے برخلاف ہیں بلکہ وہ پیشین گویاں بھی موجود ہیں جو کہ پادری صاحبان کے خواب و خیال میں بھی نہ گذری ہوں مثلاً مسیح ثانی کی آمد کے نشانات میں سے ایک نشان یہ بھی ہے کہ اُس کے وقت میں ایک ایسی سواری نکلے گی جس کے سبب سے اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ یُترک القلاص فلا یسعٰی علیھا پیشین گوئی کے اصل الفاظ ہیں جس کے معنے یہ ہیں کہ اونٹ ترک کئے جائیں گے اور ان پر کوئی سواری نہ کرے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری دنوں کے موعود کے متعلق یہ ایک نشان بتلایا ہے جس کے پورا ہو جانے پر تمام دنیا گواہ ہے۔ اور وہ نئی سواری خود عرب میں بھی جو کہ اونٹوں کی سرزمین ہے جا پہنچی ہے۔ یہ پیشگوئی ایک اصلی اور سچی پیشگوئی ہے یہودیوں یا عیسائیوں سے اس کا صادر ہونا کسی طرح سے بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ اور ہر ایک انصاف پسند انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ اس کی خبر دینے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور جس صفائی سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی ہے اُس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ مخبر صادق ایک سچے نبی تھے صلی اللہ علیہ وسلم۔

مسیح موعودؑ کے متعلق اُسی پاک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے یتزوج و یُولدُ لہٗ۔ یعنی وہ شادی کرے گا اور اُس کے ہاں اولاد پیدا ہو گی لیکن کسی عیسائی نے کبھی یہ یقین نہیں کیا کہ مسیح علیہ السلام دوبارہ دنیا میں آکر شادی کرے گا اور اس کے ہاں اولاد ہو گی۔ یہ امر بدیہی ہے کہ وہ شخص جس کے متعلق مندرجہ بالا پیشین گوئی ہے وہ وہی مسیح نہیں ہے جو عوام کے خیال میں اپنے جسم عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان پر اُنیس سو ۱۹۰۰ سال سے اب تک بیٹھا ہوا ہے۔ کیونکہ ۱۹۰۰ سال کا بوڑھا آدمی کب شادی کے لائق ہو سکتا ہے خاصکر وہ جس نے کہ اپنی جوانی کے ایام میں بھی شادی کرنے سے پرہیز کیا ہو۔ یہ پیشگوئی صریحاً کسی دوسرے شخص کے متعلق ہے جو کہ روحانی طور سے مسیح ناصری کا اُسی طرح مثیل ہو۔ جیسا کہ یحیٰی علیہ السلام الیاس علیہ السلام کے مثیل تھے۔ مجھے اس بات کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ پیشین گوئی قادیانی احمدؑ کے

ظاہر ہونے سے پوری ہو چکی ہے جو عین اپنے وقت پر اُن تمام نشانوں کے ساتھ آیا جن کی خبر مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرہ سو برس پہلے دی تھی۔ الغرض اس سے زیادہ کوئی ثابت شدہ امر نہیں ہو سکتا کہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی گئی تھی یہودیوں یا عیسائیوں سے نہیں سیکھی گئی۔ اور یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بیّن ثبوت ہے۔ کاش کہ لوگ سمجھیں۔

بنت عمران اُن لوگوں کی جہالت پر تعجب آتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ افترا باندھتے ہیں کہ نعوذ باللہ آپ مسیحؑ کی ماں مریم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ سمجھتے تھے۔ حالانکہ قرآن شریف سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانوں میں بہت بڑا بُعد تھا۔ پھر بھی بکے جاتے ہیں کہ وہ مقدس نبی فداہ امی و ابی حضرت مسیحؑ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھانجا خیال کرتے تھے۔ کیسی بیہودگی ہے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ غلط فہمی غالباً یہودیوں کی اس کہانی سے پیدا ہوئی کہ ''ملک الموت بروئے تسلط نیافت بلکہ او بوسہ الٰہی وفات یافت و کرم و خراطین بروئے مسلط نہ گشت'' یعنی ملک الموت حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ مریم پر کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ خداوند کے بوسے سے مر گئی اور کوئی کیڑا اس کے جسم کو چھو نہیں سکتا۔ اس کہانی سے پادری صاحب نے خیال کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسیحؑ کی ماں مریم کو وہی مریم سمجھتے تھے جس پر ملک الموت کوئی طاقت نہیں رکھتا تھا اور وہی عیسوی سن تک مسیح کی ماں بننے کے لئے زندہ رہی۔ یہ ایسی لغو اور بیہودہ بات ہے کہ اس پر کچھ لکھنے کی بھی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ گویا عیسائیوں کے خیال فاسد میں وہ مقدس نبیؐ اتنا بھی نہ جانتا تھا کہ ایک سے زیادہ آدمیوں کا ایک ہی نام ...... ہو سکتا ہے ...... اور جب آپ نے حضرت عیسیٰؑ کی ماں کا نام مریم سُنا اور پھر وہی نام حضرت موسیٰؑ کی ہمشیرہ کا سُنا۔ تو آپ اس دقیق سوال کو سوائے یہ فرض کرنے کے حل ہی نہ کر سکے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی ہمشیرہ مریم ہی عیسوی سن تک زندہ رہی ہو گی۔ لیکن آپ نے اُس مریم کے متعلق کیا خیال کیا جو عیسائیوں کے بادشاہ مقوقس نے آپ کی طرف بھیجی تھی کیا یہی کہ وہ بھی موسیٰ ہی کی ہمشیرہ تھی جو کہ آپ کے زمانہ تک زندہ رہی۔؟ حقیقت میں جو جہالت

یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی طرف منسوب کرنا چاہتے ہیں اِنھی پر اُلٹ پڑتی ہے۔ جن آیات کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف یہ خیال منسوب کیا جاتا ہے وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔ سورہ مریم میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ پاک بچے کی پیدائش کے بعد لوگوں نے مریم کے پاس آکر یہ کہا یَاۤ اُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا یعنی اے ہارون کی بہن! تیرا باپ برا آدمی نہ تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔ اور دیگر مواقع میں مریم کو عمران کی بیٹی کرکے پکارا گیا ہے۔ ان آیات سے مسیحی معترضوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ وہ مقدس نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابن مریم کو حضرت موسیٰؑ برادر ہارون کی ہمشیرہ خیال کرتے تھے۔

مسیحی معترض اسلام کے ساتھ اسقدر تعصب رکھتے ہیں کہ وہ قرآن شریف پر اعتراض کرتے وقت اپنے صحیفوں کو بھی بھول جاتے ہیں۔ جو کچھ منہ میں آیا کہدیا۔ کون پوچھتا ہے۔ خدائے تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا تھوڑا ہی خوف ہے۔ افسوس کہ وہ تعصب کو دور کرکے اعتراض کرتے وقت ذرا اپنی کتابوں پر بھی نظر کر لیتے تو یہ جہالت اُنسے ظاہر نہ ہوتی۔ اگر "بنت عمران" اور "اختِ ہارون" کے محاورات واقعی اعتراض کے نیچے آسکتے ہیں۔ تو اس قسم کے محاورات انجیلوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ متی باب ۱ ورس ۲۰ میں لکھا ہے "دیکھو خداوند کے ایک فرشتہ نے اُسپر خواب میں ظاہر ہو کے کہا اے یوسف ابن داؤد" الخ اسی انجیل کے باب ۹ ورس ۲۷ میں ہے "اور جب یسوع وہاں سے روانہ ہوا دو اندھے اُس کے پیچھے پکارتے اور یہ کہتے آئے کہ اے ابن داؤد ہم پر رحم کر" "اور ساری بھیڑ دنگ ہوگئی اور کہنے لگی۔ کیا یہ داؤد کا بیٹا نہیں" (متی باب ۱۲ آیت ۲۳) اس قسم کے اور بہت سے حوالے دیئے جاسکتے ہیں لیکن مندرجہ بالا ہی کافی ہونگے۔

اب مسیحی صاحبان اُس شخص کے متعلق کیا خیال کرتے ہیں جو اِن حوالوں کی بنا پر انجیلوں کے مصنفوں کو کذب یا غلط بیانی کے ساتھ متہم کرے کہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کو یوسف نجار اور حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ ٹھہرا کر اِن دونوں کو سگے بھائی بنا دیا۔ غالباً ایسے

معترض کو عیسائی احمق ہی کہیں گے۔ اصل میں بات یہ ہے کہ اُن لوگوں نے مسیحؑ کو ابن داؤد اس لیئے نہیں پکارا تھا کہ وہ درحقیقت حضرت داؤد علیہ السلام ہی کے بیٹے تھے بلکہ انہیں یہ رواج تھا کہ وہ ایک بزرگ مورث اعلیٰ کی اولاد کو اسی کے نام پر پکارتے تھے۔ یعنی اگر کسی کو مخاطب کرنا ہو تو اس کے اصلی نام سے نہیں بلکہ اس کے خاندان کے عظیم الشان بزرگ کا نام لیکر مخاطب کرتے تھے۔ فلاں ابن فلاں۔ یا اختِ فلاں۔ پس اسی رسم و رواج کے مطابق مریمؑ کو بھی بنتِ عمران اور اختِ ہارون ...... کہا گیا ہے اگر ابن داؤد کی اصطلاح پر جبکہ اُس سے مراد مسیح علیہ السلام ذیوسف نجار ہوں اعتراض کرنا حماقت ہے تو ویسے ہی بنت عمران اور اختِ ہارون کی اصطلاحات پر جبکہ اُس سے مراد مریم والدہ حضرت مسیحؑ ہی ہے اعتراض کرنا سخت درجے کی حماقت ہے جب اُن لوگوں نے مریم علیہا السلام کو۔ بنتِ عمران اور اخت ہارون سے موسوم کیا تو صرف رسم و رواج کی پیروی کی ۔ گناہ کونسا کیا۔ قرآن شریف کے متعلق یونہی کہتے جانا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں مریمؑ کو وہی مریم سمجھا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن تھی اور اس طرح اِن دو مریم کو خلط ملط کر دیا ہے۔ یہ اُسی طرح کی جہالت اور بے وقوفی ہے جس طرح انجیل کے متعلق یہ کہنا کہ اس نے مریم کے خاوند یوسف کو اور مریم کے بیٹے کو داؤد علیہ السلام کے بیٹے ٹھہرایا ہے کیونکہ مریم کے خاوند یوسف اور مسیح علیہ السلام دونوں کو ابن داؤد کہا ہے۔ اگرچہ تمام مسیحی معترضوں نے بنتِ عمران و اختِ ہارون کی اصطلاحات پر اندھا دھند اعتراضات کر دیئے ہیں تاہم بعض نے انکے اصلی اور صحیح معنوں کی طرف بھی توجہ کی ہے۔ چنانچہ راڈول صاحب اپنے قرآن شریف کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ ۱۱۳ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں "اگر ہارون سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا بھائی مراد ہو تو مریم اُس کی ہمشیرہ کہی جاسکتی ہے یا تو اس لیئے کہ وہ لاوی قوم سے تھی یا مقابلہ کے طور پر"۔ لیکن اگر ہم فرض بھی کرلیں کہ قرآن شریف میں واقعی طور پر یہی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام عمران اور اُن کے بھائی کا نام ہارون تھا۔ پھر بھی پادری صاحبان کو کوئی حق نہیں کہ اعتراض کریں کیا اُن کے نزدیک دنیا میں ایک ہی

عمران گذرا ہے اور ایک ہی ہارون۔ پادری صاحبان کو خود حقیقی طور پر کوئی علم نہیں کہ
حضرت مریم کے والد یا والدہ کا کیا نام تھا۔ ایسی صورت میں انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ
قرآن شریف کے الفاظ پر اعتراض کریں خواہ انکے معانی بالکل ظاہر پر ہی محمول کیئے جائیں
ہاں اُس حالت میں انہیں اعتراض کرنے کا حق ہو سکتا ہے جب وہ یہ ثابت کر دکھلائیں کہ
یہودیوں میں صرف ایک ہی عمران تھا اور صرف ایک ہی ہارون تھا جو حضرت موسےٰ
علیہ السلام کے رشتہ دار تھے۔ جبکہ وہ اس بات کو ثابت نہیں کر سکتے اور جبکہ وہ خود بھی
مریم علیہا السلام کی ولدیت سے ناواقف ہیں اور جبکہ ہارون اور عمران کے نام یہودیوں
میں عام تھے تو کیا ان الفاظ کے استعمال پر اعتراض کرنا حماقت نہیں خواہ انکے وہی معنے
لیئے جائیں جو عیسائی صاحبان لیتے ہیں؟ انجیلوں میں تو آیا ہے" اور یعقوب سے یوسف
پیدا ہوا جو شوہر مریم تھا جس سے یسوع جو مسیح کہلاتا ہے پیدا ہوا" (متی باب ۱ درس ۱۶)
اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ یوسف بن یعقوب کی بیوی تھیں۔ تو کیا ہم اس سے
یہ نتیجہ نکال لیں کہ وہی یوسف مریم کا خاوند تھا جو کنوئیں میں ڈالا گیا اور مصر میں فروخت
کیا گیا۔ خاصکر جبکہ اس نتیجے کو مضبوط کرنیکے لیئے انجیل میں اُس کو یعقوب کا بیٹا
بھی کہا گیا ہے۔ اگر مندرجہ بالا صریح درس سے یہ نامناسب نتیجہ نکالنا بے وقوفی ہے
تو یہ بھی بے وقوفی ہے کہ جہاں کہیں کسی باپ بیٹے کے نام عمران اور ہارون ہو
تو اُن سے وہی عمران اور ہارون مراد لیئے جاویں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رشتہ دار
تھے مندرجہ بالا درس میں جو یوسف اور یعقوب دو نام بیٹے اور باپ کے لیئے آئے ہیں
جب اُس سے مراد وہ یعقوب اور یوسف نہیں جو ابراہیم علیہ السلام کا پوتا اور پڑپوتا تھا
تو کیا اگر قرآن شریف کے الفاظ کو ظاہری معانی پر بھی حمل کیا جاوے تو ان پر اعتراض کرنا
ایک احمقانہ حرکت نہیں؟ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اوّل تو جب حضرت مریمؑ کو قرآن مجید
میں اخت ہارون اور بنت عمران کہا گیا ہے تو یہ اُس رواج کے مطابق ہے جو یہودیوں
میں بلکہ بعض دوسری قوموں میں بھی عام طور پر پایا جاتا ہے کہ اولاد کو انکے بزرگ کے
نام پر پکارا جاتا ہے اسی محاورہ کے مطابق اناجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام اور

یوسف نجار کو ابن داؤد کر کے پکارا گیا ہے۔ دوم اگر مان بھی لیا جاوے کہ قرآن شریف واقعی اور ظاہری طور پر حضرت مریم کے باپ کا نام عمران اور آپ کے بھائی کا نام ہارون رکھتا ہے تو بھی پادری صاحبان کا اعتراض محض بیہودہ ہے کیونکہ بنی اسرائیل میں کئی ایسے لوگ گذرے ہیں جن کا نام عمران اور ہارون تھا پھر پادری صاحبان کیوں اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مریم علیہا السلام کے باپ اور بھائی کا نام عمران اور ہارون نہیں ہو سکتا خصوصاً جب اُنکو خود یہ معلوم نہیں کہ اُن کے باپ اور بھائی کا کیا نام تھا۔ اینسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد ۱۵ کے صفحہ ۳۹۰ پر لکھا ہے "مریم کی ولدیت کے متعلق پہلی صدی کی کسی تاریخی کتاب میں کچھ ذکر نہیں ہے اور جو شجرۂ نسب لوقا نے دیا ہے وہ صریحاً یوسف کا ہے"۔

مسیحی اعتراض کی بیہودگی جو مفصل طور سے واضح کی گئی ہے ناظرین دیکھ چکے ہیں۔ تعجب ہے کہ قریباً تمام کے تمام عیسائی مصنف اِس مضمون کے متعلق اُسی قابل افسوس غلطی میں پڑے ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ اسلام کے متعلق اُن کے اعتراضوں کی کیا اصلیت ہوتی ہے۔ وہ صاحب لیاقت بھی ہوتے ہیں۔ لیکن اسلام کے متعلق بچوں کی سی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ آگا پیچھا نہیں سوچتے۔

اطلاع

(۱) اسوقت مردم شماری کا کام گورنمنٹ کی طرف سے جاری ہے۔ اس موقع پر احمدی احباب کو خاص طور پر اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے۔ کہ وہ اپنی قومیت لکھانے وقت اپنے آپ کو احمدی فرقہ میں لکھاویں۔

(۲) بعض جگہ سے احباب صدر مقام قادیان سے واعظ یا لیکچرار سالانہ جلسوں پر بلا بھیجتے ہیں۔ مگر ساتھ انکے اخراجات سفر نہیں بھیجے جاتے۔ جو صدر انجمن کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اس قسم کا خرچ مل ملاکر صدر انجمن پر ایک معقول بوجھ پڑ جاتا ہے۔ اسلیئے انجمنوں کی آگاہی کیلیئے لکھا جاتا ہے۔ کہ جو احباب جسقدر واعظ یا لیکچرار صدر مقام قادیان سے بلاویں۔ انکا خرچ آمد و رفت ادا کرنا چاہیئے۔ اور وہ کوشش کریں کہ یہ رقم مقامی چندہ یا یکمشت چندہ سے ادا ہو۔

محمد علی
سکرٹری

ماہوار رپورٹ صدر انجمن احمدیہ

سالانہ جلسہ :- سالانہ جلسہ کے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ اس سال دسمبر کی تعطیلات میں ہو اور غالباً ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر اسکی تاریخیں ہونگی۔ گو مارچ کا مہینہ کھلا موسم تھا مگر ایک تو ان دنوں میں طاعون کی شکایت بڑھ جاتی ہے۔ اور اس لیئے بعض اوقات انتظام میں بھی مشکلات پیش آتی ہیں جیسا کہ گذشتہ سالانہ جلسے کے موقعہ پر ہوا اور دوسرے ایسٹر کی تعطیلات کے دن جن میں جلسہ کیا جاتا ہے صرف چار دن ہوتے ہیں اور احباب کو کافی طور پر ٹھہرنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ لہٰذا ان اور بعض دیگر وجوہات کی بنا پر یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ سالانہ جلسہ مثل سابق دسمبر میں ہی ہوتا ہے ریل کے کرایہ میں رعایت کا سوال ایسا ہے کہ اس کا فیصلہ حکام ریلوے کے ہاتھ میں ہے۔ حسب معمول درخواست بھیجدی گئی ہے اگر کچھ رعایت مل گئی تو احباب کو اطلاع دیدی جاوے گی۔ اخراجات جلسے کے پورا کرنیکے لیئے انجمنہائے احمدیہ کو تحریک کی گئی ہے۔ مگر چونکہ بہت سے احباب ایسے مقامات پر ہیں جہاں باقاعدہ انجمنیں نہیں اور ایسا ہی بہت سے مقامات پر چھوٹی چھوٹی جماعتیں ہیں۔ ان سب کی خدمت میں یہ التماس ہے کہ ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے عملی طور پر اس چندہ میں حصہ لیکر وہ بھی مستحق ثواب ہوں۔ جس چٹھی کے ذریعہ انجمنہائے احمدیہ کو اخراجات جلسے کے چندہ کے لیئے تحریک کی گئی ہے اس کا ایک حصہ تمام احباب کی اطلاع کے لیئے یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔

"جلسے کے اخراجات کا سوال ایک اہم سوال ہے۔ لنگر خانہ جہاں سے یہ خرچ ہونا چاہیئے پہلے خود مقروض ہے اور اس دفعہ اس کے مقروض ہونے کی وجہ گذشتہ سال کے جلسے کے اخراجات ہی ہیں۔ اخراجات جلسہ کو پورا کرنیکے لیئے دو سال سے صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے چند تجاویز احباب کے سامنے پیش کی جاتی رہی ہیں۔ اور گو پہلے سال میں ان تجاویز پر عملدرآمد ہو کر خاطر خواہ چندہ اخراجات جلسہ کو پورا کرنیکے لیئے ہو گیا تھا مگر پچھلے جلسہ میں باوجودیکہ تھوڑے ایام جلسہ رہنے کی وجہ سے اخراجات بھی نسبتاً کم تھے مگر اخراجات سے نصف رقم بھی وصول نہ ہوئی۔ اور لنگر خانہ

ایک ہزار کا مقروض ہوگیا۔ اب کم از کم تین ہزار روپے کی ضرورت اس دفعہ جلسہ سالانہ کے اخراجات کو پورا کرنیکے لیئے ہوگی۔ کیونکہ جلسہ زیادہ دنوں تک رہیگا۔ پہلے سالوں میں تین تجاویز عموماً پیش کیجاتی رہی ہیں۔ یعنی اول یہ کہ انجمنیں اپنی اپنی مقامی ضروریات سے ایک رقم وضع کر کے دیں۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک صاحب جو جلسہ میں تشریف لاویں کم از کم ایک روپیہ اخراجات جلسہ کے لیئے دیں تیسرے یہ کہ ریل کے کرایہ میں جس قدر تخفیف ہو وہ رقم ادھر دیدی جاوے۔ یہ آخری رقم اگر گذشتہ سالوں میں انجمن کو پوری ملتی رہتی تو غالباً باقی دو ذرائع سے چندہ جمع کرنیکی ضرورت نہ رہتی مگر اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی گئی۔ اس سال چونکہ جلسہ دسمبر میں ہی بہت کم امید ہے کہ کرایہ کی کوئی رعایت ملے اس۔ لیئے اس ذریعہ آمد کو تو اب خود ہی چھوڑنا پڑا۔ ایک روپیہ فی کس والی تجویز بھی نہایت عمدہ تھی مگر اس پر عین ایام جلسہ میں صدر انجمن کی طرف سے عملدرآمد کرانیکی کوشش کرنا نامناسب ہے اور احباب کو خود بعض دیگر ضروریات یہاں آکر معلوم ہوتا ہے کہ ایسا مجبور کرتی ہیں کہ وہ یہ حصہ نہیں نکال سکتے بس صرف ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ انجمنیں اور احباب قبل از وقت ان اخراجات کے پورا کرنیکی فکر کریں۔

سالانہ جلسہ یا ساری قوم کا سالانہ اجتماع قومی ضروریات میں اول درجہ پر ہے اور جب اجتماع ضروری ہے تو لازماً اس کے لیئے انتظام کرنا بھی سب سے مقدم کام ہے۔ ایسے موقعوں پر جو لوگ اپنے دنیوی کاموں کے لیئے جمع ہوتے ہیں یا پولٹیکل اغراض کے لیئے یا سوشل یا تعلیمی اغراض کے لیئے انکو بھی ان اخراجات کا حصہ ادا کرنا پڑتا ہے۔ بس جن لوگوں کا اجتماع محض دین کے لیئے اور خدا کے لیئے ہے وہ جو کچھ بھی ان اخراجات کے پورا کرنیکے لیئے دیں گے وہ کسی طرح رائگاں نہیں جاتا بلکہ انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور گو وہ اپنے اخراجات کیلیئے ہی دیں مگر چونکہ یہ سارا کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیئے ہے اس لیئے وہ مستحق ثواب بھی ہیں۔ اب بحساب اوسط ہر ایک مہمان کو پانچ چھ یوم بھی یہاں ٹھہرنا پڑے اور میری رائے میں اس قدر ضرور ٹھہرنا چاہیئے تاکہ احباب کچھ نہ کچھ حضرت خلیفۃ المسیح کے فیض صحبت اور مواعظ حسنہ سے متمتع ہو سکیں۔ اور سلسلہ کے کاروبار

ہیں بھی حصہ لے سکیں۔ تو اس قدر عرصہ کیلئے فی کس دو روپے خرچ خوراک اور دیگر متفرق اخراجات مثلاً مکان کے انتظام روشنی پانی کے انتظام یا بٹالہ میں انتظام باربرداری کے لیئے کچھ زیادہ اندازہ نہیں ہے۔ اس سے میرا یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ دوسرے مجمعوں کی طرح کوئی ٹکٹ داخلہ ہمیں تجویز کرنا چاہیئے۔ بلکہ اندازہ کے طور پر اگر ہر ایک شامل ہونیوالا اسقدر رقم ادا کرے تو اخراجات جلسہ آسانی سے پورے ہو سکتے ہیں لیکن ہماری جلسوں میں کوئی پابندی ایسی نہ ہو سکتی ہے اور نہ ہونی چاہیئے کیونکہ بہت سے غربا اور غیر مستطیع لوگ بھی شامل ہوتے ہیں اور بہت سے غیر احمدی بھی تشریف لاتے ہیں پس اس لحاظ سے میں جملہ انجمنہائے احمدیہ بلکہ سب احمدی احباب کی خدمت میں یہ درخواست پیش کرتا ہوں کہ اندازاً اس لحاظ سے سب احباب اخراجات جلسہ کے لیئے چندہ دیں۔ اور صاحب استطاعت احباب غیر مستطیع احباب کی کمی کو پورا کریں۔ اوّل تو ہر ایک احمدی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اس سالانہ اجتماع میں شامل ہونیکی کوشش کرے اور جو احباب کسی مجبوری کی وجہ سے شریک جلسہ نہ ہو سکتے ہوں وہ شامل ہونیوالے احباب کے اخراجات کے پورا کرنے میں حصہ لیکر ہی ثواب حاصل کریں۔ بلکہ انپر اور بھی زیادہ حق ہے۔

اگر انجمنیں کوشش کریں تو تین ہزار کی رقم اخراجات جلسہ کے لیئے پوری ہونی کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ میںنے یہ دیکھا ہے کہ جہاں کسی انجمن نے اپنے مقام میں سالانہ جلسہ کی تجویز کی ہے یا کسی اور جلسہ کے لیئے تجویز کی ہے تو کئی کئی سو روپے کی رقم ادا اگی اخراجات کے لیئے جمع کر لی ہے۔ پس اگر سب انجمنیں زیادہ نہیں تو اس قدر ہی سمجھ لیں کہ سلسلہ کے صدر مقام میں یہ ہم سب کا اجتماع اور پھر ایک اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ کی زیارت اور اسکی پاک صحبت سے مستفیض ہونیکے لیئے ہم سب کا اکٹھا ہونا۔ اور پھر سلسلہ کی ان ضروریات اور کاموں پر غور کرنیکے لیئے یہ جلسہ انکے اپنے اپنے مقامی جلسوں سے کم ضروری نہیں اور اس کے اخراجات کا پورا کرنا مقامی جلسوں کے اخراجات کے پورا کرنے سے اہمیت میں کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے۔ جیساکہ فی الحقیقت ہے۔ تو ان اخراجات کیلئے کسی تحریک کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔

اخراجات جلسہ کے متعلق جو چندہ احباب بھیجیں وہ کوشش کی جاوے کہ ۳۰ نومبر سے پہلے پہلے پہنچ جاوے کیونکہ ہر ایک قسم کا سامان جلسہ سے پہلے مہیا ہو جانا ضروری ہے۔ بٹالہ میں حسب معمول باربرداری کا انتظام کیا جاوے گا باقی امور جن کے متعلق اطلاع دینی ضروری ہوگی انکی اطلاع اخبارات میں یا بذریعہ چٹھیوں کے انشاء اللہ تعالیٰ دی جاوے گی۔ یہ یاد رہے کہ سب احباب کو اپنے بستر اور لحاف ساتھ لانے چاہئیں کیونکہ اتنے بڑے مجمع میں اس قسم کا انتظام اس جگہ نہیں ہو سکتا۔

بورڈنگ ہوس کی تعمیر:۔ اللہ تعالیٰ کے بیحد فضلوں اور نصرتوں میں سے اس عمارت کا بن جانا بھی ہے اس وقت تین پہلو اس عمارت کے تیار ہو چکے ہیں اور چوتھا پہلو باقی ہے۔ جس کے لیئے اور اینٹ بکار ہے جو تیار ہو رہی ہے۔ جو جگہ چند دن پہلے ایک سنسان جنگل تھی وہ اب ایک عظیم الشان علمی شہر بن رہا ہے اور اس کا نہایت ہی موزون نام حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے **دار العلوم** تجویز فرمایا ہے۔ اس دار العلوم میں گذشتہ سالانہ جلسہ کے موقعہ پر صرف **مسجد نور** کی دیواریں تھوڑی تھوڑی نکلی ہوئی تھیں اس آٹھ نو ماہ کے عرصہ میں اس عظیم الشان مسجد کا ایک ہال ۶۰ فٹ لمبائی میں اور ۲۲ فٹ چوڑائی میں تیار ہو چکا ہے اور علاوہ اس کے بورڈنگ ہوس کے چھ بڑے ہال چالیس چالیس فٹ طول میں۔ چار ہال پینتیس پینتیس فٹ طول میں ایک ڈائننگ ہال ۶۵ فٹ طول میں اور ۲۰ فٹ عرض میں سب بورڈروں کی رہائش کے لیئے تیار ہو چکے ہیں البتہ ایک ونگ میں دروازوں کھڑکیوں کا کام باقی ہے۔ علاوہ اس کے غسلخانوں کے دو کمرے باورچی خانہ کے سات کمرے سپرنڈنٹوں کیلیئے چار کوارٹر یہ بھی سب قریباً تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور جلسہ سالانہ تک یہ سب عمارتیں تیار ہونگی۔ اتنی بڑی عمارتوں کا اس تھوڑے سے عرصہ میں تیار ہو جانا اور پھر دس بارہ ہزار روپے کے صرف سے نئی اینٹ کا اُسی وقت تیار کرانا کس قدر

اخراجات کو چاہتا ہے اور پھر کس طرح ان اخراجات کے پورا ہونے کے لئے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے راہیں پیدا ہوتی چلی جاتی ہیں۔ چندہ تعمیر گو مختلف جماعتوں اور احباب کی طرف سے آرہا ہے مگر اخراجات کے لحاظ سے یہ رفتار بہت سست ہے۔ ماہ ستمبر کے دس یا دس روپے سے زیادہ کی رقوم حسب ذیل ہیں۔ یعنی جماعت بنگہ لہ عہ۔ ڈاکٹر غلام مجتبےٰ مع احباب ہی لعہ۔ چودھری غلام مصطفےٰ صاحب عہ۔ ڈاکٹر یعقوب خاں صاحب مونہ بی عہ۔ جماعت ڈیرہ اسمٰعیلخاں صہ عہ۔ ماسٹر محمد دین صاحب قادیان عہ۔ جماعت امرتسر للعہ چودھری عنایت اللہ خاں صاحب بدوملی صہ عہ۔ جماعت مردان بیصہ۔ سیٹھ اسمٰعیل آدم بمبئی صہ۔ بابو غلام حسین و محمد رمضان صاحبان وزیرآباد دللعہ ماہ اکتوبر کی ایسی رقوم تعمیر حسب ذیل ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب رسالہ عہ ۱۵ ہیہ۔ جماعت سیالکوٹ ماعہ۔ سردار شیر بہادر خاں صاحب عہ۔ جماعت لاہور ماعہ۔ جماعت فیروز پور للعہ۔ جماعت وزیرآباد منجانب بابو عطاء الٰہی صہ عہ۔ میاں عبد اللہ درزی جھنڈو ساہی عہ۔ جماعت لائل پور صہ عہ۔ ناصر فنڈ یعنی ہسپتال وغیرہ معرفت جناب میر ناصر نواب صاحب۔ صہ عہ۔

مگر تعمیر کا ماہوار خرچ اس وقت بحساب اوسط ڈھائی ہزار کے قریب پہنچا ہوا ہے۔ اور اب بھٹہ کی وجہ سے پانچ چھ ہزار ماہوار کا خرچ ہوگا۔ اس لئے جملہ احباب کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس وقت پوری ہمت سے کام لیں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کے کام ہیں جو جس کے ہاتھوں سے چاہتا ہے کراتا ہے مگر کوشش اور ہمت شرط ہے۔ مکان تو سینکڑوں نہیں ہزاروں دنیا میں بنتے ہیں اور بڑے بڑے عظیم الشان محل لاکھوں نہیں کروڑوں کی صرف سے تیار ہوتے ہیں مگر الٰہی تائید اور نصرت کا پتہ اس چھوٹے مگر عظیم الشان فقرہ سے لگتا ہے جو آج سے چالیس سال پہلے ایک برگزیدہ کی زبان پر جاری ہوا کہ وسع مکانك اور یأتون من کل فج عمیق۔ یعنی لوگ دور دور سے

چلکر تیرے پاس آنیوالے ہیں تُو اپنے مکانوں کو فراخ کر۔ اللہ تعالیٰ کی عظمت کمال علم اور کمال قدرت کا کیسا عجیب پتہ اس چھوٹے سے فقرہ سے لگتا ہے۔ ایک اکیلا انسان دنیا سے بے تعلق۔ اس کو کہا جاتا ہے کہ تو ہمارے کمال علم اور کمال قدرت کا یہ نشان لوگوں کو بتا دے کہ تجھے اس گمنامی سے نکال کر دنیا کے ہر حصہ میں شہرت دیجاوے گی اور دُور دراز ملکوں کے لوگ تیرے پاس چلکر آویں گے۔ اور اس گاؤں میں جہاں کچے کوٹھوں کو بھی کوئی پوچھتا نہیں بڑی بڑی عظیم الشان عمارتیں بنائی جاوینگی غیب کا یہ علم کیا کسی ضعیف انسان کی قدرت میں ہے؟ اور ابھی یہ جو کچھ ہم دیکھتے ہیں یہ تو محض ابتدا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کو ہی علم ہے کہ پیچھے آنیوالی نسلیں اس جگہ ان نشانات الٰہی کا کیسا کیسا ظہور دیکھیں گی۔ ہاں بے شک یہ قادر عالم الغیب کا کلام ہی ہو سکتا تھا کہ چالیس سال پہلے ان واقعات کا علم ایک شخص کو دے اور پھر ساری دنیا کی متفقہ کوششوں کے خلاف اسے کامیاب کرے اور بڑی بڑی مشکلات میں سے گذار کر آخر اپنے کلام کی صداقت کو ظاہر کرے۔ بے شک جب اس گمنام گاؤں میں ایک شخص ان عظیم الشان عمارتوں کو دُور دُور کھیتوں میں پھیلے ہوئے دیکھتا ہے اور پھر اس کلام کو جو آج سے چالیس سال پہلے دنیا میں مشتہر ہو چکا ہے دیکھتا ہے تو اسکی روح اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور کمال علم کے سامنے سجدہ میں گر جاتی ہے یہ وہ نشان ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ہستی اس مادیت اور دہریت کے زمانہ میں آفتاب نصف النہار کی طرح نظر آجاتی ہے۔ سو دوستو! کوشش کرو کہ تم ان نشانات الٰہی کے پورا کرنے میں معاون بنکر سچے معنوں میں انصار اللہ میں داخل ہو جاؤ۔

عید فنڈ:۔ عید اضحی دوسرے رسالہ کے نکلنے اور احباب کے جلسہ میں جمع ہونیسے پہلے ہو چکی ہو گی۔ پس نہایت مختصر الفاظ میں میری یہ درخواست سب احباب اور انجمنوں کے کارکن عہدہ داران کی خدمت میں ہے کہ عید فنڈ کا ایک ایک روپیہ حسب معمول جمع کر کے ممنون فرما دیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی عرض ہے کہ مسکین فنڈ کی آمد کا بڑا حصہ عید اضحی کے موقعہ پر ہی ہوتا ہے۔ اگر سب احباب قربانی کی کھالوں کی قیمت اس فنڈ میں دیدیں تو ایک معقول رقم

مسکین طلباء کے اخراجات کے لیئے جمع ہو سکتی ہے۔ اِن دونوں امور کی طرف خاص توجہ کی جاوے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ وہ وقت آویگا کہ اس کی فیسوں اور امدادی روپے سے ملکر کُل اخراجات مدرسہ وسیع پیمانہ پر پورے ہو جاویں مگر ابھی یہ ضرورت ہے کہ مدرسہ کی اعانت کا بھی خاص خیال رکھا جاوے اور اس لیئے عید فنڈ کی تحریک جو مدرسہ کی اعانت کے لیئے ہوئی تھی اس کی طرف جملہ احباب کی پوری توجہ اور اعانت بکار ہے۔

تبلیغ:۔ سلسلۂ تبلیغ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اس سال بہت سا کام ہو رہا ہے۔ شیخ غلام احمد صاحب ضلع ہوشیارپور اور جالندھر سے ہو کر اب منٹگمری گئے ہیں۔ شیخ صاحب وعظ کے ساتھ سلسلہ کی ضروریات کی طرف بھی احباب کو توجہ دلاتے رہتے ہیں اور یہ بہت ضروری ہے۔ کیونکہ کسی کام میں شمولیت تب ہی سمجھی جا سکتی ہے جب انسان اپنے مال کو اس راہ میں صرف کرنے سے دریغ نہ کرے علاوہ ازیں چند اسلامی جلسوں میں ہمارے احباب بھی حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد سے شامل ہوئے منجملہ انکے کانپور کے جلسۂ تقسیم انعامات مدرسہ الٰہیات اور اٹاوہ کی انجمن اسلامیہ کے جلسہ میں۔ کانپور اور اٹاوہ میں دونوں جگہ جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے نہایت مؤثر لیکچر ہوئے ایسا ہی اٹاوہ میں جناب مولوی صدرالدین صاحب کے لیکچر اُردو اور انگریزی میں اور مفتی محمد صادق صاحب و مولوی سرور شاہ صاحب کے لیکچر بھی ہوئے قنوج کے اسلامی جلسہ میں ماسٹر محمد یوسف صاحب اور ماسٹر عبدالرحیم صاحب شریک ہوئے اور اب انجمن احمدیہ مونگیر کے سالانہ جلسہ میں مفتی محمد صادق صاحب مولوی سرور شاہ صاحب اور میر قاسم علی صاحب تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو بہتوں کی ہدایت کا ذریعہ بنا دے اور انکے کلام کو مؤثر بنا دے۔ مذاہب کے جلسہ میں جو جنوری میں الہ آباد میں ہوگا بانیان جلسہ نے ہماری طرف سے ایک مضمون کا پڑھا جانا منظور کیا ہے۔

فرقہ احمدیہ:۔ مردم شماری کا کام اکثر جگہ شروع ہو چکا ہے۔ گذشتہ مردم شماری کے موقعہ پر چونکہ ہمارے اس سلسلہ کا نام دیر سے تجویز ہوا تھا اس لیئے بہت سے

احباب ناواقفیت کی وجہ سے اپنے نام کے ساتھ احمدیہ فرقہ کا نام نہ لکھوا سکے ایسا ہی بہت جگہ سے یہ شکایتیں پہنچی تھیں کہ شمار کنندگان نے فرقہ احمدیہ کے اشخاص کو اس نام کے نیچے لکھنے سے انکار کیا۔ امید ہے اس دفعہ یہ دقتیں پیش نہ آئیں گے نام سے تو اب سب احباب واقف ہیں ہاں خود احتیاط سے لکھوا دینا یہ ضروری ہوگا۔ اس بارے میں بے توجہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صحیح تعداد احمدیوں کی معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اگر شمار کنندگان فرقہ کا خانہ مردم شماری کے نقشہ میں ہوتے ہوئے احمدیہ فرقہ کا اندراج کرنے سے انکار کریں تو ایسی صورت میں اطلاع دیجائے۔

لنگر خانہ:۔ گو اس رپورٹ میں دوسری جگہ یہ اطلاع دی گئی ہے کہ لنگر خانہ مقروض ہو رہا ہے اور احباب کو اس سے پہلے بھی خاص طور پر توجہ دلائی گئی تھی۔ مگر ماہ ستمبر کا گوشوارہ جو دوسری جگہ اس رسالہ میں درج ہے اسکے ملاحظہ سے معلوم ہوگا کہ لنگر خانہ اس وقت قریب ڈیڑھ ہزار روپے کا مقروض ہے۔ اخراجات جلسہ سالانہ کے تین ہزار روپے کو ملا کر اب ساڑھے چار ہزار روپے کا فکر ضروری ہے۔ چٹھی جو انجمنوں کو لکھی گئی تھی وہ صرف تین ہزار روپیہ کے پورا کرنے کے لئے لکھی گئی تھی اس لئے جملہ انجمنیں پہلی رقم کو جس کا مطالبہ چٹھی میں کیا گیا تھا ڈیوڑھا کرکے پورا کرنیکی کوشش کریں اور دوسرے احباب بھی توجہ فرماویں۔

کرایہ ریلوے میں رعایت میں بڑی خوشی سے اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ اس رپورٹ کے لکھنے کے بعد مینجر نارتھ ویسٹرن ریلوے کی طرف سے یہ اطلاع پہنچ گئی ہے کہ ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر کے جلسہ سالانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں شمولیت کی غرض سے جو احباب تشریف لاویں ان کے لئے تیسرے درجہ کے کرایہ ریل میں یہ تخفیف ہوگی کہ آمد و رفت کا سفر ایک طرف کے کرایہ سے ڈیوڑھا کرایہ دیکر کر سکیں۔ بشرطیکہ سو میل سے زیادہ سفر ایک طرف کا ہو۔ یہ رعایت بعینہٖ ویسی ہے جیسی گذشتہ مارچ کے جلسہ میں ملی تھی۔ پس احباب اُن ہدایات کو دیکھ لیں جو گذشتہ جلسہ کے موقعہ پر لکھی گئی تھیں۔ سرٹیفکٹ عنقریب چھپ جائیں گے۔ انجمنیں بہت جلد

اطلاع دیں کہ کتنے کتنے احباب ان میں سے آنیوالے ہیں۔ تاکہ اسی کے مطابق انتظام بھی کیا جاوے اور سرٹیفکٹ بھی اس تعداد میں بھیجے جاویں۔ یہ ضروری ہے کہ جو تعداد لکھی جاوے وہ قریب قریب درست ہو۔ تاکہ مہمانوں کی تعداد کا درست اندازہ ہو کر سب انتظام درست ہو سکے۔

محمد علی
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

نوٹ اور رائیں

افریقہ میں اسلام:۔ شہر نیو یارک کا اخبار ٹروتھ سیکر لکھتا ہے کہ افریقہ میں اسلام کا پھیلنا ایک ایسا امر ہے جس کی وجہ سے لنڈن اور جرمنی کی مسیحی کلیسیا کو بہت اضطراب ہو رہا ہے۔ تھوڑے دن ہی گذرے ہیں کہ کینٹر بری کے آرچ بشپ نے اس کا ذکر کیا اور ساتھ ہی برلن (جرمنی) کے ایک نامہ نگار نے لکھا کہ "اس امر کا ذکر کثرت سے اس ملک کے اخبارات میں اور ریک سٹیگ (ملک جرمنی کی پارلیمنٹ) میں کیا گیا ہے کہ افریقہ کی بستیوں میں دیسی باشندے مسیحی مذہب کی نسبت اسلام کو زیادہ کثرت سے قبول کر رہے ہیں۔ برلن کی مشنری سوسائٹی نے ۱۹۰۹ء کی سالانہ رپورٹ میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ اگر مسیحی مشن اسلام کے اثر کو روکنے کے لیے سخت کوشش نہیں کریں گے تو ایسٹ افریقہ کے اُس علاقہ میں جو ملک جرمنی کے ماتحت ہے دیسی باشندے آئندہ ۵۰ یا ۶۰ سال کے عرصہ میں یقیناً سب کے سب مسلمان ہو جائیں گے۔ ایک دفعہ ان لوگوں کو مسیحیوں نے اپنے مذہب میں داخل بھی کر لیا تھا مگر وہ مسیحی مذہب پر قائم نہ رہے۔

ڈاکٹر اینولٹ مین جو سٹراس برگ کی یونیورسٹی میں السنۂ مشرقیہ کا پروفیسر ہے شمالی ابی سی نیا میں گذشتہ سو سال میں اسلام کی اشاعت کی طرف

توجہ دلاتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ قبیلے کے قبیلے جو پہلے مسیحی مذہب رکھتے تھے اور جن کے نام اب بھی مسیحی ہیں اب مسلمان ہو گئے ہیں۔ وہ بالخصوص دو مینسا قبیلوں کا ذکر کرتا ہے جن کی نسبت ۵۰ سال ہوئے کہ سیاحوں نے لکھا تھا کہ وہ مسیحی مذہب کے پیرو ہیں۔ جب پروفیسر مذکور ۱۹۰۵ء میں ملک ابی سی نیا میں گیا تو اُسکو اُن کی نسبت مندرجہ ذیل اطلاع ملی۔ "ان کا مذہب پہلے مسیحی تھا۔ اور ہر ایک شاخ کے اپنے اپنے گرجے اور علمار تھے۔ مگر اُس کے بعد ایک زمانہ آیا کہ اُن کے علمار پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔ پھر ان میں مسلمان آئے اور اُنھوں نے اُن کو مسلمان بنا لیا۔ اب اُن میں بہت قلیل لوگ ایسے ہیں جو مسیحی مذہب کے پیرو ہوں۔" مسیحی کلیسیا کی کمزور رفتار کو دیکھکر آرچ بشپ آف کینٹربری نے مندرجہ ذیل مایوسی کے الفاظ اپنے مُنہ سے نکالے۔ "مسیحی مذہب کی ۱۹ سو سال کی کارروائی کے بعد اب بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا زیادہ تر غیر مسیحی مذاہب کی پیرو ہے۔"

"احمدی"

شروع جنوری ۱۹۱۱ء سے انشاء اللہ ایک ماہوار رسالہ مندرجہ عنوان نام کا ۱۸×۲۲ کی تقطیع پر ۳۲ صفحہ کا علاوہ ٹائٹل کے زیر ایڈیٹری عاجز قاسم علی احمدی دفتر الحق دہلی سے شائع ہوگا۔ اس رسالہ کی غرض صرف احمدیہ مشن کا ڈیفنس اور مخالفین حضرت مسیح موعود مرحوم و مغفور علیہ السلام کے اعتراضات سابق و جدید کا مکمل و مفصل جواب دینا ہے۔ اور سب سے اوّل مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اخبار اہلحدیث و مرقع قادیانی و الہامات مرزا وغیرہ پر نظر غائر کی جاویگی۔ حسب موقع دیگر مخالفین سلسلہ۔ سیالکوٹی چکڑالوی لاہوری۔ بٹالوی۔ شیعہ۔ گولڑوی۔ شاہ جہانپوری۔ بھوپالی۔ سیہسوالی۔ دہلوی۔ میرٹھی بریلوی وغیرہ کے بے بنیاد اعتراضوں کی بھی وقتاً فوقتاً خبر لیجائیگی۔ قیمت بغرض خریداری عام صرف عہ سالانہ مع محصولڈاک ہے۔ احمدی برادران بہت جلد پانسو درخواستیں پوری کر دیں تاکہ رسالہ موصوف جلد شائع ہو جاسے۔

المشتہر

عاجز قاسم علی احمدی ایڈیٹر اخبار الحق دہلی تراہا بہرام خاں

آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہمنے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۹ — بابت ماہ دسمبر ۱۹۱۰ء — نمبر ۱۲

چندہ سالانہ — عوام سے [illegible] — طلباء سے عہ

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ دسمبر ۱۹۱۰ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا۔

مصدقہ حضرت خلیفۃ المسیح شاہی طبیب حاذق مولوی حکیم نورالدین صاحب کا مجربہ

اصلی ممیرا اور ممیرے کا سرمہ

خدا کی دی ہوئی نعمتوں میں سے آنکھیں بڑی نعمت ہیں اور آجکل کچھ ایسے اسباب پیدا ہو گئے ہیں کہ عام طور پر لوگ آنکھوں کی بیماریوں میں مبتلا ہیں نوجوانوں کو دیکھو وہ بھی عینک لگائے پھرتے ہیں اور ضعف نظر کی عام شکایت ہے میں نے بڑی محنت سے اصلی ممیرا جو امراض چشم کے لیئے مسلّم مفید چیز ہے حاصل کیا ہے اسکے اصل ہونے کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تصدیق فرمائی حضرت مسیح موعودؑ کا خاندان طبی لحاظ سے بھی ایک ممتاز خاندان ہے اور اس پہلو سے بھی آپ کی تصدیق بے نظیر ہے اور علاوہ بریں حضرت خلیفۃ المسیحؑ حکیم نورالدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نے بھی تصدیق کی ہے کہ یہ اصلی ممیرا ہے ممیرا حاصل کرنیکے بعد میں نے حضرت مولوی صاحب کے مجرب اور ہزارہا مریضان چشم پر آزمائے ہوئے سرمے کے نسخے آپ کی ہدایت کے موافق ترکیب دیکر طیار کیئے ہیں اور اب فائدہ عام کیلیئے مشتہر کرتا ہوں اور چونکہ یہ تین مختلف نسخے ہیں۔ اسلیئے ہر ایک کی قیمت جدا جدا ہے قیمت سرمہ اوّل قسم عار قسم دوم ۸ر قسم سوم عہ فی تولہ۔ قیمت ممیرا قسم اوّل صہ جسکو لوگ اڑھائی سو روپیہ فی تولہ فروخت کرتے ہیں قسم دوم سستے۔ اگر اصلی ممیرا نہ ہو تو واپس کر کے قیمت لے لو۔

ست سلاجیت

مقوی جمیع اعضا۔ نافع صرع مشہی طعام قاطع بلغم و ریاح دافع بواسیر جذام و استسقا و زردی رنگ و تنگی نفس و دق و شیخوخیت و فساد بلغم و قاتل کرم شکم مفتت سنگ گردہ و مثانہ و سلسل بول سیلان منی و یبوست و درد مفاصل وغیرہ وغیرہ بہت مفید ہے بقدر دانہ نخود صبح کے وقت دودھ کے ساتھ استعمال کریں۔ قیمت فی تولہ ۸ر

لنگیاں اور کلاہ:- ہر قسم کی لنگیاں مشہدی اور پشاوری بادامی سیاہ سفید ماشی ریشمی سوتی کسری صافے سفید اور بادامی اور پشاوری ٹوپیاں اور زری جوتیاں ہر قسم کی اور ہر قیمت کی مل سکتی ہیں عا سے صہ۱۲ تک۔

حمائل خورد روسی ہدیہ عہ اور شاہ رفیع الدین کا مترجم کلام اللہ چمڑے کی جلد قیمت عہ

المشتہر:- احمد نور کابلی مہاجر سوداگر قادیان ضلع گورداسپور۔ (پنجاب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

ینابیع الاسلام پر ریویو حصہ پنجم

تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّ قُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ (حشر ۲) تو سمجھتا ہے کہ ان میں باہم اتفاق ہے۔ حالانکہ ان کے دل ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک لایعقل قوم ہے

مسیحی معترضین کے مابین تنازع

مَیں گذشتہ حصہ میں مسیحی سرچشموں پر بحث کر چکا ہوں۔ اب مَیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اس بارہ میں خود مسیحی صاحبان میں اختلاف ہے۔ مَینے مسیحی سرچشموں کی بحث کے اثنا میں یہ دکھایا تھا کہ ہر ایک امر جو پادری ٹسڈل نے قرآنی تعالیم کا مسیحی سرچشموں کی طرف کھوج لگانے کے بارے میں بطور شہادت کے پیش کیا ہے۔ ولیم میور راڈویل۔ اور پروفیسر نول ڈیک نے اُس کی تردید کی ہے۔ ان امور کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہتے ہیں کہ کس طرح بات بات میں ان صاحبان نے پادری جی کی تردید کی ہے وہ گذشتہ نمبر کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمالیں۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ ان صاحبان میں خود اتفاق نہیں۔ وہ سب ملکر پادری ٹسڈل کے بیانات سے اختلاف کرتے ہیں مگر جب اُن کے بیانات کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے تو وہ خود بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں۔

پادری ٹسڈل کے برخلاف راڈویل اور نولڈیک کی یہ رائے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحی مذہب کے متعلق اپنے معلومات کسی تحریری سرچشمے سے حاصل نہیں کیے بلکہ جو حالات اور تعلیمات روایتی طور پر مسیحی مذہب کے متعلق ملک میں رائج تھیں وہی اسلامی تعالیم کا سرچشمہ ہیں۔ راڈویل کا بیان ہے کہ "اس بات کا ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مسیحی کتب تک رسائی ملی"، یعنی آپ نے کسی مسیحی تحریر سے اپنے مضامین حاصل نہیں کیے بلکہ اُن روایتی حالات سے جو ملک میں زبانی طور پر پھیلے ہوئے تھے قرآنی مضامین کے لیے مصالح جمع کیے۔ اسی طرح پروفیسر نولڈیک لکھتا ہے کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی تحریری سرچشمہ کا استعمال نہیں کیا"۔ اس طرح یہ دونوں صاحبان پادری ٹسڈل کے بیان کی تغلیط کرتے ہیں جو لکھتا ہے کہ بہت سی مسیحی کتب ملک عرب کے مسیحیوں کے پاس موجود تھیں جو ان کتابوں کو دن رات پڑھتے تھے اور ان کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت نشست و برخاست رہتی تھی۔ مگر سر ولیم میور خود راڈویل اور پروفیسر نولڈیک کی رائے کی تردید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی معلومات کسی تحریری سرچشمہ سے حاصل نہیں کیے بلکہ نسلاً بعد نسلٍ مسیحی مذہب کے جو عقاید اور حالات اور تاریخی واقعات روایتی طور پر ملک عرب کے مسیحیوں میں چلے آتے تھے قرآن مجید کے مضامین اُن سے اخذ کیے گئے مگر یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر یہی روایتی واقعات قرآنی مضامین کا منبع ہوتے تو یہ اس غرض کے لیے بالکل ناکافی تھے ہمارے پاس کوئی ثبوت اس بات کا موجود نہیں کہ مکہ میں یا مدینہ میں اسقدر روایتی حالات مسیحی مذہب کے متعلق موجود تھے کہ اُن سے اُس قسم کے بیانات پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ مرتب ہو سکتے جیسے کہ قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں جو اناجیل اربعہ اور دیگر اناجیل کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت اور تفصیلی مطابقت رکھتے ہیں" (لائیف آف محمد ۱۴۹-۱۵۰) خود مسیحی معترضین میں یہ اختلاف اس امر کی ایک واضح دلیل ہے کہ ان لوگوں کے پاس کوئی ثبوت اس بات کا موجود نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے

مسیحیوں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے کیونکہ اگر اِن کے پاس اس امر کا کوئی یقینی ثبوت
موجود ہوتا تو ان میں باہم یہ اختلاف نہ ہوتا۔ ایک مسیحی معترض ایک رائے ظاہر کرتا ہے
دوسرا اس کی تردید کرتا ہے جس سے ظاہر ہے کہ ان کے ہاتھ میں کوئی یقینی ثبوت موجود
نہیں۔ بعض اُن میں سے یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ عرب کے مسیحیوں کے پاس بہت سی مسیحی
کتابیں اور اناجیل اپوکرفا موجود تھیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین
اخذ کیئے۔ مگر دوسرے اُٹھکر اس رائے کی تردید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر درست
نہیں اور اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی مسیحی کتاب آپ کی رسائی میں تھی۔ بلکہ بات
یہ ہے کہ آپنے قرآنی مضامین اُن روایتی حالات سے اخذ کیئے جو زبانی طور پر عرب کے
عیسائیوں میں پھیلے ہوئے تھے مگر میور کہتا ہے کہ یہ بھی غلط ہے آپنے نہ کسی مسیحی
کتاب سے قرآنی مضامین حاصل کیئے اور نہ زبانی روایات سے۔ کیونکہ جو روایات مسیحی مذہب کے
متعلق عرب میں موجود تھیں وہ اس غرض کے لیئے ہرگز کافی نہ تھیں کہ قرآنی مضامین
اُن سے اخذ کیئے جاتے۔ وہ لکھتا ہے کہ "اناجیل اپوکرفا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
رسائی میں نہ تھیں" اور کہ "ان کو اپنی ساری زندگی میں مسیح کے پیرووں سے میل جول
کرنے کا کوئی موقعہ نہیں ملا"۔ غرض ولیم میور اُن تمام اقوال کی تردید کرتا ہے جن کے
رو سے یہ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے مسیحیوں سے قرآنی مضامین
حاصل کیئے۔ اُس کے نزدیک عرب کے مسیحیوں کے پاس نہ تو وہ مسیحی کتب موجود تھیں
جن میں اسلامی تعالیم کا کھوج لگایا جاتا ہے اور نہ اُن کے معلومات اس قدر وسیع تھے
کہ قرآنی مضامین اُن سے اخذ ہوسکتے اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ساری
زندگی میں عرب کے مسیحیوں کے ساتھ میل جول کرنے کا موقعہ ملا۔ غرض وہ پورے
طور پر اس خیال کی تردید اور تغلیط کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے
مسیحیوں سے قرآنی مضامین حاصل کیئے۔ اور ہم اس اسلامی خدمت کے لیئے
ولیم میور کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ اُس نے ہمیں اس امر سے سبکدوش کر دیا ہے
کہ ہم مسیحی صاحبان کے اعتراضات کا جواب دیں۔ ہر ایک سبیل جو مسیحی صاحبان نے

قرآنی مضامین کے اخذ کرنیکے لیئے تجویز کی ہے میور اُس کی صریح الفاظ میں تردید کرتا ہے۔ اور اُن کے خیالات کو بے بنیاد ٹھہراتا ہے اس سے بڑھکر اور کونسی تردید ہو سکتی ہے کہ ہر ایک مسیحی سرچشمہ جو دوسرے مسیحی صاحبان نے قرآنی مضامین کے لیئے تجویز کیا ہے ولیم میور اُس کو بے بنیاد قرار دیتا ہے۔ بعض مسیحیوں کا پادری سٹڈل کی طرح یہ بیان تھا کہ وہ مسیحی کتب ملک عرب میں موجود تھیں جن میں اسلامی تعالیم کا کھوج ملتا ہے۔ ولیم میور اس کی بھی تغلیط کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کتابیں ملک عرب میں موجود نہیں تھیں۔ پھر بعض مسیحیوں کا یہ بیان تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحیوں کے ناسٹک فرقہ سے تعلیم حاصل کی۔ مگر ولیم میور اس قول کی بھی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ یہ فرقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے نابود ہو چکا تھا اور ملک عرب میں تو اس فرقہ کو کبھی دخل ہی نہیں ملا۔ پھر بعض مسیحیوں کا یہ قول تھا کہ اگرچہ وہ مسیحی کتب جن میں اسلامی تعالیم و قرآنی مضامین کا پتہ لگتا ہے ملک عرب میں موجود نہ تھیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین اُن حکایات و واقعات سے حاصل کیئے جو روایتہً نسلاً بعد نسلٍ ملک عرب میں مشہور چلے آتے تھے۔ مگر ولیم میور اس قول کی بھی تردید کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس قسم کی روایتیں ملک عرب میں بہت قلیل تھیں اور وہ اس قابل نہ تھیں کہ اُن سے قرآنی مضامین تیار ہو سکتے۔ غرض سر ولیم میور نے مسیحیوں کے اقوال کو ایک ایک کر کے خوب توڑا ہے اور اب ہمارے لیئے ضرورت باقی نہیں رہی کہ ہم خود ان اقوال کی تردید کے لیئے قلم اُٹھائیں۔ ہمارا کام اُس نے کر دیا ہے اور خوب کیا ہے۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب سر ولیم میور نے دوسرے مسیحیوں کے اقوال کو یکے بعد دیگرے گن گن کر ردّ کیا ہے اور بڑی معقولیت سے ردّ کیا ہے تو اُس نے خود کیا رائے پیش کی ہے۔ مگر مَیں افسوس سے کہتا ہوں کہ وہ دوسروں کے اقوال کو تو بے بنیاد کہکر ردّ کرتا ہے مگر جو قول وہ خود پیش کرتا ہے وہ دوسرے اقوال سے بھی زیادہ بے بنیاد اور زیادہ غیر معقول ہے۔ یہ کہنے کے بعد کہ ملک عرب میں اس قدر

مسیحی روایتیں موجود نہیں تھیں کہ اُن سے قرآنی مضامین مرتب ہو سکتے۔ وہ لکھتا ہے "لیکن اس غرض کے لئے کافی روایتیں ملک شام کی جنوبی حدود میں ابھی باقی تھیں اور اُس جگہ سے بلا ریب کسی یہودی واسطہ سے یہ روایتیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچیں"۔ یہ میور صاحب کی اپنی رائے ہے مگر اُنہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں فرمائی کہ جس وجہ سے انہوں نے دیگر مسیحیین کے اقوال کو ردّ کیا ہے وہی وجہ اُن کے اپنے قول میں پائی جاتی ہے یعنی جس طرح اُنہوں نے دوسروں کے اقوال کو اس لئے ردّ کیا ہے کہ وہ بے بنیاد ہیں اور کوئی تاریخی شہادت اُن کی تائید میں پیش نہیں کی جا سکتی یہی نقص خود ولیم میور کے قول میں پایا جاتا ہے یعنی اُس کے پاس ذرا بھر شہادت اس امر کی موجود نہیں کہ ملک شام کی جنوبی حدود سے مسیحی روائتیں یہودیوں کے ذریعہ مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ صرف یہی کہنا کہ ملک شام کی جنوبی حدود میں کافی مسیحی روایتیں موجود تھیں اس امر کو ثابت نہیں کرتا کہ ضرور وہ روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئیں۔ میور کو اس بات کا خوب علم ہونا چاہیئے کہ قرآنی مضامین جو مسیحی تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں زیادہ تر مکّی سورتوں میں پائے جاتے ہیں اور میں یہودی سرچشموں کے عنوان میں یہ دکھا چکا ہوں کہ مسیحی صاحبان کے پاس کوئی ثبوت اس امر کا موجود نہیں کہ مکّہ میں یہودی یا عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اپنے مذہبی قصّے سنایا کرتے تھے۔ اگرچہ میور صاحب کو بہت سے مسیحیوں کی نسبت اسلامی تاریخ کا زیادہ علم ہے اور انہوں نے اسلام کی تاریخی کتب کا بہت مطالعہ کیا ہے مگر باوجود اس علم کے وہ کوئی شہادت پیش نہیں کر سکے جس سے ثابت ہو کہ مکّہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شام سے یا مدینہ سے یہودی آیا کرتے تھے اور مسیحی تاریخ یا یہودی علوم کے متعلق آپ سے ذکر اذکار کیا کرتے تھے۔ اگر وہ یہ ضروری سمجھتا ہے کہ دوسرے مسیحیوں کے اقوال کو اس لئے ردّ کرے کہ کوئی تاریخی شہادت اُنکی تائید نہیں کرتی تو ہم بھی مجبور ہیں کہ اُس کے قول کو

اسی وجہ سے ردّ کریں جس وجہ سے وہ دوسرے مسیحیوں کے اقوال کو ردّ کرتا ہے۔ اگر ولیم میور کے نزدیک یہ خیال کرنا بیہودگی ہے کہ ملک عرب میں بہت سی مسیحی کتب موجود تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کتابوں تک رسائی حاصل تھی یا یہ کہ جزیرہ نما عرب میں اس قدر مسیحی روایتیں موجود تھیں جن سے قرآنی مضامین تیار ہو سکتے تھے تو ہمارے نزدیک یہ خیال کرنا اور بھی زیادہ بیہودہ ہے کہ شام سے مسیحی روایتیں یہودیوں کے واسطے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کرتی تھیں۔ میور اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی شہادت نہیں پیش کرتا۔ اُس نے وہی غلطی کی ہے جو پادری ٹسڈل نے اپنی کتاب ینابیع نام میں کی ہے جیسا پادری ٹسڈل اپنے دعویٰ کے ثبوت میں کوئی شہادت پیش نہیں کرتا۔ ایسا ہی میور نے صرف دعویٰ پر ہی اکتفا کیا ہے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا۔ ان دونوں صاحبان کے نزدیک صرف یہی دکھا دینا کافی ہے کہ قرآن مجید کی فلاں تعلیم فلاں کتاب یا کتبہ میں یا فلاں ملک اور قوم میں موجود تھی۔ اِس سے اِن کو کوئی سروکار نہیں کہ اُس کتاب یا اُس ملک سے وہ تعلیم کس طرح اور کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی۔ مثلاً ریورنڈ ٹسڈل ایک عبرانی۔ یونانی۔ ایرانی۔ سریانی قبطی سنسکرت وغیرہ کسی زبان کی کتاب میں سے ایک تعلیم یا ایک مضمون کو پیش کرتا ہے اور پھر اسلامی تعلیم اور قرآنی مضمون سے اُس کی مشابہت دکھا کر فوراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں کتاب سے اس تعلیم یا اس مضمون کو اخذ کیا۔ اسی اصول پر عمل کر کے میور کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیحی مضامین ملک شام کی جنوبی حدود سے حاصل کیئے اور اسکے پاس اسکی دلیل سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ ملک شام کی جنوبی حدود میں مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ اور یہ ذخیرہ ملک عرب میں نہیں پایا جاتا تھا۔ ہمیں اس سے سروکار نہیں کہ ملک شام کی جنوبی حدود میں مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ پایا جاتا تھا یا نہیں۔ سوال یہ نہیں کہ مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ کہیں پایا جاتا تھا یا

نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ جس جگہ مسیحی روایتوں کا کافی ذخیرہ بیان کیا جاتا ہے کیا اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں سے اپنے معلومات کا ذخیرہ حاصل کیا۔ میور کہتا ہے کہ ملک شام کی جنوبی حدود سے کسی یہودی واسطہ سے مسیحی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس بات کا کوئی ثبوت موجود ہے کہ ملک شام سے یہودی آپکے پاس آتے تھے اور مسیحی روایتیں آپ کو سنایا کرتے تھے؟ اس سوال کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں۔ خود میور کا یہ کہنا کہ کسی یہودی واسطہ سے یہ روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ اُس کے پاس اپنے دعوے کے لیئے کوئی دلیل نہ تھی۔ کسی کا لفظ (''کسی یہودی واسطہ سے'') اس امر کی ایک دلیل ہے کہ میور کو علم نہیں کہ واقعی یہودیوں کی وساطت سے مسیحی روایتیں ملک شام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں ''کسی یہودی واسطہ سے'' کہکر اُس نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا ہے اگر اُس کو کسی خاص یہودی واسطے کا یقینی علم ہوتا تو وہ ایسے الفاظ استعمال نہ کرتا۔ بلکہ اُس واسطہ کی تعیین کرتا اور کسی خاص یہودی کا مثال کے طور پر نام لیتا جس کی وساطت سے یہ مسیحی روایتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچیں۔ ولادت مسیحؑ کا ذکر کرتے ہوئے میور لکھتا ہے کہ ''ممکن ہے کہ لوقا کی انجیل میں جو مسیحؑ کی ولادت کے حالات لکھے ہیں کسی شخص نے زبانی یہ حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے ہوں یا اس انجیل کے کسی قلمی نسخہ سے پڑھ کر سنائے ہوں مگر یہ محض ایک خیالی بات ہے''۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ صرف یہ ایک خیالی بات ہے بلکہ وہ سب باتیں جو میور نے اور دوسرے مسیحی معترضین نے اسلام کے سرچشموں کے بارے میں لکھی ہیں محض خیالی ہیں جن کا کوئی تاریخی ثبوت اُنکے پاس موجود نہیں۔ جیسا میور کا یہ بیان محض خیالی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوقا کی انجیل کا وہ باب پڑھکر یا زبانی سنایا جس میں مسیحؑ کی ولادت کا

ذکر ہے۔ ایسا ہی میور کا یہ بیان بھی محض خیالی ہے کہ شام کے ملک سے مسیحی روایتیں یہودیوں کے ذریعہ آپ کو مکہ میں پہنچا کرتی تھیں۔ دونوں بیان یکساں خیالی ہیں اور میور کا کوئی حق نہیں کہ ان دونوں بیانوں میں کوئی تمیز کرے۔ یعنی ایک بیان کو محض خیالی کہکر دوسرے کو واقعی ظاہر کرے۔ دونوں بیان یکساں بے بنیاد ہیں اور اگر وہ ایک کو محض خیالی کہکر اُسے ناقابل اعتماد ٹھہراتا ہے تو دوسرا بھی ایسا ہی بے بنیاد اور خیالی ہے اور اس قابل نہیں کہ اُسپر کچھ توجہ کی جاوے۔

علاوہ ازیں خود قرآن شریف کے وہ حصص جس میں مسیحی مذہب اور اُس کے بانی کا ذکر ہے اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ وہ میور کے قول کے مطابق "کسی یہودی واسطہ سے" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہنچے۔ اگر مسیحی حالات یہودی ہاتھوں میں سے ہوکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے تو ضروری تھا کہ اُنپر کچھ یہودی ہاتھوں کا نشان ہوتا مگر اُنپر کوئی ایسا نشان نہیں۔ یہودی عداوت اور بُغض کا کوئی نشان قرآن شریف کے اُن حصوں پر نہیں جو مسیحی مذہب اور اُس کے بانی علیہ السلام کے متعلق ہیں۔ برخلاف اس کے ہر ایک بات جو حضرت مسیحؑ آپکی والدہ صدیقہ اور آپکے حواریوں کے بارے میں قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے وہ صریحاً یہودی سپرٹ کے مخالف ہے۔ حضرت مسیح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کو اُن تمام الزامات سے پاک کیا گیا ہے جو یہودی آپ کی طرف منسوب کرتے تھے آپ کی والدہ کو صدیقہ کہا گیا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک راستباز نبی بیان کیا گیا ہے۔ پھر اس امر سے انکار کیا گیا ہے کہ حضرت مسیحؑ صلیب کی لعنتی موت کا شکار ہوئے۔ اور خود حواریوں کے حالات ایسے رنگ میں بیان کیئے گئے ہیں کہ کوئی یہودی برداشت نہیں کرسکتا کہ اُنکو ایسے رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے پیش کرے۔ غرض حضرت مسیحؑ کا کل قصہ اور آپکے اور آپکے متعلقین کے سارے حالات جو قرآن مجید میں بیان کیئے گئے ہیں وہ میور کے اس خیال کی تردید کر رہے ہیں کہ یہودیوں کے واسطہ سے مسیحی

حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے۔ میں کہوں گا کہ یہ خیال کرنا ایک حماقت ہے کہ وہ خیالی یہود جن کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ شہر مکہ میں آکر انہوں نے حضرت مسیحؑ کے حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کئے انہوں نے بجائے اس کے کہ حضرت مسیحؑ کی اور آپکی والدہ صدیقہ اور آپکے حواریوں کی اپنے رنگ میں آپکے سامنے تصویر پیش کرتے لوقا کی انجیل یا کوئی اور مسیحی کتاب آپ کو پڑھ کر سنائی۔ یہودیوں سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی۔ اگر یہودی حضرت مسیح علیہ علیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کے حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچانے والے ہوتے تو وہ لوقا کی انجیل سنانے کے بجائے آپکے پاس وہ مسیح پیش کرتے جس کا نقشہ اُن کی کتاب تالمود میں کھینچا گیا ہے۔ اور وہ بجائے اس کے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کے حالات اُس رنگ میں بیان کرتے جس رنگ میں لوقا کی انجیل کے پہلے باب میں بیان کیئے گئے ہیں وہ اس رنگ میں ان حالات کو پیش کرتے جس طرح اُنکی کتابوں تالمود وغیرہ میں بیان کیئے گئے ہیں اور جس طرح اُن کا اپنا عقیدہ تھا اور مسیحیوں کا کسی زمینی باپ کا نام بیان نہ کرنا یہودیوں کی معاندانہ اتہامات کا مؤید تھا۔ اور اس صورت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت کا نقشہ اس طرح کھینچا جاتا جس طرح کہ اب خدائے تعالیٰ کے کلام میں کھینچا گیا ہے بلکہ اُس طرح کا نقشہ ہوتا جس طرح کہ یہودیوں کی کتابوں میں کھینچا گیا ہے اور جس طرح یہودی ابتک یقین رکھتے ہیں۔ اور یہودی اپنی تالمود کے اتہامات کی تائید میں خود مسیحیوں کی کتابیں بھی پیش کر سکتے تھے۔ یہ امر کہ خود بعض مسیحیوں کے صحیفے یہودیوں کے حاسدانہ بہتانات کی تائید کرتے تھے مندرجہ ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے جو میں کتاب ریڈل آف دی یونی ورس مصنفہ ارنسٹ ہیکل میں سے نقل کرتا ہوں۔ صفحہ ۳۳۵ پر مصنف مذکور لکھتا ہے۔

"روح القدس سے کنواری مریمؑ کے حاملہ ہونیکے متعلق ہمیں کہا جاتا ہے کہ اناجیل کو پڑھو کیونکہ یہ کتابیں اس واقعہ کی شہادت دیتی ہیں۔ چار انجیل نویسوں میں سے دو یعنی متی اور لوقا اس امر کا ذکر کرتے ہیں اور دونوں کا بیان یہ ہے کہ کنواری مریمؑ کی نسبت یوسف بڑھئی کے ساتھ کی گئی تھی لیکن وہ اُس سے تعلق کرنے کے بغیر ہی روح القدس کے ذریعہ

حاملہ ہوگئی۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں چار موجودہ اناجیل جن پر مسیحی کلیسیا کی بنیاد ہے عمداً بہت سی اناجیل میں سے انتخاب کی گئیں۔ ان کثیر التعداد اناجیل میں باہمی ایسا ہی اختلاف کثیر ہے جیسا کہ ان چار انجیلوں میں اختلاف کثیر ہے کلیسیا کے بزرگ ۵۰ سے لیکر ۵۰۰ تک ایسی اناجیل کا ذکر کرتے ہیں جن کو جعلی کہا جاتا ہے اور جو اناجیل اپوکرفا کے نام سے مشہور ہیں۔ بعض ان میں سے یونانی اور لاطینی دونوں زبانوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ مثلاً یعقوب کی انجیل۔ تھوما کی انجیل۔ نکودیمس کی انجیل۔ وغیرہ وغیرہ۔ جو حالات ان اناجیل میں بیان کیئے گئے ہیں خصوصاً مسیحؑ کی ولادت اور طفولیت کے حالات وہ بھی تاریخی طور پر وہی پایہ رکھتے ہیں جو اناجیل اربعہ رکھتی ہیں (یا یوں کہو کہ سب اناجیل ناقابل اعتبار ہونے میں ایک ہی درجہ رکھتی ہیں)۔ اب ہم ان اناجیل میں سے ایک میں ایک تاریخی واقعہ لکھا ہوا پاتے ہیں جس کی سفر ٹولڈتھ جیسکو آ میں بھی تائید کی گئی ہے۔ اس انجیل کا یہ بیان غالباً مسیح کی ولادت کے معمّہ کو بالکل حل کر دیتا ہے۔ اس انجیل کا مصنّف ایک ہی فقرہ میں اس مسئلہ کو حل کرتا ہے اور وہ فقرہ یہ ہے ...." (اس فقرہ میں جو کتاب ورلڈ رڈّل کا مصنّف ایک انجیل میں سے نقل کرتا ہے حضرت مسیحؑ کی مقدس والدہ حضرت مریم صدّیقہ علیہا السلام کی عصمت پر ایک ناپاک حملہ کیا گیا ہے جس کو مَیں یہاں نقل نہیں کر سکتا) اے ناشکر گذار مسیحیو! کیا تم اُس محسن کا شکریہ ادا نہیں کرتے جس نے حضرت مریمؑ اور اُس کے بیٹے یسوع مسیحؑ کو اُن ناپاک اتّہامات سے پاک کیا ہے جو نہ صرف شریر دشمن بلکہ بعض نادان دوست بھی اُنکی طرف منسوب کرتے تھے اور جن کے دُور کرنے کے لیئے تمھارے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ یہ اتّہامات ایسے ناپاک ہیں کہ ایک مسلمان کی قلم اُنکے نقل کرنے سے بھی کانپتی ہے اور ایک مسلمان کا ہاتھ اپنے آپ میں یہ طاقت نہیں پاتا کہ اُن کے لکھنے کے لیئے اپنی قلم کو ہلائے۔ معلوم نہیں کہ ورلڈرڈّل کے مسیحی مصنّف نے مسیح کے پرستاروں میں پیدا ہوکر یہ کس طرح جرأت کی کہ ایسے گندے فقرہ کو نقل کرکے اپنی کتاب کے اوراق کو ناپاک کیا۔ قرآن مجید نے مسیحی قوم

پر ایک عظیم الشان احسان کیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اور اُس کے بیٹے حضرت مسیح علیہ السلام کو اُن تمام ناپاک الزامات سے پاک کر دیا ہے جو دشمن اُنکی طرف منسوب کرتے تھے۔ اگر قرآن مجید حضرت مریم علیہا السلام کو صدّیقہ نہ کہتا اور اُس کے بیٹے کو خدا کا برگزیدہ انسان بیان نہ کرتا اور ان دونوں کو یہودیوں کے ناپاک اتّہامات سے بری نہ کرتا تو مسلمان دنیا آج حضرت مریم علیہا السلام کو صدّیقہ کہکر نہ پکارتی پھر بھی ناشکرگذار مسیحی یہی کہتا ہے کہ قرآن مجید حضرت مسیح علیہ السلام اور آپکی والدہ کے متعلق جو کچھ بیان کرتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شام سے آنیوالے یہودیوں سے سیکھا۔ اُن کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہودیوں سے حضرت مسیحؑ اور آپکی والدہ اور آپکے حوارین کے حالات دریافت کرتے تو آپ اُن کو راستباز کہکر نہ پکارتے۔ یہودی تو حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک ایسے شخص کے رنگ میں پیش کرتے تھے جس کی ولادت بھی ایک لعنتی ولادت تھی اور جس کی موت بھی ایک لعنتی موت تھی۔ ایک معمولی آدمی ایسا نقشہ اپنے سامنے کھچا ہوا دیکھکر کبھی ایسے شخص کو راستباز نبی نہیں مان سکتا۔ خصوصاً جب ایسے شخص کے پیرو بھی اس قابل نہ ہوں کہ ان الزامات کو غلط ثابت کر سکیں بلکہ ایک حد تک اُنکو قبول بھی کرتے ہوں۔ دو بڑے الزامات تھے جو یہودی حضرت مسیح علیہ وعلیٰ نبینا الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب کرتے تھے ایک اُنکی ولادت کے متعلق تھا دوسرا اُنکی وفات کے متعلق تھا یعنی دونوں کو وہ نعوذ باللہ لعنتی قرار دیتے تھے۔ پہلے امر کے بارے میں یعنی ولادت کے بارہ میں اگرچہ مسیحی انکے الزام کو تسلیم نہیں کرتے تھے مگر کسی باپ کا پتہ بھی نہیں دیتے تھے اور دوسرے امر میں وہ کھلے الفاظ میں تسلیم کرتے تھے کہ ضرور مسیح لعنت کی موت سے مرا اور صلیب پر جان دیکر لعنتی ہوا۔ اب ان حالات میں اگر خدائے تعالیٰ کا الہام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی نہ کرتا تو آپ کسی طرح یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ ایسا شخص جسکی نسبت دشمن و دوست اس قسم کے حالات بیان کرتے ہیں ایک راستباز نبی تھا۔ یہ خدائے تعالیٰ کا کلام تھا جس نے ایسے حالات میں آپ کی رہنمائی کی اور آپ نے

دشمن و دوست دونوں سے بیانات کو رد کر کے یہ ظاہر کیا کہ مسیح ناصری ایک راستباز آدمی تھا جو اُن تمام عیبوں سے مبرّہ تھا جو مسیحی اور یہودی اس کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ولادت کے بارہ میں آپ نے حضرت مسیحؑ کی ماں کو صدیقہ کہکر سارے الزامات کو جھوٹا ٹھہرایا اور وفات کے بارے میں آپ نے مسیحیوں اور یہودیوں ہر دو کے بیانات کو رد کر کے یہ ظاہر فرمایا کہ اُنھوں نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ اپنی طبعی موت سے وفات پائی۔ اور میں انشاء اللہ تعالیٰ آگے چلکر دکھاؤں گا کہ اناجیل بھی آپ کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں۔ آپ نے کسی یہودی سے سنکر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ سے الہام پاکر مریم کو صدیقہ کا خطاب دیا اور اس طرح ہمیشہ کے لیئے مسیحی دنیا کو ممنونِ احسان کیا۔ یہودی اُسکو پاکدامن عورت کے رنگ میں پیش نہیں کرتے تھے اور مسیحی اُس کی عصمت کو ثابت کرنیکے لیئے اپنے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں رکھتے تھے جس سے ایک غیر انسان کے دل سے یہودیوں کا ڈالا ہوا شبہ دور ہو بلکہ اُن کا کسی باپ کا پتہ نہ دینا ایک اجنبی کے دل میں اس شبہ کو اور بھی مضبوط کرنے والا تھا اب میں مسیحیوں سے پوچھتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے نور سے منوّر نہ ہوتے تو وہ کس طرح ایسے ظلمانی حالات کے ماتحت حق کو دیکھ سکتے تھے۔ یہ وحی الٰہی ہی کا نور تھا جس سے روشنی حاصل کر کے آپ نے صدّیقہؓ کو راستباز ٹھہرایا اور اگر آج ایک دنیا مسیحؑ کی والدہ کو صدیقہ کہکر پکارتی ہے تو یہ بھی اُسی وحی الٰہی کی برکت ہے مگر مسیحیوں سے بڑھکر کوئی شخص احسان فراموش نہ ہوگا جو ایسے محسن کو دغاباز کہتے ہیں اور ایسے حق بتانیوالے کے حق میں یہ کہتے ہیں کہ اُس نے مسیحؑ کے بارے میں یہودیوں سے اپنے معلومات کا ذخیرہ جمع کیا۔ مسیحیوں کو غور کرنا چاہیئے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں جو امور حق ہیں اُن کی تصدیق کرنا اور جو غلطیاں تھیں اُنکو رد کرنا یہ اس امر کی ایک صریح دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے نور سے ایسا کیا۔ نہ کسی یہودی یا مسیحی کے خیالات سے مؤثر ہو کر۔

الغرض۔ اس سے زیادہ کوئی بیہودہ بات نہیں ہو سکتی کہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم نے شام سے آنیوالے یہودیوں کے ذریعہ مسیحی معلومات حاصل کیئے۔
مسیحی سرچشموں کا سوال میور نے فیصلہ کر دیا ہے۔ جو جو قول دوسرے مسیحی معترضین نے اس بارے میں پیش کیئے ہیں میور نے اُن میں سے ہر ایک کو خود ہی رد کر دیا ہے اور ہمیں اس ضرورت سے آزاد کر دیا ہے کہ ہم اُن معترضین کے اقوال کی تردید کی تکلیف اُٹھائیں۔ جب میور جیسے تاریخدان مسیحی نے اُن اقوال کو بے بنیاد ٹھہرایا ہے تو اب ہمارے لیئے ضرورت نہیں رہی کہ اُنپر کچھ بحث کریں۔ جو کام ہمنے کرنا تھا وہ خود میور نے کر دیا ہے اور ہم اس لیئے میور کا شکریہ ادا کرتے ہیں کیونکہ ہم مسیحیوں کی طرح ناشکرگذار نہیں۔ اب ہمارا کام صرف اتنا باقی رہ گیا ہے کہ جو رائے میور نے پیش کی ہے اُسپر غور کریں۔ اور میں دکھا چکا ہوں کہ جیسا دوسرے مسیحیین کے اقوال بے بنیاد ہیں میور کا قول اُس سے بڑھ کر بے بنیاد ہے اور اس لیئے ہم مجبور ہیں کہ جیسا اُس نے دوسروں کے اقوال کو رد کیا ہے ایسا ہی ہم اس کے قول کو رد کریں۔ پس میور کے قول کو بے بنیاد ثابت کرنے کے بعد ہمارا کام جہاں تک مسیحی سرچشموں سے تعلق رکھتا تھا ختم ہو چکا ہے اور اب ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کا حق رکھتے ہیں کہ مسیحی صاحبان کے پاس کوئی ثبوت اس بات کا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی مضامین مسیحیوں یا اسرائیلیوں سے حاصل کیئے۔ مسیحی معترضین میں اس قدر اختلاف ہونا صرف یہی امر ایک عقلمند کی نظر میں اس بات کی ایک صریح دلیل ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھ مین کوئی بھی یقینی ثبوت نہیں۔ کیونکہ اگر ان کے ہاتھ میں کوئی قطعی دلیل ہوتی تو ان میں اس قدر اختلاف ہرگز نہ ہوتا۔

زردشتی سرچشمے

مسیحی اور یہودی سرچشموں پر بحث کرنے کے بعد اور مسیحی معترضین کے اقوال کی بیہودگی ظاہر کرنے کے بعد اب میں اُن تعالیم کی طرف رجوع کرتا ہوں جن کو مسیحی صاحبان زردشتی سرچشموں سے نکلا ہوا بتاتے ہیں وما توفیقی الا

باللہ العلی العظیم۔

جن اسلامی تعالیم کو پادری ٹسڈل صاحب زردشتی ینابیع سے نکلا ہوا بیان کرتے ہیں اُن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج۔

(۲) جنّت۔ حور۔ غِلمان وغیرہ کا حال۔

(۳) ملک الموت۔

(۴) عزازیل کا جہنم میں سے نکلنا۔

(۵) نور محمدؐی۔

(۶) پل صراط۔

(۷) ہر ایک نبی کا آنیوالے نبی کی آمد کے متعلق خبر دینا۔

(۸) آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥۔

(۹) جنّ۔

(۱۰) ذرّات کائنات۔

مندرجہ بالا مضامین میں سے نمبر ۴ و ۵ و ۷ و ۱۰ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اور نہ کسی صحیح حدیث میں ان کا بیان ہے باقی مضامین میں سے نمبر ۶ کا ذکر صحیح احادیث میں ہے اور اس کے سوا دوسرے مضامین سب قرآنی ہیں۔ نمبر ۱ کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کے ابتدا میں ہے۔ نمبر ۲ کا بیان اور سورتوں کے علاوہ مندرجہ ذیل سورتوں میں ہے سورہ الواقعہ آیت ۱۲۔ سورۂ الرحمٰن آیت ۴۶۔ سورۂ یٰس آیت ۵۴۔ سورہ والصافات آیت ۳۸۔ مضمون نمبر ۳ کا ذکر سورۂ انعام آیت ۶۱۔ الاعراف آیت ۳۵۔ النحل آیت ۲۵ السجدہ آیت ۱۱ میں ہے۔ نمبر ۸ یعنی آیت بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥ قرآن کی قریباً کل سورتوں کیا مکّی کیا مدنی کے ابتدا میں ہے اور سورہ النمل کے اندر بھی یہ آیت وارد ہے اور مضمون نمبر ۹ کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی سورتوں میں ہے جو سب کی سب مکّی ہیں مثلاً انعام۔ آیت ۱۰۰ و ۱۲۸۔ حم سجدہ آیت ۲۴ و ۲۹۔ الحجر آیت ۲۷۔

الرحمٰن آیت ۱۴ وغیرہ۔

یہ سب سورتیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے مکّی ہیں پس وہ سب قرآنی مضامین جن کا زردشتی کتب میں کھوج لگایا جاتا ہے مکّی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان مضامین میں سے بعض کو مدنی سورتوں میں بھی دہرایا گیا ہے مگر ایسا دُہرانا بہت کم ہے۔ مَیں اب ناظرین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس امر کو نوٹ کریں کیونکہ یہ بات پادری ٹسڈل کے بیانات کی پڑتال کرنے میں بہت مدد دیگی۔ یہ دکھا نیکے بعد کہ وہ قرآنی مضامین جن کا پادری ٹسڈل زردشتی سرچشموں سے نکلا ہوا ہونا ظاہر کرتا ہے سب کے سب مکّی سورتوں کے مضامین ہیں مَیں اُن ذرائع کی طرف رجوع کرتا ہوں جن سے یہ مکّی مضامین پادری ٹسڈل کے قول کے بموجب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پُہنچے۔ پادری صاحب لکھتے ہیں "اگر شخصے بگوید کہ محال است کہ حضرت محمدؐ حکایتہا و رسوم زردشتیاں را پسندیدہ داخل قرآن و احادیث خود گردانیدہ باشد و نیز ممکن نخواہد بود کہ آں نبی اُمّی از ایں امور واقفیت ہم داشتہ باشد" کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ یہ محال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتیوں کی حکایات و رسوم کو پسند کر کے اُنکو قرآن مجید و احادیث میں داخل کر دیا بلکہ یہ بھی ممکن نہیں کہ اُس اُمّی نبی کو ان زردشتی تعالیم کی خبر بھی ہو"

اس سوال کے پادری صاحب نے چار جواب دیئے ہیں اور مَیں ان چاروں پر یکے بعد دیگرے اس جگہ غور کرتا ہوں۔

پادری صاحب کہتے ہیں۔ "اوّلاً در روضۃ الاحباب مندرج است کہ حضرت محمد عادت داشت کہ بہ اشخاص ہر طائفہ کہ نزد وے مے آمدند بزبانِ شاں بگوید و چوں بدینطور بعضے اوقات بزبانِ فارسی حرف مے زد از ایں سبب چند الفاظ فارسی در زبان عربی رواج یافت" یعنی اس سوال کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح زردشتی صحیفوں کے مضامین پہنچے پہلا جواب یہ ہے کہ کتاب روضۃ الاحباب نام میں یہ

لکھا ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ جس قوم اور جس ملک کے لوگ آپکے پاس آتے تھے آپ انہی کی بولی میں ان سے کلام کرتے تھے اور چونکہ اسی طریق پر عمل کر کے آپ بعض اوقات فارسی زبان میں بھی گفتگو کرتے تھے اس لیئے بعض فارسی الفاظ خود عربی زبان میں بھی داخل ہوگئے۔ پادری صاحب کی غرض روضۃ الاحباب کے اس قول کو نقل کرنے سے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے زردشتی کتب میں سے مضامین اخذ کرنا بالکل آسان تھا کیونکہ آپ فارسی زبان میں اچھی مہارت رکھتے تھے اور اُس میں بلاتکلف گفتگو کر سکتے تھے اور صرف فارسی زبان ہی نہیں بلکہ آپ ہر قوم اور ہر ملک کی بولی جانتے تھے اور جس قوم اور جس ملک کا آدمی آپکے پاس جاتا آپ اُسی کی زبان میں اُس سے بات چیت کرتے تھے۔ یہی آپ کی عادت تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا یہ امر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فارسی اور دوسری قوموں کی زبانوں سے خاصی واقفیت رکھتے تھے اور جس ملک کا آدمی آپکے پاس جاتا آپ اُسی کی زبان میں اُس سے گفتگو کرتے تھے۔ کیا پادری ٹسڈل درحقیقت اسکو صحیح اور درست یقین کرتا ہے؟ کیا اُس کا یہ خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی زبانوں بلکہ کل ممالک اور کل اقوام کی زبانوں کو جانتے تھے؟ کیا وہ روضۃ الاحباب کے اس بیان کو کہ آپ ہر ملک کے آدمی سے اُسی کی زبان میں گفتگو کر سکتے تھے صحیح سمجھتا ہے؟ اگر وہ ایک دیانت دار آدمی ہے تو وہ ہمیں صاف یہی جواب دے گا کہ وہ خود ان امور کو صحیح نہیں سمجھتا بلکہ اس بیان کو محض ایک افسانہ سمجھتا ہے۔ مگر باوجود اس بیان کو ایک افسانہ سمجھنے کے وہ اس کو اپنے دعوے کے لیئے بطور ثبوت کے پیش کر رہا ہے۔ اور اس بیان سے یہ نتیجہ نکالتا ہے کہ آپکے لیئے زردشتی کتابوں سے مضامین لینا کوئی مشکل نہ تھا کیونکہ آپ فارسی کیا دیگر ممالک کی زبانوں کو بھی جانتے تھے۔

کوئی معتبر حدیث یہ نہیں کہتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کی زبان جانتے تھے اور اُس میں گفتگو کر سکتے تھے مگر پادری صاحب کو صحت یا عدم صحت سے کوئی سروکار نہیں۔ جس بات کو وہ مفید مطلب دیکھتا ہے اُسی فوراً پکڑ لیتا

ہے خواہ وہ کیسی ہی بیہودہ کیوں نہ ہو۔ میور نے اور بہت سے دیگر مسیحی مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح لکھے ہیں مگر کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے ظاہر ہو کہ آپ مادری زبان کے علاوہ اور زبانیں بھی جانتے تھے۔ اگر آپ عربی کے علاوہ دیگر زبانوں کے بھی ماہر ہوتے تو یہ ایک ایسا امر تھا کہ مسیحی صاحبان اُس کے بیان کرنے سے ہرگز خاموش نہ رہتے۔ مگر پادری صاحب کو سچائی سے اس قدر محبت ہے کہ وہ اسی امر کو اپنے دعوے کے ثبوت میں بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں۔ کیا ایک محقق کی شان کے یہ لائق ہے کہ ایک ایسے امر کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرے جس کو وہ خود لغو سمجھتا ہے؟ کیا ایسا کرنا دیانت داری کے موافق ہے؟ اُس نے ثابت تو یہ کرنا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتیوں سے مضامین حاصل کیئے۔ اب اس کے ثابت کرنیکے لیئے اُسکو چاہیئے تھا کہ کوئی قوی بات اور مسلّم امر پیش کرتا تا اُس کی کتاب کے پڑھنے والوں کو یقین حاصل ہو تا کہ جو اس نے دعویٰ کیا ہے وہ سچا ہے مگر پادری صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایک ایسا امر پیش کیا ہے جس کو دوسرے لوگ تو کیا وہ خود بھی غلط سمجھتے ہیں۔ کیا غلط بات کے پیش کرنے سے بھی کوئی دعویٰ ثابت ہو جاتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ پیش کرنے والے نے ایمانداری سے کام نہیں لیا اور عدالت کو دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے۔

مگر ہم پادری صاحب کی خاطر یہ فرض کر لیتے ہیں کہ اُنکا یہ کہنا درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت سی زبانیں جانتے تھے اور اُن میں فارسی زبان بھی جانتے تھے مگر افسوس ہے کہ اس امر کو قبول کرنے کے بعد بھی پادری صاحب کی غرض پوری نہیں ہوتی۔ جب تک وہ یہ ثابت نہ کریں کہ زردشتی مذہب کے عالم یا پیرو آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور فارسی زبان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مذہبی امور کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ میں دکھا چکا ہوں کہ جسقدر مضامین پادری صاحب نے زردشتی مذہب سے نکلے ہوئے پیش کیئے ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اب پادری صاحب

ثابت کریں کہ مکہ میں ایرانی لوگ آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے اور فارسی زبان میں مذہبی امور پر آپ سے گفتگو کرتے تھے۔ مگر پادری صاحب ایک ایرانی عالم یا غیر عالم کا مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا بھی ثابت نہیں کر سکتے اور جب تک وہ یہ ثابت نہ کریں تو اُن کا یہ کہنا بے سود ہے کہ آپ فارسی زبان اور دیگر زبانیں جانتے تھے۔

اس سوال کا کہ کس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زردشتی کتب سے مضامین اخذ کرنا ممکن تھا دوسرا جواب پادری صاحب نے یہ دیا ہے کہ "چوں معلوم شد کہ حضرت محمد افسانہ ہائے یہود و داستانہا و رسوم عرب بُت پرست را پسندیدہ داخل قرآنِ خود ساخت پس چہ اشکال دارد کہ قصہائے فارسیاں نیز مقبول وے گردیدہ باشد" یعنی چونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی داستانوں اور بت پرستوں کے رسوم پسند کر کے اُنکو قرآن مجید میں داخل کر دیا تو کونسی مشکل بات تھی کہ انہوں نے ایرانیوں کے قصوں کو بھی پسند کر لیا ہو پادری صاحب کی عقل پر تعجب آتا ہے۔ سوال یہ نہیں تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتیوں کے مضامین کو کس طرح پسند کر لیا بلکہ سوال یہ تھا کہ آپنے زردشتی صحیفوں سے **کس طریق** سے ان مضامین کو اخذ کیا۔ پسند کرنا یا نہ کرنا اس کو اس سوال سے کہ کس طرح اور کس ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مضامین کو اخذ کیا کوئی تعلق نہیں۔ نیز میں پادری صاحب کے اس دعوے کے بطلان کو پہلے ثابت کر چکا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے یا کسی اور قوم سے کوئی تعالیم یا مضامین حاصل کیئے۔ مگر اگر پادری صاحب کی خاطر فرض بھی کر لیا جاوے کہ آپنے یہودی وغیرہ قوموں سے قرآنی مضامین اخذ کیئے تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپنے زردشتی کتب سے بھی قرآنی مضامین اخذ کیئے۔ اگر پادری صاحب کی اس انوکھی منطق کی پیروی کی جاوے تو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ آپنے چینیوں۔ جاپانیوں بلکہ امریکہ کے پرانے باشندوں اور افریقہ کے حبشیوں سے

بھی قرآنی مضامین اخذ کیئے ہوں گے۔ سوال تو ثبوت کا ہے یعنی یہ ثابت کیا جاوے کہ کس طریق سے اور کس ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو زردشتی کتب تک کسی قسم کی رسائی نہیں رکھتے تھے اُن سے قرآنی مضامین اخذ کیئے۔ اس کے جواب میں پادری صاحب یہ کہتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے یہودیوں وغیرہ سے مضامین حاصل کیئے اس لیئے انہوں نے زردشتیوں سے بھی ضرور مضامین حاصل کیئے ہونگے۔ اس طرح تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے یہود وغیرہ سے مضامین اخذ کیئے اس لیئے انہوں نے ہندوستان کے پنڈتوں اور چین کے بدھوں سے بھی بلکہ کنفیوشش کے پیرووٴں سے بھی ضرور تعالیم حاصل کی ہونگی۔ یہ پادری صاحب کی عجیب منطق ہے۔ اُن سے تو اس امر کا مطالبہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ کس طرح مکہ میں بیٹھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زردشتی کتب سے مضامین اخذ کیئے اسکے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے مکہ کے بُت پرستوں اور مدینہ کے یہود سے مضامین اخذ کیئے اس لیئے انہوں نے زردشتی صحیفوں سے بھی ضرور مضامین اخذ کیئے ہونگے۔ یہ عجیب منطق ہے!

پادری صاحب کا تیسرا جواب یہ ہے کہ "از سیرۃ الرسول تصنیف ابن ہشام وابن اسحق معلوم است کہ میان اصحاب حضرت محمدؐ شخصے ایرانی مسمّی بہ سلمان فارسی بود کہ حضرت محمدؐ در وقت محاصرہ کردن مدینہ برحسب نصیحت وے آں خندق را کند ونیز در حین غزوۂ ثقیف طایف منجنیق را موافق رائے او اوّلاً باستعمال آورد۔ وے گویند کہ ایام خود حضرت محمدؐ و دشمنانش برآں بودند کہ سلمان در تصنیف کردن قرآن مددگار حضرت محمدؐ مے باشد و ذکر ایں مطلب در سورۂ نحل بایں الفاظ یافت مے شود وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝" یعنی کتاب سیرۃ الرسول مصنفہ ابن ہشام وابن اسحق سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں ایک ایرانی شخص تھا جس کا نام سلمان تھا۔ محاصرۂ مدینہ کے

وقت اُسی نے خندق کھود دینے کا مشورہ دیا تھا اور طائف کے محاصرہ میں اُسی کے مشورہ سے منجنیق کا اوّل اوّل استعمال کیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی آپ کو یہ الزام دیا کرتے تھے کہ آپ قرآن شریف کے تیار کرنے میں سلمان فارسی سے امداد لیتے ہیں۔ چنانچہ سورۂ نحل کی آیت وَلَقَدْ نَعْلَمُ الخ میں اسی سلمانؓ کا ذکر ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی لوگوں کو اس امر کا علم تھا کہ سلمان فارسی آپ کو مدد دیتا ہے۔

پادری صاحب کے اس تیسرے جواب کی لغویت ظاہر کرنے کے لیئے میرے لیئے صرف اتنا ظاہر کر دینا ہی کافی ہوگا کہ سلمان فارسی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ میں پہنچا حالانکہ وہ سب مضامین قرآنی جن کا ذکر پادری صاحب نے کیا ہے مکّی ہیں۔ پادری صاحب کے حال پر رحم آتا ہے۔ وہ اپنی تحقیق میں ہمیشہ زمانہ کے سوال کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جس سے اُن کی ساری کارروائی کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ وہ ہمیں سناتا ہے کہ قرآن مجید کا فلاں مضمون فلاں شخص کی وساطت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔ مگر اس امر کی طرف بالکل توجہ نہیں کرتا کہ وہ مضمون اُس شخص کے آنے سے پہلے شائع ہوا یا اُس کے آنے کے بعد۔ مثلاً اُس نے قرآن مجید کی چند آیات کے متعلق لکھا ہے کہ وہ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہؓ سے سیکھیں مگر اس امر پر غور نہیں کیا کہ وہ سب آیات مکّہ کے ابتدائی زمانہ کی ہیں حالانکہ حضرت ماریہ قبطیہ رضؓ مدینہ میں ہجرت کے ساتویں سال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں۔ مَیں اس امر کا ذکر مسیحی سرچشموں کی بحث میں کر چکا ہوں۔ اسی طرح اب پادری صاحب ہمیں یہ سناتے ہیں کہ بہت سے قرآنی مضامین جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ سے سیکھے حالانکہ سلمانؓ آپ کے ساتھ مدینہ میں ہجرت کرنے کے بعد ملا اور یہ سب قرآنی مضامین بلا استثنا مکّی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مضامین حضرت ماریہ قبطیہؓ اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے اُن کے آنے سے سالہا سال پہلے سیکھ لیئے۔ مسیحیوں میں پادری ٹسڈل صاحب سے بڑھ کر کوئی محقق آج تک پیدا

نہیں ہوا اور یقین ہے کہ آئندہ بھی اس پایہ کا محقق کبھی عیسائی قوم میں ظاہر نہیں ہوگا۔ پادری صاحب کے حال پر تو چنداں افسوس نہیں۔ افسوس تو سر ولیم میور کے سی ایس آئی۔ ڈی سی ایل۔ ایل ایل ڈی۔ پی ایچ ڈی پر آتا ہے کہ اُس نے باوجود مورخیت کے دعوے کے نہ صرف ایسی لچر تحقیقات کو انگریزی جامہ پہنایا بلکہ اس پادری کی علمیت اور اس کی لیاقت اور تحقیق کی مدح سرائی کر کے اپنی مورخیت پر خواہ مخواہ داغ لگا لیا۔ اور ایسی بیہودہ کتاب پر اپنی تصدیق کی مہر لگا کر پادری ٹسڈل کی معکوس نیکنامی میں اپنے آپ کو حصّہ دار بنا دیا۔ مگر اس نیک نامی میں .... ایک تیسرا نامی مسیحی بھی شریک ہے اور وہ جے۔ ایم۔ راڈویل۔ ایم۔ اے۔ ریکٹر آف سینٹ ایتھلبرگہ لنڈن مترجم قرآن مجید ہے۔ کیونکہ وہ بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں اسی قابل شرم تحقیقات کی طرف رجوع کرتا ہے "کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جنّت و نار کے حالات جو زندوستا کے بیانات سے مشابہت رکھتے ہیں اسی سلمان فارسی سے سیکھے ہونگے" یہ دیکھکر افسوس آتا ہے کہ ایسے لوگ جن کو اسلام کے حالات سے کچھ بھی مس نہیں اسلام پر نکتہ چینی کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ناظرین یہ سُنکر تعجب کریں گے کہ راڈویل وہ شخص ہے جس نے دوسرے مترجموں سے یہ نرالا طریق اختیار کیا ہے کہ قرآن شریف کی سورتوں کو موجودہ ترتیب پر نہیں رکھا بلکہ نزولی ترتیب کو اختیار کیا ہے یعنی جو سورتیں مکّہ میں نازل ہوئیں اُنکو پہلے رکھا ہے اور جو مدینہ میں نازل ہوئیں اُنکو بعد رکھا ہے اور اُن میں بھی جو پہلے نازل ہوئیں اُنکو پہلے اور جو بعد میں نازل ہوئیں اُنکو پیچھے رکھا ہے مگر باوجود اس کے اُس نے یہ نہیں دیکھا کہ جنّت و نار کا بیان مکّہ کی ابتدائی سورتوں میں موجود ہے حالانکہ سلمان فارسی مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوا۔ اس محقق نے باوجود نزولی ترتیب اختیار کرنے کے یہ نہیں دیکھا کہ جنّت و نار کا بیان مکّہ کی ابتدائی سورتوں میں سلمان فارسیؓ کے وجود سے پہلے نازل ہو چکا تھا۔ پھر بھی وہ کہتا ہے کہ یہ بیانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی سے سیکھے ہونگے۔ افسوس ان لوگوں کی تحقیق پر اور افسوس ان کی عقل پر۔ اور افسوس اُن

لوگوں پر جو اسلام کے بارے میں ایسی جاہلانہ تحقیقات کی پیروی کرتے ہیں۔
پادری ٹسڈل اپنے اس قول کی تائید میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے امداد لی یہ بیان کرتا ہے کہ اُس زمانہ میں بھی مخالفان اسلام کو یہ معلوم تھا کہ آپ سلمانؓ سے مدد لیتے ہیں چنانچہ اس قرآنی آیت میں سلمانؓ کا ہی ذکر ہے وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۔ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے ہم جانتے ہیں کہ دشمن کہتے ہیں کہ ایک آدمی اس کو تعلیم دیتا ہے۔ جس شخص کی طرف یہ لوگ کجراہی کرتے ہیں اس کی زبان عجمی ہے اور یہ کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان ہے۔
میں گذشتہ پرچے میں یہ ظاہر کر چکا ہوں کہ اس آیت کریمہ میں ایسی امداد کا ذکر نہیں ہے جس کی پادری صاحب کو شکایت ہے یعنی مضامین قرآنی اخذ کرنے کا یہاں ذکر نہیں ہے بلکہ یہاں قرآن مجید کی فصیح بلیغ عبارت میں امداد لینے کا انکار ہے۔ مگر اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہاں مضامین کے بارے میں امداد حاصل کرنے کا ذکر ہے پھر بھی افسوس ہے کہ پادری صاحب کی غرض پوری نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ آیت جو سورہ نحل میں واقع ہے ایک مکی آیت ہے اور مکہ میں جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں سلمان فارسیؓ کا نام ونشان بھی نہ تھا پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ مکہ کے کفار ایک ایسے شخص سے امداد حاصل کرنے کا ذکر کرتے جس کا وجود ہی مکہ میں موجود نہ تھا۔ افسوس ہے پادری صاحب لکھنے سے پہلے کچھ بھی نہیں سوچتے۔ اندھا دھند جو کچھ آیا لکھ دیا۔ طرفہ یہ کہ بڑے محقق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔
پادری صاحبان کے لیئے یہ نہایت بدقسمتی کی بات ہے کہ جس قدر قرآنی مضامین وہ یہودیوں۔ مسیحیوں یا زردشتیوں کی کتب سے ماخوذ ہونا بیان کرتے ہیں وہ قریباً کُل کے کُل مکی سورتوں کے مضامین ہیں۔ یہ ایک ایسا امر ہے جو اُنکی تحقیقات کو پاش پاش کرنے کے لیئے ایک تبر کا کام دیتا ہے۔ مکہ میں نہ یہودی آباد تھے۔ نہ وہاں کوئی مسیحیوں کا مشن قائم تھا اور نہ ہی ایران کے زردشتیوں کا وہاں نام ونشان

پایا جاتا تھا۔ اور نہ ہی مسیحی صاحبان یہ ثابت کر سکتے تھے کہ ان قوموں کے فاضل کاہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کرتے اور مذہبی امور پر آپ کو درس دیا کرتے تھے۔ مکّہ میں ایک یہودی۔ ایک مسیحی یا ایک زردشتی متنفس کا بھی نہ ہونا اور قریباً کُل مضامین زیر بحث کا مکّی سورتوں میں وارد ہونا یہ ایک ایسا امر ہے جو اس بات کی ایک روشن دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی یہودی یا مسیحی یا زردشتی سے امداد نہیں لی۔ مکّہ میں ایک دو غلام ایسے تھے جن کے ماں باپ عیسائی تھے۔ اور جو ابتدا ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان لائے تھے مگر یہ غلام بچپن میں ہی اپنے وطن سے پکڑ کر لائے گئے تھے اور مکّہ میں غلامی میں فروخت کیئے گئے تھے اور کوئی عقلمند انسان یہ قبول نہیں کرے گا کہ مکّی سورتوں میں جو اسرائیلی اور مسیحی تاریخ کے مفصل حالات نہایت بسط کے ساتھ درج ہیں وہ ان غلاموں سے سیکھے گئے ان غلاموں میں سے مثلاً ایک زید تھا ناظرین ملاحظہ فرماویں کہ خود میور اس کے متعلق کیا لکھتا ہے:۔ "زید ابھی بچّہ ہی تھا جب کہ اُسکی ماں اُس کے ساتھ ایک سفر پر جا رہی تھی۔ اُنکی جماعت پر عرب کے لٹیروں کا ایک گروہ جا پڑا۔ اِن لٹیروں نے زید کو پکڑ لیا اور مکّہ میں آکر فروخت کر دیا۔ (ملاحظہ ہو لائیف آف محمدؐ۔ صفحہ ۳۴)۔ کیا ایسے بچّوں کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان سارے اسرائیلی اور مسیحی مضامین سے آگاہی رکھتے تھے جن کی تفصیل قرآن شریف میں پائی جاتی ہے۔ اور خود مسیحی صاحبان اس بات کو خوب سمجھتے ہیں اور کوئی انہیں سے یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ جسقدر قرآن مجید میں اسرائیلی اور مسیحی تاریخ اور مذہب کے حالات پائے جاتے ہیں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن مکّہ کے غلاموں سے ہی حاصل کیئے۔

غرض قریباً تمام مضامین زیر بحث کا مکّی سورتوں میں واقع ہونا۔ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پادریوں کے اعتراضات کا ایک ایسا جواب ہے جس کا اُن کے پاس کوئی بھی جواب نہیں۔ نہ تو وہ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ مکّہ میں یہودی۔ یا مسیحی یا زردشتی

قوم کے لوگ آباد تھے اور نہ یہ ثابت کر سکتے تھے کہ باہر سے ان مذاہب کے پیرو آپ کے پاس آکر مذہبی امور پر آپ سے گفتگو کرتے تھے۔ طرفہ یہ ہے کہ حضرت ماریہ قبطیہؓ اور حضرت سلمان فارسیؓ بھی مدینہ ہی میں آپ کے پاس آئے وہ بھی مکہ میں مضامین زیر بحث کے نزول کے وقت موجود نہیں تھے۔ مسیحی معترضین نے اسلام کے سرچشمے تلاش کرتے وقت اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے مگر یہ ایک ہی امر ایسا ہے جس کے آگے اُنکی ساری تحقیقات اس طرح بہ جاتی ہے جس طرح سیلاب کے آگے تنکا۔ یہ ایک ایسا حربہ ہے جس کے سامنے پادری صاحبان جس قدر ہاتھ پیر ماریں اُنکی ایک پیش نہیں جاتی۔

ایک اور امر جس میں پادری صاحبان کو سخت غلطی لگی ہے وہ یہ ہے کہ اُن کے خیال میں قرآن مجید میں جو انبیاءؑ و قرونِ سابقہ کے حالات لکھے ہیں وہ صرف قصوں کے رنگ میں لکھے گئے ہیں اور جب خدائے تعالیٰ اُنکو انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں کہکر پکارتا ہے تو اُس سے یہ مراد ہے کہ یہ حالات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نزولِ قرآن سے پہلے معلوم نہ تھے مگر خدائے تعالیٰ نے آپ کو یہ حالات نامعلومہ بتلا دیئے اور اس طرح ان نامعلوم اور پوشیدہ حالات تاریخی کا بیان کرنا آپ کی نبوت کا ایک ثبوت ہے۔ مگر یہ مسیحی صاحبان کی غلطی ہے۔ اگرچہ یہ بات صحیح ہے کہ جس تفصیل اور بسط کے ساتھ پہلے انبیاءؑ اور گذشتہ اُمتوں کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ان کا علم نہ تھا اور قرآن شریف کے نزول کے بعد آپ کو ان حالات کا پورا علم ہوا اگر قرآن شریف میں ان حالات کو جہاں نشان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہاں اُن کے نشان ہونے سے یہ مراد نہیں کہ یہ خبریں تاریخی رنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہ تھیں اور خدائے تعالیٰ نے اُنکو آپ پر ظاہر کر دیا ہے بلکہ جب خدائے تعالیٰ انکو انباء الغیب کہتا ہے تو اس سے یہ مراد ہے کہ ان حالات کو تم محض کہانیاں نہ سمجھو بلکہ یہ آنیوالے واقعات کی پیشگوئیاں ہیں۔ اور وہ تمام امور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ کے اتباع اور آپ کے مخالفین کے متعلق ابھی پردہ غیب میں مخفی ہیں اُن کی ان واقعات میں خبر دی گئی ہے۔ یہ قصے نہیں

بلکہ یہ پیشگوئیاں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپکے اتباع کی ترقی اور آپکے دشمنوں کی تباہی کی خبر دیتی ہیں اور اُن میں اور بہت سے غیب کے واقعات کی خبر دیگئی ہے جو آئندہ واقع ہونے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے حالات جن کو مخالفین قصے کہتے ہیں مکہ میں ابتدائی زمانہ میں ہی نازل ہوئے تاکہ قبل از وقت تمام آنیوالے واقعات کو بطور پیشگوئی کے دشمن و دوست میں شائع کیا جاوے اور یہ پیشگوئیاں پوری ہو کر آپ کی صداقت کا نشان ٹھہریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس امر پر میں انشاء اللہ تعالیٰ ایک الگ مضمون میں مفصل بحث کرونگا۔ اسوقت صرف اتنا جتلا دینا ہی کافی ہے کہ یہ قصے نہیں بلکہ پیشگوئیاں ہیں جنمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی اور آپکے دشمنوں کی ناکامی اور بہت سے دیگر امور کی قبل از وقت خبر دی گئی اور ان پیشگوئیوں نے پورا ہو کر قطعی اور یقینی اور بدیہی اور کامل طور پر ثابت کر دیا کہ خدائے تعالیٰ کا کلام ہیں۔ اگر ان واقعات کو صرف کہانیوں کے رنگ میں پیش کیا جاتا تو پادری صاحبان کہہ سکتے تھے کہ یہ کہانیاں فلاں فلاں سرچشمے سے جمع کی گئیں ہیں مگر یہ تو پیشگوئیاں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح اور دشمن کی شکست اور دیگر بہت سے آنیوالے واقعات کی ایسے وقت میں خبر دی گئی جب کہ کسی انسان کی طاقت میں یہ نہیں تھا کہ اُن واقعات کی خبر دے سکتا۔ پادری صاحب بتلادیں کہ اگر آپنے ان پیشگوئیوں کو انہی سرچشموں سے اخذ نہیں کیا تو اور کس سرچشمے سے انکو اخذ کیا۔ کیا پادری ٹسڈل کی طاقت میں ہے کہ پرانی کتابوں میں سے بہت سے قصے لیکر اُن کو اپنے حق میں بطور پیشگوئیوں کے شائع کر دے جن میں اُس کے متعلق اور اُس کے دشمنوں کے متعلق آنیوالے امور کی خبر دی گئی ہو۔ مثلاً کیا پادری صاحب کی طاقت میں ہے کہ یہ کہدیں کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا معاملہ ہوا وہی اُنکا اور اُن کے دشمنوں کا حال ہوگا۔ یا کیا وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں نے اپنے شہر سے نکالا اور ایک تنگ و تاریک جنگل کے گڑھے میں پھینکا اور پھر جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام ایک غیر ملک میں جاکر معزز اور طاقتور ہوئے اور جس طرح ..... اُن کے بھائی ذلیل ہو کر آخر کار اُن سے معافی کے خواستگار ہوئے بعینہٖ اسی قسم کے واقعات پادری صاحب کو پیش آئیں گے

اب میں پھر زردشتی سرچشموں کی طرف رجوع کرتا ہوں پادری ٹسڈل صاحب کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم وہ تعلیم جو کہ پل صراط کے متعلق ہے اور جو کہ معتبر احادیث میں موجود ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی سے سیکھ لی ہو گی۔ مگر پادری صاحب کا یہ ڈھکوسلا کسی طرح سے بھی مانا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اوّل تو اگرچہ قرآن شریف میں اس کا صریح ذکر نہیں آیا۔ مگر بعض مفسر وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا میں اس کی طرف اشارہ پاتے ہیں جس کے یہ معنی ہے کہ "ہر ایک تم میں سے .... اس میں وارد ہونیوالا ہے یہ تیرے رب کے نزدیک فیصلہ شدہ امر ہے" اور پادری صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ آیت سورہ مریم کی ہے جو کہ مکّہ کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی تھی نہ کہ مدینہ میں اور یہی ایک بات پادری صاحب کے پراگندہ خیال کی حقیقت فاش کرنے کیلئے کافی ہے کیونکہ سلمانؓ مکّہ میں موجود نہ تھا۔ لیکن اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ مندرجہ بالا آیت میں پل صراط کے متعلق کوئی اشارہ نہیں۔ تب بھی کسی طرح سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ فارسی سے ہی اس تعلیم کو سیکھا تھا۔ اِس بات کو بہ پایہ ثبوت پہنچانے کیلئے اوّل تو معزز پادری کو یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ پل صراط کی تعلیم مکّہ میں نہیں سنائی گئی اور پھر اس بات کا کوئی شاہد پیش کرنا چاہیئے کہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمانؓ ہی سے اس تعلیم کو سیکھا تھا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر تعلیمات جن کا کھوج زردشتیوں کی کتب میں لگایا جاتا ہے بغیر سلمان فارسیؓ کی مدد کے دے سکتے تھے تو کیا یہ ایک تعلیم اس کی مدد کے بغیر نہیں دے سکتے تھے بھلا اس سے بھی زیادہ کوئی بیہودہ بات ہو سکتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار اصحاب آپ کو یہودیوں۔ عیسائیوں اور زردشتیوں کی تواریخ اور تعلیمات سکھاتے لیکن جب انہی باتوں کا آپ وحی من اللہ ہونا بیان کرتے اور مخالفوں کو اپنے مقابل پر للکارتے تو وہی صحابہؓ آمنا وصدقنا بھی کہدیتے تھے۔ حالانکہ کیا عرب کے مشرک اور کیا عیسائی اور کیا یہودی سب کے سب انگشت بدنداں ہو رہے تھے کہ کون وہ طاقت ہے جو یہ کلمات آپ کی زبان مبارک سے نکلوا رہی ہے۔ اُن لوگوں کی حیرانگی کا تو یہ حال تھا۔ مگر آج تیرہ سو برس

کے بعد پادری ٹسڈل کو یہ سوجھ گیا کہ ہاں وہ آمنا وصدقنا کہنے والے صحابہؓ ہی تھے جو آپ کو قرآنی مضامین سکھاتے تھے۔

پادری صاحب نے اس سوال کا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مضامین زیر بحث کو کس طرح زردشتی کتب سے حاصل کیا چوتھا جواب یہ دیا ہے کہ از تصنیفات مؤرخین عرب ویونان معلوم است کہ قبل از تولد حضرت محمد و در ایام وے پادشاہان ایران بربسیارے از ممالک عرب حکمرانی مے نمودند ابوالفدا مارا مطلع ساختہ است کہ انوشیروان کسرے افواج خود را در سلطنت حیرہ فرستادہ حارث ملک آں مملکت را از تختش اخراج نمودہ منذر بار السمار را کہ مطیع خود بود بعوض وے برسریر شاہی بنشاندو بعد ازاں ہماں پادشاہ نامدار قشون خود را کہ وھرز سپہ سالار آں بود بہ یمن روانہ داشتہ واہل حبش را خارج گردانید .... لہٰذا آشکار است کہ اہل ایران در ایام حضرت محمد و قبل ازاں ہم با اہل عرب معاشرت کلی داشتند و چونکہ ایشاں از اعراب جاہلیت در علوم و مدنیت بنہایت بیشتر ترقی کردہ بودند مناسب بود کہ دین و رسوم و علوم شاں براعراب تاثیر فراواں کند یعنی عربی اور یونانی مؤرخوں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیشتر اور آپ کے عہد میں بھی جزیرہ نمائے عرب کے بہت سے حصوں پر فارس کے بادشاہ حکمران تھے چنانچہ نوشیروان کسرے نے حیرہ کی طرف ایک فوج بھیجکر شاہ حارث کو شکست دی۔ اور اس کی جگہ منذر کو تخت نشین کیا۔ اس نے ایک اور فوج یمن کی طرف بھیجکر ابی سینا کے حملہ آوروں کو باہر نکال دیا.... اب اس سے ظاہر ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پیشتر اور آپ کے عہد میں فارس کے لوگ عرب میں ہمیشہ آتے جاتے تھے اور چونکہ وہ عرب کی جاہل اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ تھے اس لئے اِنکے مذہب۔ انکے عادات اور رسم ورواج پر اُن کا بڑا اثر پڑا ہوگا"

عرب کے صرف دو ہی علاقے ہیں یعنی یمن اور حیرہ جو اہل فارس کے تحت میں تھے۔ اور وہ دو حملے جن کا ذکر پادری صاحب نے کیا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہیں بلکہ آپ کے عہد مبارک میں ہی ہوئے تھے۔ یمن کا صوبہ غلاان اور حمیر کی اولاد کے قبضہ حکومت

میں تھا اور کہا جاتا ہے کہ انہوں نے چھبیس سو سال تک اسپر حکومت کی تھی۔ آخرکار انکی سلطنت ۵۲۹ء میں پامال کی گئی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف چالیس برس پہلے اہل حبشہ کے حملے سے تباہ ہوئی مگر دوبارہ حمیر کا خاندان ملک یمن میں ۶۰۳ء میں فارس کی حکومت کے ماتحت بحال کیا گیا پس معلوم ہوا کہ وہ حملہ جس کیطرف پادری صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ ۶۰۳ء یعنی اسوقت ہوا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس اور چالیس برس کی عمر کے بین بین تھے۔ اور حیرہ کی سلطنت کی بنیاد کوکسرے نے پہلے حملے کے سات سال بعد یعنی ۶۱۰ء میں اکھاڑا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد۔ یہ اصلی حقیقت ہے ان دو حملوں کی جس کو پادریصاحب نے بیان کرکے عوام کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ مچ پارسیوں سے ہی قرآن شریف کی بعض تعلیمات سیکھی تھیں۔ اب میں ذیل میں چند ایک غور طلب امور پیش کرتا ہوں جو کہ امید قوی ہے کہ پادری صاحب کے خیالات کے پول کو ناظرین پر ظاہر کردینگے۔ اول۔ پادری صاحب نے جن دو حملوں کا ذکر کیا ہے وہ حملے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپکے زمانہ بعثت کے قریب واقع ہوئے اور جیسا پادری صاحب بیان کرتے ہیں آپکے زمانہ سے پہلے یہ حملے واقع نہیں ہوئے تو کیا (پادریوں کے سوائے) کسی کی عقل اس بات کو قبول کرسکتی ہے کہ جونہی ادھر یہ دو فارسیوں کے حملے یمن اور حیرہ پر ہوئے تو ادھر فوراً مکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ۔ بہشت اور فرشتوں کے متعلق وہ مضامین پہنچ گئے جو قرآن شریف کی شروع ہی کی سورتوں میں موجود ہیں۔ اور ایسا ہی آپنے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کا کلمہ بھی سن لیا۔ اور یہ باتیں اور کسی کو نہیں پہنچیں صرف ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی پہنچیں جو کہ دنیا سے الگ حرا کی غار میں گوشہ نشین تھے۔ دوئم یہ کہ یمن اور حیرہ کے صوبوں میں فارسی لوگ کبھی آباد نہیں ہوئے جس سے کہ یہ سمجھا جا سکے کہ شائد فارسیوں کے وہاں آباد ہونے سے انکے عقائد عرب کے ریگستان میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ پادری صاحب کی تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ فارس کی فوج نے ابی سینیا کے حملہ آوروں کو یمن سے نکال کر حیرہ کے پرانے خاندان ہی کو اس کی حکومت پر بحال کیا تھا۔ اور دوسرے

واقعہ کے متعلق بھی پادری صاحب اقرار کرتے ہیں کہ حیرہ کے پہلے بادشاہ کو تخت سے اُتار کر اسکی جگہ ایک اور بادشاہ منذر نامی کو تخت پر بٹھلایا تھا۔ اور چونکہ یہ ظاہر ہے کہ ان صوبوں میں فارسیوں کی کوئی بھی بستی نہ تھی۔ اس لیئے زردشتی تعلیم اور اصول کا اسقدر جلد عرب کے ریگستان میں پھیل جانا ایک ناممکن الوقوع امر ہے۔ کون اس بات کو تسلیم کرسکتا ہے۔ کہ بس ادھر فارسیوں کی چھوٹی سی فوج کا جنگ سے فارغ ہی ہونا تھا کہ ادھر باقی ماندہ آدمیوں کو یہی سوجھا اور انہوں نے آناً فاناً یمن سے لیکر مکّہ تک اپنے عقاید کا اعلان کردیا اور وہ بھی سُنے کس نے۔ ایک اُمّی غاروں میں زندگی بسر کرنیوالی پاک روح نے (ہزار ہزار برکتیں اور رحمتیں خدا کی اسپر ہوں) بھلا کبھی ایسا بھی ہوا ہے؟ جو لوگ اپنے عقایدٗ اپنے محکوموں میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ وہ ایسی جلد بازی نہیں کیا کرتے۔ وہ اپنی بستیاں انکے درمیان آباد کرتے ہیں۔ صلح اور آشتی کے ساتھ انکے درمیاں بود و باش اختیار کرتے ہیں اور اس طرح آہستہ آہستہ اپنے عقیدوں اور اصولوں کی عقدہ کشائیاں کرتے ہیں۔ لیکن پادری صاحب کی اپنی ہی تحریر سے صاف ثابت ہے کہ یمن اور حیرہ کے صوبے صرف فارسیوں کی حفاظت میں تھے فارسیوں نے وہاں اپنی کوئی بستی نہیں بنائی۔ اس لیئے ثابت ہوا کہ وہم پرست پادری صاحب کا استدلال محض باطل ہے سوئم یہ کہ یمن اور حیرہ کے اضلاع جزیرہ نمائے عرب کے کناروں پر واقع ہیں اور مکّہ ان دونوں سے بہت ہی بڑے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور ان دو صوبوں کی آپسمیں اور مکّہ کے شہر کے ساتھ کوئی آمدو رفت یا راہ و رسم نہ تھی ۔ نقشہ دیکھنے سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ یمن جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغربی گوشے پر واقع ہے اور حیرہ ملک عراق میں شمال مشرقی گوشے پر واقع ہے۔

چہارم پادری صاحب نے بھولے مُنہ سے یہ تو دعویٰ کردیا ہے کہ فارسیوں کی تعلیم نے عرب کے جاہل لوگوں کے مذہبی عقایدٗ اور علم پر (اسقدر قلیل مدت میں) بہت بھاری اثر کردیا تھا۔ مگر اُس اثر کی کوئی مثال پیش نہیں کی تا ناظرین کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ آپ کا دعویٰ کس حد تک درست ہے، ہاں آپنے النضر بن الحارث کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد قریش کی ایک جماعت میں آیا
اور اُس نے رستم اور اسفندیار اور شاہان فارس کے قصے انکو سنا کر کہا " میں خدائے تعالیٰ
کی قسم کھاتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قصص میری کہانیوں سے زیادہ وقعت
نہیں رکھتے۔ وہ محض گذشتگان کی حکایتیں ہیں اُس نے بھی اسی طرح لکھدیں جسطرح
مینے لکھدیں " ناظرین یہی ایک قصہ ہے جو پادری صاحب نے اس بڑے دعوے کے
لئے پیش کیا ہے کہ فارسیوں کی تعلیم کا اثر عرب کے لوگوں پر آناً فاناً ہو گیا تھا۔ اس قصہ سے
یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے کناروں پر ایرانی حملوں کے بعد زردشتی تعلیم کا اثر عرب کے
لوگوں پر ہو گیا تھا۔ کیا کسی دشمن اسلام کو ایک دو فارسی قصوں کا محض یاد ہونا اس بات
کی دلیل ہو سکتی ہے کہ دو ہی فارسیوں کے حملوں سے عرب کے لوگوں میں زردشتی
تعلیم نے آناً فاناً ایک عظیم الشان اثر پیدا کر دیا تھا۔ برخلاف اس کے متذکرہ بالا قصہ
اگر سچا مانا جائے تو وہ صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کہانیاں محض النضر بن الحارث کو
یاد تھیں۔ اور باقی اہل مکہ کے لئے وہ نئی کہانیاں تھیں۔

پنجم۔ اُن مضامین پر جن کا کھوج پادری صاحب زردشتیوں کی کتب میں لگاتے ہیں صرف
ایک سرسری نظر ڈالنا پادری صاحب کے بیانات کی بیہودگی کو ظاہر کر دیگا۔ وہ مضامین ہی
ایسے ہیں کہ جن کی نسبت یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ایک یا دو ہی حملوں سے
عرب کے ریگستان میں اسقدر جلد پھیل گئے کہ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کان
میں بھی پہنچ گئے۔ ناظرین پہلے پادری ٹسڈل کے اُن حوالوں کو بغور نظر ملاحظہ فرمائیں
جنکو وہ زردشتی صحیفوں سے نقل کرتا ہے اور پھر دیکھیں کہ آیا وہ واقعی ایسی ہی باتیں
ہیں جو عرب کے تمام لوگوں میں اسقدر قلیل مدت میں پھیل سکتی تھیں۔ (۱) صفحہ ۲۱۸ پر پادری
صاحب فرماتے ہیں واضح باد کہ کتابے میان کتب زردشتیہ مسمی بہ دساتیر آسمانی موجود
است.... زردشتیاں مے گویند کہ بزبان آسمانی مکتوب شدہ۔ و در ایام خسرو پرویز
بزبان دری ترجمہ گشتہ است .... محتوی است بر پانزدہ صحیفہ نازلہ بر پانزدہ پیغمبر....
وازاں جملہ حضرت زردشت سیزدھم است و آیت دوم ہر یک ازیں صحیفہ ہمین است

بنام ایزد بخشایندہ بخشایش گر۔ مہربان دادگر۔ وہر کس مے بیند کہ ایں قول با آنچہ برسر صد و سیزدہ سورہ از سورہ ہائے قرآن مکتوب است یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم مطابقت دارد والفاظ اوّل بوندھشنیہ نیز مثل آنست یعنی بنام اورمزد آفرینندہ۔ یعنی زرد شتیوں کے پاس وساتیر آسمانی نام ایک کتاب ہے جس کو زردشتی لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ آسمانی زبان میں لکھی گئی تھی اور خسرو پرویز کے زمانے کے قریب وہ دری زبان میں ترجمہ کرائی گئی۔ اسمیں پندرہ کتابیں ہیں جو پندرہ نبیوں پر نازل ہوئی تھیں جن میں خود زردشت تیرھواں نبی تھا ان سب کتابوں کی دوسری آیت یہ ہے "بنام ایزد بخشایش گر مہربان دادگر"۔ اور ہر ایک شخص دیکھ سکتا ہے کہ یہ الفاظ ان الفاظ کے مطابق ہیں جو قرآن کی ہر سورۃ کے سرے پر ہوتے ہیں یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اور ایک اور زردشتی کتاب کا پہلا فقرہ یہ ہے "بنام اَرمزد آفرینندہ۔ (ب) پادری صاحب خیال کرتے ہیں کہ پل صراط کی تعلیم زردشتیوں کی کتاب دین کرت کے مفصلہ ذیل عبارت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اخذ کی:۔ ادامیکنم آں پرستش ترا بخیال و گفتار و کردار بہ تا بمانم در راہِ روشن تا نرسیدہ باشم بسزائے گران دوزخ۔ درگذرم از چینود برسم تا باں مسکن بہترین پر بوئے تماماً مرغوب ہمیشہ درخشان۔ یعنی میں تیری عبادت اپنے نیک خیال اور نیک اقوال اور نیک اعمال کے ساتھ ادا کرتا ہوں تا روشن راستہ پر پر رہوں اور جہنم کے سخت عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ تاکہ میں چینود کو عبور کر کے اس مبارک ٹھکانے میں پہنچ جاؤں جو کہ خوشبو سے پُر اور ابدی خوشحالی اور امن کی جگہ ہے (ج) پھر پادری صاحب فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حال اپنے معراج کا بیان کیا ہے وہ ارتائے ویراف نامک سے لیا گیا۔ یہ ایک کتاب ہے جو ہجرت سے ۴۰۰ برس پہلے اردشیر کے زمانہ میں لکھی گئی تھی۔ اور وہ عبارت یوں ہے:۔ (ترجمہ اردو) "ہم نچلے آسمان کی طرف اوپر بڑھے اور وہاں ہم نے پاک روحوں کے فرشتے کو دیکھا کہ شعلہ کی طرح چمکتی ہوئی روشنی دے رہا تھا"۔ اسی طرح پر ہمیں بتلایا گیا ہے کہ ارتا علی الترتیب دوسرے تیسرے اور چوتھے آسمانوں کی طرف بڑھا یہانتک کہ وہ بتلاتا ہے کہ "آخر کار میرا رہبر اور آگ کا فرشتہ بہشت دکھلا کر مجھے دوزخ کی طرف لے گئے"۔ یہ تین نمونے کافی طور سے ظاہر کرتے ہیں کہ پادری ٹسڈل کا یہ بیان

کیسا بیہودہ ہے کیونکہ مضامین صرف دو ہی فارسی حملوں سے عرب کے جاہلوں کے درمیان ایک قلیل مدت میں مشہور ہو گئے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ پادری صاحب کے پاس کوئی معقولی یا منقولی ثبوت اس بات کا ہرگز نہیں ہے کہ درحقیقت فارسیوں نے اہل عرب کے خیالات عادات اور ان کے علم پر ایسا اثر ڈالا تھا کہ جس سے وہ انکے صحیفوں کے مذکورہ بالا دقیق مضامین سے واقف ہو گئے تھے۔ کیا کوئی عقلمند اس امر کو قبول کر سکتا ہے کہ صحرائے عرب کے رہنے والے زردشتیوں کی پرانی کتابوں سے اس قدر آگاہی رکھتے تھے کہ انکو انکے اندرونی مضامین سے بھی آگاہی تھی اور انکو یہ بھی علم تھا کہ انکی بعض کتابوں کا دوسرا فقرہ اس طرح پر ہے۔

الغرض صرف یہی امر کہ ایرانیوں نے یمن اور حیرہ پر دو حملے کئے تھے اس بات کو ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے ایک نہایت قلیل مدت میں تمام جزیرہ نما عرب کے لوگوں کے خیالات اور معلومات پر اسقدر عظیم الشان اثر پیدا کر لیا تھا کہ وہ پرانی زردشتی کتابوں سے بھی خوب واقف ہو گئے تھے (جنکو غالباً خود ایرانی بھی اچھی طرح سے نہیں جانتے تھے) یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کتابوں کے مضامین کو قرآن شریف میں داخل کر دیا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جو ربّ العالمین ہے ہر ایک ملک میں نبی بھیجے جیسا کہ قرآن شریف میں آتا ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ یعنی ہر ایک اُمّت میں نذیر آئے وہ ایک ہی تعلیم لائے اور ویسے ہی تجارب انکو پیش آئے۔ اسلئے اگر قرآن شریف کی کوئی خاص عبارت پرانی زردشتی صحیفوں کے مضامین سے مطابقت رکھتی ہے اور اگر ایران کے کسی نبی کو بھی اس قسم کا معراج نصیب ہوا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا (جو درحقیقت کل انبیاء کے معراجوں سے بڑھا ہوا تھا) تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس پاک نبی نے (ہزار ہزار رحمتیں اور برکتیں خدائے تعالیٰ کی اسپر ہوں) زردشتی کتابوں کی نقل کی تھی یا کسی زردشتی عالم سے سازش کر لی تھی۔ نعوذ باللہ منہا۔ برخلاف اسکے اسقدر مطابقت اور موافقت کا (بغیر کسی ظاہری ذریعہ کے) انمیں پایا جاتا اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ ان تمام کتابوں کا ایک ہی سرچشمہ ہے اور ان کتابوں کے سکھانیوالے اُسی زبردست ہستی کے رسول اور مقبول تھے۔ اس قسم

کی مشابہت صرف اسلام اور زردشتی مذہب تک ہی محدود نہیں بلکہ دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ موافقت اس لیئے نہیں کہ ان نبیوں نے ایک دوسرے سے یہ تعالیم اخذ کرلی تھیں بلکہ اس لیئے کہ انہوں نے ایک ہی سرچشمے سے یہ تعالیم حاصل کیں اُن تعالیم کا مختلف زمانوں اور مختلف مقاموں میں مختلف قسم کے لوگوں پر مختلف زبانوں میں نازل ہونا اور پھر اُن کا باہم مشابہ بلکہ مطابق ہونا اس بات کا بدیہی ثبوت ہے کہ وہ ایک ہی زبردست ہستی کی طرف سے نازل ہوئیں۔ الغرض پادری ٹسڈل نے قرآن شریف کی تعالیم کو دوسرے نبیوں کی تعالیم سے مطابق اور موافق دکھلاکر یہ ثابت کردیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سچے نبی تھے۔ (باقی انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ)

ماہوار رپورٹ

ایک نشان:۔ اس رپورٹ میں سب سے پہلے مَیں اللہ تعالیٰ کے ایک نشان اور اس کے ایک فضل کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے نشانات ایک تو وہ ہیں جن سے یہ صحیفہ قدرت بھرا پڑا ہے۔ جادھر نظر اُٹھاکر دیکھو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی قدرت کے نشانات نظر آتے ہیں۔ مگر چونکہ اکثر نظریں غفلت کے بہت سے پردوں کے نیچے ہیں اور خلق السّموات والارض میں تدبّر و تفکر سے کام لینے والے بہت تھوڑے ہیں۔ اسلیئے اللہ تعالیٰ انسان کی بھلائی کیلیئے وقتاً فوقتاً دنیا میں ایسے لوگوں کو بھیجتا رہا ہے جن کے ذریعہ سے اسکے ایک دوسری قسم کے نشانات ظاہر ہوتے ہیں جو زیادہ بیّن ہونیکی وجہ سے لوگوں کی نظروں کو اپنی طرف متوجہ کرکے ان میں خدا کی ہستی پر یقین کامل پیدا کردیتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ صدیوں بعد آتے ہیں اسلیئے ان کے نشانات انکی اپنی دنیوی زندگی کے دائرہ تک ہی محدود نہیں ہوتے بلکہ انکی وفات کے بعد بھی صدہا بلکہ ہزاروں سالوں تک ان نشانات کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ان نشانات کے ظہور سے اس عالم الغیب کے وجود کا پتہ لگتا رہتا ہے جو صدیوں پہلے آنیوالے واقعات کا اظہار اپنے برگزیدہ بندوں کے مُنہ سے کراتا رہتا ہے۔ اور ان نشانات کی طرف تھوڑی سی توجہ سے بھی انسان اپنے مالک حقیقی کے وجود کا یقینی پتہ پاکر وہ لذت اُٹھاتا ہے۔ جو محض صحیفہ قدرت کے نشانات پر غور کرنیوالے انسان کو میسر نہیں آسکتی۔ اور پھر اس لذت سے وہ اپنا تعلق اس پاک

ذات سے بڑھانا اور ان اعلیٰ صفات اور اخلاق کو اپنے اندر لیتا ہے جن سے باری تعالیٰ کی قدوس اور بے عیب ذات بوجہ اتم و اکمل متصف ہے۔ ایسا ایک کامل انسان بلکہ انسانوں میں اکمل ترین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کے نشانات ہم اس زمانہ میں جو تیرہ صدیاں آپ کی وفات پر گذر چکیں پورے ہوتے دیکھتے ہیں۔ مگر غفلت شعار انسان کا بھی یہ حال ہے کہ قدم قدم پر نشان دیکھ کر بھی اور بدیہی سے بدیہی نشان دیکھکر بھی وہ غفلت کے گڑھے سے قدم باہر نہیں نکالتا اور اس پستی سے جس میں اسکی روح اللہ تعالیٰ سے دور ہو کر گر چکی ہے اوپر کی طرف قدم اٹھانا اسکے لئے نہایت ہی دشوار ہو رہا ہے انسان کی اس حالت کی طرف ہی اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ سورہ یوسف کے اخیر میں اپنے برگزیدہ نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یوں فرماتا ہے وما اکثر الناس ولو حرصت بمؤمنین کہ تم کتنا ہی چاہتے ہو کہ لوگ ایمان لاویں مگر اکثر ان میں سے محروم ہی رہتے جاتے ہیں۔ یہ کیوں ہوتا ہے؟ فرماتا ہے وکاین من آیۃ فی السموات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔ اس لئے نہیں کہ انکو نشان دکھلائے نہیں جاتے۔ بلکہ اس لئے کہ کتنے ہی نشان آسمانوں میں اور زمین میں ان کو دکھائے جاویں پر وہ ایسے پستی کی طرف جھکے ہوئے ہیں کہ انکے اوپر سے گذر جاتے ہیں اور پروا تک نہیں کرتے یہی حالت ہمارے اس زمانہ میں بھی دیکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آخری زمانہ میں بھی اپنے ایک برگزیدہ بندہ کو منتخب فرما کر اپنے کلام سے مشرف فرمایا اور اسکو اس زمانہ کیلئے خدا نما بنایا مگر کتنے انسان ہیں جو بہت سے ان نشانات کے ساتھ یمرون علیھا وھم عنھا معرضون کا سلوک کرتے ہیں۔ وہ نشان پیش کئے جاتے ہیں مگر انکی طرف وہ توجہ بھی نہیں کرتے ہاں جیسا اللہ تعالیٰ کا قانون ہے ایسے برگزیدہ بندوں کے نشانات صرف اپنی زندگی تک محدود نہیں ہوتے بلکہ وہ ایک دراز زمانہ تک اپنا اثر دکھلاتے رہتے اور غور کرنیوالی طبیعتوں کے لئے ہستی باری تعالیٰ کی طرف سچے رہنما کا کام دیتے رہتے ہیں حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود و مہدی معہود اگرچہ اپنا کام کر کے اور بہت سے نشانات اپنی زندگی میں دکھا کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے مگر انکے نشانات صادقوں کی طرح انکی زندگی کے بعد بھی اسی طرح ظاہر ہو رہے ہیں جسطرح وہ انکی زندگی میں ظاہر ہوتے تھے۔ چنانچہ انہی نشانات

میں سے ایک تازہ نشان کی طرف میں اپنے احباب کو بالخصوص اور جملہ طالبان حق کو بالعموم توجہ دلاتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت مغفور نے ایک دفعہ رویا میں دیکھا کہ حضرت مولوی نورالدین صاحب ایک گھوڑی پر سوار ہوئے ہیں اور گر گئے ہیں۔ جو لوگ حضرت مولوی صاحب کی طرز زندگی سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضرت مولٰنا کی طبیعت ایسے مشاغل سے کہ آپ گھوڑوں کی سواری کا شوق رکھیں کسقدر دُور واقع ہوئی ہے۔ اور یہ کوئی آج کی بات نہیں جب حضرت مغفور نے یہ رؤیا دیکھا تھا اسوقت بھی بلکہ اس سے پہلے سے ہی حضرت مولوی صاحب کے اشغال اس قسم کے تھے کہ ایسی پیشگوئی قیاس کی بنا پر ایک محال امر تھا۔ کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً گھوڑوں پر اکثر چڑھتا ہے یا اپنے پاس گھوڑی رکھتا ہے اور گھوڑے کی سواری بھی کبھی تفریحاً کر لیتا ہے۔ تو اس کے متعلق تو ایسا خیال بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کبھی گھوڑے پر چڑھے اور اس سے گر جائے اور پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ایسا خیال ایک رؤیا کا رنگ اختیار کرے اور اتفاقاً اس کے گھوڑی سے گر جانے سو وہ بات پوری ہو جائے۔ ایسی حالت میں پیشگوئی کی کوئی عظمت نہیں ہو سکتی۔ مگر ان باتوں کے برعکس ہمارے حضرت خلیفۃ المسیح کو کبھی بھی اس قسم کا شوق نہیں ہوا۔ ہاں جب وہ بعض معزز عہدوں پر ممتاز رہے ہیں تو ضرورتاً اسوقت گھوڑی کی سواری بھی کر لیتے تھے۔ مگر جب سے آپ ان تمام باتوں سے قطع تعلق کر کے قادیان میں تشریف لے آئے یہ تمام باتیں ساتھ ہی جاتی رہیں۔ قادیان میں حضرت موصوف کے اشغال شروع سے ہی صرف قرآن کریم کا درس، حدیث شریف کا درس مطالعہ کتب تصنیف کتب اور مریض جو باہر سے قادیان میں آجاویں انکو دیکھنا اور علاج کرنا رہے ہیں۔ اور گھوڑوں کی سواری کا خیال یا شوق تو ایک طرف رہا آپکو پیدل سیر کے لئے بھی کبھی شوق نہیں ہوا۔ غرضکہ جو شخص ادنیٰ واقفیت بھی حضرت خلیفۃ المسیح کی طرز زندگی پر رکھتا ہے وہ خوب سمجھ سکتا ہے کہ ظاہر حالات میں ان واقعات کا خود بخود پیدا ہونا جن سے یہ پیشگوئی پوری ہو کہ آپ ایک گھوڑی پر چڑھے ہیں اور گر گئے ہیں ایک کیسا مشکل امر تھا۔ مگر اسی عالم الغیب نے جس نے کئی سال قبل از وقوع اس بات کو بتایا تھا۔ آخر اپنی خاص مصلحت سے ان واقعات کو پیدا کر کے اس نشان کو پورا کر دکھایا۔ ۱۸ نومبر گذشتہ کو خانصاحب محمد علی خانصاحب مالیرکوٹلہ سے واپس تشریف لا کر قادیان میں وارد ہوئے جمعہ کا دن تھا حضرت خلیفۃ المسیح نے جمعہ کی نماز پڑھائی جناب نواب صاحب بھی نماز جمعہ میں موجود تھے اور نماز جمعہ کے بعد آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح سے ملاقات بھی کی مگر حضرت خلیفۃ المسیح

پہلے سے یہ ارادہ کر چکے تھے۔ کہ سُنّت کے مطابق نواب صاحب کی کوٹھی پر جا کر اُن سے ملاقات کریں چنانچہ اس غرض کے لیئے آپ نواب صاحب کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے۔ چونکہ قریباً ایک میل کا فاصلہ ہے اس لیئے شہر سے باہر نکلتے ہی گھوڑی پر سوار ہوئے ساڑھے چار بجے شام کے وہاں سے واپس آتے ہوئے پھر اسی گھوڑی پر سوار ہوئے۔ شہر کے قریب پُہنچکر گھوڑی بے قابو ہوگئی اور آخر ایک گلی کے موڑ پر ایک ایسی جگہ پر آکر آپ گرے جہاں دو تین پتھر پڑے ہوئے تھے۔ اور بہت سی چوٹیں آئیں جن میں سے ایک سخت چوٹ دائیں آنکھ کی اوپر کی طرف اور کچھ حصّہ پیشانی پر آئی۔ اسہال وغیرہ بعض بیماریوں کی وجہ سے آپ پہلے ہی کمزور ہو رہے تھے پھر اُپر ایسی شدید چوٹیں اور ایسا سخت صدمہ۔ بہت دنوں تک ضعف اور طرح طرح کی پیچیدگیاں سے جو اس مرض میں پیدا ہوتی گئیں سب احباب نہایت دردمند دلوں سے دعاؤں میں ہی مصروف تھے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل کیا اور بڑا زخم اب قریباً اچھا ہو چکا ہے۔ گو ابھی تک ضعف بہت ہے۔ امید ہے کہ ایام جلسہ تک آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بکلی صحتیاب ہو جاویں گے۔ سب احباب دست بدعا رہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو شفائے کامل عطا فرماوے الحمد للہ کہ جہاں یہ نشان اسطرح پر پورا ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس جماعت پر رحم فرما کر حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی گویا دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ گھوڑی سے گرنیکی خبر فی الواقع یہی بتاتی تھی کہ کوئی خطرناک بات ہے کیونکہ اگر معمولی طور پر گرنا ہوتا تو اس کیلیئے ایسی پیشگوئی کی ضرورت ہی کیا تھی۔ دوسرے اس رُویا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو کس قدر روحانی تعلق حضرت خلیفۃ المسیح سے تھا کہ آپ کو انکی زندگی کے وہ واقعات بھی قبل از وقوع دکھائی گئے جو آپ کی وفات کے بعد پیش آنیوالے تھے۔ درحقیقت بغیر شدید تعلق روحانی کے رُویا میں آپکے متعلق ایسے واقعہ کا دکھایا جانا سمجھ میں نہیں آسکتا۔ بالآخر ان لوگوں کو جو سینکڑوں آں نشانات سے اعراض کر کے جو حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھ پر انکی زندگی میں دکھائی گئے ایک دو پیشگوئیوں پر اپنا سارا زور لگا رہے ہیں جو وہ بھی گو ایک مخالف کتنے ہی اعتراض کرے مگر عین سُنّت اللہ کے مطابق واقع ہوئی ہیں۔ ان لوگوں کو میں یہ کہتا ہوں کہ کیا تاریخ دنیا کوئی ایسا جھوٹا مدعی پیش کرسکتی ہے جس کی پیشگوئیاں اسطرح پر اس کی زندگی کے بعد بھی پوری ہوتی رہی ہوں۔ اگر ایسا نہیں اور میں دعوے سے کہتا ہوں

آپ سے بہت تکلیف اٹھائی

کہ ایسا ہرگز نہیں تو پھر میں کہتا ہوں کہ جو نشانات حضرت صاحب کی زندگی میں واقع ہوچکے انکو الگ رکھکر اب انہی نشانات کو دیکھتے جاؤ جو حضرت مغفور کی وفات کے بعد ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور اسبات سے خوف کرو کہ ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کی نسبت یہ ارشاد الٰہی صادر ہوا ہے ---
وکاین من اٰیۃ فی السمٰوات والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون۔
غیب کی خبروں کا ایسا علم کہ ایک شخص اپنی وفات سے سالوں بعد پیش آنیوالے واقعات کو ایسی صراحت سے اپنی زندگی میں بتا سکے یہ صرف خدا کے سچے برگزیدوں کی نشانی ہے۔ اللہ تعالےٰ طالبان حق کو اس حق کی طرف سچی ہدایت فرماوے۔ آمین۔

سالانہ جلسہ: - سالانہ جلسہ ۲۵-۲۶-۲۷- دسمبر کو قرار پایا ہے۔ صدر انجمن کی درخواست پر حکام ریلوے نے یہ رعایت ریل کے کرایہ میں منظور فرمائی ہے کہ جو اشخاص ایک سو میل سے زیادہ فاصلہ سے بغرض شمولیت جلسہ آنا چاہیں انکو بشرطیکہ وہ تیسرے درجہ کا ٹکٹ لیں۔ اصل کرایہ سے ڈیوڑھا کرایہ دینے پر آمد و رفت کی اجازت ہوگی۔ اس غرض کیلئے دفتر سکرٹری سے چھپے ہوئے سرٹیفکٹ جاری کیئے جاویں گے۔ ان سرٹیفکٹوں کی خانہ پُری کر کے ریلوے سٹیشن پر دینے سے ڈیوڑھا کرایہ لیکر رعایتی ٹکٹ مل جائیگا۔ اس ٹکٹ کا نصف حصہ بٹالہ اُترتے وقت دیدینا چاہیئے اور واپسی کا حصہ اپنے پاس محفوظ رکھنا چاہیئے واپسی کے وقت بٹالہ سٹیشن سے ٹکٹ لینے کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۲۰- دسمبر سے لیکر ۲۶- دسمبر تک یہ سرٹیفکٹ کام دے سکیں گے۔ ۱۹- دسمبر اور اس سے پہلے یا ۲۷- دسمبر اور اس کے بعد ان سرٹیفکٹوں پر رعائیتی ٹکٹ نہ مل سکیگا۔ اور واپسی کے لیئے دس دن سے زیادہ نہ ملیں گے یعنی جس تاریخ کو ٹکٹ لیا ہے اس سے دس دن کے اندر اندر اسی سٹیشن پر واپس پہنچ جانا ضروری ہوگا۔

انجمنیں آنیوالے احباب کا اندازہ کرکے اور جہاں انجمنیں نہیں ہیں خود وہ احباب بہت جلد دفتر سکرٹری میں اطلاع دیں کہ وہ کس تاریخ بٹالہ سٹیشن پر پہنچیں گے۔ اور کس قدر تعداد میں تاکہ بٹالہ میں اسباب لانے کے لیئے چھکڑوں کا مناسب انتظام کیا جاوے۔ چھکڑوں کا انتظام بٹالہ میں صرف تین دن کے لیئے ہوگا یعنی ۲۴ دسمبر ہفتہ کے دن دس بجے دن کے پہنچنے والی گاڑی سے لیکر ۲۶- دسمبر یعنی پیر کے دن ایک بجے والی

گاڑی تک۔ کیوں کہ ۲۷۔ دسمبر بعد از دوپہر جو احباب واپس جانے والے ہوں گے
ان کے لیے انتظام کرنا ضروری ہوگا۔ عموماً رات کے دس بجے والی یا دن کے دس بجے
والی گاڑی میں پہنچنا زیادہ مفید ہوگا کیونکہ ان گاڑیوں پر پہنچنے والے احباب کے بستر اور
سامان شام کے سات آٹھ بجے تک قادیان پہنچ سکیں گے اور جو احباب ایک بجے
بٹالہ پہنچیں گے انکے بستر دس گیارہ بجے رات تک بمشکل پہنچ سکتے ہیں۔ اور اس طرح پر
انکو تکلیف ہوگی۔ پس عموماً احباب یہ کوشش کریں کہ یا رات کے دس بجے کی گاڑی
میں بٹالہ پہنچیں اور یا دن کے دس بجے والی گاڑی میں۔ یکوں پر آنیوالے احباب کو
ایسی پابندی کی ضرورت نہیں ہے۔ بٹالہ میں کچھ احباب موجود رہیں گے جو حتی الوسع
ہر قسم کی مدد بٹالہ سٹیشن پر دینے کو تیار ہوں گے۔

ایڈورڈ میموریل فنڈ:۔ گذشتہ اجلاس میں مجلس معتمدین نے یہ فیصلہ کیا ہے
کہ ایک ہزار روپیہ اس فنڈ میں صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے پروونشل فنڈ میں دیا جاوے
اور دس ہزار روپیہ ہسپتال کی تعمیر میں لگایا جاوے۔ اس لیئے سب احباب کی
خدمت میں التماس ہے کہ وہ بہت جلد اس روپیہ کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ کل گیارہ
ہزار روپیہ جمع ہو جانا ضروری ہے تاکہ روپیہ بھی دیا جاوے اور ہسپتال کی تعمیر کا کام
بھی شروع ہو جائے۔

کانفرنس انجمنہائے احمدیہ:۔ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ ایام جلسہ میں ہوگا۔
ذیل کے دو امور کا اس کانفرنس میں پیش کیا جانا مجلس معتمدین نے منظور کیا ہے۔ اگر
اور کوئی تحریک کوئی صاحب اس کانفرنس میں پیش کرنا چاہتے ہوں تو اسکی اطلاع دفتر
سکرٹری میں دیں۔ دو امور یہ ہیں۔

(۱) ہر ایک انجمن یہ کوشش کرے کہ اس کے سب ممبر کم از کم بحساب دو پیسے
فی روپیہ اپنی ماہوار آمد میں سے بطور چندہ مدات لنگر خانہ۔ ہائی سکول۔ اشاعت اسلام و
مدرسہ احمدیہ کے اخراجات کو چلانے کیلیئے باقاعدہ ادا کریں۔ اور ایسے معاونین کی
تعداد کو دس ہزار تک پہنچانے کی کوشش کی جاوے۔

(۲) جن انجمنوں نے ابتک پابندیٔ قواعد کی طرف توجہ نہیں کی۔ انکو قواعد چلانے کے لیے کیا کارروائی کی جاوے۔

حسب رزولیوشن ۱۵۰ جماعت احمدیہ سانگلہ کی درخواست کے مطابق مجلس معتمدین نے یہ منظور کیا ہے کہ حکیم محمد صالح صاحب ضلع لائل پور اور گوجرانوالہ کے متصلات سے چندہ وصول کریں جس کے لیے انکو رسید بکیں دیجاوینگی ہر ایک رقم جو وہ وصول کریں لازم ہوگا کہ اس کی رسید اپنے دستخطوں سے معطی کو دیں اور رسید کی ایک نقل مثنے پر سے یہ تمام رسیدوں کے مثنے وہ ہر ماہ کے اخیر پر دفتر سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان میں مع تفصیل حساب کہ اس قدر روپیہ سارے مہینہ میں وصول ہوا ہے بھیجدیا کریں لہٰذا احباب کو توجہ دلائی جاتی ہے کہ وصول چندہ میں ان کی امداد کرکے مشکور فرماویں۔

محمد علی

سکرٹری صدر انجمن احمدیہ قادیان

نوٹ اور رائیں۔

مسیحی ملکوں میں مسیحی مذہب کا زوال۔

شہر نیویارک کا اخبار اوٹ لک لکھتا ہے کہ گرجا سے غیر حاضر رہنے والے مسیحیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ذیل میں ہم بعض اُن وجوہات کا ذکر کرتے ہیں جو خود غیر حاضر رہنے والے مسیحیوں نے بیان کی ہیں۔ ایک ورکنگ کلاس کے سکرٹری نے اپنی پندرہ سالہ رپورٹ تیار کرنے سے پہلے تمام ممبروں سے بند لفافوں میں یہ سوال کیا کہ وہ گرجا جانے سے کیوں پرہیز کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ جتلا دیا کہ کسی کا نام رپورٹ میں ظاہر نہیں کیا جاویگا اس لیئے ہر ایک اُن میں سے بلا تکلف اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے۔ ۸۰۰ سو کچھ اوپر ممبروں سے جن کا نام فہرست میں درج تھا سوال کیا گیا جن میں سے ۳۷۰ آدمیوں نے جواب بھیجا۔ بعض نے تو صرف یہ وجہ بیان کی کہ وہ ایک فرقہ کو چھوڑ کر دوسرے فرقہ میں شامل ہوگئے ہیں مگر اکثر نے اور ہی وجہ بیان کی۔ ایک بڑی تعداد نے یہ جواب دیا کہ "ہمارا کوئی مذہب نہیں" یا یہ کہ ہماری غیر حاضری کی وجہ یہ ہے کہ "ہم اپنا

ایک ذاتی مذہب رکھتے ہیں۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ ہم کسی گرجے کے ممبر نہیں ہیں۔ بعض کے جواب استہزاء کے رنگ میں تھے مثلاً یہ کہ "باقاعدہ حاضر ہونے میں ایک قسم کا ریا پایا جاتا ہے"۔ "مجھے گرجا جانے کی بالکل عادت نہیں رہی"۔ "گرجا جانے کی نسبت مجھے ٹینس کھیلنے سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے"۔ "میں ایک بے چین دل کا شکار نہیں ہوں"۔ "گرجا کی عبادت سے انسان تھک جاتا ہے"۔ "گرجا کی عبادت کیلئے مناسب وقت مقرر نہیں"۔ دوسری قسم کے جواب وہ ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجیب گرجا جانے کو صرف ایک دل لگی سمجھتے ہیں۔ ایک لکھتا ہے۔ "کسی سبب سے گرجا اور اس کی تعلیم میرے لیئے دلچسپی کا موجب نہیں ہیں"۔ "اب مجھے اس قدر دلچسپی پیدا نہیں ہوتی جتنی کہ پانچ سال قبل ہوتی تھی"۔ "گرجا کے اصول اور عبادات میرے دل پر کوئی اثر نہیں کرتے"۔ "گرجا میں کوئی ایسی کارروائی یا تقریر نہیں کی جاتی جس سے میرے دل میں کوئی دلچسپی پیدا ہو"۔ "پادری صاحب کا وعظ اور انکے مسائل میرے لیئے کسی دل لگی کا موجب نہیں ہوتے"۔ "پادری ادنیٰ درجہ کے لوگ ہیں"۔ "پادری کے برخلاف میرے دل میں تعصب ہے"۔ تیسری قسم کے جواب وہ ہیں جنہیں دلائل سے کام لیا گیا ہے اور بعض انہیں سے حقارت سے بھرے ہوئے ہیں۔ مثلاً "گرجا جانا ضروریات زندگی میں سے نہیں ہے"۔ "آیندہ کی زندگی یا خدا کے وجود سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں"۔ "تمام گرجاؤں کی بنا غلطیوں پر ہے"۔ "جب اتوار کی عبادت ایک اوسط درجہ کے آدمی کے لیئے مفید ہوگی تو میں بھی حاضر ہوا کرونگا"۔ "گرجا کی قابلیت یا خوبی پر اب مجھے بہت کم اعتقاد ہے"۔

اخبار مذکور لکھتا ہے کہ یہ جوابات خاص وجوہ سے زیادہ تر قابل توجہ ہیں۔ اول انہیں کسی خاص یا مقامی گرجے کا ذکر نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک قسم کے گرجوں سے نفرت ظاہر کی گئی ہے یہ جوابات ملک کے مختلف حصوں سے بھیجے گئے۔ دوم۔ ان جوابات میں کوئی بناوٹ نہیں پائی جاتی ہے بلکہ جواب دینے والوں کے اندرونی خیالات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں۔ سوم۔ یہ جاہل لوگوں کے جواب نہیں ہیں اور نہ ہی نوجوانوں کے جواب ہیں بلکہ تعلیم یافتہ اور اچھی عمر والے لوگوں کے خیالات ہیں۔ بہت سے انہیں سے ایسے لوگ ہیں جو اہل و عیال رکھتے ہیں۔ چہارم۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو قوم میں ایک حیثیت اور عزت رکھتے ہیں۔ اور اہل الرائے لوگوں میں سے ہیں ؎